اُردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(حصہ اوّل ۔ دوم)

(تصحیح شدہ، جدید ایڈیشن)

اُردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد اوّل

خوبصورت کمپوزنگ۔ اعلیٰ کاغذ و طباعت
اور نادر و نایاب قدیم و جدید رنگین تصویروں اور نقشوں
کے ساتھ پہلی بار... تصحیح شدہ، جدید ایڈیشن

اُردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور — فون ۷۲۳۳۲۳۲، فیکس ۷۳۲۴۶۸۵-۴۲-۹۲
۱۹۰۔ انارکلی، لاہور، پاکستان — فون ۷۲۳۴۹۹۱۔ ۷۳۵۳۲۵۵
موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی فون ۷۲۲۴۳۰۱

سیرۃ النبی ﷺ

(تصحیح شدہ / جدید ایڈیشن)

اشاعت اول: جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ ستمبر ۲۰۰۲ء

باہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

۱۴- دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۷۳۲۴۴۱۲ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲+
۱۹۰- انارکلی، لاہور - پاکستان......... فون ۷۲۴۳۹۹۱-۷۳۵۳۲۵۵
موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی - پاکستان...... فون ۲۷۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے
ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دار العلوم، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۴
ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، چوک لسبیلہ، کراچی
دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی نمبر ۱
بیت القرآن، اردو بازار، کراچی نمبر ۱
بیت العلوم، نابھہ روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

اُس ذاتِ پاک کے نام سے جس کے دستِ قدرت میں ہر کام کی ابتدا وانتہا ہے اور جو آغاز کو انجام تک پہنچانے والا ہے۔

اور

اُس کے اِسمِ مبارک سے جو ہر کام میں آسانیاں پیدا کرنے والا اور مسافروں کے لئے راستوں کو لپیٹ دینے والا ہے۔

اور

اُس کے نامِ نامی سے جو برکت ڈالنے والا اور توفیق بخشنے والا ہے۔

اس کے انعامات کا کتنا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے پیغمبر آخر الزماں، سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسوانح پر مشہور کتاب ''سیرت النبیؐ'' جدید انداز سے عمدہ معیار کے ساتھ طبع کرنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائی۔

''سیرت النبیؐ'' مؤلفہ علامہ شبلی نعمانیؒ /سیّد سلیمان ندویؒ وہ معروف و بے مثل کتاب ہے جو اب سیرت کی حوالہ جاتی کتب میں شمار کی جاتی ہے۔ ان دو اکابر علماء کی یہ تصنیف اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ اس موقع پر ہم اس شہرۂ آفاق کتاب کی خصوصیات کا ذکر اس لئے نہیں کرنا چاہتے کہ کتاب کے اندرونی صفحات پر حضرت سیّد سلیمان ندویؒ نے تفصیل سے ان کو بیان کیا ہے اور ان پر کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔

البتہ اس ایڈیشن کی اشاعتی خصوصیات کے بارے میں ہمیں کچھ عرض کرنا ہے۔ ہر دور میں ناشرین اس کتاب کی اشاعت کو اپنے لئے سعادت سمجھ کر اپنے اپنے انداز میں شائع کرتے آئے ہیں۔ ہمارا ادارہ ''ادارۂ اسلامیات'' جو قرآن مجید اور عربی، اردو، انگریزی اسلامی کتب کا اندرون و بیرونِ ملک ممتاز اور جانا پہچانا ادارہ ہے، اب تک سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اردو، انگریزی میں بہت سی کتب شائع کر چکا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت پسند کی گئی ہیں۔ ہماری بہت عرصے سے خواہش تھی کہ ہمارے ادارے کو ''سیرت النبیؐ'' بھی شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوتا۔ ہم جی چاہتا تھا کہ اگر اس کام کا بیڑا اٹھایا جائے تو یہ ایڈیشن مروّج ایڈیشنوں

سے معیار کے لحاظ سے منفرد ثابت ہو اور کتاب اور سیرت کے موضوع کی کوئی اضافی خدمت ہمارے حصے میں آئے۔ چنانچہ آج جب آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب موجود ہے تو ہمارے دل اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کے جذبات سے معمور ہیں کہ اِس ایڈیشن میں متعدد خصوصیات ایسی ہیں جو تا حال کسی بھی نسخے میں موجود نہیں ہیں اور اس طرح یہ نسخہ دیگر ایڈیشنوں سے ممتاز ٹھہرتا ہے۔ ان خصوصیات میں چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ نسخہ جدید کمپیوٹر کتابت پر کمپوز کیا گیا ہے جس میں خوبصورتی، تناسب اور موزونیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

۲۔ تصحیح کے معاملے میں خصوصی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ متعدد بار تصحیح کرائی گئی ہے اور اب انشاء اللہ امید ہے کہ تصحیح کے اعتبار سے یہ ایڈیشن دیگر نسخوں پر فائق ہوگا۔

۳۔ یہ کتاب اب تک شایانِ شان کاغذ پر نہیں چھپ سکی تھی اور عموماً ادنیٰ اور متوسط کاغذ پر طبع کی جاتی رہی تھی۔ اب پہلی بار یہ کتاب اعلیٰ امپورٹڈ آفسٹ کاغذ پر بھی چھاپی جارہی ہے جس سے کتاب کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔

۴۔ طباعت میں بھی معیار عام طباعت سے بہتر رکھا گیا ہے اور یہ فرق نمایاں اور واضح ہے۔

۵۔ جلد سازی میں بھی خوبصورتی اور پائیداری کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

۶۔ ایک بہت بڑی خصوصیت جو ''ادارۂ اسلامیات'' کے ایڈیشن کو بالکل مختلف اور منفرد درجہ دیتی ہے، اس نسخے میں سیرت سے متعلق نادر و نایاب قدیم و جدید تصاویر (عموماً رنگین) اور نقشوں کا اضافہ ہے۔ کافی عرصے سے ہمارا ارادہ تھا کہ سیرت النبیؐ سے متعلق آثار اور نشانیوں میں سے جن مقامات اور اشیاء کی تصاویر مل سکتی ہیں وہ اس کتاب میں شامل کی جائیں۔ یہ کام اس لئے بھی اہم ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال کے بعد اب بہت سی نشانیاں اور آثار معدوم ہوتے جارہے ہیں، چنانچہ ان کی حفاظت آئندہ کے لئے ضروری ہے۔ بیان کرنے میں یہ کام جتنا آسان ہے، عملاً اُتنا ہی دُشوار ثابت ہوا اور مطلوبہ تصاویر حاصل کرنے میں مہینے نہیں بلکہ سال لگ گئے۔ اس سلسلے میں یہ کوشش کی گئی کہ یہ تصاویر مستند ذرائع سے حاصل کی جائیں۔ چنانچہ بہت سی تصاویر اس لئے چھوڑ دی گئیں کہ ان کے مآخذ قابلِ اعتماد نہ تھے۔ یہ بھی اہتمام کیا گیا کہ حاصل کردہ تصاویر روشن، واضح اور صاف ہوں اور اُن کا طباعتی معیار اعلیٰ ہو۔ نیز کسی مقام سے متعلق عام دستیاب تصویروں پر اُسی مقام کی نادر و نایاب (قدیم ہوں یا جدید) تصاویر کو ترجیح دی گئی۔ چنانچہ اب الحمدللہ اس نسخے میں جابجا آپ انتہائی محنت سے شامل کی گئی تصاویر ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو سیرت کے متعلقہ مقام کو سمجھنے میں انشاء اللہ معاون ہوں گی۔ ''سیرت النبیؐ'' کے جو حصے تاریخی ترتیب کے مطابق اور سوانحی ہیں ان میں یہ تصاویر متعلقہ واقعہ کی مناسبت سے لگائی گئی ہیں جبکہ دیگر حصص میں مختلف مقامات پر یہ تصاویر شامل کی گئی ہیں۔ اس طرح قارئین اُن

مقامات کی زیارت سے مشرف ہو سکتے ہیں جہاں چودہ سو سال قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک پڑے تھے اور جن کی فضاؤں نے آپؐ کے سانس کی خوشبو جذب کی تھی۔

تصنیف سے لے کر موجودہ ایڈیشن تک برس ہا برس کی محنت ہے۔ مگر یہ محنت ٹھکانے لگ جائے اگر بارگاہِ سرورکونین ﷺ میں قبول ومنظور ہو جائے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کو بار یاب فرمائے۔ مصنّفین وناشرین سمیت تمام حضرات جو اس کے کسی مرحلے میں شریک یا معاون رہے ہوں اُن کی کوششیں قبول فرمائے اور تمام فروگزاشتوں اور غلطیوں کو اپنی رحمت سے معاف فرمائے! آمین۔

اشرف برادران (سلّمہم الرحمٰن)

فہرست مضامین

سیرت النبی ﷺ (حصہ اوّل)

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
عرض ناشر	۵	ابن ہشام اور سیرت	۴۶
دیباچہ چہارم	۲۷	ابن سعد اور سیرت	۴۷
دیباچہ ثانی	۲۹	امام بخاری اور سیرت	۴۷
دیباچہ اوّل	۳۰	امام طبری اور سیرت	۴۷
مقدمہ (فن روایت)	۳۳	فہرست متقدمین علمائے سیرت	۴۸
سیرت نبوی کی تالیف کی ضرورت	۳۵	فہرست متاخرین علمائے سیرت	۴۸
پیغمبروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی فضیلت	۳۶	صحت ماخذ	۴۹
		اسلامی فن روایت کا پہلا اصول	۵۱
سیرت کی ضرورت عملی حیثیت سے	۳۷	اسماء الرجال کی تدوین	"
علم کلام کی حیثیت سے سیرت کی ضرورت	تا	اسماء الرجال کی پیش نظر کتابیں	۵۲
سیرت اور حدیث کا فرق		تحقیق روایت کا اصول قرآن و حدیث میں	۵۳
فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ	۴۱	دوسرا اصول درایت	۵۴
آنحضرت ﷺ کے زمانہ کی تحریریں	۴۱	درایت کی ابتداء	۵۶
مغازی	۴۲	محدثین کے اصول درایت	۵۸
تصنیف و تالیف کی ابتدا حکومت کی طرف سے ہوئی	۴۳	روایت کے اصول	۵۸
حضرت عائشہؓ کی روایتیں	۴۴	موضوع حدیثوں کی شناخت کے اصول	۵۹
مغازی پر خاص توجہ	۴۴	فنِ سیرت پر تبصرہ	۶۰
امام زہری اور فنِ سیرت		اُمّہاتِ کتب سیرت	
امام زہری کے تلامذۂ سیرت	تا	کتب حدیث و سیرت میں فرق	
موسیٰ بن عقبہ اور سیرت		فنِ سیرت میں محدثین کی مسامحت	تا
محمد بن اسحاق اور سیرت	۴۶	تصانیف سیرت کتب	
واقدی اور سیرت	تا	حدیث سے بے اعتنائی	

مضمون	صفحہ نمبر
مصنفین سیرت کی تدلیس	
اصولِ روایت سے ہر جگہ کام نہیں لیا گیا	
رواۃ کا اختلاف	
تمام صحابہ کے عدول ہونے کی بحث	
واقعات میں سلسلہ علت ومعلول	
نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار	
کمسن راویوں کی روایت	تا
راویوں میں فقاہت کی شرط	
روایت میں راوی کے قیاس کو دخل	
فن روایت پر خارجی اسباب کا اثر	
قیاس ودرایت	
صحابہ میں دو گروہ	
محدثین اور درایت حدیث	
روایت بالمعنی	۷۸
روایت احاد	۷۸
نتائج مباحث مذکورہ	۷۸
یورپین تصنیفات سیرت پر	۷۹
یورپ کی پیغمبر اسلام سے ابتدائی واقفیت	"
سترہویں اور اٹھارہویں صدی	۸۰
اخیر اٹھارہویں صدی کی تصنیفات	۸۱
مصنفین یورپ کی تین قسمیں	۸۴
یورپین مصنفین کی غلط کاریوں کے اسباب	۸۵
یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ	۸۶
اس کتاب کی تصنیف وترتیب کے اصول	۸۶
کتاب کے حصے	۸۷

مضمون	صفحہ نمبر
استناد اور حوالے	۸۸
مقدمہ	
تاریخ عرب قبل اسلام	۸۹
عرب	۸۹
عرب کی وجہ تسمیہ	۸۹
عرب کا جغرافیہ	۸۹
عرب کی قدیم تاریخ کے ماخذ	۹۰
عرب کے اقوام وقبائل	۹۰
عرب کی قدیم حکومتیں	۹۲
تہذیب وتمدن	۹۴
عرب کے مذاہب	۹۶
اللہ کا اعتقاد	۹۸
نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت	۹۸
مذہب حنفی	۹۹
کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟	۱۰۱
سلسلۂ اسماعیلی	۱۰۲
حضرت اسماعیلؑ کہاں آباد ہوئے؟	۱۰۲
ذبیح کون ہے؟	۱۰۴
مقامِ قربانی	۱۰۸
قربانی کی یادگار	۱۰۹
قربانی کی حقیقت	۱۱۱
مکہ معظمہ	۱۱۴
خانہ کعبہ کی تعمیر	۱۱۶
حضرت اسماعیلؑ کی قربانی	۱۱۸
سیرت النبی ﷺ	۱۲۰

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
سلسلۂ نسب	۱۲۰	تعمیر کعبہ	۱۳۲
سلسلۂ نسب نبوی کی تحقیق	۱۲۰	شغل تجارت	۱۳۳
خاندانِ قریش	۱۲۱	تزویجِ خدیجہ رضی اللہ عنہا	۱۳۴
قصی	۱۲۲	جستہ جستہ واقعات (قبل نبوت)	۱۳۵
خاندانِ ہاشم	۱۲۳	حدودِ سفر (قبل نبوت)	۱۳۶
عبدالمطلب	۱۲۴	مراسمِ شرک سے اجتناب	۱۳۶
عبداللہ	۱۲۴	موحدین کی ملاقات	۱۳۸
آمنہ	۱۲۴	قس بن ساعدہ کے قصہ کی تنقید	۱۳۹
ظہورِ قدسی	۱۲۵	احباب خاص (قبل نبوت)	۱۴۰
ولادت	۱۲۵	آفتابِ رسالت کا طلوع	۱۴۲
تاریخ ولادت	۱۲۵	مراسم جاہلیت اور لہو ولعب سے فطری اجتناب	
رضاعت	۱۲۶	غارِ حرا میں عبادت	
ثویبہ	۱۲۶	یہ عبادت کیا تھی؟	
حضرت حلیمہؓ سعدیہ	۱۲۶	رؤیا صادقہ سے نبوت کا آغاز	
آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ حضرت حارث	۱۲۷	فرشتہ کا پہلی بار نظر آنا	
رضاعی بھائی بہن	۱۲۸	ورقہ بن نوفل کے پاس جانا اور اس کا تسکین دینا	
مدینہ کا سفر	۱۲۸	وحی کا کچھ دن کے لئے رُک جانا	
حضرت آمنہ کی وفات	۱۲۸	ورقہ کے تسکین دینے کی روایت کی تنقید	تا
عبدالمطلب کی کفالت	۱۲۸	دعوتِ اسلام کا آغاز	
ابوطالب کی کفالت	۱۲۹	تین سال تک دعوت کا اخفاء	
شام کا سفر	۱۲۹	سب سے پہلے جو لوگ اسلام لائے	
بحیرا راہب کا قصہ	۱۳۰	حضرت ابوبکرؓ کا اسلام	
اس قصہ کی تنقید	۱۳۰	ان کے اسلام لانے کا دیگر معززین قریش پر اثر	
حرب فجار کی شرکت	۱۳۱	اسلام کیونکر پھیلا؟	
حلف الفضول میں شرکت	۱۳۲	پہلا سبب	۱۴۶

مضمون	صفحہ نمبر
دوسرا سبب	۱۴۶
تیسرا سبب	۱۴۶
دعوت کا اعلان	"
قریش کے سامنے کوہِ صفا پر آپؐ کی سب سے پہلی تقریر	۱۴۷
قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب	۱۴۸
پہلا سبب	۱۴۹
دوسرا سبب	۱۵۰
تیسرا سبب	۱۵۰
چوتھا سبب	۱۵۱
پانچواں سبب	۱۱۵۱
مدت تک قریش کے تحمل کے اسباب	۱۵۲
ابوطالب کی نصیحت اور آنحضرت ﷺ کا جواب	تا
آنحضرت ﷺ کو ایذا رسانی	
عتبہ کی آپ سے درخواست اور آپ کا جواب	۱۵۳
حضرت حمزہ ؓ اور حضرت عمر ؓ کا اسلام	۱۵۴
تعذیبِ مسلمین	۱۵۶
مسلمانوں پر ظلم وستم کے طریقے	۱۵۷
بلاکشانِ اسلام	
مسلمانوں کے استقلال اور وفاداری کی تعریف	تا
ایک عیسائی کے قلم سے	
ہجرت حبشہ (سنہ ۵ نبوی)	۱۵۹
اس ہجرت کا فائدہ	
مہاجرین حبش	
قریش کی سفارت نجاشی کے پاس	تا
دربار میں حضرت جعفر ؓ کی تقریر اور اس کا اثر	

مضمون	صفحہ نمبر
مسلمانوں کی وفاداری نجاشی کے ساتھ	
مہاجرین حبش کی واپسی	
تلك الغرانيق العلى کی بحث	تا
اہل مکہ کی ایذا رسانی	
حضرت ابوبکر ؓ کا ارادۂ ہجرت	
شعب ابی طالب میں محصور ہونا (محرم سنہ ۷ نبوی)	۱۶۶
محاصرہ سے آزادی	"
حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات	۱۶۷
آنحضرت ﷺ کا غمزدہ ہونا اور قریش کی ایذا رسانی	
طائف کا سفر اور واپسی	تا
مطعم کا آپ کو اپنی پناہ میں لینا	
قبائل کا دورہ	۱۷۰
قریش کی آپؐ کو ایذا رسانی	۱۷۱
مسلمانوں کا گھبرانا اور آپؐ کا تسلی دینا	"
مدینہ منورہ اور انصار	۱۷۴
انصار کی قدیم تاریخ	
اہل مدینہ کی آنحضرت ﷺ سے پہلی ملاقات	تا
انصار کے اسلام کی ابتداء	۱۷۶
بیعتِ عقبہ اولیٰ سنہ ۱۱ نبوی	۱۷۷
بیعتِ عقبہ ثانیہ سنہ ۱۲ نبوی	۱۷۷
نقبائے انصار	
صحابہؓ کی ہجرت مدینہ	تا
سنہ ۱ ہجری	
ہجرت	۱۸۰
ہجرت کی خدا کی طرف سے اجازت	۱۸۰

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
آپؐ کے قتل کے مشورے		صفہ اور اصحابِ صفہ	۱۹۳
حضرت علیؓ کو امانتیں سپرد کرنا اور ان کو اپنے بستر پر لٹانا		مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ	۱۹۴
کفار کا محاصرہ اور ناکامی		سنہ ۱ ھ کے واقعاتِ متفرقہ	۱۹۵
ہجرتِ مدینہ		حضرت کلثومؓ و اسعدؓ کی وفات	
حضرت ابوبکرؓ کی معیت		حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت	
غارِ ثور میں چھپنا اور کفار کا تعاقب		چار رکعت کی فرضیت	تا
بعض روایتوں پر تنقید		سنہ ۲ ہجری	
مدینہ کی طرف کوچ اور راستہ کا حال		تحویل قبلہ و آغاز غزوات	۱۹۷
قریش کا آپؐ کی گرفتاری کے لئے اشتہار		تحویل قبلہ شعبان ۲ ہجری، اس کے اسباب	۱۹۷
سراقہ بن جعشم کا واقعہ		سلسلۂ غزوات	۱۹۹
آپؐ کی آمد کی خبر مدینے میں پہنچنا	تا	مدینہ کی مشکلات	
اہل مدینہ کا جوشِ مسرت اور سامانِ استقبال		قریش کی برافروختگی	
قباء میں نزول		منافقین اور یہودیوں کی سازش	تا
حضرت علیؓ کا آ کر مل جانا		مدینہ میں مسلمانوں کی بے اطمینانی	
قباء میں مسجد کی تعمیر		سامان	
قباء میں داخلہ کی تاریخ		آیتِ جہاد کا نزول	
مدینہ میں داخلہ		بدر سے پہلے کی مہمیں	۲۰۱
آپؐ کی پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبۂ نماز		قبائل سے معاہدہ	۲۰۲
انصار کا ترانۂ مسرت		خلفائے قریش کا حملہ	۲۰۳
حضرت ابوایوبؓ کے گھر اترنا		سریہ عبداللہ ابن جحش	
اہل بیت کا مکہ سے بلوانا		حضرمی کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل	تا
مسجد نبویؐ اور حجروں کی تعمیر	۱۸۶	غزوۂ بدر رمضان ۲ ہجری	۲۰۵
اذان کی ابتدا اور رکعاتِ نماز	۱۸۸	قریش کی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں	۲۰۵
مواخاۃ اور طریقہ مواخاۃ	۱۸۸	آنحضرتؐ کا مدینہ سے نکلنا اور صحابہؓ سے مشورہ	
انصار کا ایثار	"	چاہِ بدر پر قیام	تا

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
میدانِ جنگ	تا	اوّل قرینہ	
قریش پر آنحضرت ﷺ کا ترحم		دوم	
آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ الٰہی میں مناجات	۲۰۷	سوم	
لڑائی کا آغاز	۲۰۹	چہارم	
ابوجہل کا قتل	۲۱۱	پنجم	تا
اُمیہ کا قتل		ششم	
مسلمانوں کی فتح اور اس کے اسباب		ہفتم	
مقتولین بدر کی تدفین		غزوۂ بدر کا اصلی سبب	
گرفتارانِ بدر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک	تا	ایک ضروری نکتہ	۲۳۰
قیدیوں کی نسبت مشورہ		غزوۂ بدر کے نتائج	۲۳۰
فدیہ لے کر آزاد کرنا		غزوۂ سویق ذی الحجہ ۲ ہجری	۲۳۱
عتابِ الٰہی کا نازل ہونا		حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی	۲۳۱
نزولِ عتاب کا سبب		روزہ کی فرضیت	
حضرت عباس کی گرفتاری	۲۱۴	دوگانۂ عید	تا
حضرت ابوالعاص کی گرفتاری	۲۱۴	غزوۂ بنی قینقاع	
ان کی رہائی اور اسلام	۲۱۵	۳ ہجری غزوۂ اُحد	۲۳۳
مقتولین بدر کا اثر قریش پر	"	غزوۂ اُحد	۲۳۳
عمیر بن وہب کا آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادہ سے آنا اور اسلام لانا	۲۱۵	اس جنگ کے لئے قریش کا سامان	"
		خواتین قریش کی شرکت	۲۳۴
غزوۂ بدر کا بیان قرآن مجید میں	۲۱۶	حضرت عباس ؓ کا قریش کے ارادہ سے مطلع کرنا	۲۳۶
غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر	۲۲۰	مسلمانوں کی مدافعت کے لئے تیاری	
غزوۂ بدر کا اصلی سبب	۲۲۸	آنحضرت ﷺ کا مسلح ہونا	
قرآن مجید سے اس پر استدلال		مسلمان سپاہیوں کی جمعیت	تا
احادیث سے اس پر استدلال	تا	۳۰۰ منافقین کی علیحدگی	
قرائن سے استدلال		مسلمان بچوں کی شرکت جنگ کے لئے بیقراری	

مضمون	صفحہ نمبر
فریقین کی صف بندی	۲۳۷
خاتونانِ قریش کا ترانۂ جنگ	
آغازِ جنگ	
حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کا نکلنا	تا
حضرت حمزہؓ کی شہادت	
علمبردار قریش کا قتل ہونا	۲۳۸
مسلمان حملہ آور	
مسلمان تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا	تا
قریش کا عقب سے حملہ	
آنحضرت ﷺ کی شہادت کی غلط خبر اُڑانا	۲۳۹
مسلمانوں کا پیچھے ہٹ جانا اور بے ترتیبی	
ایک مسلمان کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے غلطی سے مارا جانا	تا
بعض صحابہؓ کی جاں نثاریاں	
آنحضرت ﷺ کا زخمی ہونا	
مشرکین کے لئے دعائے خیر کرنا	۲۴۰
حضرت ابوطلحہؓ اور حضرت سعدؓ کی قدر اندازی	
آپؐ کا مشرکین پر اظہار افسوس	
آنحضرت ﷺ کا مع چند رفقاء کے پہاڑی پر چڑھ جانا	تا
مدینہ میں آپؐ کے قتل کی غلط خبر پہنچنا	
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پہنچنا اور زخم دھونا	
ابوسفیان اور حضرت عمرؓ کا سوال و جواب	
دو مسلمانوں کی شہادت	۲۴۱
ہند کی حضرت حمزہؓ کی نعش کے ساتھ بے ادبی	"
خاتونانِ اسلام کی اس جنگ میں خدمات	۲۴۲

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت صفیہؓ کا استقلال	
ایک انصاریہ کی فدویت	تا
مسلمان شہداء کی تعداد اور ان کی تجہیز کا سامان	
قریش کا تعاقب	
ابوسفیان کی دوبارہ حملہ کی نیت	۲۴۳
مسلمانوں کا آگے بڑھنا	
مدینہ کی طرف واپسی	
حضرت حمزہؓ کا ماتم	
حضرت امام حسنؓ کی ولادت	
حضرت حفصہؓ سے نکاح	
حضرت اُم کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح	تا
حکم وراثت کا نزول	
نکاح مشرکہ کی تحریم	
۴ ہجری	
سلسلۂ غزوات دہرایا	۲۴۴
قبائل کی اسلام سے دشمنی اور حملہ	۲۴۴
سرایا کی کثرت کے اسباب	۲۴۴
سریہ ابی سلمہ	۲۴۴
سریہ ابن انیس	۲۴۴
سریہ بیر معونہ	۲۴۵
واقعہ رجیع	۲۴۶
حضرت زیدؓ کی شہادت	۲۴۷
واقعات متفرقہ	۲۴۷
امام حسینؓ کی ولادت	تا
حضرت زید بن ثابتؓ کا عبری زبان سیکھنا	

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت اُمّ سلمہؓ کا نکاح	
یہودیوں کے مقدمہ کا فیصلہ کرنا	تا
بعض مؤرخین کے نزدیک حرمت شراب کی تاریخ	
۲ ہجری، ۳ ہجری، ۴ ہجری	
یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ	۲۴۸
یہودیوں کی اخلاقی حالت	۲۴۹
یہودیوں کی نفرت اسلام سے، رسول اللہ ﷺ کی ان کے ساتھ مدارات	۲۴۹
یہودیوں کی شرارتیں	۲۵۱
یہودیوں کا قریش کے ساتھ اتحاد	"
غزوۂ بنی قینقاع	۲۵۲
قتل کعب بن اشرف یہودی	۲۵۳
غزوۂ بنی نضیر	۲۵۵
۵ ہجری	
غزوۂ مریسیع، واقعہ افک وغزوۂ احزاب	۲۵۸
انمار اور ثعلبہ کی تیاری اور فرار، دومۃ الجندل میں کفار کا اجتماع	تا
غزوۂ مریسیع یا بنی مصطلق	
حضرت جویریہؓ کا واقعہ	۲۶۰
حضرت جویریہؓ کے نکاح کا اثر	۲۶۱
واقعۂ افک	۲۶۱
غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق	۲۶۱
خندق کا کھودا جانا	۲۶۲
خندق کھودنے میں آنحضرت ﷺ کی شرکت	تا
صحابہؓ کا ترانہ	
آنحضرت ﷺ کو تین دن کا فاقہ	۲۶۳
صف آرائی	۲۶۵
بنو قریظہ کی معاہدہ شکنی	
منافقین کی جنگ سے علیحدگی	
ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ	
غطفان سے معاہدہ کرنے سے صحابہ کی ناراضمندی	
کفار کا مدینہ پر عام حملہ	
حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کی جنگ	
دوسرے کافروں کا حملہ اور موت	
نمازوں کا قضا ہونا	تا
بنو قریظہ کا مستورات کے قلعہ پر حملہ کا ارادہ کرنا	
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بہادری	
طوفان اور کفار کی شکست	
حضرت نعیمؓ بن مسعود ثقفی کی تدبیر اور کفار میں پھوٹ	
طبل بازگشت	
حضرت سعدؓ بن معاذ کی شہادت	
بنو قریظہ کا خاتمہ	۲۶۹
بنو قریظہ کا خاتمہ ان کی شریعت کے مطابق	"
بنو قریظہ کے اسباب قتل کی تحقیق	۲۷۰
ریحانہ کا غلط واقعہ	۲۷۲
حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح	۲۷۳
غلط واقعات کی تردید	۲۷۴
پردہ کا حکم	تا
متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کا جواز	

مضمون	صفحہ نمبر
لعان اور ظہار	
تیمم	تا
۶ ہجری	
صلح حدیبیہ، بیعتِ رضوان	۲۷۷
کعبہ اور مکہ معظمہ	"
ارادۂ عمرہ	۲۷۸
قریش کی روکنے کے لئے تیاری	"
صلح کے پیغام	"
بدیل اور عروہ کی سفارت	"
حضرت ابوبکرؓ کا جوش	۲۷۸
حضرت مغیرہؓ کی ڈانٹ	"
عروہ کا متاثر ہونا	۲۷۹
قریش کا غدارانہ حملہ اور آنحضرتؐ کا عفو	۲۸۰
حضرت عثمانؓ کا سفیر بن کر جانا	۲۸۰
بیعتِ رضوان	۲۸۰
سہیل کا سفیر بن کر آنا	
صلح نامہ کی عبارت پر تنازعہ	تا
شرائطِ صلح	۲۸۱
حضرت ابوجندلؓ کا پابہ زنجیر قریش کی قید سے بھاگ کر آنا	۲۸۲
حضرت عمرؓ اور عام مسلمانوں کا شرائطِ صلح پر ملال	۲۸۲
حضرت ابوبکرؓ کا ان کو سمجھانا	"
قربانی کا حکم دینا اور صحابہؓ کا تامل	۲۸۳
قربانی کرنے کے لئے اژدھام	۲۸۳
سورۂ فتح کا نزول	۲۸۳

مضمون	صفحہ نمبر
صلح حدیبیہ کے مصالح	۲۸۴
نومسلموں کی واپسی کی شرائط کا منسوخ ہونا	۲۸۴
۶ ہجری (آخر)	
سلاطین کو دعوتِ اسلام	۲۸۵
قیصر روم اور نامۂ اسلام	۲۸۶
ابوسفیان اور قیصر روم	۲۸۶
قیصر کا متاثر ہونا	۲۸۷
نامۂ مبارک	۲۸۷
اہل دربار کی برہمی	۲۸۷
خسرو پرویز اور نامۂ اسلام	۲۸۸
خسرو پرویز کی برہمی اور انجام	۲۸۹
نجاشی اور نامۂ اسلام، نجاشی کا اسلام	۲۸۹
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۲۸۹
عزیز مصر اور نامۂ اسلام	۲۹۰
عزیز مصر کا جواب	۲۹۰
حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا	۲۹۰
رئیس یمامہ کا جواب	۲۹۰
رئیس غسان کی برہمی اور حملہ کی تیاری	۲۹۰
حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کا اسلام	۲۹۱
۷ ہجری خیبر، ادائے عمرہ	
خیبر	۲۹۲
غزوۂ خیبر کے اسباب	۲۹۲
ذی قرد	۲۹۴
غزوۂ خیبر کا اہتمام شان	۲۹۴

مضمون	صفحہ نمبر
مدینہ سے روانگی	۲۹۷
علم نبوی	۲۹۸
صحابہؓ کا ترانہ	۲۹۹
خاتونان کی فوج میں شرکت	
غطفان کی روک تھام	
خیبر پر حملہ	
بعض قلعوں کی اطاعت سے سرتابی	تا
مرحب اور حضرت علیؓ کی جنگ	
فاتح خیبر	
مالِ غنیمت کی تقسیم	
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی تحقیق	۳۰۰
خزانہ خیبر کے چھپانے کے جرم میں یہودی سرداروں کی سزا کی تحقیق	۳۰۲
ماہِ حرام میں جہاد کا مسئلہ	۳۰۴
تقسیم زمین	۳۰۵
ملکی حالت اور احکامِ فقہی	۳۰۵
وادی القریٰ اور فدک	۳۰۶
ادائے عمرہ	۳۰۶
۸ ہجری	
غزوۂ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین واوطاس وطائف	تا
غزوۂ موتہ	۳۰۸
حضرت زیدؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت	۳۰۹
حضرت خالدؓ کی سپہ سالاری	۳۰۹
شہداءؓ کا ماتم	۳۰۹

مضمون	صفحہ نمبر
غزوۂ فتح مکہ	۳۱۰
قریش پر فوج کشی کے اسباب	"
قریش سے مصالحت کی کوشش	۳۱۱
ابوسفیان کا سفیر بن کر آنا	۳۱۱
حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی غلطی	۳۱۱
فوجوں کی مکہ کی سمت روانگی	۳۱۲
ابوسفیان دربارِ رسالت میں	۳۱۲
اُن کا ایمان لانا	۳۱۲
کوکبۂ نبوی کا نظارہ	۳۱۳
قریش کو امان	۳۱۳
خانہ کعبہ کی تطہیر	"
خطبۂ فتح	۳۱۴
خطبہ کے اصولی مطالب	۳۱۴
قریش کو عفو عام	۳۱۵
قریش سے بیعت ایمان	۳۱۶
ہند کا آنا	۳۱۶
ہند کا مکالمہ	۳۱۶
صفوان بن اُمیہ، عبداللہ بن زبعری اور عکرمہ کا اسلام	۳۱۷
اشتہاریانِ قتل کی تحقیق	۳۱۷
خزائن حرم	۳۱۸
فتح اور بت شکنی	۳۱۹
غزوۂ حنین	۳۲۰
حنین	۳۲۱
ہوازن اور ثقیف کا اجتماع	۳۲۱
درید بن الصمہ شاعر کی گفتگو	۳۲۱

مضمون	صفحہ نمبر
عبداللہ بن حدرد کا تحقیق حال کے لئے جانا	۳۲۲
حنین کی طرف روانگی	۳۲۲
مسلمانوں کی ابتدائی شکست	۳۲۳
ابتدائی شکست کے اسباب	۳۲۶
آنحضرت ﷺ کا استقلال اور صحابہ کوندا	۳۲۶
آنحضرت ﷺ کا رجز اور مسلمانوں کا سنبھلنا	۳۲۶
دشمنوں کی شکست	۳۲۶
اوطاس	۳۲۷
درید کا قتل	
اسیرانِ جنگ میں حضرت شیماؓ آپ ﷺ کی رضاعی بہن	تا
محاصرہ طائف	
قلعہ شکن آلات کا استعمال	۳۲۸
محاصرہ اٹھالینا	
تقسیم غنائم	تا
مؤلفۃ القلوب پر بخشش	۳۲۹
بعض انصار کا سوءِ ظن	
آنحضرت ﷺ کی پُر اثر تقریر	تا
اسیرانِ جنگ کی عام رہائی	۳۳۰
واقعاتِ متفرقہ	
حضرت ابراہیمؑ کی ولادت اور وفات	
کسوف کی نماز باجماعت	تا
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال	
۹ ہجری	
ایلاء اور تخییر، غزوۂ تبوک، مسجد ضرار، حج الاسلام	۳۳۱

مضمون	صفحہ نمبر
واقعہ ایلاء	
ایلاء کے اسباب کی تحقیق	تا
قرآن اور واقعۂ ایلاء	
حضرت عمرؓ کی روایت	۳۳۳
واقعۂ ایلاء کی نسبت	"
آیت تخییر	۳۳۴
مظاہرۂ ازواج مطہرات کی تحقیق	۳۳۵
روایاتِ کاذبہ	۳۳۶
غزوۂ تبوک	۳۳۹
غزوۂ تبوک کا سبب	۳۳۹
اجتماعِ افواج	۳۴۰
منافقین کی دراندازی	۳۴۰
صحابہؓ کا جوش اور ایثار	۳۴۰
۳۰ ہزار فوج کی روانگی	۳۴۰
سرحد کے عیسائی سرداروں سے مصالحت	
واپسی اور خیر مقدم کا ترانہ	تا
مسجد ضرار	
حج الاسلام اور اعلانِ برأت	۳۴۲
حضرت ابوبکرؓ کا امیر الحج ہونا	
مسلمانوں کا پہلا حج	تا
حضرت علیؓ کا اعلانِ برأت کرنا	
واقعاتِ متفرقہ	۳۴۳
زکوٰۃ کا حکم نازل ہونا	۳۴۳
جزیہ کا آغاز	
سود کی حرمت	تا

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
نجاشی کی وفات اور جنازہ کی نماز غائبانہ	۳۴۳	امن وامان کا فرض اور اسلام	۳۵۶
غزوات پر دوبارہ نظر	۳۴۴	سریۂ زید بن حارثہ	"
مغازی اور سیرت کا فرق		سریۂ دومۃ الجندل	۳۵۷
غزوات نبویؐ کی نسبت غلط فہمیاں	ء	سریۂ خبط یا سیف البحر	ء
عرب اور جنگ وغارت گری		غزوۂ غابہ	
ثار کا عقیدہ	۳۴۵	بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب	۳۵۸
لوٹ کا مال	۳۴۷	مارگولیوس کی غلطی	
احکام کا تاریخی نزول	۳۴۷	اصلی سبب	ء
جنگ میں وحشیانہ افعال	۳۵۰	غزوۂ بنو سلیم	
غزوات نبویؐ کے اسباب اور انواع	۳۵۱	غزوۂ ذات الرقاع	
غزوہ اور سریہ کا فرق	۳۵۱	سریۂ عکاشہ	۳۵۹
غزوات اور سریہ کے مختلف اغراض	۳۵۱	سریۂ علی بن ابی طالب ؓ	
بہ غرض تفتیش دشمن	۳۵۲	غزوۂ بنو لحیان	
سریۂ ابن جحشؓ بہ غرضِ مدافعت	۳۵۳	سریۂ عمر بن الخطاب ؓ	ء
سریۂ غطفان		سریۂ کعب بن عمیرؓ	
سریۂ ابوسلمہؓ		اشاعتِ اسلام کے لئے سرایا	
سریہ عبداللہ بن انیسؓ	ء	سریۂ بیر معونہ	۳۶۰
غزوۂ ذات الرقاع		سریۂ مرثد	
غزوۂ دومۃ الجندل	۳۵۴	غزوۂ بنو لحیان	
غزوۂ مریسیع		سریۂ ابن ابی العوجا	ء
سریۂ فدک		سریۂ کعب بن عمیر	
سریۂ بشیر بن سعد	ء	داعیانِ اسلام کو حملہ کرنے کی ممانعت	۳۶۱
سریۂ عمرو بن العاص		حضرت خالدؓ کی غلطی کا معاوضہ	ء
قریش کی تجارت کی روک ٹوک		بت شکنی کے لئے سرایا بھیجنے کے اسباب	
امن وامان قائم کرنا	۳۵۵	جنگی اصلاحات	۲۶۲

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
عربوں کے مقابلہ میں عرب کے بعض وحشی جنگی افعال کو ابتداءً کیوں اختیار کیا گیا؟	تا	مالِ غنیمت کی خواہش جہاد کے ثواب کو کم کردیتی ہے	تا
سپاہیوں کو احکام کہ بوڑھے، بچے اور عورتیں قتل نہ ہوں		اس نصیحت کا صحابہؓ پر اثر	
صبر کی ممانعت		لوٹ کی ممانعت	
عہد کی پابندی	۳۶۳	لڑائی عبادت بن گئی	۳۶۷
قاصدوں کو امان	"	اغراضِ جہاد	تا
اسیرانِ جنگ سے عربوں کا برتاؤ	۳۶۴	دفع فساد	
صلیبی عیسائیوں کا برتاؤ		انسدادِ مظالم	۳۶۹
آنحضرت ﷺ کا برتاؤ		فریضۂ امر معروف ونہی عن المنکر	
قیدیانِ بدر کے ساتھ سلوک		مالِ غنیمت کے مصارف کی تحدید	تا
بنت حاتم طائی کے ساتھ سلوک	تا	جہاد بھی نماز ہے	
قرآنِ مجید اور اسیرانِ جنگ		ایک نکتہ	۳۶۹
سپاہیوں کو راستہ روک کر ٹھہرنے کی ممانعت		جہاد عبادت بن گیا	۳۶۹
مالِ غنیمت کی تحقیر	۳۶۶	فاتح وپیغمبر کا فرق	۳۶۹
مالِ غنیمت کی محبت	تا	شوقِ عبادت	۳۷۰
غزوۂ حنین میں اسی سبب سے شکست ہوئی		خاتمہ اوّل	۳۷۰

فہرست مضامین

سیرت النبی ﷺ (حصہ دوم)

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
اسلام کی امن کی زندگی	۳۷۴	حدودِ شام	۳۹۳
قیامِ امن	۳۷۴	وفود عرب	۳۹۴
عرب کی عام بدامنی	۳۷۴	مزینہ	۳۹۴
بیرونی خطرات	۳۷۶	بنوتمیم	۳۹۵
یہودیوں کی قوت	۳۷۶	بنوسعد	۳۹۶
اُن کے انسداد کی تدابیر	"	اشعریین ۷ھ	۳۹۶
اشاعتِ اسلام	۳۸۰	دوس (۷ھ)	۳۹۷
مکہ میں اشاعتِ اسلام	۳۸۰	بنوحارث بن کعب	۳۹۷
اوسؔ وخزرجؔ کا اسلام	۳۸۳	طے	۳۹۸
مدینہ میں اشاعتِ اسلام	۳۸۳	عدی بن حاتم	۳۹۸
مزینہ کا اسلام	۳۸۴	ثقیف	۳۹۹
بدرؔ کے بعض قریشیوں کا اسلام	۳۸۴	نجران	۴۰۱
اشجع کا اسلام	۳۸۴	بنواسد	۴۰۲
جہینہ کا اسلام	۳۸۴	بنوفزارہ	۴۰۳
دعاۃ کا تقرر	۳۸۶	کندہ (۱۰ھ)	۴۰۳
دعاۃ کے نام	۳۸۷	عبدالقیس	۴۰۳
مقاماتِ دعوت	"	بنوعامر بن صعصعہ	۴۰۴
یمن	۳۸۸	حمیر وغیرہ کی سفارت	۴۰۵
نجران	۳۹۱	تاسیس حکومت الٰہی	۴۰۶
بحرین	۳۹۲	اسلامی حکومت کی غرض وغایت	۴۰۶
عمان	۳۹۳	انتظامِ ملکی	۴۰۸

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
امیر العسکری	۴۰۸	اسلام کے اکثر فرائض بتدریج تکمیل کو پہنچے ہیں	۴۳۲
افتاء	۴۰۸	عقائد اور اسلام کے اصولِ اولین	۴۳۴
فصل قضایا	۴۰۹	عقائد	۴۳۴
توقیعات و فرامین	۴۰۹	عبادات	۴۳۶
مہمان داری	۴۰۹	طہارت	۴۳۶
عیادتِ مرضی	۴۰۹	تیمم	۴۳۷
احتساب	۴۱۱	نماز	۴۳۸
اصلاح بین الناس	۴۱۱	نماز جمعہ اور عیدین	۴۴۱
کتاب	۴۱۲	صلوٰۃ خوف	۴۴۳
حکام اور ولاۃ	۴۱۳	روزہ	۴۴۳
حکام کا امتحان	تا	زکوٰۃ	۴۴۵
محصلین زکوٰۃ و جزیہ	۴۱۶	حج	۴۴۶
قضاۃ	۴۱۹	حج کی اصلاحات	۴۴۷
پولیس	۴۱۹	معاملات	۴۵۰
جلاد	۴۱۹	وراثت	۴۵۰
غیر قوموں سے معاہدے	۴۱۹	وصیت	۴۵۱
اصناف محاصل و مخارج	۴۲۰	وقف	۴۵۲
جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی	۴۲۲	نکاح و طلاق	۴۵۳
(مذہبی انتظامات)	۴۲۴	حدود و تعزیرات	۴۵۳
دعاۃ اور مبلغین اسلام	۴۲۴	حلال و حرام	۴۵۷
ان کی تعلیم و تربیت	۴۲۷	ماکولات میں حلال و حرام	۴۵۷
مساجد کی تعمیر	۴۲۷	شراب کی حرمت	۴۵۸
آئمہ نماز کا تقرر	۴۲۹	سود کی حرمت	۴۶۱
مؤذنین	۴۳۱	سنہ ۱۰ ہجری	
تاسیس و تکمیل شریعت	تا	سال اخیر حجۃ الوداع اختتام فرضِ نبوت	۴۶۴

مضمون	صفحہ نمبر
حجۃ الوداع	۴۶۴
خطبۂ نبویؐ اور اصولِ شریعت کا اعلانِ عام	۴۶۴
سنہ ۱۱ ہجری	
وفات	۴۷۷
علالت کی ابتداء	۴۷۷
قرطاس کا واقعہ	
آنحضرت ﷺ کا آخری خطبہ	تا
وفات	
تجہیز و تکفین	۴۸۶
متروکات	۴۸۸
زمین	۴۸۸
جانور	۴۸۹
اسلحہ	۴۹۱
آثار متبرکہ	۴۹۱
مسکن مبارک	۴۹۲
دایہ	۴۹۳
خدام خاص	۴۹۴
شمائل	۴۹۵
حلیۂ اقدس	۴۹۵
مہر نبوت	۴۹۶
موئے مبارک	۴۹۶
رفتار	"
گفتگو	۴۹۶
خندہ و تبسم	"
لباس	۴۹۷

مضمون	صفحہ نمبر
انگوٹھی	۴۹۸
خود وزرہ	۴۹۸
غذا اور طریقۂ طعام	۴۹۸
معمولاتِ طعام	۴۹۸
خوش لباسی	۵۰۰
مرغوب رنگ	۵۰۰
نامرغوب رنگ	۵۰۰
خوشبو کا استعمال	۵۰۱
لطافت پسندی	۵۰۱
سواری کا شوق	۵۰۳
اسپ دوانی	۵۰۳
معمولات	۵۰۵
صبح سے شام تک کے معمولات	۵۰۵
خواب	۵۰۵
عبادتِ شبانہ	۵۰۶
معمولاتِ نماز	۵۰۷
معمولاتِ خطبہ	۵۰۸
معمولاتِ سفر	۵۰۹
معمولاتِ جہاد	۵۱۰
معمولاتِ عیادت و عزا	۵۱۱
معمولاتِ ملاقات	۵۱۲
معمولاتِ عامہ	۵۱۳
مجالس نبوی ﷺ	۵۱۴
دربارِ نبوت	۵۱۴
مجالس ارشاد	۵۱۵

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
آدابِ مجلس	۵۱۵	مداومتِ عمل	۵۵۹
اوقاتِ مجلس	۵۱۶	حسنِ خلق	۵۶۰
عورتوں کے لئے مخصوص مجلس	۵۱۷	حسن معاملہ	۵۶۴
طریقۂ ارشاد	۵۱۸	عدل وانصاف	۵۶۷
مجالس میں شگفتہ مزاجی	۵۱۹	جود وسخا	۵۶۹
فیض صحبت	۵۲۰	ایثار	۵۷۲
خطابت نبوی ﷺ	۵۲۱	مہمان نوازی	۵۷۳
طرزِ بیان	۵۲۱	گداگری اور سوال سے نفرت	۵۷۵
خطبات کی نوعیت	۵۲۲	صدقہ سے پرہیز	۵۷۶
اثر انگیزی	۵۲۹	تحفہ قبول کرنا	۵۷۷
عباداتِ نبوی ﷺ	۵۳۲	تحفہ دینا	۵۷۸
دعا اور نماز	۵۳۲	عدم قبول احسان	۵۷۸
روزہ	۵۳۶	عدم تشدد	۵۷۹
زکوٰۃ	۵۳۷	تقشف ناپسند تھا	۵۷۹
حج	۵۳۸	عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندی	۵۸۲
دوام ذکر الٰہی	۵۳۹	سادگی اور بے تکلفی	۵۸۳
ذوق وشوق	۵۳۹	امارت پسندی سے اجتناب	۵۸۳
میدانِ جنگ میں یادِ الٰہی	۵۴۱	مساوات	۵۸۶
خشیت الٰہی	۵۴۳	تواضع	۵۸۸
گریہ وبکا	۵۴۴	تعظیم اور بے جا مدح کی ناپسندیدگی	۵۹۰
محبتِ الٰہی	۵۴۵	شرم وحیا	۵۹۱
توکل علی اللہ	۵۴۷	اپنے ہاتھ سے کام کرنا	۵۹۲
صبر وشکر	۵۵۰	دوسروں کے کام کر دینا	۵۹۳
اخلاق نبوی ﷺ	۵۵۶	عزم واستقلال	۵۹۳
اخلاقِ نبوی کا جامع بیان	۵۵۷	شجاعت	۵۹۵

مضمون	صفحہ نمبر
راست گفتاری	۵۹۶
ایفائے عہد	۵۹۷
زہد وقناعت	۵۹۸
عفو وحلم	۶۰۱
دشمنوں سے عفو ودرگزر اور حسن سلوک	۶۰۵
کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ	۶۰۸
یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ	۶۱۰
غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت	۶۱۱
دشمنانِ جان سے عفو ودرگزر	۶۱۲
دشمنوں کے حق میں دعائے خیر	۶۱۵
بچوں پر شفقت	۶۱۷
غلاموں پر شفقت	۶۱۹
مستورات کے ساتھ برتاؤ	۶۲۱
حیوانات پر رحم	۶۲۳
رحمت ومحبت عام	۶۲۴
رقیق القلبی	۶۲۵
عیادت وتعزیت	۶۲۶
لطفِ طبع	۶۲۷
اولاد سے محبت	۶۲۹
ازواجِ مطہراتؓ	۶۳۲
حضرت خدیجہؓ	۶۳۲
حضرت سودہؓ	۶۳۳
حضرت عائشہؓ	۶۳۵
حضرت حفصہؓ	۶۳۶
حضرت زینبؓ ام المساکین	۶۳۸
حضرت اُمّ سلمہؓ	۶۳۸
حضرت زینبؓ	۶۴۰
حضرت جویریہؓ	۶۴۱
حضرت ام حبیبہؓ	۶۴۱
حضرت میمونہؓ	۶۴۲
حضرت صفیہؓ	۶۴۱
اولاد	۶۴۴
اولاد کی تعداد	۶۴۴
حضرت قاسمؓ	۶۴۴
حضرت زینبؓ	۶۴۴
حضرت رقیہؓ	۶۴۶
حضرت اُمّ کلثومؓ	۶۴۶
حضرت فاطمۃ الزہراؓ	۶۴۷
حضرت ابراہیمؓ	۶۴۸
ازواجِ مطہرات کے ساتھ برتاؤ	۶۵۰
معاشرت کے چند مؤثر واقعات	۶۵۰
ازواجِ مطہرات اور اہل وعیال کی سادہ زندگی	۶۵۳
انتظام خانگی	۶۵۴
اہل وعیال کے مصارف کا انتظام	۶۵۵
خاتمہ	۶۵۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع چہارم سیرت النبی ﷺ جلد اوّل

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت بخشی وہ مصنف اور جامع دونوں کے لئے بڑی نعمت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔

نومبر ۱۹۱۴ء میں مصنف کی وفات کے بعد جب سیرت کا مسودہ مصنف کی وصیت کے مطابق اس ہیچمدان کے ہاتھ آیا تو اس عقیدت کی بنا پر جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہونی چاہئے، استاد کے مسودہ پر اُنگلی رکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ اگر کبھی بہ ضرورت ایسی گستاخی کرنی پڑتی تھی تو خواب میں بھی ڈر جاتا تھا، مسودہ کا مبیّضہ مصنف کے سامنے ہو چکا تھا اس لئے اس مبیّضہ کا مقابلہ مسودہ سے اور نہ مسودہ کا مقابلہ اصل ماخذوں سے میں نے کیا بلکہ مصنف کی امانت جوں کی توں ناظرین کے سپرد کر دی۔ بجز اس کے کہ بعض مقامات پر مصنف کے اشاروں کے مطابق بعض چیزوں کا اضافہ ہلالین میں کر دیا جس کی تصریح دیباچہ میں موجود ہے۔

اس کے بعد اس نسخہ کی نقل در نقل چھپتی رہی اور مقابلہ اور تصحیح ماخذ کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن اس اثناء میں کبھی کبھی مراجعت کے وقت بعض مقاموں پر تصحیح اور اضافہ کی نئی ضرورت محسوس ہوتی رہی اور اس کے مطابق ایک نسخہ پر یہ تصحیحات اور اضافے وقتاً فوقتاً کرتا رہا۔

اس دفعہ جب نئے نسخہ کے چھاپنے کی ضرورت ہوئی تو خیال آیا کہ اس کتاب کے مسودہ کو اصل ماخذوں سے ملا کر دیکھا جائے اور مقابلہ اور مطابقت کی جائے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ بیسیوں کتابوں کو پھر سے دیکھنا اور ہزاروں صفحوں کو الٹنا، متعدد مختلف روایتوں کو پرکھنا اور ضرورت کے مقام پر حاشیے لکھنا خود ایک مستقل تصنیف کے برابر محنت تھی، مجھے یہ لکھنے میں بڑی خوشی ہے کہ لائق عزیز مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی اس کام میں میرے دست و بازو ثابت ہوئے۔ واقعات کی تلاش اور جانچ، روایتوں کی چھان بین، اصل عبارتوں سے مسودہ کی تطبیق اور حدیث اور سیرت کی کتابوں کی طرف از سرنو مراجعت میں ان سے بڑی مدد ملی۔

کچھ مقام ایسے بھی تھے جہاں اس ہیچمدان جامع کو مصنف کے نظریہ سے اختلاف تھا۔ اس دفعہ وہاں حاشیے بڑھا کر اختلاف کو ظاہر کر دیا۔ کہیں کسی واقعہ کے اجمال کی تفصیل یا دفع شبہ کی ضرورت تھی وہاں اس ضرورت کو پورا کیا گیا۔ بعض مسامحات پر تنبیہ مناسب تھی وہ کی گئی، کہیں فروتر ماخذ کا حوالہ تھا اور اثنائے مطالعہ میں اس سے بالاتر ماخذ ملا تو اس کا جواب دے دیا گیا۔

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ دو چار مقام میں عدد کی غلطی جو اردو ہندسوں میں اکثر ہو جاتی ہے اصل مبیّضہ میں بھی موجود تھی۔ مراجعت کے وقت ان کی غلطی معلوم ہوئی اور اب ان کی تصحیح کر دی گئی۔ مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سوا روپے چھپ گئی تھی حالانکہ وہ سوا سو ہے، اسی طرح غزوۂ احزاب میں کفار کے لشکر کی تعداد ۲۴ ہزار درج ہوئی تھی حالانکہ وہ بعض روایات میں ۱۴ ہزار لیکن صحیح روایات میں دس ہزار ہے۔

مولانا کی زندگی میں اس کی تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابیں قلمی ملی تھیں جیسے روض الانف جس سے پورا استفادہ دقت طلب تھا اب وہ چھپ گئی ہے۔ بعض کتابوں کی ان کو تلاش ہی رہی مگر ان کو مل نہ سکیں جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر، مصنف سے اکثر حسرت کے ساتھ سنا کہ افسوس تاریخ ابن کثیر نہیں ملتی، وہ مل جاتی تو ساری مشکلیں حل ہو جاتیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہوگئی، مستدرک حاکم اس وقت تک ناپید تھی اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی۔ غرض ان کتابوں کے ہاتھ آ جانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ میں ان سے کام لیا گیا۔

اس نسخہ کی تیاری میں جن خاص باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) پوری کتاب کے واقعات کو ازسرنو حدیث وسیر کی کتابوں سے ملا کر دیکھا گیا ہے اور اس میں جہاں نقص نظر آیا، دور کیا گیا ہے۔
(۲) تصحیح بیان، دفع شبہ، رفع ابہام اور تشریح کے لئے بہت سے توضیحی حواشی بڑھائے گئے ہیں۔
(۳) مصنف کا کوئی بیان اگر نقد اور تنبیہ کے قابل معلوم ہوا تو اس پر نقد اور تنبیہ کی گئی ہے۔
(۴) کہیں کہیں حوالے چھوٹ گئے تھے۔ اس نسخہ میں ان کو بڑھا دیا گیا ہے، کہیں صرف کتابوں کے نام تھے اس دفعہ ان کے صفحے یا باب بھی لکھ دیئے گئے۔
(۵) جہاں صرف صفحوں کے حوالے تھے، ابواب اور فصول کے حوالے بھی دے دیئے گئے تاکہ جس کے پاس ماخذ کی کتاب کا جو ایڈیشن ہو اس میں نکال کر دیکھ لیا جا سکے۔
(۶) طبع اوّل کے بعد سے سیرت یا حدیث کی جو نئی کتابیں چھپی تھیں ان سے استفادہ کر کے اگر کوئی نئی بات ان میں ملی ہے تو اس کا اضافہ کیا گیا۔
(۷) اگر کوئی حوالہ پہلے کسی نیچے درجے کا تھا اور بعد کو اس سے اعلیٰ درجہ کا حوالہ ملا تو اس کو بڑھایا گیا۔
(۸) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے پورا صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا اہتمام کیا گیا تاکہ اس تساہل سے درود پڑھنے کی برکت سے ناظرین کو محرومی نہ ہو۔

غزوۂ بدر کی روایتوں کی تنقید کے سلسلہ میں ایک مقام پر اس نافہم ہیچمدان کے خطا کار قلم سے حضرت کعبؓ ابن مالک ایک صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں سوءظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا جس پر مجھے شرمندگی ہے اور اب میں اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلم زد کر کے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواستگار ہوں۔

بندۂ جاں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بہ درگاہِ خدا آورد

جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کے نسخے ہوں وہ اپنے نسخہ[1] سے ان سطروں کو کاٹ دیں تو بڑی مہربانی ہو۔ اب یہ موجودہ نسخہ طبع اوّل سے بہت سی باتوں میں بہتر ہو گیا ہے۔ اس موجودہ نسخہ میں انسانی استطاعت کے مطابق پوری طرح تصحیح کی بھی کوشش کی گئی ہے تاہم انسان، انسان ہے، خطا ونسیان اس کا خمیر ہے۔ کسی ناظر کتاب کو اب بھی کوئی غلطی معلوم ہو تو وہ ضرور مطلع فرما کر ممنونِ کرم فرمائیں۔

آخر میں پاک پروردگار کی بارگاہِ عالی میں دعا ہے کہ وہ میری خطا ونسیان سے درگزر فرما کر اس خدمت کو قبول کا شرف بخشے اور مسلمانوں کو اس سے بیش از بیش مستفید فرما کر اس گنہگار کے لئے بخشائش کا ذریعہ بنائے۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

ہیچمدان

سید سلیمان ندوی

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ

---

[1] یہ عبارت سیرۃ النبی جلد اوّل طبع اوّل کے صفحہ ۲۵۵ کی سطر ۹ تا ۱۲ اور طبع مابعد کے صفحہ ۳۲۳ کی سطر ۱۴ تا ۱۷ میں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ طبع ثانی

سیرتِ النبی ﷺ جلد اول طبع اول کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے' اس اثنا میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکسارانِ دارالمصنفین کے لئے فخر و نازش کا سرمایہ ہے۔ نہ صرف یہ کہ عام قدر دانوں نے اس کو جان و دل سے خریدا اور امراء اور والیانِ ممالک نے اس کی خدمت کو سعادتِ دارین سمجھا بلکہ خواص اور علماء کے طبقہ نے بھی اس کی قدر شناسی کی۔

ہندوستان میں اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس نے اپنے اپنے فن کی میزان نقد میں سیرت کے مضامین و تحقیقات کو نہ تولا' حفاظ نے اس کی آیات قرآنی کو پڑھا' محدثین نے اس کی حدیثیں جانچیں' ادیبوں نے اس کے عربی اشعار اور ترجموں پر نقد کیا' علمائے انساب نے اسماء کی تنقیح کی' منجموں اور حساب دانوں نے اس کے زائچوں اور تاریخوں پر نظر ثانی کی' اہل تاریخ وسیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی' اور ہم ممنون ہیں کہ نہایت خلوص ومحبت سے انہوں نے اپنے نتائج افکار سے ہم کو مطلع کیا اور ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

طبع اوّل میں جیسا کہ خاتمہ میں ہم نے اقرار کیا تھا' چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے۔ اس طبع میں جہاں تک امکانِ انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے' اور یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا۔ جو لوگ سیرت پر نقد کرنا چاہتے ہوں ان کو یہی نسخہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

طبع اوّل بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی' لوگوں کا اصرار تھا کہ طبع ثانی کتابی تقطیع پر شائع ہو' تاکہ وہ باآسانی ہر وقت استعمال میں آسکے۔ یہ ان کی تعمیل ہے۔ انشاء اللہ ہر جلد کے طبع اول کی بڑی تقطیع کے بعد طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوتی رہے گی۔

سید سلیمان ندوی

۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

دیباچہ طبع اوّل

سیرت نبوی ﷺ جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے' آج ۷ سال کے بعد اس کی پہلی جلد شائقین کے ہاتھ میں جاتی ہے۔ میں اپنا دل اس وقت مسرت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہوں کہ استاد محترم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں جو فرض میرے سپرد کیا تھا' الحمدللہ کہ اس کے ایک حصہ سے آج سبکدوش ہوتا ہوں۔ ع

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

لیکن اس مسرت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرتناک منظر بھی سامنے ہے کہ مصنف اپنی چار سال کی جانکاہ محنت کا ثمرہ خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کر سکا اور حسن عقیدت کے جو پھول سینکڑوں چمن کدوں سے چن کر ان کے ہاتھ آئے تھے' ان کو آستانہ نبوت پر وہ خود نہ چڑھا سکا۔

مصنف مرحوم کو سیرت نبوی کے لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوۂ اُحد تک وہ لکھ بھی چکے تھے (یہ مسودہ اب تک موجود ہے) کہ بعض مشکلات کی بنا پر رک گئے' لیکن ملک کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا۔ بالآخر انہوں نے ۱۳۳۰ھ میں اس بار امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کر لیا' چنانچہ پچاس ہزار روپے کے سرمایہ کے لئے انہوں نے قوم میں مرافعہ پیش کیا' سینکڑوں مسلمان اس خدمت کے لئے آگے بڑھے۔ ان میں فقرائے امت بھی تھے اور امرائے ملت بھی' لیکن یہ سعادت اخروی ازل ہی سے ﴿خادمة الملة النبویه مخدومة الامة المحمدیه﴾ نواب سلطان جہان بیگم تاج الہند فرمانروائے بھوپال ﴿متع اللہ المسلمین بطول بقائها و دوام ملکها﴾ کے لئے مقدر تھی' اس لئے وہ سب سے آگے بڑھیں اور سوانح نگار نبوت کو دوسرے آستانوں سے بے نیاز کر کے اس سرمایہ سعادت کو اپنے خزانہ عامرہ میں شامل کر لیا۔ فرمانروا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے اب تک انجام دیئے ہیں' آئندہ مؤرخ غالباً اس کارنامہ کو ان میں سب سے بڑا قرار دے گا' کہ اس کا تعلق اس ذاتِ اقدس ﷺ سے ہے' جو اسلام کی تاریخ میں کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کیلئے مسلمانوں میں قرعہ اندازی ہوتی' لیکن فرمانروائے بھوپال نے مصنف کے جانشینوں کے لئے بھی سلسلہ فیض کو برابر جاری رکھا۔ مصنف مرحوم کے منشا کے مطابق (مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۶۱) ۔ اسی موقع پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کا نام لینا بھی ضروری ہے جن کی مروحہ جنبانی سے نسیم سعادت کے یہ جھونکے اس باغ قدس میں دوبارہ آئے۔

مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اس میں اس حصہ تک مبیضہ صاف تھا' البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی اور مطالب کا اشارہ تھا' ان کو بڑھا دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا کہ قدیم

مورخین کی طرح سنہ وار واقعات کی ترتیب رکھ کر ہر سنہ کے آخر میں جزئی حالات ''واقعات متفرقہ'' کے عنوان سے لکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ مبیضہ پر ۴ھ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے۔ یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو میں نے بقیہ سنین کے آخر میں اسی قسم کے جزئیات متفرقہ کا اضافہ کر دیا۔ حواشی یا حوالے کہیں کہیں چھوٹ گئے تھے وہ ڈھونڈ کر لکھے لیکن اس کی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنف کی عبارت میں نہ ملنے پائے۔ چنانچہ ان تمام جزئی اضافوں کو قوسین کے اندر جگہ دی گئی ہے اس بنا پر لفظ ''ﷺ'' یا جملہ ہائے معترضہ کے علاوہ جو چند فقرے اور علامتیں قوسین میں ہیں وہ اضافہ ہیں۔

یہ پہلے خیال تھا کہ جلد اول کو وفات تک وسعت دی جائے لیکن جب کتابت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ضخامت ۸۰۰ صفحہ کو پہنچ جائے گی اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہنچے گا۔ سامان طبع کی گرانی سے جو تعویق پیدا ہو رہی تھی اس نے مجبور کیا کہ اس کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ پہلی جلد سلسلہ جنگ و غزوات پر ختم کر دی گئی اور دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی، تنظیم و تنسیق، اشاعت اسلام، وفات اور اخلاق کی الگ کر دی گئی۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی طبع و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿حَسۡبِیَ اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡل﴾

مصنف مرحوم کتاب کا سرنامہ لکھنے نہ پائے تھے۔ ان کے مسودات میں اتفاقاً یہ تحریر قلمزدہ مل گئی۔ اسی کو غنیمت سمجھ کر تبرکاً داخل کتاب کیا جاتا ہے۔

جامع

سید سلیمان ندوی

دار المصنفین اعظم گڑھ، ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

سرنامہ

ایک گدائے بے نوا شہنشاہ کونین کے دربار
میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے
زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

"شبلی"
شوال ۱۳۳۰ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے' یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق' زہد و تقویٰ' عصمت و عفاف' احسان و کرم' حلم و عفو' عزم و ثبات' ایثار و لطف' غیرت و استغناء کے اصول و فروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائیں اور پھر تمام عالم میں ان کی عملی تعلیم رائج کی جائے۔

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے۔ اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فنِ اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھ کر تمام ملک میں پھیلائی جائیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دلائی جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں سے بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے روکے جائیں۔

یہی طریقے ہیں جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں جاری ہیں' اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جا سکتا' لیکن سب سے زیادہ صحیح' سب سے زیادہ کامل' سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے' نہ تحریری نقوش پیش کئے جائیں' نہ جبر و زور سے کام لیا جائے' بلکہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آ جائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو۔ جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے۔ دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے' سب انہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے۔ دیگر اور اسباب صرف ایوان تمدن کے نقش و نگار ہیں۔

لیکن اس وقت تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے' اس نے اس قسم کے نفوس قدسیہ جو پیش کئے ہیں' وہ فضائل اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے' مثلاً جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ السلام کے مکتب درس میں صرف حلم و تحمل' صلح و عفو' قناعت و تواضع کی تعلیم ہوتی تھی' حکومت و فرمانروائی کے لئے جو فضائل و اخلاق درکار ہیں مسیحی تعلیم کی بیاض میں ان سطروں کی جگہ سادی ہے' حضرت موسیٰ اور نوح علیہما السلام کے اوراق تعلیم میں عفو عام کے صفحے خالی ہیں۔ اس بنا پر ہر ہر قدم پر نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی۔ اور اس لئے عالم انسانی اپنی تکمیل کے لئے ہمیشہ ایسے [1] جامع کامل کا محتاج

---

[1] یہاں پر کتاب کی اس عبارت بالا کے مخاطب اہل کتاب ہیں جن کے موجودہ صحیفوں میں ان انبیاء کے جو احوال مذکور ہیں' وہ اسی صورت میں ہیں' اس لئے مصنف نے ان کے بیان کردہ تمام احوال کو مان کر ایک باکمال اور ہمہ کمال ہستی کی ضرورت پر ان کے سامنے حجت قائم کی ہے لیکن چونکہ از روئے اسلام ایک طرف تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے۔

﴿ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ (بقرہ ۴۰)

ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

رہا جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدا بھی، فرمان روائے جہان بھی ہو اور سبحہ گردان بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریادل بھی۔ یہ برزخ کامل، یہ ہستی جامع، یہ صحیفہ یزدانی، عالم کون کی آخری معراج ہے۔﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ﴾

عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، اس لئے یہ ہستی جامع دنیا میں آ کر ہمیشہ نہیں رہ سکتی، اس لئے ضرور ہے کہ اس کی زبان کا ایک ایک حرف، اس کی حرکات و سکنات کی ایک ایک ادا، اس کے حلیہ وجود کے ایک ایک خط و خال کا عکس لے لیا جائے کہ مراحل زندگی میں جہاں ضرورت پیش آئے رہنمائی کے کام آئے، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دیگر تمام داعیان مذہب جامعیت کبریٰ کے وصف سے خالی تھے، ان کے کارنامہ زندگی کی تصویریں بھی ناتمام لی گئیں۔ جناب مسیحؑ کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہیں۔ فارس کے مصلحان دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں، ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ کے ۳۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی۔ یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے، اس لئے نقل و روایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا ناتمام عکس اترا اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا۔ قدرت خود ضرورت کی اندازہ دان ہے اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیا کر دیتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ ۳۳)

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے اُن میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرئیل) سے فرمائی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے۔ ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تمام کمالات نبوت و فضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالح الٰہی کی بناء پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی، بہ مصلحت یہ کمال ظہور نہیں ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع و محل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورتِ حال ان انبیاء کرام کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات و فضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت و رحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیمؑ و عیسیٰؑ کی اور اے عمر! تمہاری مثال نوحؑ و موسیٰؑ کی ہے یعنی ایک فریق سے رحم و کرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا (تفصیل کے لئے دیکھئے مستدرک حاکم غزوہ بدر) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

تمام اربابِ مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی قدر عزیز ہے جس قدر دوسرے کو ہے۔ اس لئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون ہستی تھی جس میں جامعیتِ کبریٰ کا وصف نمایاں تھا تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی، لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں وہ کون شخص گزرا ہے جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلمبند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفہ آسمانی کے لئے بھی نہ ہوسکا' اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال و افعال' وضع وقطع' شکل و شباہت' رفتار و گفتار' مذاقِ طبیعت' انداز گفتگو' طرز زندگی' طریق معاشرت' کھانے پینے' چلنے پھرنے' اٹھنے بیٹھنے' سونے جاگنے' ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی' تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہوسکتی ہے (محمد عربی فدیۂ بابی و امّی)

یہ جو کچھ کہا گیا' مقصد تصنیف کا مذہبی پہلو تھا۔ اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو' علوم وفنون کی صف میں سیرت (بائیوگرافی) کا ایک خاص درجہ ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیل راہ ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے' کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے' کیونکر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے' کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے' کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے' تھک کر بیٹھ جاتا ہے' سستاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے' غرض سعی وعمل' جدوجہد' ہمت وغیرت کی جو عجیب وغریب نیرنگیاں سکندر اعظم کے کارنامۂ زندگی میں موجود ہیں' بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے۔

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو ''شخص'' کا سوال نظر انداز ہوجاتا ہے۔ صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہیں' وہ کس وسعت اور استقصاء تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں' تاکہ مراحل زندگی کی تمام راہیں اور ان کے پیچ وخم ایک ایک کرکے نظر کے سامنے آجائیں' لیکن اگر خوش قسمتی سے فرد کامل اور استقصائے واقعات دونوں باتیں جمع ہوجائیں تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے؟

وجوہِ مذکورۂ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کرسکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں' بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے جس کا نام مبارک ''محمد'' ﷺ (رسول اللہ) ہے ﴿ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا ﴾ یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک علمی ضرورت ہے' ایک اخلاقی ضرورت ہے' ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے' اور مختصر یہ ہے کہ مجموعہ ضروریاتِ دینی ودنیوی ہے۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

اس حدیث میں اسی نقطۂ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی ہے اس لئے بہ ضرورتِ احوالِ آپ کے تمام کمالات نبوت آپ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے' اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالمتاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل ہدایت بنی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پُرنور ہوا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو نعوذ باللہ پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین یا کسر شان پیدا ہو کہ اس سے ایمان کے ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (معارف محرم وصفر ۱۳۵۶ھ) میں مضمون ''خلیل کی بشریت'' س۔

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ مسلمان کی حیثیت سے میرا فرضِ اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرتِ نبوی ﷺ کی خدمت انجام دیتا' لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا' تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں۔

اگلے زمانہ میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی' علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا' لیکن معترضین حال کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے' لیکن جب اقرارِ نبوت بھی جزوِ مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حامل وحی اور سفیر الٰہی تھا' اس کے حالات' اخلاق اور عادات کیا تھے؟

یورپ کے مورخین آنحضرت ﷺ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں' وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے۔ آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلام ﷺ کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو انہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیغمبر ﷺ کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے' جس نے اگر مجمع انسانی میں کوئی اصلاح کر دی تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔ اس بات سے اس کے منصب نبوت میں فرق نہیں آتا کہ اس کے دامن اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں۔

یہ واقعات تھے جنہوں نے مجھ کو بالآخر مجبور کیا اور میں نے سیرتِ نبوی ﷺ پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا۔ عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں موجود ہیں' ان کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھ دینا زیادہ سے زیادہ چند مہینوں کا کام تھا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیر طلب اور جامع مشکلات نہیں ہو سکتی۔

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ خاص سیرت [1] پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا۔ حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے' سیرتِ نبوی میں لکھتے ہیں:

[1] (اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے' جو آج کل کی قلت علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے۔ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سیرتِ فن حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے' یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات سے متعلق ہیں تو یہ سیرت بن گئی' اور چونکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں مثلاً صحیح بخاری' مسلم تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ "سیرت میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی"۔ اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لئے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

(ا) پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے؟ محدثین اور اربابِ رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی۔ حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے۔ فقہ میں جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں' اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿و لیعلم الطالب ان السّیرا تجمع ماصحّ و ما قد انکرا﴾

پچھلے صفحہ کے حاشیہ کا بقیہ حصہ)

کئی صدی تک یہی طریقہ رہا۔ چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہوئیں' مثلاً سیرت ابن ہشام' سیرت ابن عائذ' سیرت اموی وغیرہ' ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں۔ البتہ زمانۂ مابعد میں مغازی کے سوا اور اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں مثلاً مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے۔

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے' یہاں تک کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری و مسلم ایک طرف۔ ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے' لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے۔ ہم اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہیں۔

غزوات میں ایک غزوہ ذوقرد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی نسبت ارباب سیر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا' لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے۔

لا یختلف اهل السیران غزوة ذی قرد کانت قبل الحدیبیة فیکون ما وقع فی حدیث سلمة من وهم بعض الرواة۔

اہل سیر میں سے کسی کو اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ غزوۂ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا تو سلمہ کی حدیث میں جو مذکور ہے' وہ کسی راوی کا وہم ہوگا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوۂ ذی قرد) میں قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہیں۔

فعلی هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوة ذی قرد صحّ مما ذکره اهل السیر۔

تو اس بنا پر صحیح (مسلم) میں غزوۂ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو مصنفین سیرت نے بیان کی ہے۔

دمیاطی ایک مشہور محدث ہیں' انہوں نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ہے جو آج بھی موجود ہے۔ اس میں انہوں نے اکثر موقعوں پر ارباب سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی لیکن جب زیادہ تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتوں پر ترجیح ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب میں ترمیم کرنی چاہی لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہو گئے تھے اس لئے نہ کر سکے۔

حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں۔

و دلّ هذا علی انه کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافق فیه اهل السیر و خالف الاحادیث الصحیحة و ان ذلك کان به قبل تضلعه منها ولخروج نسخ کتابه و انتشاره لم یتمکن من یغیره (زرقانی بر مواہب جلد ۳، صفحہ ۱۱)

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ (یعنی دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعوں پر انہوں نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے' ان سے رجوع کریں گے اور یہ کہ یہ امر ان سے مہارت فن کے قبل صادر ہوا' لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے۔

۲۔ ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے' اس کی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا' لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا۔ اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

یعنی طالبِ فن کو جاننا چاہئے کہ سیرت میں ہر قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں' صحیح بھی اور قابل انکار بھی۔

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہوگئیں' اس بنا پر ضروری تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں' اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے' لیکن سینکڑوں کتابوں کا استقصا کے ساتھ دیکھنا اور ان سے معلومات کا اقتباس کرنا ایک شخص کا کام نہ تھا' اس کے ساتھ ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ میں آنحضرت ﷺ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے۔ میں بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا' اس لئے ایک محکمۂ تصنیف کی ضرورت تھی' جس میں قابل عربی دان اور مغربی زبانوں کے جاننے والے شامل ہوں۔ خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟ اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی؟

مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ توقع کی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپ کو دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصوں کے نام اور حالات قلمبند کئے گئے اور اس زمانہ میں کئے گئے جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا۔ طبقات ابن سعدؒ' کتاب الصحابہ لابن السکن' کتاب لعبد اللہ بن علی بن جارودؒ' کتاب العقیلی فی الصحابہؒ' کتاب ابن ابی حاتم الرازیؒ' کتاب الازرقؒ' کتاب

و اما شیخه الدمیاطی فادعی غلط الحدیث الصحیح و ان جمیع اهل السیر علی خلافه (فتح الباری جزءہفتم صفحہ۳۲۲)

باقی ان کے شیخ دمیاطی تو انہوں نے حدیث صحیح کی نسبت اس بنا پر غلطی کا دعویٰ کیا ہے کہ تمام اہل سیر بالاتفاق اس کے خلاف ہیں حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کر کے اس کا رد بھی کیا ہے۔

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہٖ فن حدیث نہیں ہے اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخذ ہے' لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہٖ قرآن یا حدیث ہے یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔

۳۔ مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں' وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں' اس لئے اربابِ سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا۔

۴۔ جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے' اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا۔ آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحاق' سیرت ابن ہشام' سیرت ابن سید الناس' سیرت دمیاطی حلبی' مواہب لدنیہ' کسی میں یہ التزام نہیں۔

تفصیل مذکورۂ بالا سے ظاہر ہوا ہوگا کہ ہماری اس عبارت کا کہ ''سیرت میں آج تک کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی'' اس کا کیا مطلب ہے اور کہاں تک صحیح ہے۔)

الدولابی' کتاب البغوی [1] طبقات ابن ماکولا' اسد الغابہ' استیعاب' اصابہ فی احوال الصحابہ' صرف انہی بزرگوں کے حالات میں ہیں۔ کیا دنیا میں کسی شخص کے رفقا میں سے اتنے لوگوں کے نام اور حالات درج تحریر ہو سکتے ہیں؟

سیرت نبوی ﷺ کے متعلق قدمانے جو ذخیرہ [2] مہیا کیا' اس کی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس غرض سے اس موقع پر درج کر دیتے ہیں کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کے لئے اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جا سکتا ہے اور کہاں تک تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے؟

فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ:

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا اور اسلام میں تدوین و تالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریباً ۱۴۳ھ میں) ہوا اس لئے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا زبانی تھا، تحریری نہ تھا لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج (گو کم سہی) مدت سے چلا آتا ہے۔ بہت قدیم زمانہ میں حمیری اور نابتی خط تھا جس کے کتبے آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت مہیا ہو گئے ہیں۔ اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے اور جس نے بہت سی صورتیں بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہے۔

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں اکثر افسانہ ہیں' مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ اول اول جن لوگوں نے عربی خط ایجاد کیا ان کے نام یہ تھے ابوجاد' ہواز' حطی ' کلمون' سعفص' قریشیات (یہی نام ہیں جن کو ہم آج ابجد' ہوز' حطی ' کلمن' سعفص ' قرشت کہتے ہیں) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدمؑ نے ایجاد کئے تھے' ابن الندیم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ تین شخص قبیلہ بولان (قبیلہ طے کی ایک شاخ) کے تھے جو انبار میں آباد تھے۔ ان کے نام مرامر بن مرۃ، اسلم بن سدرۃ، عامر بن جدرۃ تھے۔

ان تمام روایتوں میں جو قرین قیاس ہے' وہ روایت ہے جو ابن الندیم نے عمرو بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے' یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب بن ہاشم (آنحضرت ﷺ کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے یہ الفاظ تھے۔

﴿ حق عبدالمطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان ابن فلان الحميرى من اهل وزل

---

[1] ان کتابوں کا ذکر استیعاب کے دیباچہ میں ہے۔

[2] (یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں' تاہم تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب نہیں ہے' یہاں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے' حدیث کی کتابیں ان کے علاوہ ہیں)۔

صنعا علیہ الف درھم فضة کیلا بالحدیدة و متی دعاہ بھا اجابه شھد اللّٰہ و الملکان ﴾[1]

یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں۔ جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیئے تھے۔ خاتمہ میں دو فرشتوں کی گواہی لکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فرشتوں کا (اور شاید کراماً کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا۔

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتوں کا خط ہوتا ہے۔

علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو قریش میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، طلحہؓ، زیدؓ، ابوحذیفہؓ، ابوسفیانؓ، شفاء بنت عبداللہؓ وغیرہ۔[2]

بدر کی لڑائی جو ۲ھ میں ہوئی، اس میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے ان سے فدیہ لیا گیا، لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں ادا کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچوں کو اپنے ذمہ لے کر ان کو لکھنا سکھا دے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو کاتب وحی ہیں، اسی طرح لکھنا سکھا تھا۔[3]

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہو چکا تھا، البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں روایتیں اور حدیثیں بھی قلمبند ہوئی تھیں یا نہیں اور اس بنا پر سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا یا نہیں۔ بعض حدیثوں میں جن میں سے بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں، تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حدیثوں کے قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ مسلم کے یہ الفاظ ہیں۔

﴿ لا تکتبوا عنی و من کتب عنی غیرالقران فلیمحه ﴾

مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو (بجز قرآن کے) اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اس کو مٹا ڈالنا چاہئے۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے کیونکہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ میں بعض صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری (باب العلم) میں حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ ''صحابہؓ میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں محفوظ نہیں البتہ عبداللہ بن عمرو مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی عادت تھی کہ آنحضرت ﷺ سے جو سنتے تھے، لکھ لیا کرتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت ﷺ کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوشی میں، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو۔ عبداللہ بن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دہن

---

[1] ابن ندیم ص ۷ طبع مصر

[2] فتوح البلدان ذکر خط ص ۴۷۱ مطبوعہ یورپ

[3] طبقات ابن سعد، غزوۂ بدر

مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تم لکھ لیا کرو اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے"۔ [۱] خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقلید العلم میں روایت کی ہے کہ اس بیاض کا نام جس میں عبداللہ آنحضرت ﷺ کی حدیثیں قلمبند کر لیا کرتے تھے "صادقہ" تھا۔ [۲]

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہیں ان کے نام قلمبند کئے جائیں چنانچہ پندرہ سو صحابہؓ کے نام دفتر میں درج کئے گئے۔ [۳]

خطیب بغدادی نے تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ "جب لوگ کثرت سے حضرت انسؓ کے پاس حدیثوں کے سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے تو وہ ایک جنگ نکال لاتے تھے کہ وہ یہ حدیثیں ہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر لکھ لی تھیں"۔

متعدد قبائل کو آپ نے جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے اور کتبِ احادیث میں بعینہا منقول ہیں۔ اسی طرح سلاطین کو دعوتِ اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے وہ بھی تحریری تھے۔

صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) میں ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم میں ایک شخص کو قتل کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ یمن کے ایک شخص نے آ کر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھ کو تحریر کرا دیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس شخص کے لئے وہ خطبہ قلمبند کر دیا جائے۔

غرض اس طرح آنحضرت ﷺ کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہو گیا تھا۔

(۱) جو حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ وغیرہ نے قلمبند کیں۔ [۴]

(۲) تحریری احکام اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو آنحضرت ﷺ نے قبائل کے نام بھیجے [۵]

(۳) خطوط جو آنحضرت ﷺ نے سلاطین [۶] اور امراء کے نام ارسال فرمائے۔ [۷]

(۴) پندرہ سو صحابہؓ کے نام۔

آنحضرت ﷺ کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ (بنو العباس سے پہلے) ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔ [۸]

---

۱ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷۔

۲ جامع بیان العلم للقاضی ابن عبدالبر، مطبوعہ مصر، صفحہ ۷۷ میں صادقہ کا ذکر ہے۔

۳ صحیح بخاری باب الجہاد۔

۴ بخاری جلد (۱) صفحہ ۲۱، ۲۲ صحیفہ علی و کتابۃ الرجل من الیمن۔

۵ سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۳۰ و ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶۔

۶ بخاری جلد ا صفحہ ۵ و ایضاً ص ۱۵۔

۷ بخاری جلد ا صفحہ ۱۵۔

۸ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، تذکرۂ امام زہری۔

مغازی:

عرب میں علوم وفنون نہ تھے۔صرف خاندانی معرکے اورلڑائیوں کے واقعات محفوظ رکھتے تھے۔اس لحاظ سے قیاس یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے واقعات اورافعال واقوال میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلتیں اورسب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑتی 'لیکن روایات کے تمام انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا۔خلفائے راشدینؓ اوراکابر صحابہؓ نے زیادہ ترآنحضرت ﷺ کے ان اقوال وافعال پرتوجہ کی جن کو شریعت سے تعلق تھا اورجن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے۔

امام بخاری نے غزوۂ اُحد کے ذکر میں سائب بن یزیدؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

﴿ صحبت عبدالرحمن بن عوف و طلحة بن عبيد الله و المقداد و سعدًا فما سمعت احدا منهم يحدث عن النبي ﷺ الا اني سمعت طلحه يحديث عن يوم اُحدٍ ﴾

میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اورطلحہؓ بن عبید اللہؓ اورمقدادؓ اورسعدؓ کی صحبت میں رہا' لیکن میں نے ان کو کبھی آنحضرت ﷺ کے متعلق حدیث بیان کرتے نہیں سنا بجز اس کے کہ طلحہؓ غزوۂ احد کا واقعہ بیان کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اورطلحہؓ ومقدادؓ وسعد بن ابی وقاصؓ اکابر صحابہؓ میں ہیں' اوران سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں'اس لئے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات نہیں بیان کرتے تھے' بجز اس کے کہ طلحہؓ جنگِ اُحد کے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ علما میں جن لوگوں نے مغازی کو اپنا فن بنالیا تھا وہ عوام میں جس قدر مقبول ہوتے تھے خواص میں اس قدر مستند نہیں خیال کئے جاتے تھے۔اس فن کے اساطین اورارکان ابن اسحاق اورواقدی ہیں۔واقدی کو تو محدثین علانیہ کذاب کہتے ہیں۔ابن اسحاق کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے لیکن اسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو بےاعتبار سمجھتا ہے تفصیل آگے آئے گی۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

﴿ ثلاثة كتب ليس لها اصول المغازي و الملاحم و التفسير ﴾

تین قسم کی کتابیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں' مغازی اورملاحم اورتفسیر

خطیب بغدادی نے اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ امام ابن حنبل کی مراد ان خاص کتابوں سے ہوگی جو بے اصل ہیں' پھر لکھا ہے۔

﴿ اما كتب التفسير فمن اشهرها كتابا الكلبي و مقاتل بن سليمان و قد قال احمد في تفسير الكلبي من اوّله الى اخره كذب ﴾

باقی تفسیر کی کتابیں تو ان میں سے کلبی اورمقاتل کی کتابیں بہت مشہور ہیں'۔امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ کلبی کی تفسیر اول سے اخیر تک جھوٹ ہے۔

پھر لکھتے ہیں۔

﴿ واما المغازی فمن اشهرها کتاب محمد بن اسحاق و کان یاخذ من اهل الکتاب و قد قال الشافعی کتب الواقدی کذب ﴾

باقی مغازی تو اس فن کی مشہور کتاب محمد بن اسحاق کی کتاب ہے اور وہ عیسائیوں اور یہودیوں سے روایت کرتے تھے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں۔

باوجود ان باتوں کے یہ ناممکن تھا کہ یہ حصہ نظر انداز کر دیا جاتا اس لئے اکابر صحابہؓ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہاں تک خوب محفوظ ہوتے تھے روایت کرتے تھے۔

تصنیف و تالیف کی ابتدا حکومت کی طرف سے ہوئی:

صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے، لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا، لیکن بنو امیہ نے حکما علماء سے تصنیفیں لکھوائیں، قاضی ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

﴿ کنانکره کتاب العلم حتی اکرهنا علیه هؤلاء الامراء ﴾ (مطبوعہ مصر، صفحہ ۱۳۶)

ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا۔

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہے۔[1] امیر معاویہؓ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا، ہر فن میں علما سے تصنیفیں لکھوائیں۔ سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے، ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے انہیں کی تفسیر ہے عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آ گیا تھا۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انہوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی۔ تمام ممالک میں حکم بھیجا کہ احادیث نبوی ﷺ مدوّن اور قلمبند کی جائیں۔ سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے، اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں

﴿ عن سعد بن ابراهیم قال امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبنا ها دفتراً دفتراً فبعث الی کل ارض له علیها سلطان دفتراً ﴾[3]

سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ عمر نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی، ایک دفتر بھیج دیا۔

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے

---

1. فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۴۴۔
2. میزان الاعتدال ترجمہ عطا بن دینار۔
3. مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۔

قاضی تھے، ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا۔ [1]

حدیث میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے یعنی ان سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں جو عقائد یا فقہ کے مہمات مسائل ہیں، اس لئے عمر بن عبدالعزیز نے ان کی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا۔ عمرۃ بن عبدالرحمٰن ایک خاتون تھیں، ان کو حضرت عائشہؓ نے خاص اپنے آغوشِ تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں۔ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلمبند کر کے بھیج دیں۔ [2]

مغازی پر خاص توجہ:

اب تک مغازی وسیر کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی اور حکم دیا کہ غزواتِ نبوی ﷺ کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔ [3]

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلما تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انہوں نے حدیث و روایات کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے۔ جوان، بڈھے، عورت، مرد، جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین [4] عورتوں سے جا کر آنحضرت ﷺ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے۔ وہ نسباً قریشی تھے، ۵۰ھ میں پیدا ہوئے، بہت سے صحابہؓ کو دیکھا تھا۔ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے۔ اس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

امام زہری کی وجہ سے مغازی وسیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ ان میں سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف ''صاحب المغازی'' لکھا جاتا ہے۔

زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی، اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ثانی، قسم ثانی صفحہ ۱۳۴

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر بن محمد و عمرۃ بنت عبدالرحمٰن و طبقات ابن سعد جزء دوم حصہ دوم صفحہ ۱۳۴

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ امام زہری (محمد بن مسلم)

سلسلہ ختم ہوتا ہے۔موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔ موسیٰ بن عقبہ خاندانِ زبیر کے غلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا۔فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہیں یہ ہیں:-

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے انہوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں۔اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آ جاتی تھیں۔موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے۔

(۳) چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغازِ شباب ہی سے حلقہ درس میں شامل ہو جاتے تھے اور حدیثیں سن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لئے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا۔موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا۔۱۴۱ ہجری میں وفات پائی۔

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔وہ امامِ فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں' لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے اور اس لئے ان کی شہرت' بدنامی کی شہرت ہے۔محمد بن اسحاق تابعی ہیں۔ایک صحابیؓ (حضرت انسؓ) کو دیکھا تھا۔علم حدیث میں کمال تھا۔امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے' لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں۔لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں۔امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی' لیکن جزء القراۃ میں ان سے روایت کی ہے۔تاریخ میں تو اکثر واقعات انہی سے لیتے ہیں۔

فن مغازی کو انہوں نے اس قدر ترقی دی' اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اس قسم کا مذاق رکھتے تھے' ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے۔ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی۔[1]

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں سے سنے ہوں گے' اس لئے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے' اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

---

[1] تہذیب التہذیب

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا۔اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کئے۔اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کر کے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے۔وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مؤرخ تھے۔حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔انہوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں ان کی تفسیر بھی لکھی۔۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا۔چنانچہ ابونصر فتح بن موسیٰ خضراوی المتوفی ۶۶۳ھ و عبدالعزیز بن احمد المعروف بہ سعد ویری المتوفی فی حدود ۶۰۷ ہجری و ابواسحاق انصاری تلمسانی و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۷۹۳ھ نے منظوم کیا اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرت الحبیب ہے۔

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں لیکن ان کے تلامذۂ خاص میں سے ابن سعد نے آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا۔

ابن سعد مشہور محدث ہیں۔محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو ان کے استاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں۔

﴿ کان من اھل العلم و الفضل و الفھم و العدالۃ صنف کتاباً کبیراً فی طبقات الصحابۃ و التابعین الی وقتہ فاجادفیہ و احسن ﴾ [1]

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔بلاذری جو مشہور مورخ ہیں انہی کے شاگرد ہیں۔۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے ۱۲ جلدوں میں ہے۔دو جلدیں خاص آنحضرت ﷺ کے حالات میں ہیں اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی ہے۔باقی جلدیں صحابہؓ (و تابعین) کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہؓ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کا ذکر آتا ہے اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔

یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا۔چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزا فراہم کر کے لائیں۔پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ مصر اور یورپ جا کر جابجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں۔یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن سعد

(ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے' لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور ہیں' اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کر لی جاسکتی ہیں۔

اس زمانہ میں سیرت پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں' چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں ان کے نام مذکور ہیں لیکن چونکہ نام کے سوا ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں' نہ ان کا آج وجود ہے' اس لئے ہم ان کے نام نظر انداز کرتے ہیں۔

سیرت کے سلسلہ سے الگ تاریخی تصنیفات ہیں' ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں' ان میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرتِ نبوی ﷺ ہے۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں' تاریخ صغیر چھپ گئی ہے' اس میں سیرت نبوی ﷺ کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں' یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور ان میں بھی کوئی ترتیب نہیں' کبیر البتہ بڑی ہے' میں نے اس کا نسخہ جامع ایاصوفیہ میں دیکھا تھا' لیکن سوانح نبوی اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلاترتیب مذکور ہیں۔

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے' طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال' وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں' ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے' محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں ''میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا'' ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔

بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ ''یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے'' لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

﴿هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين﴾

یہ جھوٹی بدگمانی ہے' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔

علامہ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہے کہ ''ان میں فی الجملہ تشیع تھا' لیکن مضر نہیں'' تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر' ابن خلدون' ابوالفداء وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں' یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں' ان کا اور ان کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں۔ [1]

---

[1] ان مصنفین کی تصنیفات اکثر ناپید ہیں' (یہ فہرست تہذیب التہذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے) ان کے نام لکھنے سے یہ غرض ہے کہ آج جو تصنیفیں ملتی ہیں' ان میں اکثر ان کے حوالے آتے ہیں۔

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	۹۴ھ	حضرت زبیرؓ کے بیٹے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے‘ حضرت عائشہؓ کے آغوشِ تربیت میں پلے تھے‘ سیرت و مغازی میں کثرت سے ان کی روایتیں ہیں‘ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے کان عالماً بالسیرۃ صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ بعضوں کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب انہوں نے تدوین کی۔
شعبی	۱۰۹ھ	مشہور محدث ہیں‘ اکثر فنون میں کمال رکھتے تھے‘ خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ گئے تھے‘ فن مغازی و سیر میں ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ ”گو میں ان غزوات میں بذاتِ خود شریک تھا‘ مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں“۔
وہب بن منبہ	۱۱۴ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے‘ حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارت اور پیشین گوئیاں کثرت سے انہی سے مروی ہیں۔
عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	۱۲۱ھ	مشہور تابعی ہیں‘ حضرت انسؓ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں۔ مغازی اور سیر میں نہایت وسیع المعلومات تھے‘ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے مسجد دمشق میں بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے۔
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	۱۲۴ھ	ان کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔
یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی	۱۲۸ھ	نہایت ثقہ تھے‘ عمال اور گورنر انتظام ملکی میں ان سے مدد لیتے تھے‘ فقہائے مدینہ میں ان کا شمار تھا‘ سیرتِ نبوی ﷺ کے عالم تھے‘ ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔
موسیٰ بن عقبہ الاسدی	۱۴۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔
ہشام بن عروہ بن زبیر	۱۴۶ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں‘ زہری کے بھی شاگرد ہیں‘ علمائے مدینہ میں ان کا شمار ہے‘ بغداد میں جو روایتیں انہوں نے لیں‘ محدثین کا بیان ہے کہ ان میں تساہل سے کام لیا ہے‘ سیرت کے ذخیرۂ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ فن سیرت میں ان کے متعدد نامور تلامذہ ہیں۔

محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	۱۵۰ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔
عمر بن راشد الازدی	۱۵۴ھ	امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے۔ اساطین علم حدیث میں تھے' مغازی میں ایک کتاب ان کی تصنیف ہے' جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے۔
عبدالرحمن بن عبدالعزیز الاوسی	۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے' مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے' محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہیں' فن سیرت کے عالم تھے۔ ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے "کان عالماً بالسیّرۃ"
محمد بن صالح بن دینار التمار	۱۶۸ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد ہیں' ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے' اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے' ابوالزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو۔
ابومعشر نجیح المدنی	۱۷۰ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے' گو محدثین نے روایتِ حدیث میں ان کی تضعیف کی ہے لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد ابن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے' کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔
عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن المخزومی	۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسورؓ بن مخرمہ کے پڑپوتے تھے' فن حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ سیرت نبوی ﷺ کے اکابر علما میں تھے۔ ابن سعد نے ان کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں "من رجال اھل المدینہ عالماً بالمغازی"
عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری	۱۷۶ھ	فن حدیث و سیر میں ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا' ان کے دادا وہ شخص ہیں جنہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی' ان کے رشتہ کی دادی عمرۃ حضرت عائشہؓ کی تربیت یافتہ تھیں' یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے' اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی' خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا' لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے' اس فن میں ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے۔

علی بن مجاہد الرازی الکندی	بعد ۱۸۰ھ	ابومعشر نجیح کے تلامذہ میں تھے' امام ابن حنبل نے ان سے روایت کی ہے' مغازی کے جامع اور مصنف ہیں' لیکن اربابِ نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہیں۔
زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی	۱۸۳ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے' ان دونوں بزرگواروں کے واسطۃ العقد یہی ہیں' سیرت کے عشق میں گھربار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے' اور مدت تک سفر و حضر میں ان کے شریک رہے' محدثین کی بارگاہ میں گو ان کا اعزاز کم ہے' لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہیں۔
سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری	۱۹۱ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ان کی سیرت کے راوی ہیں' رے کے قاضی تھے' اہل نقد کے نزدیک قابل احتجاج نہیں' لیکن ابن معین جو اسمائے رجال کے بڑے ماہر ہیں' مغازی میں ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان کی سیرت کو بہترین سیرت ہائے نبوی کہتے ہیں' طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روایتیں مروی ہیں۔
ابومحمد یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی	۱۹۴ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا' ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایت ہیں لیکن ثقہ ہیں' صاحب کشف الظنون نے مصنفین مغازی میں ان کا نام بھی لیا ہے۔
ولید بن مسلم القرشی	۱۹۵ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے۔ شام میں ان کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا' تاریخ و مغازی میں وکیع سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے جن میں ایک کتاب المغازی ہے' کتاب الفہرست میں اس کا ذکر موجود ہے۔
یونس بن بکیر	۱۹۹ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہیں' فن روایت و حدیث میں ان کا متوسط درجہ ہے' اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے' علامہ ذہبی نے تذکرہ میں ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہے۔ انہوں نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہے (زرقانی مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۰)

محمد بن عمر الواقدی الاسلمی	۲۰۷ھ	سیرتِ نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں' کتاب السیرہ اور کتاب التاریخ والمغازی والمبعث' امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہے' کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ انہیں کی تصانیف ہیں' ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔
یعقوب بن ابراہیم الزہری	۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی اولاد میں تھے' زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہیں' مغازی میں ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقد رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا۔
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری	۲۱۱ھ	ثقاتِ محدثین میں ان کا شمار ہے' مزاج میں کسی قدر تشیع تھا' ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی' اس لئے اس زمانہ کی حدیثیں ناقابل سند ہیں' فن مغازی میں ان کی ایک تالیف ہے۔
عبدالملک ابن ہشام الحمیری	۲۱۸ھ یا ۲۱۳ھ	ان کا ذکر گذر چکا ہے۔
علی بن محمد المدائنی	۲۲۵ھ	ابومعشر نجیح اور سلمہ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے۔ تاریخ و انسابِ عرب میں نہایت وسیع المعلومات تھے' محدثین میں ان کا شمار نہیں لیکن مورخین کے امام ہیں' اغانی کے دفتر بے پایاں کا مخزن یہی ہیں' تاریخ وانساب میں ان کی کثرت سے تصنیفات ہیں' آنحضرت ﷺ کے حالات میں ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے' اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کئے ہیں۔
عمر بن شبہ البصری	۲۶۲ھ	حدیث' تاریخ' ادب' لغت' شاعری اور نحو کے امام ہیں۔ مکہ مبارکہ' مدینہ طیبہ اور بصرہ کی تاریخیں لکھی ہیں' علم سیر میں نہایت بلند پایہ تھے' حدیث میں ابن ماجہ اور تاریخ میں بلاذری اور ابونعیم ان کے شاگرد تھے۔
محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ	مشہور محدث ہیں جن کی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے' سیرتِ نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے' اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہے' جس میں رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حالات و عادات و اخلاق کا ذکر ہے' اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں' اس رسالہ پر متعدد علماء نے شروح و حواشی لکھے۔

ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم	۲۸۵ھ	محدثین کبار میں شمار ہے، مسند صحابہؓ ان کی تالیف ہے جس کے آخر میں کتاب المغازی شامل ہے۔
ابوبکر احمد بن ابی خثیمہ البغدادی	۲۹۹ھ	حدیث میں ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد، اور تاریخ و سیر کے جلیل القدر عالم تھے، تاریخ کبیر ان کی تصنیف ہے، جس میں سیرتِ نبوی ﷺ کا حصہ بھی شامل ہے۔
محمد بن عائذ دمشقی		ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہیں۔

یہ قدماء کی تصنیفات تھیں، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں، یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے جو قدماء کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں، ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ فی نفسہ مستقل تصنیفات تھیں، اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں۔

روض الانف:

سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے، مصنف کا نام عبدالرحمٰن سہیلی ہے، جنہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی، یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی ﷺ کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چین ہیں، مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال میں ہے۔

سیرت دمیاطی:

حافظ عبدالمومن دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے، اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں، اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے۔ قریباً سو صفحوں میں ہے۔ پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

سیرت خلاطی:

علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے، ۷۰۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت گازرونی:

شیخ ظہیرالدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہے۔[1]

سیرت ابن ابی طے:

مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے، یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔

---

[1] بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

سیرت مغلطائی: [۱]

مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام کشف اللثام ہے۔

شرف المصطفےٰ:

حافظ ابو سعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے' آٹھ جلدوں میں ہے' حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں' لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں' ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں' جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے۔

شرف المصطفےٰ:

للحافظ ابن الجوزی۔

اکتفاء:

فی مغازی المصطفےٰ والخلفاء الثلاثہ حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے' اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

سیرت ابن عبدالبر:

ابن عبدالبر مشہور محدث اور امام ہیں' اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں۔

عیون الاثر:

ابن سید الناس کی تصنیف ہے' ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں' ۷۳۴ھ میں وفات پائی۔ یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے' معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے سند بھی نقل کی ہے' اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔

نور النبراس:

فی سیرۃ ابن سید الناس عیون الاثر کی شرح ہے' مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے' اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے' دو ضخیم جلدوں میں ہے اور ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔

سیرتِ منظوم:

حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے' نظم میں لکھی ہے لیکن دیباچہ میں خود لکھ دیا ہے کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔

---

[۱] ان تمام کتابوں کا ذکر کشف الظنون میں سیرت کے عنوان سے ہے۔

مواہب لدنیہ:

مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے، اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔

زرقانی علی المواہب:

یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی، آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔

سیرتِ حلبی:

مشہور اور متداول ہے۔

صحتِ ماخذ:

سیرت نبوی کے واقعات جو قلمبند کئے گئے وہ تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلمبند ہوئے، اس لئے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی، بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں۔

اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریکِ واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریکِ واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے، ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے، ان تحقیقات کے ذریعے سے اسماء الرجال (بائیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہو گیا، جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر [1] کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

[1] ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی دان فاضل ہیں، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں کام کیا، اصابہ کا نسخہ انہیں کی تصحیح سے کلکتہ میں چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ میں صاحب موصوف نے لکھا ہے، کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"۔

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروانہ کی، بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں اور ایک ایک کی پردہ داری کی۔

اس سلسلہ میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے۔

سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح وتعدیل میں یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی، وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا" ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا، اور کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن میں سے چند ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہیں

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی	خاص ضعیف الروایہ لوگوں کے حال میں ہے۔
رجال احمد بن عبد العجلی المتوفی ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام کتاب الجرح والتعدیل ہے۔
رجال امام عبد الرحمان بن حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ	بہت ضخیم کتاب ہے۔
رجال امام دارقطنی	مشہور محدث ہیں، یہ کتاب خاص ضعیف الروایہ اشخاص کے حال میں ہے۔
کامل ابن عدی	اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہے، اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔

یہ کتابیں قریباً آج ناپید ہیں، لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہیں آج بھی موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب "تہذیب الکمال" ہے جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے جنہوں نے ۷۴۲ھ میں وفات پائی، علاؤ الدین مغلطائی المتوفی ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا، اور بہت سے محدثین نے اس کے خلاصے اور ذیل لکھے، اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب "تہذیب التہذیب" لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے اور آجکل حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے۔ مصنف نے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف میں آٹھ برس صرف ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب "میزان الاعتدال" ہے جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہے، حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا جس کا نام لسان المیزان ہے۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں سے تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تقریب التہذیب، تاریخ کبیر بخاری، تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مشتبہ النسبۃ ذہبی، انساب سمعانی، تہذیب الاسماء ہماری نظر سے گذری ہیں۔

اس اصولِ تحقیق کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کردی تھی۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا ﴾ (حجرات۔۱)

مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کرلو۔

حدیث ذیل بھی اسی کی موید ہے۔

﴿ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ﴾

آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ کافی دلیل ہے کہ جو کچھ سنے روایت کر دے۔

تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟

درایت کی ابتداء:

یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کر دیا تھا' حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہؓ تک مغالطہ میں آ گئے' چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت حسانؓ بھی قاذفین میں شریک تھے' اور اسی بنا پر حد قذف جاری کی گئی۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ﴾ (نور۔۲)

جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہارے گروہ میں سے ہیں۔

تفسیر جلالین میں مِنْكُمْ کی تفسیر حسب ذیل کی ہے۔

﴿ جماعة من المؤمنين ﴾

یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانوں کا ایک گروہ ہے۔

قرآن مجید کی آیتیں حضرت عائشہؓ کی برات اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئیں ان میں سے ایک یہ ہے

﴿ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴾ (نور۔۲)

اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں' سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کئے جاتے پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایہ ہیں یا نہیں؟ پھر ان کی شہادت لی جاتی' لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے۔

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہئے کہ غلط ہے۔

اس طرز تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہؓ کے عہد میں ہو چکی تھی۔

فقہا میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا تو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروایہ نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی' اس لئے انہوں نے تسلیم نہیں کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو گی۔

جب حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کئے جن میں سے بعض یہ ہیں

---

[1] صحیح ترمذی باب الوضوء۔

﴿قال[1] ابن الجوزی و كل حديث رأ ية يخالف العقول اوينا قض الاصول فاعلم انه موضوع فلايتكلف اعتباره اى لا تعتبرروا ية و لا تنظر فى جرحهم او يكون ممايدفعه الحسّ والمشاهدة او مُبَايناً لنص الكتب والسنة المتواترة او الاجماع القطعى حيث لا يقبل شئٌ من ذلك التاويل اويتضمن الافراط بالوعيد الشديد على الامر اليسير وبالوعد العظيم على الفعل اليسير و هذا الا خير كثير موجود فى حديث القصاص والطرقية ومن ركة المعنى لا تاكلوا القرعة حتى تذبحوها ولذا جعل بعضهم ذلك دليلا على كذب راويه و كل هذا من القرائن فى المروى و قدتكون فى الراوى كقصة غياث مع المهدى او انفراده عمن لم يدركه بمالم يوجد عند غيرهما او انفراده بشئى مع كونه مما يلزم المكلفين علمه و قطع العذر فيه كما قرره الخطيب فى اول الكفاية او بامر جسيم يتو فرالدواعى على نقده كحصرعد و الحاج عن البيت۔﴾

ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلّمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو یا نص کتاب اور سنتِ متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کے ہاں بہت پائی جاتی ہیں) یا وہ حدیث جس میں لغویت پائی جائے مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ' اس لئے بعض محدثین نے لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ تمام قرینے خود روایت سے متعلق ہیں' اور کبھی یہ قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں' مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ' یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملا تک نہ ہو' یا وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے حالانکہ بات ایسی ہے کہ اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضرور تھا جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے' یا وہ روایت جس میں کسی عظیم الشان واقعہ کا ذکر ہے کہ اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو سینکڑوں آدمی اس کو بیان کرتے' مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیوں کو کعبہ کے حج سے روک دیا۔

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں۔

۱۔ جو روایت عقل کے مخالف ہو۔

۲۔ جو روایت اصولِ مسلّمہ کے خلاف ہو۔

۳۔ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔

۴۔ قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو' اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو۔

---

[1] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۴' افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے' اس لئے بعض عبارتیں ہم نے اسی نسخہ کے موافق غلط نقل کی ہیں' یہ اصول خود ابن جوزی کے قائم کردہ نہیں ہیں' بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے۔

۵۔ جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

۶۔ معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔

۷۔ وہ روایت رکیک المعنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔

۸۔ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی' اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

۹۔ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو' بایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

۱۰۔ جس روایت میں ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے' باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

ملا علی قاری نے جو موضوعات (نسخہ مطبوعہ مجتبائی دہلی' صفحہ ۹۲ تا خاتمہ کتاب) کے خاتمہ میں حدیثوں کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہیں اور ان کی مثالیں نقل کی ہیں' ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

۱۔ جس حدیث میں فضول باتیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نہیں نکل سکتیں' مثلاً یہ کہ ''جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے' جس کے ستر زبانیں ہوتی ہیں' ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتے ہیں'' الخ۔

۲۔ وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو' مثلاً یہ حدیث کہ ''بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔''

۳۔ وہ حدیث جو صریح حدیثوں کے مخالف ہو۔

۴۔ جو حدیث واقع کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ ''دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے''۔

۵۔ وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو' مثلاً یہ حدیث کہ ''تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں' سبزہ زار' آب رواں' خوبصورت چہرہ کا دیکھنا''۔

۶۔ وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہے مثلاً یہ کہ فلاں سنہ اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔

۷۔ وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہیں مثلاً یہ کہ ''ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے'' یا یہ کہ ''مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے۔''

۸۔ وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔

۹۔ وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو' مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے' کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے' حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

۱۰۔ وہ حدیثیں جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

۱۱۔ جس حدیث کے الفاظ رکیک ہوں۔

۱۲۔ وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں‘ حالانکہ یہ حدیثیں تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں منقول ہیں۔

ان اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور ان کی بنا پر بہت سی روایتیں رد کر دیں‘ مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا‘ اور معافی کی دستاویز لکھوادی تھی'' ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ اس معاہدہ پر سعد بن معاذؓ کی گواہی بیان کی جاتی ہے حالانکہ وہ غزوۂ خندق میں وفات پا چکے تھے۔

۲۔ دستاویز میں کاتب کا نام معاویہ ہے‘ حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

۳۔ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا‘ جزیہ کا حکم قرآن مجید میں جنگِ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے۔

۴۔ دستاویز میں تحریر ہے کہ ''یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی''۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بیگار کا رواج ہی نہ تھا۔

۵۔ خیبر والوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی‘ ان سے جزیہ کیوں معاف کیا جاتا۔

۶۔ عرب کے دور دراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا‘ حالانکہ ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے۔

۷۔ اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے خیر خواہ اور دوست اور واجب الرعایہ ہیں‘ حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیئے گئے۔

تبصرہ

سیرت کی یہ ایک اجمالی اور سادہ تاریخ تھی' اب ہم اس پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ا۔ سیرت پر اگرچہ آج بھی سینکڑوں تصنیفیں موجود ہیں' لیکن سب کا سلسلہ جا کر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے' سیرت ابن اسحاق' واقدی' ابن سعد' طبری' ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں' وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں' زیادہ تر انہی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ (کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہے اس سے اس مقام پر بحث نہیں) اس بنا پر ہم کو مذکورۂ بالا کتابوں پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہئے۔

ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے' محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے' اور حقیقت میں واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے' ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گونا گوں اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہیں کر سکتا۔

واقدی کے سوا باقی اور تینوں مصنفین اعتبار کے قابل ہیں' ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے' تاہم ان کا یہ رُتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ ''جزء القرأۃ'' میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور ان کو صحیح سمجھتے ہیں' ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں' لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا' یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں' اس لئے جو کچھ بیان کرتے ہیں اور راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں' لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں' اس کے علاوہ ابن اسحاق کی اصلی کتاب (ہندوستان میں) موجود نہیں' ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت میں بدل دیا وہی آج موجود ہے' لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے' بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہیں تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہیں' ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہیں کہ ''وہ ضعیف ہے' اور میں نے اس کو ترک کر دیا''۔ ابو حاتم کہتے ہیں ''وہ استناد کے قابل نہیں'' نسائی کہتے ہیں ''وہ ضعیف ہے''۔

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں' اس لئے ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے' باقی رواۃ میں سے بعض ثقہ ہیں اور بعض غیر ثقہ۔

طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمہ ابرش' ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایہ ہیں۔

اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتبِ حدیث کا ہم پلہ نہیں' البتہ ان میں سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے۔

سیرت کی کتابوں کی کم پائیگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی' یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں جن سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں' باقی جو روایتیں سیرت اور فضائل وغیرہ سے متعلق ہیں' ان میں تشدد اور احتیاط کی چنداں حاجت نہیں' حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہیں' سیرتِ منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

﴿ و لیعلم الطالب ان السّیرا تجمع ماصحّ و ماقد انکرا ﴾

طالب کو جاننا چاہئے کہ سیرت میں ہر طرح کی روایتیں ہوتی ہیں' صحیح بھی اور غلط بھی۔

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضائل اعمال میں کثرت سے ضعیف روایتیں شائع ہو گئیں اور بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا' علامہ ابن تیمیہ کتاب التوسل (مطبوعہ مطبع المنار' صفحہ ۹۹) میں لکھتے ہیں۔

﴿ قدرواه من صنف فی عمل یوم و لیلةٍ کابن السنی و ابی نعیم و فی مثل هذه الکتب احادیث کثیرة موضوعة لایجوز الاعتماد علیها فی الشریعة باتفاق العلماء ﴾

اس حدیث کو ان لوگوں نے روایت کیا ہے جنہوں نے رات دن کے اعمال میں کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً ابن السنی اور ابونعیم' اور اس قسم کی کتابوں میں کثرت سے جھوٹی حدیثیں موجود ہیں' جن پر اعتماد کرنا ناجائز ہے' اور اس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا ''اے خدا! میں تجھ کو محمد ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری خطا معاف کر دے''۔ خدا نے کہا ''تم نے محمد ﷺ کو کیونکر جانا؟'' حضرت آدمؑ نے کہا ''میں نے سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے میں نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے وہ ضرور تجھ کو محبوب ترین خلق ہوگا'' خدا نے کہا ''آدم! تم نے سچ کہا' اور محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہ کرتا'' حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

﴿ واما تصحیح الحاکم لمثل هذا الحدیث و امثاله فهذا مما انکره علیه ائمة العلم بالحدیث و قالوا ان الحاکم یصحح احادیث و هی موضوعة مکذوبة عند اهل المعرفة بالحدیث ..... و کذلك احادیث کثیرة فی مستدرکه یصححها و هی عند ائمة اهل العلم بالحدیث موضوعة ﴾ [1]

حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح کہنا ائمہ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح حاکم کی مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے' حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع ہیں۔

علامہ موصوف ایک اور موقع پر ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں (صفحہ ۱۰۵'۱۰۶)

﴿ و فیها احادیث کثیرة قویة صحیحة و حسنة و احادیث کثیرة ضعیفة موضوعة و اهیة و کذلك مایرویه خیثمة بن سلیمان فی فضائل الصحابة و ما یرویه ابو نعیم الاصبهانی فی فضائل الخلفاء فی کتاب مفرد و فی اول حلیة الاولیاء و ما یرویه ابو بکر الخطیب و ابو الفضل بن ناصر و ابو موسی المدینی و ابو القاسم بن عساکر و الحافظ عبدالغنی

---

[1] کتاب التوسل مطبوعہ المنار' صفحہ ۱۰۱ (نیز تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ حاکم)

وا مثالهم ممن له معرفة بالحديث۔

اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی ہیں اور حسن ہیں اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہیں اور اسی طرح وہ حدیثیں جو خثیمہ بن سلیمان صحابہؓ کے فضائل میں روایت کرتے ہیں اور وہ حدیثیں جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب میں خلفاء کے فضائل میں روایت کی ہیں اور حلیۃ الاولیا کے اول میں اور اسی طرح وہ روایتیں جو ابوبکر خطیب اور ابوالفضل اور ابوموسیٰ مدینی اور ابن عساکر اور حافظ عبدالغنی وغیرہ اور ان کے پایہ کے لوگ روایت کرتے ہیں۔

غور کرو ابونعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر، حافظ عبدالغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے، باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء اور صحابہؓ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ صرف حلال و حرام کی حدیثوں میں احتیاط اور تشدد کی ضرورت ہے، ان کے سوا اور روایتوں میں سلسلہ سند نقل کر دینا کافی ہے تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہیں۔

موضوعات ملا علی قاری میں لکھا ہے کہ بغداد میں ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی کہ ''قیامت میں خدا آنحضرت ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا'' امام ابن جریر طبری نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ ''خدا کا کوئی ہم نشین نہیں'' اس پر بغداد کے عوام سخت برافروختہ ہوئے اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برسائے کہ دیواریں ڈھک گئیں [1]

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے، یہ مسلم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری اور مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی اس کے لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے، باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی، ابونعیم، بزار، طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، بخاری اور مسلم میں ان کا پتہ نہیں لگتا، بلکہ اس قسم کی حدیثیں جو نسائی، ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں، مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت ﷺ عالم وجود میں آئے تو ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر پڑے، آتش فارس بجھ گئی، بحیرۂ طبریہ خشک ہو گیا بیہقی، ابونعیم، خرائطی، ابن عساکر، اور ابن جریر نے روایت کی ہے، لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔

سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں (طبرانی، بیہقی، ابونعیم وغیرہ سے) ماخوذ ہیں، اس لئے ان میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہو گئیں، اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔

محدثین نے جو اصول قرار دیئے تھے، سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے اکثر نظر انداز کر دیئے، محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے، لیکن آنحضرت ﷺ کے حالات ولادت کے متعلق جس قدر روایتیں مذکور ہیں، اکثر منقطع ہیں، صحابہؓ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کی عمر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو، سب سے معمر حضرت ابوبکرؓ ہیں وہ آنحضرت ﷺ سے عمر میں دو برس کم تھے

[1] موضوعات ملا علی قاری صفحہ ۱۳، مطبوعہ دہلی۔

اسی بنا پر میلاد کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں ان میں سے اکثر متصل نہیں اور اسی بنا پر بہت دور از کار روایتیں پھیل گئیں، مثلاً ابونعیم نے آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کی زبانی روایت کی ہے کہ "جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو بہت سے پرند آ کر مکان میں بھر گئے جن کی زمرد کی منقار اور یاقوت کے پر تھے، پھر ایک سفید بادل آیا اور آنحضرت ﷺ کو اٹھا لے گیا اور ندا آئی کہ اس بچہ کو مشرق و مغرب اور تمام دریاؤں کی سیر کراؤ" کہ سب لوگ پہچان لیں [1]

مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے منقول ہے، لیکن ان کی اکثر روایتیں جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں مذکور ہیں، منقطع ہیں یعنی اوپر کے راویوں کے نام مذکور نہیں۔

۲۔ نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا اس میں اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا۔

بعض واقعات نہایت اہم ہیں، ان کے متعلق حدیث کی کتابوں میں ایسے مفید معلومات موجود ہیں جن سے تمام مشکل حل ہو جاتی ہے، لیکن سیرت اور تاریخ میں ان معلومات کا ذکر نہیں مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کی سلسلہ جنبانی کس کی طرف سے شروع ہوئی؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے، تمام ارباب سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ابتدا کی، لیکن سنن ابی داؤد میں صاف اور صریح حدیث موجود ہے کہ جنگ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو یہ خط لکھا کہ "تم نے محمد کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے ان کو نکال دو، ورنہ ہم خود مدینہ آ کر تمہارا اور محمد دونوں کا استیصال کر دیں گے"۔ [2] سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ سرے سے منقول نہیں۔

مصنفین سیرت میں سے بعض لوگوں نے اس نکتہ کو سمجھا، اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی تو ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ سیرت کی کتابوں میں بہت سی روایتیں صحیح حدیثوں کے خلاف درج ہو گئی ہیں، لیکن چونکہ ان کی تصنیف پھیل چکی تھی، اس لئے اس کی اصلاح نہ ہو سکی، حافظ ابن حجر ایک موقع پر دمیاطی کا ایک قول نقل کر کے لکھتے ہیں۔

﴿ و دل هذا على انه كان يعتقد الرجوع عن كثير مما وافق فيه اهل السير و خالف الاحاديث الصحيحة و ان ذلك كان منه قبل تضلعه منها و لخروج نسخ كتابه و انتشاره لم يتمكن من تغيره ﴾ [3]

یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اکثر واقعات جن میں دمیاطی نے اہل سیر کی موافقت اور صحیح حدیثوں کی مخالفت کی تھی، اپنی رائے سے رجوع کیا، لیکن چونکہ کتاب کے نسخے پھیل گئے تھے، اس لئے اس کی اصلاح نہ کر سکے۔

۳۔ سیرت میں اگلوں نے جو کتابیں لکھیں، ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں انہی کے نام سے کیں، ان کے مستند ہونے کی بنا پر، لوگوں نے ان تمام روایتوں کو معتبر سمجھ لیا، اور چونکہ اصل کتابیں ہر شخص کو ہاتھ نہیں آ سکتی

---

[1] مواہب لدنیہ میں یہ روایت نقل کی ہے اس میں بے انتہا مبالغہ آمیز باتیں ہیں، میں نے معمولی ٹکڑا نقل کر دیا ہے۔

[2] غزوۂ بدر کے موقع پر ہم اس حدیث کے اصلی الفاظ نقل کریں گے۔

[3] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۱۔

تھیں اس لئے لوگ راویوں کا پتہ نہ لگا سکے اور رفتہ رفتہ یہ روایتیں تمام کتابوں میں داخل ہو گئیں اس تدلیس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مثلاً جو روایتیں واقدی کی کتاب میں مذکور ہیں ان کو لوگ عموماً غلط سمجھتے ہیں' لیکن انہیں روایتوں کو جب ابن سعد کے نام سے نقل کر دیا جاتا ہے تو لوگ ان کو معتبر سمجھتے ہیں' حالانکہ ابن سعد کی اصلی کتاب ہاتھ آئی تو پتہ لگا کہ ابن سعد نے اکثر روایتیں واقدی ہی سے لی ہیں۔

۴۔ روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہؓ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا' مثلاً اصولِ روایت کی رو سے رواۃ کے مختلف مدارج ہیں' کوئی راوی نہایت ضابط' نہایت معنی فہم' نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے' کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں' کسی میں اور بھی کم ہوتے ہیں' یہ فرق مراتب جس طرح فطرۃً عام راویوں میں پایا جاتا ہے' صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں' حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر جو تنقیدیں کیں' اور جن کا ذکر اوپر گزر چکا' اسی بنا پر کیں۔

اختلافِ مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے' مثلاً دو روایتوں میں تعارض پیش آ جائے تو اس بحث کے فیصلہ میں صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جائے (گو دونوں راوی ثقہ ہیں) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا' لیکن صحابہؓ میں آ کر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہے۔ فرض کرو ایک روایت صرف حضرت عمرؓ سے مروی ہے' اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے' جس نے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت ﷺ کو دیکھ لیا تھا' تو اب دونوں روایتوں کا رتبہ برابر ہو جاتا ہے' علامہ مازری مشہور محدث ہیں' علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اکثر ان سے استناد کرتے ہیں' انہوں نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی' چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۰'۱۱) میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

﴿ لسنا نعنی بقولنا الصحابة عدول کل من راه ﷺ یوماً ماأو زاره لماماً او اجتمع به لغرض وانصرف عن کثب وانما نعنی به الذین لا زموه وعزّروه و نصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولٰئك هم المفلحون۔ ﴾

یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہیں' ہم اس سے ہر ایسے شخص کو مراد نہیں لیتے جس نے آنحضرت ﷺ کو اتفاقاً دیکھ لیا یا آنحضرت ﷺ سے کسی غرض کے لئے ملا اور پھر فوراً واپس چلا گیا' بلکہ ہم ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہ التزام رہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا' یہی لوگ کامیاب ہیں۔

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی' علامہ مازری نے بے شبہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مقربین صحابہؓ سے مخصوص کر دیا' اس بنا پر محدثین کی مخالفت ان سے بیجا نہیں لیکن اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتیں' ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں' خصوصاً ان روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے جو فقہی مسائل یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہیں۔

۵۔ اربابِ سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتے' نہ ان کی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس باب میں یورپ کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے' یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت

تلاش کرتا ہے اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلومات پیدا کرتا ہے اس میں بہت کچھ اس کی خودغرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنالیتا ہے تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں بخلاف اس کے اسلامی مؤرخ نہایت سچائی اور انصاف اور خالص بے طرف داری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب پر معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا اس کا قبلۂ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔

لیکن اس میں حد سے زیادہ تفریط ہوگئی اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات رائے سے مخلوط نہ ہو جائیں وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہیں ڈالتا اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے مثلاً اکثر لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں قبیلہ پر فلاں وقت فوجیں بھیج دیں لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں گئیں وہ پہلے سے آمادۂ جنگ اور مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے۔

۶۔ یہ لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہاں تک بدل جاتی ہے مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آسکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی جائے گی لیکن فرض کرو وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے تجربہ عام کے خلاف ہے گرد وپیش کے واقعات سے مناسبت نہیں رکھتا تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاج ثبوت ہے اس لئے اب راوی کا معمولی درجہ وثوق کافی نہیں ہوسکتا بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل زیادہ محتاط زیادہ نکتہ داں ہونا چاہئے۔

مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ روایت کرنے کے لئے کسی عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ ۵ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کرسکتا ہے یا مثلاً اگر کسی صحابی نے ۵ برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابل اعتبار ہوگی محدثین کا اس پر استدلال ہے کہ محمود بن الربیعؓ ایک صحابی تھے آنحضرت ﷺ کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اظہار محبت کے طور پر ان کے منہ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا۔ اس واقعہ کو انہوں نے جوان ہو کر لوگوں سے بیان کیا اور سب نے یہ روایت قبول کی اس سے ثابت ہوا کہ ۵ برس کی عمر کی روایت قبول ہوسکتی [1] ہے۔

اس کے برخلاف بعض محدثین کی رائے ہے کہ کمسن کی روایت قابل حجت نہیں فتح المغیث میں ہے۔

﴿ ولكن قدمنع قوم القبول هنا اى فى مسئله الصبى خاصة فلم يقبلوا من تحمل قبل البلوغ لان الصبى مظنة عدم الضبط وهو وجه للشافعية ..... وكذا كان ابن المبارك يتوقف فى تحديث الصبى ﴾ (کتاب مذکور صفحہ ۱۶۴)

---

[1] یہ پوری بحث فتح المغیث صفحہ ۱۶۶ تا صفحہ ۱۶۸ میں ہے۔

لیکن ایک جماعت یہاں قبولِ روایت سے منع کرتی ہے، خصوصاً بچوں کی روایت کے مسئلہ میں بلوغ سے پہلے جو روایت کسی بچہ نے سنی ہو اس کو وہ قبول نہیں کرتی، شوافع کی یہی رائے ہے، اسی طرح عبداللہ بن مبارک بھی بچہ کی حدیث روایت کرنے میں توقف کرتے ہیں۔

لیکن اثبات ونفی دونوں پہلو بحث طلب ہیں، بے شبہ ۵ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا تھا، اس کے سر پر بال تھے، یا وہ بوڑھا تھا، یا اس نے مجھ کو گودیوں میں کھلایا تھا، تو اس روایت میں شبہہ کرنے کی وجہ نہیں، لیکن فرض کرو وہی بچہ یہ بیان کرتا ہے کہ فلاں شخص نے فقہ کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا، تو شبہ ہوگا کہ بچہ نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا یا نہیں؟

فقہا نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، فتح المغیث میں شرح مہذب سے نقل کیا ہے۔

﴿ قبول اخبار الصبی الممیز فیما طریقه المشاهدة بخلاف ما طریقه النقل کالا فتاء و روایة الاخبار و نحوه ﴾ (نسخہ مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۲۲)

باتمیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں مقبول ہے، لیکن جو باتیں نقلیات میں داخل ہیں، مثلاً فتویٰ یا حدیث کی روایت، ان میں ان کی روایت مقبول نہیں۔

لیکن عام طور سے یہ اصول تسلیم نہیں کیا گیا، فتح المغیث میں ہے۔

﴿ ثم الضبط نوعان ظاهر و باطن فالظاهر ضبط معناه من حیث اللغة و الباطن ضبط معناه من حیث تعلق الحکم الشرعی به و هو الفقه و مطلق الضبط الذی هو شرط فی الراوی هو الضبط ظاهرا عند الا کثر لا نه یجوز نقل الخبر بالمعنی فیلحقه تهمة تبدیل المعنی بروایة قبل الحفظ او قبل العلم حین سمع و لهذا المعنی قلت الروایة عن اکثر الصحابه لتعذر هذا المعنی قال و هذا الشرط و ان کان علی مابینا فان اصحاب الحدیث قل مایعتبرو نه فی حق الطفل دو ن المغفل فانه متی صح عندهم سماع الطفل او حضوره اجاز و اروایته۔ ﴾ (صفحہ ۱۲۱)

پھر ضبط[1] کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اور باطنی، ظاہری کے یہ معنی ہیں کہ لفظ کے لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے، باطنی کے یہ معنی کہ شرعی حکم جس بنا پر متعلق ہیں اس کا لحاظ رکھا جائے اس کو فقہ کہتے ہیں، لیکن مطلقاً جو ضبط راوی کے لئے مشروط ہے، اکثروں کے نزدیک وہ صرف ظاہری ضبط ہے، کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے، اسی بنا پر سنتے وقت قلت حفظ یا قلت علم کے سبب سے روایت کے ادا کرنے میں راوی پر مفہوم کے بدل دینے کا شبہ ہوسکتا ہے، یہ وجہ ہے کہ اکثر صحابہؓ نے بہت کم حدیثیں روایت کیں، کیونکہ مفہوم کا بعینہٖ روایت میں قائم رکھنا مشکل ہے، لیکن محدثین بچہ کے حق میں (بے عقل کے حق میں نہیں) اس کا اعتبار کرتے بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب سننے اور مجلس میں شریک ہونے کے قابل ہوگیا تو اس کی روایت کو جائز سمجھتے ہیں۔

---

[1] ضبط کا لفظ محدثین کی ایک اصطلاح ہے، جس کی معنی ہیں کسی روایت کے الفاظ اور مطلب کو اچھی طرح سمجھنا اور ادا کرنا۔

ایک یہ بحث ہے کہ جو صحابہؓ فقیہ نہ تھے، ان کی روایت اگر قیاس شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہو گی یا نہیں؟ اس کے متعلق بحر العلوم امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں۔

﴿ ووجه قول الامام فخر الاسلام ان النقل بالمعنى شائع و قلما يوجد النقل باللفظ فان حادثة واحدة قدرويت بعبارات مختلفة ثم ان تلك العبارات ليست مترادفة بل قدروى ذلك المعنى بعبارات مجازية فاذا كان الراوى غير فقيه احتمل الخطاء فى فهم المعنى المرادى الشرعى......ولا يلزم منه نسبة الكذب متعمدا الى الصحابى معاذ الله عن ذلك ﴾ (شرح مسلم مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۳۲)

امام فخر الاسلام کے قول کی وجہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی عام طور پر شائع ہے، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ روایت باللفظ کی جائے کیونکہ ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ میں ادا کیا گیا ہے، اور یہ الفاظ باہم مترادف بھی نہیں، بلکہ اکثر مجازی عبارتوں میں مطالب ادا کئے گئے ہیں، اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہوگا تو احتمال ہوگا کہ اس نے مطلب مقصود شرعی کے سمجھنے میں غلطی کی ہو، اس سے معاذ اللہ یہ لازم نہیں آتا کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے۔

محدثین اس اصول سے کہ "واقعہ جس درجہ کا اہم ہو، شہادت بھی اسی درجہ کی اہم ہونی چاہئے" بے خبر نہ تھے۔ امام بیہقی کتاب المدخل میں ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہیں۔

﴿ اذارويـنـا عن النبى ﷺ فى الحلال والحرام والاحكام شدّدنا فى الاسانيد و انتقدنا فى الرجال واذارويـنا فى الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فى الاسانيد و تسامحنا فى الرجال ﴾ (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)

جب ہم آنحضرت ﷺ سے حلال و حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں تو سند میں نہایت تشدد کرتے ہیں اور راویوں کو پرکھ لیتے ہیں، لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب کی حدیثیں آتی ہیں تو ہم سندوں میں سہل نگاری کرتے اور راویوں کے متعلق چشم پوشی کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

﴿ ابن اسحاق رجل تكتب عنه هذه الاحاديث يعنى المغازى و نحوها و اذا جاء الحلال و الحرام اردنا قوما هكذا و قبض اصابع يديه الاربع ﴾ (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)

ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہیں کہ مغازی وغیرہ کی حدیثیں ان سے روایت کی جا سکتی ہیں، لیکن جب حلال و حرام کے مسائل آئیں تو ہم کو ایسے لوگ درکار ہیں، یہ کہہ کر انہوں نے چار انگلیاں بند کر کے دبا لیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے۔ اس بنا پر ابن اسحاق کی نسبت امام ابن حنبل نے یہ تفریق کی کہ "حلال و حرام میں ان کی شہادت معتبر نہیں، لیکن مغازی میں ان کا اعتبار ہے"۔ یہ وہی اصول ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو، اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہئے اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے، لیکن واقعہ کی اہمیت احکام فقیہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔

نوعیتِ واقعہ کی اہمیت کا خیال فقہائے حنفیہ نے ملحوظ رکھا' اسی بنا پر ان کا مذہب ہے کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہئے کہ راوی فقیہ اور مجتہد بھی ہے یا نہیں' منار میں ہے

﴿ والراوی ان اعرف بالفقه والتقدم فی الاجتهاد كالخلفاء الراشدين والعبادلة كان حديثه حجة يترك به القياس خلافا لمالك وان اعرف بالعدالة والضبط دون الفقه كانس و ابی هريرة ان وافق حديثه القياس عمل به وان خالفه لم يترك الا بالضرورة ﴾ (نورالانوار صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷)

راوی اگر تفقہ اور اجتہاد میں مشہور ہے جیسے کہ خلفائے راشدینؓ یا عبادلہؓ تھے تو اس کی حدیث حجت ہوگی اور اس کے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جائے گا (بخلاف امام مالک کے) اور اگر راوی ثقہ اور عادل ہے لیکن فقیہ نہیں جیسے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ ہیں تو اگر وہ روایت قیاس کے موافق ہوگی تو اس پر عمل ہوگا ورنہ قیاس کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مثال اگرچہ قابل بحث ہے کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ اور مجتہد تھے' لیکن یہ جزوی بحث ہے' گفتگو اصل مسئلہ میں ہے۔

۷۔ سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس میں کس قدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے' تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اس کا قیاس ہے واقعہ نہیں' اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں' یہاں ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ جب ازواج مطہراتؓ سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے تھے تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی' حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی میں آئے' یہاں لوگ کہہ رہے تھے [1] کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی' حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں میں نے طلاق نہیں دی۔

یہ حدیث بخاری میں کئی جگہ بہ اختلاف الفاظ مذکور ہے' کتاب النکاح میں جو روایت ہے اس کی شرح میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

﴿ و ان الاخبار التی تشاع و لو ان كثرنا قلوها ان لم يكن مرجعها الی امر حسّی من مشاهدة او سماع لا تستلزم الصدق فان جزم الانصاری فی رواية بوقوع التطليق و كذا جزم الناس الذی رآهم عمر عند المنبر بذلك محمول علی انه شاع بينهم ذلك من شخص بناه علی التوّهم الذی توّهمه من اعتزال النبی ﷺ نساءه فظن لكونه لم تجر عادته بذلك انه طلّقهن فاشاع انه طلقهن فشاع ذلك فتحدث الناس به و اخلق

---

[1] صحیح مسلم باب فی الایلاء۔

بھذا الذی ابتداء باشاعۃ ذلك ان یکون من المنافقین کما تقدم ﴾

جو خبریں شائع ہو جاتی ہیں گو ان کے راوی کثرت سے ہوں لیکن اگر ان خبروں کی بنیاد امر حسی یعنی مشاہدہ یا استماع نہ ہو تو ان کا سچا ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ انصاری نے اور ان صحابہؓ نے جن کو حضرت عمرؓ نے منبر کے پاس دیکھا تھا' طلاق کا جو یقین کر لیا وہ یوں ہوا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ازواج مطہراتؓ سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی یہ عادت نہ تھی' اس لئے اس نے یہ قیاس کیا کہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دے دی' اس نے یہ خبر پھیلا دی' اور لوگ ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنے لگے' اور قیاس یہ ہے کہ اول جس شخص نے یہ خبر پھیلائی وہ منافق ہوگا۔ (فتح الباری شرح بخاری طبع اول مصر جلد ۹ صفحہ ۲۵۷)

غور کرو' مسجد نبوی میں تمام صحابہؓ جمع ہیں اور سب بیان کر رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دے دی' صحابہؓ عموماً ثقہ اور عادل ہیں' اور ان کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے' باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے بڑی جرأت کر کے یہ خیال ظاہر کیا کہ راوی اول منافقین میں سے ہوگا' حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتوں میں مذکور ہیں جن میں سے ایک واقعہ افک ہے' ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہئے جو حافظ ابن حجر نے یہاں ظاہر کیا یعنی یہ کہ منافقین نے ان کی طرف منسوب کر دیئے ہوں گے' پھر تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔

۸۔ فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں' ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے' لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا' حدیثوں کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا' سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں' عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں' لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ عین اسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں' آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے' اور بنوامیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے' اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہئے تھا۔

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ ''امیر المومنین! اگر تو آنحضرت ﷺ کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا سرے سے نہ پیدا ہوتا' دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے''۔ وہیں سر دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا ''تو جھوٹ کہتا ہے' امیر المومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو عباسیوں کے مورث اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا' اس کو کس نے پوچھا؟'' مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی۔

تاہم یہ عالمگیر مؤثر بالکل بے اثر نہیں رہ سکتا تھا' اس لئے مغازی میں اس کے نشانات پائے جاتے ہیں' تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارناموں کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے' ملکی نظم و نسق اور تمدن و معاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے' یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ ان پر نگاہ نہیں پڑتی تھی' اسلام میں جب تالیف و تصنیف کی ابتدا ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے' اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا جس طرح

سلاطین کی تاریخیں جنگ نامہ وشاہنامہ کے نام سے لکھی جاتی ہیں' چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں' ان کتابوں کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کوعنوان بناتے ہیں اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہیں' یہ حالات تمام تر جنگی معرکے ہوتے ہیں' اورغزوات ہی کے عنوان سے داستانیں شروع کی جاتی ہیں۔

یہ طریقہ اگر چہ سلطنت وحکومت کی تاریخ کے لئے بھی صحیح نہ تھا' لیکن نبوت کی سوانح نگاری کیلئے تو ناموزوں ہے' پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہیں' اس خاص حالت میں وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ میں نظر آتا ہے' لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہیں ہے' پیغمبر کی زندگی کا ایک ایک خط وخال' تقدس' نزاہت' حلم وکرم' ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے بلکہ عین اس وقت جبکہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے' ژرف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہیں بلکہ فرشتۂ یزدانی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابوں میں سیرت کی تصنیفات سے بالکل الگ ہے۔

تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب بنونضیر کا محاصرہ کیا تو حکم دیا کہ ان کے نخلستان کاٹ ڈالے جائیں (قرآن مجید میں بھی اس کا اجمالی ذکر ہے) ارباب سیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا کہ ''یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہے'' لیکن مؤرخین یہ اعتراض نقل کر کے اس کا جواب نہیں دیتے' اور یوں ہی گذر جاتے ہیں

۹۔ نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل یا مسلمات یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلۂ سند متصل ہے؟ علامہ ابن جوزی نے اگر چہ لکھا ہے (جیسا کہ اوپر گزر چکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو' اس کے رواۃ کی جرح وتعدیل کی ضرورت نہیں' لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے' حامیانِ روایت لکھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو وسعت دے دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا انکار کر دے گا' کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے' عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوں اور سلسلہ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو' وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں۔ ذیل کی مثالوں سے اس کا اندازہ ہوگا۔

(ا) ﴿تلك الغرانيق العلى﴾

کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے وہ الفاظ نکلوا دیئے جن میں بتوں کی تعریف ہے' بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا تھا' اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی۔

﴿لو وقع لا رتدّ كثير ممن اسلم و لم ينقل ذلك﴾

اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں۔

حافظ ابن حجر، فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

و جمیع ذلک لا یتمشّی علی القواعد فان الطرق اذا کثرت و تباینت مخارجھا دلّ ذلک علی ان لھا اصلاً۔[1]

یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے۔

(۲) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین دفعہ جھوٹ بولے تھے، امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ "اس سے حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے اس لئے زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لیں"، علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں۔

﴿ فلیس بشیءٍ اذالحدیث ثابت و لیس فیه نسبة محض الکذب الی الخلیل و کیف السبیل الی تخطیة الراوی مع قوله انی سقیم و بل فعله کبیرھم ھذا و عن سارة اختی اذ ظاھر ھذه الثلاثة بلاریب غیر مرادٍ ﴾[2]

امام رازی کا قول بالکل ہیچ ہے اس لئے کہ حدیث ثابت ہے اور اس میں محض کذب کی نسبت حضرت خلیلؑ کی طرف نہیں ہے اور راوی کا تخطیہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول موجود ہے ﴿انی سقیم اور بل فعله کبیرھم ھذا اور سارة اُختی ﴾ کیونکہ ان تینوں جملوں میں ظاہر لفظ قطعاً مراد نہیں۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں، ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو مثالیں نقل کیں۔

ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے، اور یہ طریقہ خود صحابہ کرامؓ کے عہد میں شروع ہو گیا تھا اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا، چونکہ یہ رائے عام خیال کے خلاف ہے اس لئے ہم اس کی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس چیز کو آگ چھوئے، اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اس کی بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی (کے استعمال) سے بھی وضو نہ کریں"۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا "بھتیجے! جب تم آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث سنو، تو کہاوتیں نہ کہا کرو"[3]

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضرت علیؓ کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کئے گئے، حضرت ابن عباسؓ اس کی نقل لیتے جاتے تھے، اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

﴿ واللّٰه ما قضی بھذا علی الا ان یکون ضلّ ﴾

---

[1] فتح الباری، جلد ۸، صفحہ ۳۳۳، مطبوعہ مصر۔

[2] قسطلانی، جلد ۵ صفحہ ۳۸۹۔

[3] ابن ماجہ و ترمذی حدیث الوضوء مما مست النار۔

خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہو کر کیا ہے (لیکن چونکہ وہ گمراہ نہ تھے اس لئے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا)

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس لوگ ایک کتاب لائے' جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے قلمبند تھے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی کتاب مٹادی [1] اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے صرف ان فیصلوں کے مضمون سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ صحیح نہیں ہو سکتے' اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ رواۃ اور سند کا پتہ لگائیں۔

(۳) صحیح بخاری (باب صلوۃ النوافل جماعۃ) میں ہے کہ محمود بن ربیعؓ نے ایک جلسہ میں یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جو شخص خالصتاً خدا کے لئے لا الہ الا اللہ کہے گا' خدا اس پر آگ حرام کر دے گا'' اس جلسہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی موجود تھے جن کے مکان میں آنحضرت ﷺ نے ۷ مہینے تک قیام فرمایا تھا' حضرت ابو ایوبؓ نے یہ حدیث سن کر کہا۔

﴿ واللہ ما اظن رسول اللہ ﷺ قال ما قُلْتَ قَطّ ﴾

خدا کی قسم' میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہوگا۔

محمود بن الربیعؓ صحابی تھے اور حضرت ابو ایوبؓ کو ان کے ثقہ ہونے میں کلام نہ تھا' چونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قرآن کے خلاف تھی' حضرت ابو ایوبؓ اس پر یقین نہ لا سکے اور کہا کہ ''آنحضرت ﷺ نے ایسا نہ فرمایا ہوگا'' اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود بن الربیعؓ نے مدینہ آ کر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کر لی' لیکن اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا' حضرت ابو ایوبؓ کو جن اسباب کی بنا پر محمود بن الربیعؓ کی روایت میں شبہ پیدا ہوا' عتبان پر بھی وہی شبہ پیدا ہو سکتا تھا' حضرت ابو ایوبؓ خدانخواستہ محمود کو غلط گو نہیں سمجھتے تھے بلکہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے روایت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی' یہ احتمال بعینہ راوی اول کی نسبت بھی ہو سکتا ہے' جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بعض صحابہؓ سے کہا تھا' کہ ''تم لوگ سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو' لیکن سامعہ غلطی کر جاتا ہے'' [2]

(۴) حضرت عمار بن یاسرؓ نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا' بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے' یہ الفاظ کہے اتق اللہ یاعمار یعنی اے عمار! خدا سے ڈرو' چنانچہ اسی بنا پر جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے حضرت ابو موسیٰؓ نے اس روایت سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہؓ نے کہا ہاں لیکن عمرؓ کو عمارؓ کی روایت سے تسکین نہیں ہوئی۔ [3]

(۵) حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ (بنی اسرائیل)

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے' کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب ملاطفہ کی شکل میں لکھی تھی (جس طرح اگلے زمانہ میں خطوط کو لمبان میں جوڑ کر جمع کرتے تھے اور لپیٹ کر رکھتے تھے۔

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز ''س''۔

[3] صحیح بخاری باب التیمم۔

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(۶) اسی طرح جب ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کشتگان بدر کی نسبت فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں یہ سنتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابن عمر نے غلطی کی [۱] اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے، جو مشہور صحابی ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ ان کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی۔

اکثر محدثین نے ان مباحث میں ثابت کیا ہے کہ روایت صحیح ہے، اور حضرت عائشہؓ کا اجتہاد جس کی بنا پر انہوں نے روایت سے انکار کیا، صحیح نہیں، ہم کو اس سے بحث نہیں، اس موقع پر صرف یہ بحث ہے کہ اکابر صحابہؓ میں ایسے لوگ بھی تھے جو روایت کو باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہے

(۷) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو جب طلاق دے دی جائے تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اس کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام واجب ہے یا نہیں، فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں جن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی، ان کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئیں تو آپ نے ان کو نفقہ اور مکان نہیں دلوایا، انہوں نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہیں سکتے، جس کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، امام شعبی نے ایک مجلس میں فاطمہ کی یہ روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریاں ماریں کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو پھر حضرت عمرؓ کا مذکورۂ بالا قول نقل کیا۔ [۲]

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین میں ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا، گو ان کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے۔

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے کہ "جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور وفات پائی، وہ شہید ہوا" حافظ ابن القیم زادالمعاد میں اس حدیث کو دلائل عقلی سے باطل ثابت کر کے لکھتے ہیں۔

﴿فلو کان اسناد هذا الحدیث کالشمس کان غلطا و وهما﴾ [۳]

اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئی میں روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ

﴿اقض بینی و بین هذا الکاذب الاثم الغادر الخائن۔﴾ [۴]

میرے اور اس جھوٹے، مجرم، دھوکہ باز، خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے۔

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الجنائز میں یہ روایتیں متعدد طریقوں سے مذکور ہیں۔

[۲] صحیح مسلم کتاب الطلاق۔

[۳] زادالمعاد، جز ثانی مطبوعہ کانپور صفحہ ۹۶۔

[۴] نووی شرح صحیح مسلم ذکر حدیث مذکور۔

چونکہ حضرت علیؓ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے' اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے (نووی شرح صحیح مسلم ذکر حدیث مذکور)۔ علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں۔

﴿ اذا انسدت طرق تاویلھا نسبنا الکذب الی رواتھا ﴾[1]

جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے رک جائیں گے تو ہم راویوں کو جھوٹا کہیں گے۔

(۳) بخاری میں روایت ہے کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا' حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

﴿ و یشکل علی ھذا ما یوجد الاٰن من اٰثار الامم السابقة کدیار ثمود' فان مساکنھم تدل علی ان قاماتھم لم تکن مفرطة الطول علی حسماًیقتضیة الترتیب السابق..... و لم یظھر الان مایزیل ھذا الاشکال ﴾[2]

اور اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قوموں کے جو آثار اس وقت موجود ہیں مثلاً قوم ثمود کے مکانات' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے' جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے..... اور اس وقت تک مجھ کو اس اشکال کا جواب نہیں معلوم ہوا۔

(۴) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خدا سے کہیں گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت میں مجھ کو رسوا نہ کرے گا' اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

﴿ و قد استشکل الاسماعیلی بھذا الحدیث من اصله وطعن فی صحته ﴾[3]

اور اسماعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعنہ کیا ہے۔

اسماعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہے' لیکن اسماعیلی کا درجہ فن حدیث میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے' اس لئے گو اسماعیلی کا اعتراض غلط ہے لیکن قابل لحاظ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا' اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا' حافظ ابن عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں' اس بنا پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا کہ جانور مکلّف نہیں' اس لئے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہوسکتا' نہ اس بنا پر ان کو سزا دی جاسکتی' حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

﴿ و قد استنکرا بن عبدالبر قصة عمرو بن میمون ھذہ و قال فیھا اضافة الزنا الی غیر مکلف و اقامة الحد علی البھائم ﴾[4]

ابن عبدالبر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں غیر مکلّف کی طرف زنا کی نسبت ہے' اور

---

1. نووی شرح مسلم کتاب الجہاد باب الفی
2. فتح الباری مطبوعہ مصر' جلد ۶ صفحہ ۶۰' بدء الخلق
3. فتح الباری مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۴ جلد ۸
4. فتح الباری' مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۲۲

جانوروں پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے اگر سند صحیح ہے تو غالباً یہ بندر جن رہے ہوں گے"۔

(۹) صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک [۱] دفعہ عبداللہ بن ابی کے طرفداروں اور آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ میں جھگڑا ہو گیا اس پر یہ آیت اتری۔

﴿وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا﴾ (حجرات۔۱)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان میں صلح کرا دو۔

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ ظاہر میں بھی اسلام نہیں لایا تھا اس بنا پر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ آیت قرآنی اس واقعہ کے متعلق نہیں ہو سکتی اس لئے کہ آیت میں تصریح ہے کہ جب دونوں گروہ مومن ہوں اور یہاں عبداللہ بن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا۔

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تغلیباً ایسا کہا گیا۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے محدثین سلسلہ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اس کے موافق ہیں یا نہیں۔

(۱۰) ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے یا صحابہؓ نے جو الفاظ فرمائے تھے بعینہ وہی ادا کرنے چاہئیں یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے محدثین اس باب میں مختلف الرائے ہیں اور اکثروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں فرق نہیں پیدا ہوتا تو الفاظ کی پابندی ضروری نہیں۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا یا بدل گیا ایک اجتہادی بات ہے اسی بنا پر بعض محدثین مثلاً عبدالملک بن عمر ابوزرعہ سالم بن جعد قتادۃ، امام مالک ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے [۲] لیکن یہ ظاہر ہے کہ سینکڑوں راویوں میں صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے اور وہ بھی اس زمانہ میں کہ تحریر کا رواج ہو چکا تھا عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطلب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے صحیح ترمذی کتاب العلل میں سفیان ثوری کا قول نقل ہے۔

﴿ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقو نی انما هو المعنی۔﴾

اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں جو سنتا ہوں بعینہ وہی ادا کر دیتا ہوں تو تم میری بات نہ مانو، میں صرف مطلب ادا کرتا ہوں۔

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال واثلہ بن الاسقع محمد بن سیرین ابراہیم نخعی حسن بصری امام شعبیؒ وغیرہ سے نقل کئے ہیں۔

جو صحابہؓ بہت محتاط تھے حدیث کی روایت کے وقت ان کی حالت متغیر ہو جاتی تھی۔

---

۱ صحیح بخاری کتاب العلم روایت میں جھگڑے کی تفصیل ہے ہم نے محض خلاصہ ذکر کر دیا ہے

۲ صحیح ترمذی کتاب العلل میں ان لوگوں کے متعلق یہ تصریح مذکور ہے

سنن ابن ماجہ کے دیباچہ میں عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا' میں نے کبھی ان کو یہ کہتے نہیں سنا کہ ''آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ایک دن ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعۃً سر جھکا لیا' پھر میری نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہیں' قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہیں' آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں' گلے کی رگیں پھول گئی ہیں' اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یوں کہا یا یوں یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم یا اس کے مشابہ''۔

امام مالکؒ کا یہ حال تھا کہ جب حدیث روایت کرتے تھے تو خوف زدہ ہو جاتے' اور کہتے کہ ''آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا' یا یوں فرمایا تھا'' امام شعبی کہتے ہیں کہ ''میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں سال بھر حاضر رہا' لیکن میں نے ان کو کبھی حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا'' سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ''میں نے سعد بن مالکؓ کے ساتھ مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا' لیکن اس تمام راہ میں انہوں نے ایک حدیث بھی آنحضرت ﷺ سے روایت نہیں کی (حالانکہ وہ صحابی تھے) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد سے پوچھا کہ ''میں نے آپ کو اور صحابہؓ کی طرح حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا انہوں نے کہا'' میں جب سے اسلام لایا' میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا' لیکن میں نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہئے کہ اپنا گھر آگ میں بنائے۔[1]

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا تھا۔

﴿ایاکم و کثرة الحدیث عنی﴾[2]

خبردار! مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ روایت کرو

اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کی حدیثوں کے قبول کرنے میں جو تامل کیا جاتا ہے اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے تعلق نہیں' مستند اور ثقہ راویوں کی دروغ گوئی کا خیال نہیں ہو سکتا' لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلب روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے میں غلطی کا ہو جانا ممکن ہے' اور ثقات کی روایت سے جب کسی موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اسی بنا پر کیا جاتا ہے' حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی گئی۔

﴿ان المیت لیعذّب ببکاء الحیّ﴾

مردوں پر نوحہ کیا جائے تو ان پر عذاب کیا جاتا ہے۔

تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

﴿انکم لتحدّثون عن غیر کاذبین ولا مکذوبین ولکن السمع یُخطی﴾[3]

تم لوگ نہ خود جھوٹے ہو' نہ تمہارے راوی جھوٹے ہیں' لیکن کان غلطی کر جاتا ہے۔

---

[1] یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباچہ کتاب میں مذکور ہیں' دیکھو صفحہ ۴ و ۵' مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ

[2] ابن ماجہ صفحہ ۵

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمایا۔

﴿اما انه لم يكذب ولكنه نسي او اخطا﴾[1]

ہاں وہ جھوٹ نہیں بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی

(۱۱) ایک اور بحث روایت احاد کی ہے' روایت احاد وہ ہے' جس کے سلسلہ اسناد میں کہیں صرف ایک راوی پر مدار روایت ہو' یعنی کوئی دوسرا کوئی راوی اس کا مؤید نہ ہو' اس قسم کی روایت کے تسلیم و انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہے۔ معتزلہ روایات احاد کے تسلیم سے قطعاً منکر ہیں' لیکن یہ درحقیقت انکار بداہت ہے' ہم روزمرہ واقعات زندگی میں اس قسم کی روایات پر اکثر بلا حجت و اصرار فوراً یقین کر لیتے ہیں' ہم سے ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ ''زید تم کو بلاتا ہے'' اور ہم فوراً اٹھ کر چلے جاتے ہیں' یہ نہیں کہتے کہ یہ خبر احاد ہے اور ہم اسے تسلیم نہیں کرتے' معتزلہ کے مقابل میں اکثر محدثین اس کی صحت اور قطعیت کے قائل ہیں' لیکن یہ درحقیقت تفریط ہے' خود صحابہؓ کا طرزِ عمل اس کے مخالف ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں گئے' اور تین دفعہ اجازت طلبی کی' چونکہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے' کچھ جواب نہ ملا' وہ واپس چلے گئے' حضرت عمرؓ نے کام سے فارغ ہو کر ان کو بلوا بھیجا' اور واپسی کا سبب پوچھا' انہوں نے کہا ''میں نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ ''تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد جواب نہ ملے تو واپس جاؤ'' حضرت عمرؓ نے کہا ''اس روایت پر گواہ لاؤ' ورنہ میں تم کو سزا دوں گا'' ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس پر شہادت پیش کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا' حضرت عمرؓ خدانخواستہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو غلط گو نہیں جانتے تھے' لیکن چونکہ حضرت عمرؓ بارگاہ نبوت میں برسوں رہے تھے' اور انہوں نے یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سنی تھی' حالانکہ حدیث ایسے امر کے متعلق تھی جو عموماً پیش آتا ہے' اس لئے حضرت عمرؓ نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے صرف ایک شخص کی شہادت کافی نہیں سمجھی۔

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ایک عورت نے جو میت کی دادی ہوتی تھی' میراث کا دعویٰ کیا' حضرت ابوبکرؓ نے کہا ''قرآن میں دادی کی میراث مذکور نہیں' اور نہ آنحضرت ﷺ سے اس باب میں کوئی روایت مجھ کو معلوم ہے''۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے' حضرت ابوبکرؓ نے ان کی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہیں سمجھی' اور جب ایک اور صحابی محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی' تب حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو میراث دلائی۔

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ کی تنہا شہادت کافی نہیں سمجھی۔ اس قسم کی اور بیسیوں مثالیں ہیں۔

اسی بنا پر روایاتِ احاد کے متعلق فقہائے احناف کا اصول ایک حد تک صحیح ہے کہ یہ ظنی الثبوت ہیں' ان سے قطعیت نہیں ثابت ہوتی ہے' اصل یہ ہے کہ روایاتِ احاد کی صحت اور عدم صحت یا ظن و قطعیت رواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد خود اصل روایت کی اہمیت اور عدمِ اہمیت پر مبنی ہے' ایک شخص جب ہم سے کہتا ہے کہ ''زید نے تم کو بلایا ہے'' تو

[1] مسلم کتاب الجنائز

راوی کی ثقاہت واعتبار کے مسلم ہونے کے بعد ہم کو کبھی اس واقعہ کے تسلیم سے انکار نہیں ہوتا' لیکن اگر یہی شخص یہ کہتا ہے کہ ''تم کو بادشاہ نے آج دربار میں بلایا ہے'' تو ہم اس واقعہ کی تسلیم میں پس وپیش کرتے ہیں اور اس کے ثبوت کے لئے دوسروں کی شہادت تلاش کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی یہ بیان کرتا ہے کہ ''آپ ﷺ ایک بار سپید کرتہ پہن کر باہر تشریف لائے'' تو ہم کو اس کی تسلیم میں عذر نہیں' لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہے کہ ''ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے'' (اس قسم کی ایک روایت ہے) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اس کے ثبوت کے لئے کافی نہیں سمجھیں گے۔

نتائج مباحث مذکورہ :

گذشتہ صفحات میں ہم نے روایت وحدیث کے متعلق صحابۂ کبارؓ کا جو طرزِ عمل پیش کیا ہے اور علمائے نقدِ حدیث کے جن قواعد واصول کی تفصیل کی ہے' ذیل میں بہ ترتیب نتائج کے طور پر ہم ان کا اعادہ کرتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں' پھر احادیثِ صحیحہ میں' پھر عام احادیث میں کرنی چاہیے' اگر نہ ملے تو روایاتِ سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

(۲) کتب سیرت محتاجِ تنقیح ہیں' اور ان کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہے۔

(۳) سیرت کی روایتیں باعتبار پایہ صحت احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں' اس لئے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

(۴) بصورتِ اختلاف روایات احادیث' رواۃ ارباب فقہ وہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔

(۵) سیرت کے واقعات میں سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہئے۔

(۷) روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کس قدر جزو شامل ہے؟

(۸) اسبابِ خارجی کا کس قدر اثر ہے؟

(۹) جو روایات عام وجوہ عقلی' مشاہدۂ عام' اصول مسلّمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی' لائق حجت نہ ہوگی

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق وجمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہئے کہ راوی سے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔

(۱۱) روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کر لینا چاہئے۔

ان اصول کے تقرر وتفصیل کے بعد نظر آ سکتا ہے کہ اسلامی فن روایت' عقل ودرایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے؟ علمائے حدیث نے تصحیح روایت کے لئے کتنی محنت' کتنی جانفشانی' کتنی دیدہ ریزی' اور کتنی دقت رسی صرف کی ہے' کیا اس اہتمام واعتنا کا دنیا کی دیگر قوموں کے سرمایۂ تاریخ وروایت میں ایک ذرہ نشان بھی موجود ہے؟ کیا یورپ کے سیرت نگارانِ پیغمبر اسلام میں سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی لائف کے لئے قلم اٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مسلم ان قواعد واصول کی مراعات کے ساتھ قلم اٹھا بھی سکتا ہے؟ [1]

[1] زیادت از صفحہ ۷۷ تا ۷۹ س

یورپین تصنیفات

آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہیں، ان پر پوری بحث تو کسی اور حصہ میں آئے گی جس میں نہایت تفصیل سے بتایا جائے گا کہ یورپ میں اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف ہلدی برٹ سے لے کر جو ۱۱۳۹ء میں موجود تھا آج تک کیا سرمایہ مہیا ہوا ہے؟ ان کا کیا عام انداز ہے؟ ان کی مشترک اور عامۃ الورود غلطیاں کیا ہیں؟ ان کے وسائل معلومات کس درجہ کے ہیں؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہیں؟ تعصب اور سوءِ ظن کا کہاں تک اثر ہے؟ یہاں ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہیں کیونکہ اس حصہ میں بھی ہم کو جابجا ان تصنیفات سے کام لینا، یا ان سے تعرض کرنا پڑتا ہے۔

یورپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ جب اس نے جاننا چاہا تو مدتِ دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات میں مبتلا رہا، ایک یورپین مصنف لکھتا ہے:

''عیسائیت، اسلام کی چند ابتدائی صدیوں تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کر سکی اور نہ سمجھ سکی، وہ صرف تھراتی اور حکم بجالاتی تھی، لیکن جب قلب فرانس میں عرب پہلے پہل روکے گئے تو ان قوموں نے جو ان کے سامنے سے بھاگ رہی تھیں منہ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ مویشیوں کا گلہ جب کہ اس کا بھگا دینے والا کتا دور نکل جاتا ہے۔'' [1]

یورپ نے مسلمانوں کو جس طرح جانا، اس کو فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری جس کی تصنیف کا عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے، یوں بیان کرتا ہے:

''وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں رائج تھے، ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں، جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں، ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں، ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا، اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے، ماہوم یا ماہون یا مانومیڈ (یعنی محمد) اور اپلین، اور تیسرا ٹرگامان، ان کا خیال تھا کہ محمد نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوائے الوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمد (وہ محمد ﷺ جو بت شکن اور دشمنانِ اصنام تھا) لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔''

اسپین میں جب عیسائی، مسلمانوں پر غالب آئے، اور ان کو سرقوسطہ کی دیواروں تک ہٹا دیا، تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بتوں کو انہوں نے توڑ ڈالا، اس عہد کا ایک شاعر کہتا ہے ''اپلین مسلمانوں کا دیوتا وہاں ایک غار میں تھا، اس پر وہ پل پڑے اور اس کو نہایت سخت سست کہا اور اس کو گالیاں دیں اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اس کو سولی دی، اور اس کو پاؤں سے روندا اور لاٹھیوں سے مار مار کر اس کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ماہوم کو (جو ان کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے میں ڈال دیا، اس کو سور اور کتوں نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہیں ہوئی، اس کے بعد

---

[1] محمد اینڈ محمدزنم۔ از باسورتھ اسمتھ صاحب، ایم اے صفحہ ۶۳

(Basworth Smith's Mohammed & Mohammedanism, P.63)

ہی مسلمانوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے دیوتاؤں سے معافی مانگی اور از سرِ نو تلف شدہ بتوں کو بنایا' اسی بنا پر جب شہنشاہ چارلس سر قوسطہ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دے دیا کہ تمام شہر کا چکر لگائیں' وہ مسجدوں میں گھس گئے اور لوہے کے ہتھوڑوں سے ماہومیڈ اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا''۔

ایک دوسرا شاعر ریچر خدا سے دعا کرتا ہے کہ ''وہ ماہوم کے بُت کے پجاریوں کو شکست نصیب کرے''۔ اس کے بعد وہ امراء کو جنگ صلیبی کے لئے ان الفاظ میں آمادہ کرتا ہے ''اٹھو اور ماہومیڈ اور ٹرماگان کے بتوں کو اوندھا کردو' اور ان کو آگ میں ڈال دو اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کردو۔''[1]

اس قسم کے خیالات ایک مدت تک قائم رہے۔ (چوتھے حصہ میں ہم اس کو مفصل لکھیں گے)

سترھویں اور اٹھارھویں صدی:

سترھویں صدی کے سنین وسطی یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے' یورپ کی جدوجہد' سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی' وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے' جن کی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شائع ہوئیں' عربی زبان کے مدارس' علمی و سیاسی اغراض سے جابجا ملک میں قائم ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا۔

اس دور کی خصوصیت اول یہ ہے کہ سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے' کسی قدر تاریخ اسلام و سیرت پیغمبر ﷺ کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی' گو موقع بموقع معلوماتِ سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجہ سے نجات پائی اور اس کے مذہبی اور سیاسی امور الگ الگ ہو گئے اس بنا پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتیں الگ ہو گئیں' عوام اور مذہبی اشخاص اور محقق و غیر متعصب گروہ' اسلام کے متعلق ان دونوں جماعتوں نے جو کوششیں کیں' وہ آج ہمارے سامنے ہیں۔

اس عہد میں عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہو گیا تھا' اس سلسلہ میں سب سے پہلے ارپی نیوس (Arpineus) مارگولیوس (Margoliouth) ایڈورڈ پوکاک (E.Pococke) اور ہاٹنجر (Hattinger) ذکر کے قابل ہیں' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتدا میں جن عربی تاریخوں کا ترجمہ کیا' وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے یعنی سعید بن بطریق اوٹیکوس المتوفی ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا پیٹریارک تھا اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا اور ابوالفرج ابن العبری الملطی المتوفی ۱۲۸۶ء مصنف تاریخ الدول۔

ابن العمید المکین کی تاریخ طبری اور ذیل طبری کا خلاصہ ہے' ارپی نیوس نے جو ہولینڈ کا ایک مستشرق تھا' لاطینی ترجمہ کے ساتھ' لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا' جو ابتدائے رسالت سے دولتِ اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے'

---

[1] ترجمہ کتاب ہنری دی کاستری بزبان عربی مطبوعہ مصر از صفحہ ۸ تا ۱۰

المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات میں نہایت کثرت سے آتے ہیں۔

اخیر اٹھارھویں صدی:

یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوتِ سیاسی' اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوگئی' جس نے ''اورنٹیلسٹ'' کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کردی جنہوں نے حکومت کے اشارہ سے السنہ مشرقیہ کے مدارس کھولے' مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں' ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں' مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کئے' اورنٹیل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی میں ۱۷۷۸ء میں ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی۔ اس کی تقلید میں انگریزوں نے بمقام کلکتہ ۱۷۸۴ء میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی اور ۱۷۸۸ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی' اس کے بعد ۱۷۹۵ء میں فرانس نے مشرقی زندہ زبانوں (عربی' فارسی' ترکی) کا دارالعلوم قائم کیا' اور آخرکار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درسگاہیں اور انجمنیں جاری ہوگئیں' عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔

مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت و مغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں وہ ایک ایک کر کے باستثنائے چند' اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں اور ان میں اکثر کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوگیا' سب سے پہلے رسک (Reiske) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابوالفداء مع ترجمہ لاطینی و حواشی پانچ جلدوں میں شائع کی۔ ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے متھیوس (A.N.Mathews) نے کلکتہ سے مشکوٰۃ المصابیح کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا' ۱۸۵۶ء میں وان کریمر (Von Kramer) نے کلکتہ میں محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی' ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرت الرسول کی کوٹنگن (Cottingen) سے اشاعت کی' اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی۔ ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل (G.Weil) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا' ۱۸۷۷ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمہ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی' والہوسن (Wellhausen) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان ''محمد بہ مدینہ'' برلن سے شائع کیا' ۱۸۸۳ء میں لیڈن سے ہاؤتسما (Houtasma) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں چھپی۔ ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت میں طبری کی مشہور اور نادر الوجود تاریخ بارتھ J.Barth اور نولدیکی (Noldeke) وغیرہ نے شائع کی' اور سب سے آخر میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (Sachau) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی میں کوئی تصنیف نہیں' تقریباً ۱۹۰۰ء سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کر کے لیڈن سے شائع ہوتی رہی۔

ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت ممالک اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات' مذہبی منافرت کی کمی اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش' ان تمام چیزوں نے یورپ میں مصنفین تاریخ اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب کا ایک کثیر

التعداد گروہ پیدا کر دیا۔

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

''محمد کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے۔[1]

ہم اس موقع پر صرف ان تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہیں، جو بہ تخصیص آنحضرت ﷺ کے حالات میں، یا اسلام کے اصول عقائد پر لکھی گئیں اور جن میں سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف میں موجود ہیں، یا ہم ان سے متمتع ہو چکے ہیں۔

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی، پی (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	۱۸۱۵ء
۲	ڈاکٹر وایٹ (واعظ اوکسفورڈ) DTI White	انگلستان	بمفٹن سرمنز، اسلام اور پیغمبر اسلام	اوائل ۱۸۰۰ء
۳	گارڈ فری هگنس ایم آر اے ایس God Frey Higgins	انگلستان	اپالوجی	۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے اے مولر J.A.Moller	جرمن	اسلامزم	۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی de Tassy Garcin	فرانس	اسلام و قرآن	۱۸۳۱ء تا ۱۸۷۴ء
۶	اڈورڈ لین Edward Lane	انگلستان	انتخابات القرآن	۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل Weil	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام کتاب محمد پیغمبر	۱۸۴۵ تا ۱۸۴۳
۸	کارلائل Carlyle	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی برسیوال Caussin depergeaal	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن اروِنگ Irving	انگلستان	سیرت محمد	۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر Springer	جرمن	سیرت محمد	۱۸۴۹ء
۱۲	وان کریمر VonremeKr	جرمن	ترجمہ و تحشیہ واقدی	۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون ''محمد''	۱۸۵۸ء
۱۴	ڈوزی Dozy	ہولینڈ	تاریخ اسلام	۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	۱۸۶۱ء
۱۶	ڈی لین Delane	انگلستان	سیرت محمد	۱۸۶۱ء

[1] مارگولیتھ۔ محمد۔ دیباچہ صفحہ ۱

۱۷	میور Muer	انگلستان	سیرت محمد	۱۸۶۱ء
۱۸	برتھالمی سینٹ ہلیر St.hilaire	فرانس	محمد و قرآن	۱۸۶۵ء
۱۹	نولدیکی Noldeky	جرمن	مضامین قرآن و اسلام	۱۸۶۹ء
۲۰	دوشیف مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	انگلستان	محمد	۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس JoliusCharles	فرانس	تاریخ بانی اسلام	۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کا ٹمپریری ریویو	انگلستان	محمد اور اسلام	۱۸۷۵ء
۲۴	باسورتھ اسمتھ Basworthsmith	انگلستان	محمد اور اسلام	۱۸۷۵ء
۲۵	سیدیو Sedillot	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۷۷ء
۲۶	ولہوسن Wellhausen	جرمن	تبصرہ برواقدی	۱۸۸۲ء
۲۷	اہل کراہل Krehl	جرمنی	سیرتِ محمد	۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈزیہر Goldziher	جرمنی	مطالعہ اسلام	۱۸۹۰ء
۲۹	رینان Renan	فرانس	تاریخ مذاہب	۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ گریم H.Grimme	ہولینڈ	سیرت محمد	۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری HenrideCasteri	فرانس	اسلام پر خیالات	۱۸۹۶ء
۳۲	ایف بوہل Buhl	ہالینڈ	سیرت محمد	۱۹۰۳ء
۳۳	والسٹن Wallaston	انگلینڈ	آدھ گھنٹہ محمد کے ساتھ	۱۹۰۵ء
۳۴	مارگولیس Margoliouth	انگلینڈ	محمد	۱۹۰۵ء
۳۵	کوئل Koelle	انگلینڈ	محمد اور اسلام	۱۸۹۴ء
۳۶	پرنس کیٹانی Prince Caetani	اٹالیہ	تاریخ کبیر محمد و اسلام و سلاطین اسلام	
۳۷	میجر لیونارڈ MajorLeonard	انگلینڈ	اسلام کا روحانی و اخلاقی پایہ	۱۹۰۹ء

مصنّفین یورپ تین قسموں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ جو عربی زبان اور اصلی ماخذوں سے واقف نہیں' ان لوگوں کا سرمایۂ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں' ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلانِ طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ ان میں بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الرائے اور انصاف پرست ہیں کہ راکھ کے ڈھیر میں سے بھی سونے

کے ذرّے نکال سکتے ہیں لیکن قلیلٌ مَّاھُمْ

۲۔ عربی زبان اور علم ادب و تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں، ان لوگوں نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی لیکن ضمنی موقعوں پر عربی دانی کے زعم میں اسلام، یا شارع اسلام ﷺ کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں، مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی ہے، اس کی وسعت معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا۔ نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد ۱۶) میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے جا بجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔

۳۔ وہ مستشرقین جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے مثلاً پامر صاحب یا مارگولیوس صاحب، ان سے ہم بہت کچھ امید کر سکتے تھے لیکن باوجود عربی دانی، کثرت مطالعہ، تفحص کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ ؎

ع دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

مارگولیوس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ۶ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا، لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ میں اس سے زیادہ کوئی کتاب، کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کر سکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہو سکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی دان ہیں، کئی سال مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے، لکھنؤ میں آ کر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گزری ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ فی احوال الصحابہ اوّل اوّل انہی نے تصحیح کر کے کلکتہ میں چھپوائی۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب ۳ جلدوں میں لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ [1]

یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں۔

۱۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام تر سرمایہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں، مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اس کو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہئے،

---

[1] یہ کتاب جرمن زبان میں ہے، میں جرمن نہیں جانتا، لیکن اس کے اقوال اکثر اور مصنفین نے نقل کئے ہیں اور وہ ہماری نظر سے گزرے ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو چنانچہ اس کی بحث او پر گذر چکی، مصنفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں مثلاً سیف، سری، ابن سلمہ، ابن نجیح عموماً ضعیف الروایۃ ہیں، اس لئے عام اور معمولی واقعات میں ان کی شہادت کافی ہوسکتی ہے، لیکن وہ واقعات جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے ان کے لئے یہ سرمایہ بیکار ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بہ روایاتِ صحیحہ منقول ہیں، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں، اور ایک آدھ کوئی ہے (مثلاً مارگولیوس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہیں اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سینکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لئے کافی ہے۔

۲۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصول تنقیح شہادت اور اصول تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب؟ اس کے اخلاق و عادات کیا ہیں؟ حافظہ کیسا ہے؟ اس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ تو ممکن ہے، نہ ہی ضروری ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود، قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟ فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائن موجودہ اور گردوپیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے، اور کہیں سے نہیں اکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صورت تسلیم کرلی جائے گی۔

بخلاف اس کے مسلمان مورخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہیں کہ ''اسمائے رجال'' کے دفتر تحقیقات میں اس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ان کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابل اعتنا ہے، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو، اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو، لیکن اس کی روایت قبول کرلی جائے گی۔

اس اختلاف اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہے، مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے، جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہیں، واقعات میں کہیں خلا نہیں ہوتا، جو چیزیں کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہیں سب موجود ہوتی ہیں۔

لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتیں اصلی راز کی پردہ داری کرتی ہیں، جو روایتیں سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانوں پر رہیں، ان میں اس قدر استقصا سے جزئیات ممکن نہیں، یہ البتہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہیں، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلومات عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کردیا جائے، لیکن یہ جرأت صرف واقدی کرسکتا ہے، محدثین اس سے معذور ہیں۔

تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں۔ ثقات بھی غلطی کرسکتے ہیں اور کرتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہیں، اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہیں، ان کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔

یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ:

یورپین مصنفین، آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں، یا ان کی تصنیفات سے جو نکتہ چینیاں خود بخود ناظرین کے دل میں پیدا ہوتی ہیں، حسب ذیل ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے، لیکن مدینہ جا کر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتاً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں، یعنی لشکرکشی، قتل، انتقام، خونریزی، خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۲) کثرتِ ازدواج اور میل الی النساء

(۳) مذہب کی اشاعت جبر اور زور سے۔

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل۔

(۵) دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی۔

اس بنا پر ہماری کتاب کے ناظرین کو تمام واقعات میں اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہئے کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار میں بھی ٹھیک اُتر سکتے ہیں یا نہیں؟

اصولِ تصنیف اور ترتیب:

ہم نے اس کتاب میں جو اصول اختیار کئے ہیں، اب ان کے بتانے کا وقت آ گیا ہے۔

(۱) سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے ان کو سب پر مقدم رکھا ہے، یہ قطعاً ثابت ہے کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے، لیکن لوگوں نے آیاتِ قرآنی پر اچھی طرح نظر نہیں ڈالی، اس لئے وہ مباحث غیر منفصل رہ گئے۔

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، احادیثِ صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتیں نظرانداز کر دی ہیں، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں، ان کے مقابلہ میں سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہیں، ارباب سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتبِ حدیث میں ان موقعوں پر ڈھونڈھتے ہیں، جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اس کو درج ہونا چاہئے، اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتوں کو لے لیتے ہیں، لیکن کتب حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آ جاتے ہیں، اس لئے اگر عام استقراء اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات میں خود صحاح ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں، ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی کتابوں سے ڈھونڈ کر مہیا کئے، جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے۔

(۳) روزمرّہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں، اُن کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تاامکان کدوکاوش کی ہے، اس خاص

ضرورت کے لئے ہم نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ ابن ہشام' ابن سعد' اور طبری کے تمام رواۃ کے نام الگ انتخاب کر لئے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے' پھر اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی جرح و تعدیل کا نقشہ تیار کیا' تا کہ جس سلسلہ روایت کی تحقیق مقصود ہو' بہ آسانی ہو جائے۔

(۴) جن فروگذاشتوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' جہاں تک ممکن تھا' ان کی اصلاح اور تلافی کی ہے۔

کتاب کے حصے:

اس کتاب کے پانچ حصے ہیں [۱]

پہلے حصہ میں عرب کے مختصر حالات' کعبہ کی تاریخ اور آنحضرت ﷺ کی ولادت سے لے کر وفات تک عام حالات اور واقعات وغزوات ہیں' اسی حصہ کے دوسرے باب میں آنحضرت ﷺ کے ذاتی اخلاق و عادات کی تفصیل ہے' آل و اولاد اور ازواج مطہرات ؓ کے حالات بھی اسی باب میں ہیں۔

دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہے' نبوت کا فرض' تعلیم عقائد' اوامر و نواہی' اصلاحِ اعمال اور اخلاق ہے' اس بنا پر منصب نبوت کے کاموں کی تفصیل اس حصہ میں کی گئی ہے' اس حصہ میں فرائض خمسہ اور تمام اوامر و نواہی کی ابتداء اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور ان کے مصالح اور حکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے' اسی حصہ میں نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ عرب کے عقائد اور اخلاق و عادات پہلے کیا تھا' اور ان میں کیا کیا اصلاحیں عمل میں آئیں نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لئے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا' اور کیونکر وہ تمام عالم کے لئے اور ہر زمانہ کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔

تیسرے حصہ میں قرآن مجید کی تاریخ' وجوہِ اعجاز اور حقائق و اسرار سے بحث ہے۔

چوتھے حصہ میں معجزات کی تفصیل ہے' قدیم سیرت کی کتابوں میں معجزات کا الگ باب باندھتے ہیں' لیکن آجکل تو اس کو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہے' کیونکہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آ گئی' البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہے' مثلاً معراج یا تکثیر طعام وغیرہ ان کو اس سنہ کے واقعات میں لکھ دیا ہے۔

پانچواں حصہ خاص یورپین تصنیفات کے متعلق ہے' یعنی یورپ نے آنحضرت ﷺ اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیونکر غلطیاں کرتے ہیں؟ مسائل اسلام کے سمجھنے میں ان سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں ان کے جوابات۔

یہ ضروری نہیں کہ یہ حصے اسی ترتیب سے شائع ہوں' بلکہ جس حصہ کی تیاری کے سامان فراہم ہو جائیں گے اور مرتب ہو جائے گا' وہ شائع کر دیا جائے گا۔

---

[۱] اب یہ کتاب سات حصوں میں مرتب ہوگئی ہے اور ترتیب بھی بدل گئی ہے۔

استناد اور حوالے:

تاریخ اور روایت میں حوالہ اور استناد سب سے مقدم چیز ہے اس لئے اس کے متعلق چند ضروری امور بیان کر دینے ضروری ہیں۔

(۱) صرف انہیں کتابوں کا حوالہ دیا ہے جو خود میری نظر سے گزری ہیں۔

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہیں ان کے متعلق صرف صحیح حدیثوں یا مستند تاریخی روایتوں کا حوالہ دیا ہے لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل میں محدثانہ کدو کاوش نہیں کی ہے۔

(۳) مطبوعہ کتابوں کے حوالہ میں مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے قلمی کتابوں کے متعلق تصانیف سیرت کی فہرست جو اوپر گزر چکی ہے اس میں بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال میں کونسا نسخہ تھا۔

﴿ وَمَا تَوْفِيقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيهِ اُنِيبُ ﴾

عرب

وجہ تسمیہ:

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں' اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں' اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے' اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو ''عرب'' اور دنیا کی اور تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا۔

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربہ تھا' قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربہ آیا ہے۔

ورجّت رباحة العربات رجًا — ترقرق فی مناکبها الدّماءُ

و عربةُ ارض جدّ فی الشراهلهُا — کما جدَّ فی شرب النقاح ظَماءُ

و عربةُ ارضٌ مایحِل حرامهَا — من الناس الا اللوذعی الحُلاحل

عربہ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں' اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا ہے' اس لئے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ :

عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں۔

مغرب بحیرۂ قلزم

مشرق' خلیج فارس اور بحر عمان

جنوب' بحر ہند

شمال کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں' بعض مملکت حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔

سینا: کا جزیرہ' جس کا نام التیہ ہے' اکثر مصنفین عرب اور یورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں' لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے۔

عرب:

عرب کی پیائش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی' تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے' طول تقریباً پندرہ سو' عرض چھ سو میل' اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہے۔

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے' پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے' سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السّراۃ ہے' جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے' اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند ہے' بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں۔

چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں' علامہ ہمدانی نے ''صفتہ جزیرۃ العرب'' میں ایک ایک کان کا نشان

دیا ہے' قریش جو تجارت کیا کرتے تھے' مؤرخین نے لکھا ہے زیادہ تر ان کا مال تجارت چاندی ہوتی تھی' برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معاون پر خاص ایک کتاب لکھی ہے۔ [1]

قدیم تاریخ کے ماخذ:

اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہیں:

(۱) زمانۂ جاہلیت کی بعض تصنیفات جو سلاطین حیرہ کے کتب خانہ میں محفوظ تھیں اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھیں اور جن کا ذکر علامہ موصوف نے کتاب التیجان میں کیا ہے۔

(۲) زبانی روایتیں جو قدیم سے چلی آتی تھیں' عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا یہاں تک کہ آج اشعارِ جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے' اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا' اس بنا پر عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا' عرب کی جو قومیں معدوم ہو چکیں' مثلاً طسم' جدیس' عاد' ثمود' ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایتیں محفوظ تھیں کہ ان کے ذریعہ سے مؤرخین اسلام عرب کی تاریخ قدیم پر معتدبہ تصنیفات مرتب کر سکے' مثلاً ہشام کلبی نے طسم' جدیس' تبابعہ یمن اور دیگر سلاطین عرب پر متعدد کتابیں لکھیں' جن کا ذکر ابن الندیم نے فہرست صفحہ ۹۶ میں کیا ہے۔

(۳) اشعار جاہلیت' جن میں سے اکثر سلاطین اور اقوام' اور عماراتِ عرب کا ذکر ہے' یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان میں کثرت سے موجود ہیں' انہی قدیم ماخذوں سے علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب ''الکلیل'' [2] مرتب کی ہے' جس کا آٹھواں باب خاص سلاطین حمیر کے آثارات قدیمہ' اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے۔

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات' مثلاً مصنفین یونان نے تھیوفراسٹس (جو حضرت عیسیٰؑ سے چار سو برس قبل تھا) سے لے کر بطلیموس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہیں' اور ان کی آبادیوں کے نام بھی بتائے ہیں' رومن مورخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہے' گو نہایت مختصر ہے۔

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتوں کے کتبات' جو قدمائے اسلام نے دریافت کئے تھے' اور جو آجکل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کئے ہیں۔

عرب کے اقوام وقبائل:

مؤرخین عرب نے اقوام وقبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے۔ [3]

عرب بائدہ یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔

عرب عاربہ بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے' اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔

عرب مستعربہ بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی۔

---

[1] Gold Mines Of Median

[2] اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ طبقات الامم (مطبوعہ بیروت) میں ہے۔

[3] یہاں سے ''عرب کی قدیم حکومتیں'' تک زیادت ہے۔ س

ظہورِ اسلام کے وقت بنوقحطان اور بنواسماعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں' ملک کے اصلی باشندے تھے' اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی' اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اُس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا' ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل وفروع سے تھا' جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے' ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں' چونکہ اس کتاب میں اکثر ان کے نام آئیں گے' اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

بنوقحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

(۱) قضاعہ (۲) کہلان (۳) ازد۔ حمیر بھی اسی کی شاخ ہے' جو یمن کے فرمانروا تھے' لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(۱) قبائل قضاعہ' عام علمائے انساب قضاعہ کو بنوقحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں' ورنہ ازروئے تحقیق وہ بنواسماعیل ہیں' بہرحال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں۔:

بنوکلب' بنوتنوخ' بنوجرم' بنوجہینہ' بنونہد' بنوعذرہ' بنواسلم' بلی' سلیح' ضجعم' تغلب' نمر' اسد' تیم اللات' کلب

(۲) کہلان

بجیلہ' خثعم' ہمدان' کندہ' مذحج' طے' لخم' جذام' عاملہ

(۳) ازد' انصار اسی کی شاخ تھے۔

اوس' خزرج' خزاعہ' غسان' دوس

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے حسب ذیل ہیں' قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنوقیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

خندف:

ہذیل' کنانہ' اسد' ضبہ' مزینہ' رباب' تمیم' ہون

ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں:

اصول	فروع
کنانہ	قریش' دول
ہون	قارہ
رباب	عدی' تیم' عکل' ثور
تمیم	مقاعس' قریع' بہدلہ' یربوع' ریاح' ثعلبہ' کلیب

قیس:

عدوان' غطفان' اعصر' سلیم' ہوازن

ان میں بعض کے فروع یہ ہیں۔

غطفان عبس ذبیان فزارہ مرہ

اعصر غنی باہلہ

ہوازن سعد نصر جشم ثقیف سلول بنو عامر (عامر کی شاخیں بنو ہلال بنو نمیر بنو کعب ہیں)

یہود

بنو قینقاع، بنو نضیر بنو قریظہ

بنو قحطان و آل اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جستہ جستہ واقعات کہیں ملتے ہیں

عرب کی قدیم حکومتیں:

کتبوں اور دیگر مؤرخین کی تصریحوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ متمدن سلطنتیں گزریں۔

(۱) معینی — معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے جو کسی زمانہ میں سلطنت کا پایہ تخت تھا۔

(۲) سبائی — یعنی قوم سبا۔

(۳) حضرموتی — حضرموت یمن کا مشہور مقام ہے۔

(۴) قتبانی — قتبان عدن میں ایک مقام ہے جو آج کل گمنام ہے۔

(۵) نابتی — حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا۔ یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔

معینی سلطنت جنوبی عربستان میں تھی اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے کتبوں سے تقریباً پچیس حکمرانوں کا پتہ چلتا ہے محققین یورپ میں اختلاف ہے کہ معینی اور سبائی حکومتیں ہم زمان تھیں یا متقدم و متاخر۔ گلازر کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے اور حضرت عیسٰیؑ سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ملتا اس بنا پر سبائی اور معینی دونوں ہم عصر ہیں۔

سبائی دور جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے حضرت عیسٰیؑ سے سات سو برس قبل ہے اس سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا اس زمانہ کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہیں حضرت عیسٰیؑ سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے اس دور کے بعد حمیر کا زمانہ ہے حمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اس کو پایہ تخت بنالیا۔

قریباً ۱۱۵ قبل مسیح میں حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیر میں چھبیس فرماں روا گزرے حمیر کے بعض کتبوں میں سنہ و سال بھی کندہ ہے ان کے عہد حکومت میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی اے لیس گالس جس نے حضرت عیسٰیؑ سے ۱۸ برس قبل عرب پر چڑھائی کی تھی بالکل ناکامیاب رہا اس کے رہبر دغابازی سے اس کو صحرا میں لے گئے اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا۔[1]

[1] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا کے اس آرٹیکل سے ماخوذ ہے جو جی ڈبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہے نیز لٹریری ہسٹری آف دی عربس مولفہ رینالڈ نکلسن پروفیسر کیمبرج صفحہ ۴ تا ۶۔

حمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا' اسی زمانہ کے قریب حبشیوں نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنی شروع کی' اور ایک زمانہ میں حمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم کر لی' اس عہد کا ایک کتبہ جو آ جکل ہاتھ آیا ہے' اس پر یہ الفاظ ہیں۔

''رحمان' مسیح اور روح القدس کی قدرت وفضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش ارامیس ذبی ان کا نائب الحکومت ہے''۔

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتیں عرب میں اس قدر متواتر ہیں کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہیں کیا جا سکتا' اشعار میں بھی کثرت سے واقعات مذکور ہیں۔ عربوں کے خیال کے موافق سلاطین حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کر لئے تھے' ذوالقرنین جس کو عوام سکندر کہتے ہیں' اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرماں روا تھا۔ شاہنامہ میں مذکور ہے کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کر لیا تھا' علامہ ثعلبی نے تاریخ ایران میں (جو اب یورپ میں چھپ کر شائع ہو گئی ہے) لکھا ہے کہ یہ ہاماوران حمیر کا بادشاہ تھا اور ہاماوران دراصل وہی عربی حمیر ہے' علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سودابہ جو کیکاؤس کی زوجہ تھی' اور فردوسی کے بیان کے موافق سیاوش پر عاشق ہو گئی تھی اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی اور اس کا اصلی نام سعدی تھا' ایرانیوں نے اپنے تلفظ میں اس کو سودابہ کر لیا تھا۔

یورپ کی تحقیقاتِ حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلیٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے' پروفیسر نولدیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے۔

''ولادتِ مسیح سے ہزار سال قبل جنوبی و غربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا' اور جو اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لئے نہایت موزوں تھا' تمدن کے اس رتبہ تک پہنچ چکا تھا' کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذباتِ مدح وستائش کو تحریک ہوتی ہے اور اہل یونان وروم نے اس کو ''دولت مند عرب'' کا جو لقب دیا تھا وہ بیجا نہ تھا...... تورات میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہیں' چنانچہ ملکہ سبا کا سلیمانؑ سے ملاقات کا قصہ خاص طرح پر قابل ذکر ہے (۱۔سلاطین۔۱۰ آیت ۱ تا ۱۰)

قوم ثمود کی عمارات سے ڈاوٹی اور یوننگ کی محنتوں نے ہم کو روشناس کر دیا ہے' نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے' اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً انہی سے حاصل کی ہے۔

کتابت کا فن' جو سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال سے لیا تھا' اب اس کو خود انہوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کر دیا یہاں تک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اس کو پھیلا دیا۔''[۱]

نابتی حکومت' جو شام کے حدود سے متصل تھی' اور جو قوم ثمود کی مرادف یا ان کی قائم مقام تھی اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں۔

''ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانہ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا' بلکہ حجاز و نجد کے صوبہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے' وہاں دوسری طرف سچے بنو اسماعیل کے خطرات جنگ کے لئے بالکل مستعد رہتے تھے' فلسطین و شام میں ان

---

۱ مورخین کی تاریخ عالم جلد ۸۔ یعنی ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ' تمہیدی آرٹیکل نوشتہ پروفیسر نولدیکی صفحہ ۵

کی غارتگریوں اور خلیج عرب میں مصری جہازات پر ان کی رہزنی نے بارہا تاجدارانِ مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کر دیا لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انہیں روک نہ سکی اور روما کی اطاعت بھی انہوں نے اسٹرابو کے زمانہ میں بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔"[1]

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا' اسلام کے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہو چکی تھیں' ان کے بجائے یمن میں صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے' جن کو قیل یا مقول کہتے تھے' عراق میں آل منذر کا خاندان قائم تھا' جو فارس کے زیر اثر تھے' خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتیں اسی سلسلہ کی یادگار ہیں' شام کے حدود میں غسانی خاندان فرمانروا تھا' جو قیصران روم کا ماتحت تھا' اور جس کا اخیر فرمان روا جبلہ بن الایہم غسانی تھا۔

تہذیب و تمدن:

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مانسیو لیبان[2] فرنساوی نے اصولِ عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا' کیونکہ اصولِ ارتقا کی رُو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے' تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے' یورپ کے محققین آثار قدیمہ' جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے' اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے' وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔

صنعا اور قلیس کے ذکر میں یاقوت حموی نے معجم میں قدیم آثاراتِ عجیبہ کا تذکرہ کیا ہے' اور گو اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے' تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے' مثلاً حیرہ جو آل نعمان کا پایہ تخت تھا' اور حوران جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا' تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے۔

مؤرخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا' چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا' اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا' اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے' پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا۔

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہیں' اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا' علامہ ہمدانی نے اکلیل میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے' چنانچہ صفۃ جزیرۃ العرب میں لکھتے ہیں۔[3]

﴿المشهور من محافد اليمن و قصورها القديمة التى ذكرتها العرب فى الشعر و

---

[1] تاریخی جغرافیہ عرب از ریورنڈ فارسٹر جلد اول از صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۸۔

[2] تمدن عرب۔

[3] اکلیل ج ا ص ۲۰۳۔

المثل.... کثیرة الذی فیها من الشعر بابٌ واسعٌ و قد جمع ذلك كلّه الكتاب الثامن من الاكليل ﴾

یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان جن کا ذکر اہل عرب نے اشعار اور امثال میں کیا ہے..... کثرت سے ہیں اور ان کے متعلق اشعار کا ایک دفتر ہے' اکلیل کے آٹھویں باب میں میں نے ان سب کو جمع کر دیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ میں اس موقع پر صرف ان کے نام گنا دیتا ہوں' اور وہ یہ ہیں:

﴿ "غمدان' بُلعم' ناعط' صِرواح' سَلْحين' ظَفّار' هَكِرْ' ضهر' شِبَام' غَيمَان' يَنبُون' رِيَام' بَراقِش' مَعين' رَوثانَ' اَرباب' هِند' هُنيدة، عَمران' بُخَير"۔ ﴾

ان میں سے غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان میں تفصیل سے مذکور ہے' اور اس کی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکہ ہوتا ہے' سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ ستر برس میں تعمیر ہوا' شام کے حال میں لکھا ہے۔

﴿ لهم فيه حصون عجيبة هائلة ﴾

ان میں ان کے متعدد ہیبت انگیز قلعے ہیں

قلعہ ناعط' وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا' اس کے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے' آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات میں جا کر جو تحقیقات کی ہیں اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے' تھیاچر صاحب اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں۔[1]

"جنوبی عربستان میں' جہاں حضرت عیسیٰؑ سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا قلعوں اور شہر پناہوں کے آثار اب تک موجود ہیں اور ان کا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے..... یمن اور حضر موت میں یہ آثار کثرت سے ہیں اور اکثروں پر اب تک کتبے موجود ہیں..... صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائب ہفت گانہ میں سے ایک قرار دیا ہے۔" (دیگر قلعوں کے لئے دیکھو جنرل جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد ۱۰ صفحہ ۲۰)

مآرب جو قدیم سبائی دار السلطنت تھا' اس کے آثار قدیمہ کو ارنو' ہالیوے اور گلازر نے دیکھا ہے۔

مآرب کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہیں' ان کو دیکھ کر عدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہیں' ان کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوئی جب گلازر نے وہ دو طویل الذیل کتبے شائع کئے جن میں ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے' یمن میں بمقام حران ایک اور خندق ہے جس کا طول تقریباً چار سو پچاس فٹ ہے"۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی' عربی زبان نہایت وسیع ہے باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے' ان کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں' سکہ کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہیں' درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا ہے' چراغ معمولی چیز ہے تاہم اس کے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا' چراغ کو لے کر سراج کر لیا' پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا' مصباح' یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنا لی جاتی

[1] انسائیکلوپیڈیا مضمون عرب

ہے، کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں، کوزہ کو کوز کر لیا ہے، لوٹے کو ابریق کہتے ہیں جو آب ریز کا معرب ہے، تشت فارسی لفظ تھا، اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے، پیالہ کو کاس کہتے ہیں، وہی کاسہ فارسی لفظ ہے، کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں، یہ بھی فارسی ہے، پاجامہ کو سروال کہتے ہیں، جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہاں سے لفظ آتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ میں جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی، اس لئے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے، اسی اصلی حالت پر رہ گئے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے، مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جائے ضرور[1] نہ تھی، مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں، ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں، بھوسے کو پھونک کر اڑاتے تھے، جو رہ جاتا تھا وہی آٹا ہوتا تھا، بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، ابوداؤد میں ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی صحبت میں تھا لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض[2] کا حرام ہونا نہیں[3] سنا، اگرچہ اس حدیث کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں آنحضرت ﷺ نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی، لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے، تاریخ اور ادب کی کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ عرب کنکھجورا، گوہ، گرگٹ، سہی اور جانوروں کا چمڑا کھاتے تھے۔

عرب کے مذاہب:

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہیں، انہی لوگوں کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَ قَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنيَا نَمُوْتُ وَ نَحيىٰ وَ مَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ﴾ (جاثیہ ۳)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔

بعض خدا کے قائل تھے، لیکن قیامت اور جزاوسزا کے منکر تھے، ان کے مقابلہ میں قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے۔

﴿ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (یٰس ۵)

کہہ دو کہ (ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

بعض خدا اور جزاوسزا کے بھی قائل تھے، لیکن نبوت کے منکر تھے، ان کا ذکر اس آیت میں ہے:

---

[1] بیت الخلاء، لیٹرین۔

[2] حشرات الارض کیڑے مکوڑے کو کہتے ہیں۔

[3] ابوداؤد جلد دوم صفحہ (۱۷۶) باب فی اکل حشرات الارض۔

﴿وَ قَالُوْا مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔ (الفرقان: ۷)

﴿قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾

کہتے ہیں کہ خدا نے آدمی پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۱)

ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہئے' جو حاجات انسانی سے منزہ ہو۔

لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے' وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہیں۔[1]

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (سورۂ زمر۔ا' پارہ ۲۳)

ہم ان بتوں کو صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں۔

قبیلہ حمیر جو یمن میں رہتا تھا آفتاب پرست تھا' کنانہ چاند کو پوجتے تھے' قبیلہ بنی تمیم دبران کی عبادت کرتا تھا' اسی طرح قیس شعریٰ کی' قبیلہ اسد عطارد کی' اور لخم و جذام مشتری کی پرستش کرتے تھے۔

مشہور بتوں اور ان کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں (بتوں کی تفصیل ''ملل ونحل'' میں ہے)۔

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا
لات	طائف	ثقیف
عزیٰ	مکہ معظمہ	قریش و کنانہ
منات	مدینہ منورہ	اوس' خزرج اور غسان
ودّ	دومۃ الجندل	کلب
سواع		ہذیل
یغوث		مذحج' اور قبائل یمن
یعوق	یمن	ہمدان

سب سے بڑا بت ہبل تھا جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا' قریش لڑائیوں میں اس کی جے پکارتے تھے۔

عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحیٰ تھا' اس کا اصلی نام ربیعہ بن حارثہ تھا' عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے' عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے' عمرو نے لڑ کر جرہم کو مکہ سے نکال دیا' اور خود حرم کا متولی ہو گیا' وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا' وہاں کے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ حاجت روا ہیں' لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں' قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں' عمرو نے چند بت ان سے لے لئے اور لا کر کعبہ کے آس پاس قائم کئے' کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا' اس لئے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہو گیا' ان میں سب سے قدیم بت منات تھا۔ یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا' اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے' اور جب کعبہ کا حج کر کے آتے تھے' تو احرام یہیں اتارتے تھے' ہذیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش

[1] یہ تمام تفصیل ''ملل ونحل'' شہرستانی' مذاہب عرب کے ذکر میں ہے۔

[2] یہ تمام تفصیل معجم البلدان ذکر منات میں ہے۔

کرتے تھے۔ [۲]

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں لکھا ہے کہ عرب میں بت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے' اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ کا اعتقاد:

عرب گو قریباً سب کے سب بت پرست تھے' لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدائے برتر اور چیز ہے' اور وہی تمام عالم کا خالق ہے' اس خالق اکبر کو وہ ''اللہ'' کہتے تھے' قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ (سورۂ عنکبوت)

اور اگر ان لوگوں (کافروں) سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا' اور چاند اور سورج کو کس نے تابعدار بنا رکھا ہے تو بول اٹھیں گے کہ اللہ' پھر کدھر بہکے جا رہے ہیں؟ پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا ہی کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں' پھر جب خدا ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں۔

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا' آج تحقیقاتِ آثار قدیمہ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے' مذاہب واخلاق کی انسائیکلو پیڈیا [۱] میں مشہور مستشرق نولدیکی کا جو قول نقل کیا ہے اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

''اللہ'' جو صفا کے کتبوں میں ''ھلہ'' لکھا ہوا ہے' نباتی اور دیگر قدیم باشندگانِ عرب شمالی کے نام کا ایک جزء تھا' مثلاً ''زید اللہی..... ''نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا لیکن صنعاء کے کتبات میں ملتا ہے' متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام نہایت عام ہے' ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے' نباتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے' اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودوں کے لئے استعمال ہوتا تھا' رفتہ رفتہ زمانہ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور علم کے مخصوص ہو گیا''۔

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت:

اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے' علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے' قضاعہ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا' نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل کو پڑھ سکتے تھے' متعدد ایسے لوگ تھے جنہوں نے شام میں جا کر تعلیم پائی تھی۔

حمیر' بنو کنانہ' بنو حرث بن کعب' کندہ' یہ قبائل یہودی تھے' مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پا لیا تھا' اور تورات کی

---

[۱] ج ۱ ص ۶۶۴

تعلیم کے لئے متعدد درسگاہیں قائم تھیں جن کو بیت المدارس کہتے تھے' حدیث کی کتابوں میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے' قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی' امراءالقیس کا ہمعصر مشہور شاعر سموئیل بن عادیا جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے' یہودی تھا۔

اہل کتاب کی روایتیں مکہ معظمہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اوراس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے' خود قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ﴾ (نحل ۔۱۴)

اور ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے۔

قرآن مجید میں اس خیال کا ابطال بھی کر دیا ہے' جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی۔

قبیلہ' تمیم مجوسی تھا' زرارہ تمیمی نے جو اس قبیلہ کا رئیس تھا' اسی بنا پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی' گو اس پر اس کو ندامت ہوئی' اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا[1]

مذہب حنفی:

دین ابراہیمی کا ام الاصول توحید خالص تھی' زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا' یہاں تک کہ خود خانہ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی' تاہم بالکل فنا نہیں ہو سکتا تھا' عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا' جو لوگ صاحب بصیرت تھے ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسان عاقل جمادِ لایعقل کے سامنے سر جھکائے' اس بنا پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا' لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے' ابن اسحاق[2] نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل' عبداللہ بن جحش' عثمان بن الحویرث' زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے' اُن لوگوں کے دل میں دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے' نہ دیکھتا ہے' نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے' نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے' یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے' ورقہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے' زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے' عبداللہ بن جحش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے' عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے۔

زید دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے' وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے' لیکن کسی سے تسلی نہیں ہوئی' اس لئے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ ''میں ابراہیمؑ کا مذہب قبول کرتا ہوں'' صحیح بخاری میں (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماءؓ (دختر ابوبکر صدیقؓ) سے روایت ہے کہ ''میں نے زید کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے' اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیمؑ کے دین پر نہیں ہے''۔

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے' زید ہی پہلے شخص ہیں جس نے اس رسم کی ممانعت کی' جب کوئی شخص

---

[1] معارف ابن قتیبہ جلد اص ۲۶۴

[2] سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر ص ۷۶

ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی' ورقہ اور عبداللہ بن جحش اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا' بت پرستی کی مخالفت کی' حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانہ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور بت پرستی کو چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔

امیہ کا دیوان آج بھی موجود ہے' اگرچہ اس کا بڑا حصہ جعلی ہے تاہم اصلی کلام بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ وہ غزوۂ بدر تک زندہ رہا' عتبہ جو رئیس مکہ اور امیر معاویہؓ کا نانا تھا' امیہ کا ماموں زاد بھائی تھا' امیہ نے اس کے قتل ہونے کی خبر سنی تو اس کو سخت صدمہ ہوا' اور نہایت پر درد مرثیہ لکھا' غالباً اسی کا اثر تھا کہ اسلام قبول نہ کر سکا۔

شمائل میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت ﷺ کے ہم ردیف تھے' انہوں نے امیہ کا ایک شعر پڑھا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اور'' انہوں نے سو شعر پڑھے' ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ ''اور'' اخیر میں آپ نے فرمایا کہ ''امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا''۔

ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں انہی چاروں کا نام لکھا ہے' لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی' ان میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہے' اس کا تذکرہ آگے آتا ہے' ایک شخص قیس بن نشبہ تھا' جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں خدا پرست ہو چکا تھا' اور آنحضرت ﷺ کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

یہ تحقیق نہیں کہ دین ابراہیمی کو دین حنفی کیوں کہتے ہیں' قرآن مجید میں یہ لفظ موجود ہے' لیکن اس کے معنی میں اختلاف ہے' مفسرین لکھتے ہیں کہ ''چونکہ اس دین میں بت پرستی سے انحراف تھا' اس لئے اس کو حنفی کہتے ہیں' کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہیں' عبرانی اور سریانی [1] زبان میں حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہیں' ممکن ہے کہ بت پرستوں نے یہ لقب دیا ہو اور موحدین نے فخریہ قبول کر لیا ہو۔

یہ امر اکثر روایتوں سے ثابت ہے کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے اور ملت ابراہیمی کی جستجو میں تھے' یہ اس لئے کہ مجدد ملت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا تھا۔

ان چند راہ طلب اور حقیقت جو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفین یورپ کہتے ہیں کہ مذہب صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب میں اسلام سے پہلے بھی موجود تھا' لیکن اگر یہ صحیح ہے تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر ہنگامہ کیوں برپا ہوا؟

---

[1] یہ مارگولیوس کا بیان ہے

کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟

جیسا کہ اوپر بیان ہوا عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے یہودیت بھی نصرانیت بھی مجوسیت بھی حنیفیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰؑ خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے یا توحید تھی لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا۔[۱]

بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی ازدواج کی کوئی حد نہ تھی قمار بازی شراب خوری زنا کاری کا رواج عام تھا بے حیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر امراء القیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے۔

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا عیسائیوں کے بیان کے مطابق عرب قبل اسلام تمام مذاہب میں سب سے زیادہ عیسائیت سے متاثر تھا تاہم اس اثر کا کیا نتیجہ تھا؟ اس کو خود عیسائی مورخین کی زبان سے سننا چاہئے! ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے۔

> ''عیسائیوں نے عرب کو پانچ سو برس تعلیم و تلقین کی اس پر بھی خال خال عیسائی نظر آتے تھے یعنی بنو حارث نجران میں بنو حنیف یمامہ میں اور کچھ بنی طے میں عیسائی تھے باقی خیریت..... بالآخر عرب کو من حیث المذہب دیکھئے تو اس کی سطح پر عیسائیوں کی ضعیف کوششوں کی کچھ خفیف سی موجیں لہراتی نظر آتی تھیں اور یہود کی قوت بھی کبھی بڑی شدت سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی لیکن بت پرستی اور بنو اسماعیل کے بے ہودہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آ کر ٹکراتا تھا''۔[۲]

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی (اس کی تفصیل کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی) کیا اس عام ظلمت اس عالم گیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتابِ عالم تاب کی حاجت نہ تھی؟

❁❁❁

---

[۱] تورات، تکوین، آیت ۲۲ تا ۲۹ میں حضرت یعقوبؑ کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے

[۲] میور صاحب کی لائف آف محمد جلد اول دیباچہ

سلسلۂ اسماعیلی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مؤرخین عرب نے عرب کی تین قسمیں کی ہیں:-

عرب کی وہ قدیم قومیں جو بالکل برباد ہوگئیں' مثلاً طسم وجدیس وغیرہ۔

خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہیں' مثلاً اہل یمن اور انصار (اور تیسرا سلسلہ اسماعیلی)

حضرت اسماعیلؑ جب مکہ میں آباد ہوئے' تو حوالی مکہ میں بنو جرہم آباد تھے' حضرت اسماعیلؑ نے اس خاندان میں شادی کی' اس سے جو اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے' اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور خود اسلام کی تمام تر تاریخ اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ ہی کے خاندان سے ہیں' اور جو شریعت آنحضرت ﷺ کو عنایت ہوئی وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی' قرآن مجید میں ہے۔

﴿ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا ﴾ (حج۔۱۰)

تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب[1] اسی نے پہلے پہل تمہارا نام مسلم رکھا (اور اس قرآن میں بھی)

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مؤرخ سرے سے ان حقائق کے منکر ہیں' یعنی نہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیل عرب میں آئے نہ انہوں نے کعبہ کی بنیاد ڈالی' نہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں۔

چونکہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کر لی ہے' اس لئے یہ توقع مشکل ہے کہ ہم اس بحث کو اس طرح طے کر سکیں گے کہ استدلال کی بنیاد یورپ کے مسلمات پر رکھی جائے۔

جو واقعات مختلف فیہ ہیں بہت ہیں' لیکن اصولی امور صرف دو ہیں' جن میں دونوں فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتا' یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہوں اس کے فرعی جزئیات بھی اسی کے موافق تسلیم کر لینے چاہئیں' اصول مذکورہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ عرب میں آ کر آباد ہوئے یا نہیں؟

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی کرنا چاہا تھا' یا حضرت اسماعیلؑ کو؟

حضرت اسماعیلؑ کہاں آباد ہوئے؟

یہود مدعی ہیں کہ حضرت اسحاقؑ ذبیح ہیں۔ اس بنا پر وہ قربانی گاہ کا موقع شام بتاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت اسحاقؑ نہیں بلکہ حضرت اسماعیلؑ تھے' تو قربانی گاہ کے موقع کی نسبت عرب ہی کی روایتیں تسلیم کرنی پڑیں گی اور اس حالت میں تاریخ کی تمام کڑیاں متصل ہو جائیں گی۔

توراۃ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے ہوئی جس کا نام اسماعیلؑ رکھا

---

[1] اس کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا ہے اور بعض نے اللہ تعالیٰ کو اور یہی صحیح ہے جیسا کہ آیات سے صاف ظاہر ہے۔ س

گیا' حضرت اسماعیلؑ کے بعد حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے' حضرت اسماعیلؑ جب بڑے ہوئے تو حضرت سارہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حضرت اسحاقؑ کے ساتھ گستاخی کرتے ہیں' حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکال دو۔ ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

''تب ابراہیمؑ نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی' اور اس کو ہاجرہ کے کاندھے پر دھر دیا، اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا' وہ روانہ ہوئی' بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا کر بیٹھی کیونکہ اس نے کہا میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں' سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر روئی' تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا' اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا' مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی' اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا' پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا' اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا' اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا' اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیرانداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی''۔ (توراۃ سفر پیدائش باب ۲۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ جب گھر سے نکالے گئے تو بالکل بچہ تھے' چنانچہ حضرت ہاجرہؓ نے مشک کو اور ان کو کاندھے پر اٹھایا' عربی توراۃ میں صاف یہ الفاظ ہیں۔

﴿واضعًا ایّاھا علی کتفھا والولد﴾

حضرت ابراہیم نے مشک اور بچہ دونوں کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھا۔

لیکن توراۃ میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس کی تھی اور جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کا ختنہ کیا تو حضرت اسماعیلؑ کی عمر ۱۳ برس کی' اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے برس کی تھی۔ [1]

یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ ختنہ کے بعد کا ہوگا' اس لئے اس وقت قطعاً ان کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی' اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہیں ہوتا کہ ماں اسے کندھے پر اٹھائے پھرے' اس واقعہ سے غرض یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی عمر اس وقت اتنی ہو چکی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو اور ان کی والدہ کو اصلی مقامِ سکونت سے کسی دور مقام پر لا کر آباد کر سکتے تھے۔

توراۃ کی عبارتِ مذکورہ میں تصریح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ فاران میں رہے اور تیراندازی کرتے رہے' عیسائی کہتے ہیں کہ فاران اس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب میں واقع ہے' اس لئے حضرت اسماعیلؑ کا عرب میں آنا خلاف واقعہ ہے۔

جغرافیہ دانانِ عرب عموماً متفق ہیں کہ فاران حجاز کے پہاڑ کا نام ہے' چنانچہ معجم البلدان میں صاف تصریح ہے' لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے' اس کا فیصلہ ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے جو مباحثہ اور مناظرہ کی

---

[1] پیدائش باب ۱۷-۲۴،۲۵

حد تک پہنچ جاتی ہے اس لئے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں، البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حدِ شمالی کس زمانہ میں کس حد تک وسیع تھی۔

موسیو لیبان' تمدنِ عرب میں لکھتے ہیں۔

''اس جزیرے کی حد شمالی اس قدر صاف اور آسان نہیں ہے' یعنی یہ حد اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع ہے' ایک خط جنوب بحر لوط تک کھینچا جائے اور وہاں سے دمشق اور دمشق سے دریائے فرات تک اور دریائے فرات کے کنارے کنارے لا کر خلیج فارس میں ملا دیا جائے' پس اس خط کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہیں''۔

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاران میں محسوب ہونا خلاف قیاس نہیں۔ تورات [1] میں جہاں حضرت اسماعیلؑ کی جائے سکونت کا بیان ہے' وہاں یہ الفاظ ہیں۔

''اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راہ میں ہے جس سے سور کو جاتے ہیں' بستے تھے''۔

اس تحدید میں مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے وہ عرب ہی ہو سکتا ہے۔ نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں جس قدر اعتناء ہے' بنو اسرائیل کے ساتھ ہے۔ بنی اسماعیل کا ذکر محض ضمنی طور پر آ جاتا ہے اور اس وجہ سے حضرت اسماعیلؑ کا عرب میں آباد ہونا بہ تصریح نہیں ملتا۔ لیکن مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کا عرب میں آباد ہونا ایک مسلمہ امر تھا۔ عہد جدید میں جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہیں پولوس کا ایک خط گلتیون کے نام ہے' اس میں یہ عبارت ہے۔ [2]

''ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے' ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے' پر وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا' اور جو آزاد سے تھا' سو وعدے کے طور پر' یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے' اس لئے کہ یہ عورتیں دو عہد ہیں' ایک تو سینا پہاڑ سے جو ہوا وہ نرے غلام جنتی ہے' یہ ہاجرہ ہے کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور اب کے یروشلم کا جواب ہے''۔

اگرچہ معلوم نہیں کہ اصلی عبارت کیا تھی اردو اور عربی دونوں ترجمے ناصاف ہیں' تاہم اس قدر واضح ہیں کہ پولوس جو حضرت عیسیٰؑ کے سب سے بڑے جانشین ہیں' حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہ سینا کہتے تھے۔ اگر حضرت ہاجرہ عرب میں آباد نہ ہوئی ہوتیں' تو ان کو عرب کا کوہِ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے' آگے چل کر بکہ کے ذکر میں یہ بحث زیادہ مؤید ہو جائے گی۔

ذبیح کون ہے؟

تورات اگرچہ یہودیوں کی عدم احتیاط' اغراضِ ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہو گئی ہے' اور خصوصاً پیغمبر خاتم ﷺ کے متعلق اس میں جو تصریحات اور تلمیحات تھیں یہود کے دست تصرف نے ان کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہیں' تورات میں گو تصریحاً حضرت اسحٰقؑ کا ذبیح ہونا لکھا ہے لیکن مطاوی کلام میں اس بات کے قطعی دلائل موجود ہیں کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے' امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہئے:-

---

[1] سفر تکوین باب ۲۵۔ آیت ۱۸

[2] باب ۴۔ آیت ۲۴

۱۔ شریعت سابقہ کے رُو سے قربانی صرف اس جانور یا آدمی کی ہوسکتی تھی جو پہلونٹھا بچہ ہو' اسی بنا پر ہابیل نے جن مینڈھوں کی قربانی کی تھی وہ پہلونٹھے بچے تھے۔

خدا نے حضرت موسیٰؑ سے جہاں لاویوں کے متعلق احکام ارشاد فرمائے' وہاں فرمایا ہے:۔

﴿ لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من النّاس و البھائم ﴾

کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلونٹا بچہ میرے لئے ہے۔ (عدد ۸۔ ۱۷)

۲۔ پہلونٹھے بچے کی افضلیت کسی حالت میں زائل نہیں ہوسکتی' تورات میں ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں' ایک محبوبہ ہو اور دوسری غریب مرغوب' تو فضیلت اسی اولاد کو ہوگی جو پہلونٹی ہو' گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو۔

﴿ فانه اوّل قدرته و له حق البکورية ﴾ (سفر تثنیہ' اصحاح۔ ۲۱' آیت ۱۵ و ۱۷)

کیونکہ وہ اس کی پہلی قدرت ہے' اور اسی کو اولاد اولین ہونے کا حق ہے۔

۳۔ جو اولاد خدا کو نذر کر دی جاتی تھی اس کو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا۔ تورات میں ہے:۔

﴿ فی ذلك الوقت انزر الرب سبط لاوی لیحملوا تابوت عهد الرب ولکی یقفوا امام الرب لیخدموه و یبارکوا باسمه الی هذا الیوم لاجل ذلك لم یکن للاوی قسم و لا نصیب مع اخوته الرب هو نصیبه ﴾ (تورات' اصحاح ۱۰' آیت ۸ و ۹)

تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لئے مخصوص کر لیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اٹھائے' اور تا کہ خدا کے آگے کھڑا ہوتا کہ وہ خدا کی خدمت کریں اور اس کے نام سے آج تک برکت لیں' یہی وجہ ہے کہ لاویوں کو اپنے بھائیوں کے ساتھ کوئی حصہ اور ترکہ نہیں ملا' کیونکہ ان کا حصہ خدا ہے۔

۴۔ جو شخص خدا کی نذر کر دیا جاتا تھا' وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا' اور معبد کے پاس جا کر منڈاتا تھا' جس طرح آج حج میں احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہیں' تورات میں ہے:۔

﴿ فها انك تحملین و تلدین ابناً و لا یعل موسی راسه لان الصبی یکون نذیرا اللّٰهُ ﴾

اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی' اور اس کے سر پر اُسترا نہ پھیرا جائے کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائے گا۔ (تورات۔ قضاۃ، اصحاح ۱۳۔ ۴)

۵۔ جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا اس کے لئے ''خدا کے سامنے'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ (تورات سفر عدد (۶۔ ۱۶ و ۲۰ و سفر تکوین۔ ۱۷' و تثنیہ ۱۰۔ ۸)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا' اس میں قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جائے جو اکلوتا ہو' اور محبوب ہو۔ (تورات' تکوین' اصحاح ۲۲۔ آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا ایک بات تھی' یعنی دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلاں معبد میں قربانی چڑھا دو' تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت

کے لئے گھر سے الگ کر دیا جائے' لیکن یہ لفظ جب جانوروں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے' تورات میں خدا کی زبان سے مذکور ہے۔

﴿ لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس و البهائم ﴾

کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔

اسی اصحاح میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ'' خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل میں سے لاویوں کو لو اور ان کو خدا کے سامنے پیش کرو' کہ خدا کے لئے خاص کر دیئے جائیں اور یہ لوگ دو گایوں کے سر پر ہاتھ رکھ دیں جو قربانی کی جائیں''۔ (اختصاراً)

حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا' اس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا' اور اس لئے بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی' لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا۔ اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو خانۂ خدا کی خدمت کے لئے خاص کر دیا' اور جو شرطیں قربانی کی تھیں' قائم رکھیں۔

بیان مذکورۂ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

(۱) حضرت اسحاقؑ کی ولادت حضرت اسماعیلؑ کے بعد ہے' اس بنا پر حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے نہیں' اور چونکہ قربانی کے لئے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے' اس لئے حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا حکم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) حضرت اسحاقؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ترکہ دیا' بخلاف اس کے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دے کر رخصت کیا' یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہیں چڑھایا تھا۔

(۳) حضرت اسماعیلؑ کے خاندان میں مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہیں منڈاتے تھے' حج میں احرام کے زمانہ تک جو بال نہیں منڈاتے' یہ اسی سنت اسماعیلی کی یادگار ہے۔

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کے لئے ملت ابراہیمی میں استعمال کئے جاتے تھے' وہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے استعمال کئے' نہ حضرت اسحاقؑ کے لئے' تورات میں ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔

﴿ لیت اسمٰعیل یعیش امامك ﴾

کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا۔

تورات میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) اسی معنوں میں ہوا ہے۔

(۵) حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی محبوب ترین اولاد تھے' تورات جو تمام تر حضرت اسحاقؑ کی یک طرفہ داستان ہے' اس میں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے جو امتیازی خصائص بیان کئے ہیں' یہ ہیں کہ حضرت اسحاقؑ خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں [1] اور حضرت اسماعیلؑ دعوتِ ابراہیمؑ ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور خواہش سے

پیدا ہوئے [2] اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسماعیل رکھا' کیونکہ اسماعیلؑ دو لفظوں سے مرکب ہے' سمع اور ایل۔ ''سمع'' کے معنی ''سننے'' کے اور ''ایل'' کے معنی ''خدا'' کے ہیں [3] یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا ''سن لی''۔ تورات میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ''اسماعیلؑ کے بارے میں میں نے تیری سن لی''۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے حضرت اسحاقؑ کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس موقع پر بھی حضرت اسماعیلؑ کو یاد کیا' غرض چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا' اس میں قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو' اس لئے حضرت اسماعیلؑ ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ۔

۶۔ حضرت اسحاقؑ کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ میں اس کی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا' تورات میں ہے۔

''پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام اسحاقؑ رکھے گا اور میں ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کروں گا''۔ (تورات۔ تکوین' اصحاح ۱۷ آیت ۱۸)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لو' تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے:

> ''خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا' میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا''۔ (تورات۔ تکوین' اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۵)

اب غور کرو کہ خدا نے جب حضرت اسحاقؑ کی بشارت ہی کے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ میں اس کی نسل قائم رکھوں گا' تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس وقت تک حضرت اسحاقؑ [4] کی اولاد نہیں پیدا ہوئی تھی ان کی قربانی کا حکم ہوتا' لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہیں' حضرت اسماعیلؑ اکبر اولاد تھے۔ محبوب تر تھے' قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے' قربانی سے پہلے ان کی کثرت نسل کی بشارت نہیں دی گئی' تورات میں تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا' اس لئے اس بیٹے کی کثرتِ نسل کا وعدہ کیا گیا' یعنی یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ میں تھی' اس لئے ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں' کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی تکثیر نسل کا وعدہ تو ان کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا' جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ میں نہ تھا۔

مقام قربانی:

۷۔ تورات میں قربانی گاہ کا جو موقع بتایا ہے وہ ''مریا'' ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت سلیمانؑ کا ہیکل تھا' عیسائی کہتے ہیں یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسٰیؑ کو سولی دی گئی۔

---

[1] تورات تکوین ۱۷' ۱۸

[2] تکوین اصحاح ۱۵

[3] تکوین اصحاح ۱۷' ۱۸

[4] یہ مسلم ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی۔ (تکوین: اصحاح ۲۵۔ آیت ۱۱)

لیکن یورپ کے محققوں نے ان دونوں دعووں کی تغلیط کی ہے۔ سراسٹانلی لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیمؑ صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے' جہاں ان کو خدا نے حکم دیا تھا لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہیں ہے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے' نہ عیسائیوں کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے' یہ قیاس تو یہودیوں کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے' اور اس سے بعید مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ [1] وہ جبل عرفات ہے' غالباً یہ مقام جریزیم کے پہاڑ پر ہے اور وہی قربان گاہ سے مشابہ مقام ہے''۔

اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ موریا کے تعین میں یہودیوں اور عیسائیوں کے دعویٰ غلط ہیں، باقی یہ امر کہ مسلمانوں کا دعویٰ بھی غلط ہے' اس کی تحقیق آگے آتی ہے۔

موریا کی تعیین میں جو اختلاف پیدا ہوا' اس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا' یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے' یا وصفی معنی رکھتا ہے' بہت سے مترجموں نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا اور اس لئے اس کا ترجمہ تورات کے بعض نسخوں میں بلوطاتِ عالیہ اور بعض میں ''زمین بلند'' اور بعض میں مقام الرّویا کیا' لیکن زیادہ صائب الرائے لوگوں نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اس لئے لفظ کا ترجمہ نہیں کیا' بلکہ بہ حال خود رہنے دیا' لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی یعنی ''مریا'' کا ''مورہ'' ہو گیا' خصوصاً اس وجہ سے کہ عبرانی زبان میں دونوں لفظوں کا املا قریب قریب ہے۔

مورہ کی نسبت توراۃ میں تصریح ہے کہ عرب میں واقع ہے' تورات میں ہے۔

﴿ و کان جیش المدیانیین شمالیھم عند تل مورۃ فی الوادی ﴾ (قضاۃ۔اصحاح ۷ آیت ۲)

اور مدیانیوں [2] کی فوج' شمال کی جانب مورہ کی پہاڑی پر وادی میں تھی (مدیان عرب میں واقع ہے)

تمام واقعات اور قرائن کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مروہ ہے جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے' اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

عرب کی روایات' قرآن مجید کی تصریح' احادیث کی تعیین' تمام چیزیں اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہیں' تفصیل اس کی یہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''قربان گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربانی گاہ ہیں۔'' [3]

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی' بلکہ منیٰ میں ہوتی تھی' جو مکہ سے تین میل پر ہے' تاہم آنحضرت ﷺ نے مروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا' یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہیں حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کرنی چاہی تھی۔

قرآن مجید میں ہے۔

---

[1] یہ غلط ہے' مسلمان عرفات کو نہیں' بلکہ منیٰ کو قربان گاہ سمجھتے ہیں۔

[2] مدین عرب کی زمین ہے اور عرب کو اکثر مدیانیوں کہتے ہیں' اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک ہے اور یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں جو قطورا سے تھے (ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴)۔

[3] موطا امام مالک۔

﴿ ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ (حج۔۴)

پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے۔

﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ ﴾

قربانی جو کہ کعبہ میں پہنچے۔

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل اور اس کے قریب ہے ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہے منیٰ نہیں لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی۔

قربانی کی یادگار:

یہودی حضرت اسحاقؑ کی اولاد ہیں اس لئے اگر حضرت اسحاقؑ ذبیح ہوتے تو اس کی کوئی یادگار ان کے ہاں موجود ہوتی، بخلاف اس کے حضرت اسماعیلؑ کے خاندان بلکہ تمام مسلمانوں میں جو حضرت اسماعیلؑ کی روحانی اولاد ہیں قربانی کی تمام رسمیں آج تک موجود ہیں۔

اولادِ اسمٰعیلؑ میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں اور حج جو کہ ایک بڑا فریضہ اسلام ہے تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا اے ابراہیمؑ! حضرت ابراہیمؑ نے کہا ''میں حاضر ہوں۔'' [۲]

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہیں یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں جس کا لفظی ترجمہ وہی ہے ''میں حاضر ہوں۔'' [۳]

۲۔ شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے یا خدا کے لئے نذر دیتے تھے وہ بار بار معبد یا قربان گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔

حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اسی کی یادگار ہے۔

۳۔ نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے حج میں بھی یہی دستور ہے جب احرام اتارتے ہیں تب بال کترواتے یا منڈواتے ہیں خود قرآن مجید میں اس شعار کا ذکر ہے۔

﴿مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ ﴾ (فتح۔۴)

سروں کو منڈائے ہوئے۔

۴۔ حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے یہ وہی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار ہے اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

---

[۱] موطا امام مالک۔

[۲] تورات، تکوین، اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۔

[۳] تورات، لاویین، اصحاح ۸۔ آیت ۲۷۔

﴿ وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴾ (صافات۔۲)

حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی۔

یہ دلائل تورات کی تصریحات و کنایات کی بنا پر تھے' قرآن مجید کے رُو سے قطعاً حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت ہے' اگرچہ بہت سے مفسرین نے غلطی سے یہودیوں ہی کی روایت کی تائید کی ہے' قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

﴿ وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ o فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ﴾ (صافات۔۳)

اور حضرت ابراہیم نے کہا میں اپنے خدا کی طرف جاؤں گا' وہ مجھ کو راستہ دکھائے گا' خدایا! مجھ کو وہ اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو' تو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی' پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیمؑ نے کہا بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں' تیری کیا رائے ہے؟

آیت بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لئے دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔

تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دُعا سے پیدا ہوا' وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں اور اسی لئے ان کا نام اسمٰعیلؑ رکھا گیا کہ خدا نے ان کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دُعا سنی' اس بنا پر اس آیت میں جس کا ذکر ہے' وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں' اسحاق نہیں۔

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاقؑ کی ولادت کا ذکر ہے' اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر ہوا' وہ حضرت اسحاقؑ نہیں ہیں بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔

مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا' یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے ایجاد کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (حج ۱۰)

تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی[1] نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا۔

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے' یعنی حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنا چاہا اور ان سے کہا کہ "مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا ہے' تمہاری کیا رائے ہے؟" تو حضرت اسمٰعیلؑ نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے' اس موقع پر خدا نے "اَسْلَمَا" کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے' اور جس کے معنی "تسلیم" اور "حوالے کر دینے" کے ہیں۔

---

[1] ابھی گذشتہ صفحات کے حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ بعض مفسرین نے قرب لفظ کی وجہ سے ہی کا فاعل حضرت ابراہیمؑ کو قرار دیا ہے تابعین میں حضرت ابن زید اور حضرت حسن بصری کا یہی مسلک ہے اور ابوحیان نے اسی کی تائید کی ہے لیکن صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں مجاہد ضحاک' قتادہ اور سفیان نے اللہ کی طرف ضمیر پھیری ہے اور یہ معنی لئے ہیں کہ تمہارا نام مسلم قرآن کے نزول سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے رکھا اور اس قرآن میں بھی اس نے تمہارا یہ نام رکھا۔"س"

﴿ فَلَمَّآ اَسۡلَمَا ﴾ (صافات ۳)
پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیا۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں، یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا یہی شعار مذہبی قرار پایا اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیروانِ ملت کا نام مسلم رکھا۔

قربانی، ایثار اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیلؑ ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا اگر حضرت اسحاقؑ قربانی ہوتے تو یہ لقب ان کی اولاد یا ان کی امت کو ملتا۔

قربانی کی حقیقت :

اس مسئلہ کی حقیقت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، اس سے اصل مقصود کیا تھا؟ قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھیں، یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی، مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہے۔

اکابر[۱] صوفیہ نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں، دو قسم کے ہوتے ہیں، عینی اور تمثیلی، عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے، تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو پورا ادا کرنا ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ کو جو خواب دکھایا گیا تھا اس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دیں، یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں، بلکہ کعبہ کی خدمت کیلئے وقف کر دیئے جائیں، توراۃ میں جابجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے۔

---

[۱] (اس مقام پر مصنف کی یہ عبارت مزید تشریح کی محتاج ہے، مصنف نے جیسا کہ لکھا ہے کہ رؤیا دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک عینی جس میں صورتِ واقعہ بعینہٖ دکھائی جاتی ہے اور دوسری تمثیلی جس میں صورتِ واقعہ کسی مثالی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اس کو بہت سے علماء نے تسلیم کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ خواب کی اس دوسری قسم میں اصلی مقصود رویا کی دوسری مثالی صورت ہوتی ہے جیسے حضرت یوسفؑ کا اپنے ماں باپ کو آفتاب و ماہتاب اور بھائیوں کو ستاروں کی شکل میں دیکھنا یا حضور انور ﷺ کا مدینہ کی وبا کو ایک بڑھیا کی شکل میں دیکھنا اور اُحد میں مسلمان شہدا کو مذبوح گایوں کے رنگ میں دیکھنا، محدث خطابی معالم السنن میں لکھتے ہیں۔

﴿ و بعض الرؤيا مثل يضرب ليتاول على الوجه الذي يجب ان يصرف اليه معنى التعبير في مثله و بعض الرؤيا لايحتاج الىٰ ذلك بل ياتي كالمشاهد ﴾ (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۴۰۲)

بعض خواب تمثیلی ہوتے ہیں جس کو اس مثالی صورت میں اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ پر اس کی تعبیر کی جائے جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب اس کے محتاج نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

حضرت ابراہیمؑ نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی، گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیاء سے ہوسکتی ہے (گو یہ غلطی قائم نہیں رہتی بلکہ خدا اس پر متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیمؑ اس فعل سے روک دیئے گئے، لیکن خدا نے ان کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا۔

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَالِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾

تو نے خواب کو سچا کیا، ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حصہ)

امام ابوبکر ابن العربی مالکی احکام القرآن میں اسی حقیقت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رؤیا کے ضمن میں یوں فرماتے ہیں کہ بعض رؤیا نام کی طرح ہوتے ہیں (یعنی عینی و تصریحی جو بالکل لفظاً لفظاً واقعہ کے عین مطابق ہوتے ہیں) اور بعض مثل کنیتوں کی طرح ہوتے ہیں یعنی کسی مناسبت معنوی کے سبب سے وہ کسی دوسرے ہم شکل واقعہ کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ خواب اسی دوسری قسم کا تھا۔ (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۹۶، مصر)

مصنف سیرت نے اس مقام پر ان ہی بعض علماء کی تقلید کر کے حضرت ابراہیمؑ کے اس خواب کو تمثیلی کہا ہے اور اسی بنا پر ان کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے اس خواب کو جو تمثیلی تھا، اپنی خطائے اجتہادی سے عینی و حقیقی سمجھے اور اس کی بعینہٖ تعمیل پر آمادہ ہو گئے، لیکن عین وقت پر ان کو وحی الٰہی نے ان کی اس اجتہادی خطا پر متنبہ کر دیا اور حضرت اسماعیلؑ کی بعینہٖ قربانی سے روک کر ان کی جگہ جانور کی قربانی پیش کی۔

ہیچمدان جامع کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ کی اجتہادی غلطی ماننے سے ابا کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو محبت الٰہی سے سرشار تھے، خطائے اجتہادی سے نہیں بلکہ غلبہ شوق اطاعت و محبت میں اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہ و بلفظہٖ کرنے آمادہ ہو گئے، تاکہ اس ابتلا میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پورے اتریں اور اپنی طرف سے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمت توحید و تولیت کعبہ کے لئے وقف کر دینے کی تاویل کا سہارا لے کر نفس کی متابعت کے شبہ اور دھوکے سے بھی پاک رہیں، تاآنکہ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو اپنے لفظوں میں واضح فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، آواز آئی۔

يَآاِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (صافات ۳) وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (صافات)

ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا۔

اور امت پر یہ قربانی اسی تمثیلی رنگ میں واجب ٹھہرائی گئی، یعنی جسمانی اطاعت و قربانی کی تمثیل جانور کی قربانی کی شکل میں۔ یہ تشریح ان بعض علماء کی متابعت میں ہے جو بعض دینی و علمی اسباب کی بنا پر اس رویائے کو تمثیلی سمجھتے ہیں ورنہ جمہور علما اس رویا کو عینی ہی سمجھتے ہیں، لیکن عین اس وقت جب حضرت ابراہیمؑ اس پر عمل کر کے اپنی طرف سے فرزند کے ذبح کی پوری عزیمت کر کے اپنا کام کو پورا کر چکے تھے اور تعمیل حکم میں ایک لحہ کی بھی دیر نہیں رہی تھی کہ وحی الٰہی نے آواز دی، اے ابراہیم! تم نے اپنا کام پورا کر دیا اور اپنے خواب کو سچ کر دکھایا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی، اب اس کی جگہ ملت ابراہیم کی یہ سنت عظیم جانور کی قربانی کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ ظاہر ہے کہ بہر دو صورت یہ جانور کی قربانی جیسا کہ بعض ائمہ محققین نے لکھا ہے نفس کی قربانی کی تمثیل ہے اور اس قربانی کا گوشت اس روز عید میں قربانی کنندہ کے لئے برکت، احباب کے لئے تحفہ اور فقراء کے لئے سامان دعوت بنا۔

مزید تفصیل کے لئے معارف ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مضمون ''ذبح عظیم'' اور معارف صفر ۱۳۵۶ھ کے شذرات ملاحظہ ہوں۔ ''س''

بہر حال یہاں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کے لئے نذر چڑھانا تھا' نذر چڑھانے کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل تھا وہ ''خدا کے سامنے'' تھا۔ تورات میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے' حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے حق میں خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی۔

﴿لیت اسمعیل یعیش امامك﴾ (تورات' تکوین' اصحاح ۱۷۔ آیت ۱۸)

کاش اسماعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔

اسی خواہش کے مطابق ان کو خواب میں تمثیلی پیرایہ میں حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کریں' یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا نہیں' بلکہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔

مکہ معظّمہ

حضرت اسماعیلؑ کی بحث مسکن میں گذر چکا کہ وہ عرب تھا' مقام ذبح کی تعیین میں یہ ثابت ہو چکا کہ وادی ''مکہ'' تھا' اس بنا پر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔

متعصب عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانوں کا خاص دعویٰ ہے' قدیم تاریخوں میں اس کا نشان نہیں [1] ملتا' اس بنا پر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکہ ہے' قرآن مجید میں یہی نام ہے۔

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکاً ﴾ (سورۂ آل عمران۔۱۰)

پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لئے بنایا گیا' وہ بکہ میں تھا۔

کتاب زبور ۸۴۔۶ میں ہے۔

''بکہ کی وادی میں گزرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے' برکتوں سے مورہ کو ڈھانک لیتے' قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں''۔

اس عبارت میں بکہ کا جو لفظ ہے یہ وہی مکہ معظّمہ ہے' لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجائے مشتق قرار دیں تو اس کے معنی ''رونے'' کے ہوں گے' اور یہ وہی عربی لفظ بکاء ہے' چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے ہیں، اس لئے بہت سے مترجمین نے عبارت مذکور میں بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے' لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں وادی بکا کے کیا معنی ہوں گے؟ زبور کی عبارت مذکورہ کی اوپر کی آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نشید میں حضرت داؤدؑ نے مکہ معظّمہ اور مروہ اور قربان گاہ اسماعیلی کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے۔ اوپر کی عبارت یہ ہے (حضرت داؤدؑ خدا سے کہتے ہیں) اے فوجوں کے خدا! تیرے مسکن کس قدر شیریں ہیں' میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے..... اے خدا! تیرے قربان گاہ میرے مالک اور میرے خدا ہیں' مبارک ہوان لوگوں کو جو تیرے گھر میں ہمیشہ رہتے ہیں اور تیری تسبیح پڑھتے ہیں''۔ اس کے بعد بکہ والی آیتیں ہیں' اب غور کرو حضرت داؤدؑ جس مقام کے پہنچنے کا شوق ظاہر کرتے ہیں' وہ اس مقام پر صادق آ سکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں۔

(۱) قربانی گاہ ہو۔

(۲) حضرت داؤدؑ کے وطن سے دور ہو' کہ وہاں تک سفر کر کے جائیں۔

(۳) وہ وادی بکہ کہلاتا ہو۔

(۴) وہاں مقام مورہ بھی ہو' ان باتوں کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہو جائے گا کہ بکہ وہی مکہ معظّمہ اور مورہ وہی

---

[1] مارگیولیوس اپنی کتاب میں لکھتا ہے ''اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البناء قرار دیا ہے' لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی''۔ مارگیولیس نے اس کے ثبوت میں اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے اور ہم کو بھی اس کی صحت سے انکار نہیں لیکن اس کل بیان میں مغالطہ ہے جس کو ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کر دیا ہے۔

مروہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوگا کہ یہودی کس طرح تعصب سے الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہیں

﴿ یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾

ڈاکٹر ہسٹنگس نے "ڈکشنری آف دی بائیبل" میں وادی بکا پر جو آرٹیکل لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس لفظ سے اگر کوئی وادی مراد ہے تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے۔

(۱) ایک وادی ہے جس میں ہو کر زائرین بیت المقدس جاتے ہیں۔

(۲) وادی اخور ہے جو یشوعا باب ۷۔ آیات ۲۴۔ ۲۶ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۳) وادی رفایون ہے جو ساموئیل دوم باب ۵ آیات ۱۸۔ ۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے۔

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے اس راستے کی آخری منزل ہے۔ (دیکھو رینان کی کتاب "حیاتِ عیسٰیؑ" باب ۴)

لیکن کیا عجیب بات ہے ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالاتِ کثیرہ میں کہیں مکہ معظمہ کا پتہ نہیں لگتا

ع ہماں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا ایں جاست

بہرت پر حیرت یہ ہے کہ جن جن وادیوں کا نام لیا ہے ان میں ایک کو بھی بکا کے لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں بخلاف اس کے بکا اور بکہ بالکل ایک لفظ ہیں۔ فرق اسی قدر ہے جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

جدید [1] "انسائیکلوپیڈیا" میں محمد (ﷺ) کے عنوان سے جو مضمون ہے وہ مارگیولیوس کا ہے اس میں مکہ معظمہ کی نسبت لکھا ہے کہ

"قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا بجز اس کے کہ زبور (۸۴۔۶) میں "وادی بکہ" کا لفظ ہے"

لیکن مارگیولیوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

پروفیسر ڈوزی جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہے وہ لکھتا ہے۔ [2]

"بکہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہیں"۔

لیکن مارگیولیوس کو پروفیسر ڈوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہیں۔

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں لکھا ہے کہ

"رومن مؤرخ سیسلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ دنیا کے تمام معبدوں سے قدیم اور اشرف ہے اور یہ ولادتِ مسیحؑ سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے"۔

اگر کعبہ حضرت عیسٰیؑ سے بہت پہلے موجود تھا تو مکہ بھی تقریباً اسی زمانہ کا شہر ہوگا کیونکہ جہاں کہیں کوئی مشہور معبد

---

[1] انسائیکلوپیڈیا جلد صفحہ ۳۹۹۔ ارزاں ایڈیشن

[2] انسائیکلوپیڈیا اخیر جلد ۷ صفحہ ۳۹۹۔ ارزاں ایڈیشن

ہوتا ہے اس کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گاؤں آباد ہو جاتا ہے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کا عرض اور طول بلد بطلیموس[1] کے جغرافیہ میں حسب ذیل ہے۔

"طول ۷۸ درجہ عرض ۱۳ درجہ"۔

بطلیموس نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے۔ اگر اس نے اپنے جغرافیہ میں مکہ کا ذکر کیا ہے تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہے؟

مارگیولیوس نے جس بنا پر مکہ معظمہ کی قدامت سے انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اصابہ میں تصریح ہے کہ "مکہ میں سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی"، لیکن مارگیولیوس کو یہ معلوم نہیں کہ مورخین نے جا بجا یہ بھی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے اس لئے عمارتیں نہیں بنائیں، بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیموں کا ایک وسیع شہر تھا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر:

دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، مصر، یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول حق ایک حرف اس وسیع خطہ خاک میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی جہاں کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا، مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہنچے کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہاں نام لیتے تھے شرک اور بت پرستی کے غلغلہ میں آواز دب دب کر رہ جاتی تھی۔ معمورہ عالم کے صفحے، نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معرا ورق درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے، یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا۔ حضرت سارہؑ نے (جیسا کہ توراۃ میں ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ مکہ میں چلے آئے حضرت اسماعیلؑ جوان ہو چکے تھے۔ اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی۔[2]

﴿وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ﴾

اور جبکہ ابراہیم اور اسماعیل خانہ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی۔

﴿وَ طَہِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡقَآئِمِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ﴾ (سورہ حج ۴)

[1] بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیوں کے زمانہ میں ہو گیا تھا، مسعودی اور ابن الندیم نے اکثر اس کے حوالے دیے ہیں

[2] محققین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی منہدم و بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بلند کی۔ مزید توضیح کے لئے سیرۃ النبی جلد پنجم باب حج عنوان مکہ اور کعبہ میں دیکھئے۔ "س"

ہمارا گھر طواف کرنے والوں (نماز میں قیام کرنے والوں) رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک کر اور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں پیدل بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی ہر دُور دراز گوشہ سے آئیں گے۔

اس وقت اعلان واشتہار کے وسائل نہیں تھے' ویران جگہ تھی اور آدمی کا کوسوں تک پتہ نہ تھا۔ ابراہیم کی آواز حدودِ حرم سے باہر نہیں جاسکتی تھی لیکن وہی معمولی آواز کہاں کہاں پہنچی؟ مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک اور زمین سے آسمان تک۔

علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو تعمیر کی اس کا عرض وطول حسب ذیل تھا۔

بلندی زمین سے چھت تک ۹ گز

طول حجر اسود سے رکن شامی تک ۳۲ گز

عرض رکن شامی سے غربی تک ۲۲ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ ایسے مقام پر لگا دوں جہاں سے طواف شروع کیا جائے۔ تاریخ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام میں ہے۔

﴿فقال ابراھیم لاسمعیل علیھما الصلوۃ والسلام یااسمعیل ایتی بحجر اضعہ حتی یکون علما للناس یبتدون منہ الطواف﴾

پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ میں ایسی جگہ نصب کر دوں جہاں سے لوگ طواف شروع کریں۔

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انہوں نے قدیم عمارات گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔ [1]

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آ کر آباد ہوا' اس قبیلہ میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے' حضرت اسماعیلؑ نے ان کی لڑکی سے شادی کی' ان سے بارہ اولاد ہوئی' جن کے نام تورات میں مذکور ہیں۔ ان میں سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد میں ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے' ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندانِ اسماعیلؑ سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آ گئی۔ لیکن پھر ایک اور قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا۔ حضرت اسماعیلؑ کا خاندان موجود تھا لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی۔ قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنا آبائی حق حاصل کیا چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔ یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں جن کو برد یمانی کہتے ہیں۔ یہ پردہ انہی چادروں سے تیار کیا گیا تھا۔ قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام

---

[1] علامہ بہ حوالہ کتاب النسب از ابن بکار و ابن الماوردی

قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا۔ علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا لیکن اس روایت کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی ہے۔[1]

خدا کا گھر سیم و زر کی نقش آرائیوں کا محتاج نہ تھا لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہیں اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کعبہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ میں ۳۶ ہزار اشرفیاں اس کام کے لئے بھیجیں۔ امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیاں نذر کیں کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے۔ اعلام (تاریخ مکہ) میں عہد بہ عہد کی طلاکاریوں کی تفصیل لکھی ہے۔ لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہیں جو ہماری کتاب کا موضوع نہیں اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضروری بھی نہیں۔

حضرت اسماعیلؑ کی قربانی:

خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اس کی تولیت اور خدمت کے لئے کوئی نفس قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نذر چڑھا دے۔ اس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت میں قربانی سے تعبیر کرتے تھے۔ تورات میں یہ محاورہ بکثرت آتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، انبیاء علیہم السلام پر جو وحی آتی ہے اس کے مختلف انواع ہیں جن میں سے ایک خواب بھی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی جو ابتدا ہوئی خواب سے ہوئی۔ یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہے جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا تھا بہرحال حضرت ابراہیمؑ کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے استقلال اور جان نثاری پر اعتماد تھا۔ لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ پانزدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا۔

﴿ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴾ (صٰفّٰت)

بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، تو بتا تیری کیا رائے ہے؟

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا۔

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (صٰفّٰت ۳)

---

[1] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں قباطی کا پردہ چڑھایا تھا جو مصر میں بنا جاتا ہے ان کے بعد معمول ہو گیا کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت میں پردہ چڑھاتا تھا، بنو امیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا، مامون الرشید ہر سال تین پردہ چڑھاتا تھا، حج کے زمانہ میں دیبائے احمر کا، رجب میں قباطی کا، عید الفطر میں دیبائے سفید کا، مصر میں جب سلطان صالح ابن سلطان قلاون بادشاہ ہوا تو مصر کے دو گاؤں پردہ کے مصارف کے لئے وقف کر دیئے، جب ترکی خاندان قسطنطنیہ میں حکمران ہوا تو سلطان سلیمان نے چند گاؤں اور اضافہ کر دیئے (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانہ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بہ تفصیل فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان وغیرہ میں ہے، ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے کہ وہ ان سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے۔

ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے' خدا نے چاہا تو میں ثابت قدم رہوں گا۔

اب ایک طرف نوّے سالہ پیر ضعیف ہے' جس کو دعا ہائے سحر کے بعد خاندانِ نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا' جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا' اب اسی محبوب کے قتل کے لئے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں' اور ہاتھ میں چھری ہے۔

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے' جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگاہوں کی گود میں پرورش پائی ہے' اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے' ملائکہ قدسی' فضائے آسمانی' عالم کائنات' یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں اور انگشت بدنداں ہیں کہ دفعۃً عالم قدس سے آواز آتی ہے۔:

﴿ یَآاِبْرَاهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا کَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ (صٰفّٰت ۳)

ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا' ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

طغیانِ نازبیں کہ جگر گوشہء خلیل — در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

بیٹے نے جس استقلال' جس عزم اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا میں اس کی یادگار رہ جائے۔

محمد رسول اللہ ﷺ

سلسلۂ نسب

سلسلۂ نسب:

یہ ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

صحیح بخاری (باب مبعث النبیؐ) میں یہیں تک ہے لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہیں۔ یعنی عدنان بن عدو بن المقوم ابن تارح بن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسمٰعیل بن ابراہیمؑ۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے، جن کا ذکر توراۃ میں بھی ہے، ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ انہی کی اولاد میں عدنان ہیں اور آنحضرت ﷺ انہی کے خاندان سے ہیں۔ عرب کے نسب دان تمام پشتوں کو محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں۔ عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ تک اگر صرف نو دس پشتیں ہوں تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے، علامہ سہیلی روض الانف (ص ۸) میں لکھتے ہیں۔

﴿ و یستحیل فی العادۃ ان یکون بینہما اربعۃ اباء او سبعۃ کما ذکر ابن اسحاق او عشرۃ او عشرون فان المدۃ اطول من ذلك کلہ ﴾

اور یہ عادۃً محال ہے کہ دونوں میں چار یا سات پشتوں کا فاصلہ ہو جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا یا دس بیس پشتیں ہوں کیونکہ زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

علامہ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک ۴۰ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اس غلطی نے بعض عیسائی مؤرخوں کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت ﷺ خاندانِ ابراہیمؑ سے ہیں۔ [1]

اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور آدمیوں کے نام پر اکتفا کرتے تھے اور بیچ کی پیڑھیوں

---

[1] (سر ولیم صاحب نے صریحاً یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے نہ تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ "یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد سے خیال کیا جائے۔ اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیل کی نسل میں سے ثابت کئے جائیں، ان کی عین حیات میں پیدا ہوئی تھی اور اس طرح پر محمد کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے، اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ میں ڈھالے گئے تھے"۔ لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہ ہے، دوسری طرف بیسیوں یورپین اور یہودی مورخین ہیں جو نہ صرف خاندان قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہیں۔ (دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیہ تاریخی عرب)

کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلہ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے۔ اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے' اس لئے چند مشہور آدمیوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے تاہم عرب میں ایسے محققین بھی تھے جو قرہ گذاشت سے واقف تھے' علامہ طبری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ ''مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا کہ میں نے عرب میں ایسے علماء دیکھے جو معد سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ تک ۴۰ پشتوں کے نام لیتے تھے اور اس شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے۔ اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی البتہ ناموں میں فرق تھا'' [۱] اسی مؤرخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے کہ ''شہر تدمر میں ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا' وہ مسلمان ہو گیا تھا' اس کا بیان تھا کہ ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے' [۲] اس شجرے میں بھی عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس نام ہیں'' بہر حال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہے اور آنحضرت ﷺ عدنان کے خاندان سے ہیں۔

بنائے خاندان قریش:

آنحضرت ﷺ کا خاندان اگرچہ ابتداء سے [۳] معزز اور ممتاز چلا آتا تھا' لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا اور انہی کی اولاد قریشی ہے' حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں۔

---

۱ تاریخ طبری مطبوعہ یورپ جلد ۳ صفحہ ۱۱۱۸۔

۲ تاریخ طبری مطبوعہ یورپ جلد ۳ صفحہ ۱۱۱۵۔

۳ تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے لیکن مارگیولیوس نے نہایت کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ کے خاندان کو مبتذل ثابت کیا جائے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ''یہ بالکل ظاہر ہے کہ محمدؐ ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھے۔'' اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کئے ہیں'' (۱) قرآن مجید میں ہے کہ قریش کو حیرت تھی کہ ان میں ایسا پیغمبر کیوں نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا۔ (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ میں قریش نے آنحضرت کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہے (۳) رسول اللہؐ کو جب ایک شخص نے مولیٰ کے لفظ سے خطاب کیا تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا۔ (۴) فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہو گیا''۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں ﴿ وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم ﴾ یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا ''عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہیں' قرآن میں عظیم کا لفظ ہے' اہل عرب دولت اور اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے ان کو آنحضرتؐ کی شرافت سے نہیں بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا۔ دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہئے۔ کفار نے تو آنحضرتؐ کو دیوانہ' جادوزدہ' شاعر سب کچھ کہا' ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ بلا شبہ آنحضرتؐ نے مولیٰ اور سید کے لفظ سے انکار کیا' لیکن متعدد حدیثوں میں صاف تصریح ہے کہ آپ نے فرمایا مجھ کو سید اور مولیٰ نہ کہو' مولیٰ اور سید خدا ہے۔ قرآن میں ہر جگہ خدا ہی کو مولیٰ کہا ہے' اس سے آنحضرتؐ کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہے؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہے' اس سے آنحضرتؐ کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہے؟ کہ شرفائے مکہ سے یہاں مراد جبارین و متکبرین مکہ ہیں۔ مارگیولوس صاحب نے یہ دلائل نولو کی سے نقل کئے ہیں جو مشہور جرمنی مستشرق ہے' ع این خانہ ہمہ آفتاب است۔

اماقریش فالاصح فهر[1] جماعها و الاكثرون النضر

قصّی:

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا' اس زمانہ میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے' قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبی تھا شادی کی تھی' اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے' اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا' قصی نے ایک دارالمشورہ قائم کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا' قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے' قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے' نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہیں ادا ہوتے۔

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے' مثلاً سقایہ[2] اور رفادة جو خدامِ حرم کا سب سے بڑا منصب تھا' انہی نے قائم کیا' تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں' ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے' چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا' اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایامِ حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا' کہ حجاج کے کام آئے' مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے جس پر ایامِ حج میں چراغ جلاتے تھے' چنانچہ ابن عبدربہ نے عقدالفرید میں تصریح کی ہے' قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا۔[3] چنانچہ علامہ ابن عبدربہ نے عقدالفرید میں بھی لکھا ہے' اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا' اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں کیونکہ تقرش کے معنی جمع کرنے کے ہیں' اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے تھے' چنانچہ شاعر کہتا ہے:

قصّی ابو کم من یسمی مجمعاً   به جمع الله القبائل من فهر

قصی کی چھ اولاد تھی' عبدالدار' عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبد بن قصی' تخمر' برہ۔ قصی نے مرتے وقت حرمِ محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے (طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۴۱) اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبدمناف نے حاصل کی اور انہیں کا خاندان رسول اللہ ﷺ کا خاص خاندان ہے۔ عبدمناف کے چھ بیٹے تھے' ان میں سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور باثر تھے' انہوں نے بھائیوں کو اس بات پر

[1] زرقانی جلد اول صفحہ ۹۰۔

[2] سقایہ یعنی حاجیوں کو آب زمزم پلانا اور رفادہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔

[3] قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۶ سے لے کر ۴۲ تک ہے' قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے' بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے' اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی' عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے' مثلاً اسد' نمر وغیرہ۔ مورخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور انہی جانوروں کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے لیکن عربی تاریخوں میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔

آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبدالدار کو دیئے گئے' واپس لے لئے جائیں' وہ لوگ اس منصبِ عظیم کے قابل نہیں۔ عبدالدار کے خاندان نے انکار کیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں' بالآخر اس پر صلح ہوگئی کہ عبدالدار سے سقایہ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا جائے۔

ہاشم:

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا' حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے' چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے' تجارت کو نہایت ترقی دی' قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ ''قریش جب اس کے ملک میں اسبابِ تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے'' حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں انگورہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایۂ تخت تھا' تجار قریش' انگورہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔

''عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے' جس کے صلہ میں کاروانِ قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا''۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔[1]

ایک [2] دفعہ مکہ میں قحط پڑا' ہاشم نے اس قحط میں شوربہ میں روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں' اس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا' عربی زبان میں چورہ کرنے کو ہشم کہتے ہیں' جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے' راستہ میں مدینہ میں ٹھہرے' وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا' بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کی حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا' اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی' دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کر لی' غرض نکاح ہوگیا، شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے' اور غزوہ میں جا کر انتقال کیا، سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا' لڑکا پیدا ہوا' اس کا نام شیبہ رکھا گیا' اس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ میں پرورش پائی' ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا' ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے' وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی' سلمیٰ نے ان کے آنے کا حال سنا تو بلوا بھیجا، تین دن مہمان رہے' چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے، ان کی عمر ۸ برس کی تھی یہاں آ کر ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔[3]

عبدالمطلب کے لفظی معنی ''مطلب کا غلام'' ہیں۔ اس لئے اربابِ سیر نے وجہ تسمیہ میں بہت سے اقوال نقل

[1] امالی ابو علی قالی

[2] طبری صفحہ ۱۰۸۸'۱۰۸۹ ج ۳ ص ۲

[3] دیکھو زرقانی جلد اول ص ۸۵

گئے ہیں جن میں صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے اس لئے عرب کے محاورہ کے مطابق غلام مطلب مشہور ہوگئے۔ [1] عبدالمطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اٹ کر گم ہوگیا تھا انہوں نے اس کا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کروایا۔

انہوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے ان کو چھوڑ دیجئے عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے۔ یہ واقدی کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر روسائے قریش نے تجویز کی تھی۔

عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب ابوطالب عبداللہ حضرت حمزہؓ حضرت عباسؓ۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے۔ خطاب آنحضرت ﷺ نے یا صحابہؓ نے دیا لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا اور عرب میں گورے چہرے کو شعلہ آتش کہتے ہیں فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے۔

عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں [2] وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا انہوں نے منظور کیا اور عقد ہوگیا۔ اسی موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا شادی کی۔ حضرت حمزہؓ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں۔ ہالہ رشتہ سے آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوئیں اور اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔

دستور تھا کہ نوشہ شادی کے بعد ۳ دن تک سسرال میں رہتا تھا عبداللہ تین دن سسرال میں رہے اور پھر گھر چلے آئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس [3] سے کچھ زیادہ تھی۔

عبداللہ تجارت کے لئے شام کو گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ مدینہ میں پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔

عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمنؓ تھا یہ سب چیزیں رسول ﷺ کو ترکہ میں ملیں [4] "ام ایمنؓ" کا اصلی نام برکتہ تھا۔

[1] سیرۃ ابن ہشام (برحاشیہ زادالمعاد مصر ج ۱ ص ۸۵)

[2] زرقانی جلد اول صفحہ ۱۴۲ سطر ۷

[3] طبقات ابن سعد جز اول قسم اول صفحہ ۶۲ "س"

[4] طبقات ابن سعد جز اول قسم اول ص ۶۲ "س"

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

ولادت:

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جان نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا وقدر کی بزم آرائیاں عناصر کی جدت طرازیاں ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں ابر وباد کی تردستیاں عالم قدس کے انفاس پاک توحید ابراہیمؑ جمال یوسفؑ معجز طرازی موسیٰؑ جان نوازی مسیحؑ سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارز شاہنشاہ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جان نواز وہی ساعت ہمایوں وہی دور فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ ''آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے آتش کدۂ فارس بجھ گیا دریائے ساوہ خشک ہو گیا'' لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم شوکت روم اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر آتش کدۂ کفر آذر کدۂ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی بت کدے خاک میں مل گئے شیرازہ مجوسیت بکھر گیا نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا چمنستانِ سعادت میں بہار آ گئی آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ جگر گوشۂ آمنہ شاہ حرم حکمران عرب فرماں روائے عالم شہنشاہ کونین ﷺ

شمسۂ نہ مسند ہفت اختراں	ختم رسل، خاتم پیغمبراں
احمد مرسل کہ خرد خاک اوست	ہر دو جہاں بستۂ فتراک اوست
اُمی و گویا بہ زبانِ فصیح	از الف آدم و میم مسیح
رسم ترنج است کہ در روزگار	پیش دہد میوہ پس آرد بہار

عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت واجلال ہوا۔ اللھم صل علیہ و علی الہ و اصحابہ وسلم

تاریخ ولادت:

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے

دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔[1]

آپ کا نام ''محمد'' رکھا گیا اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔

رضاعت:

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ نے اور [illegible] کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا۔ (جو ابولہب کی لونڈی تھی)۔[2]

حلیمہ سعدیہ:

ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا' اس زمانہ میں دستور تھا کہ شہر کے رؤسا اور شرفاء شیرخوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے' یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے[3] اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں۔

شرفائے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا' یہاں تک کہ بنوامیہ نے دمشق میں پائے تخت قائم کیا اور شاہانہ شان و شوکت میں کسریٰ و قیصر کی ہمسری کی' تاہم ان کے بچے صحراؤں میں بدوؤں کے گھر میں پلتے تھے۔ ولید بن عبدالملک خاص اسباب سے نہ جا سکا اور حرم شاہی میں پلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنی امیہ میں صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہیں بول سکتا تھا۔[4]

غرض دستورِ مذکور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر میں عورتیں آیا کرتی تھیں اور شرفائے شہر اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اس دستور کے موافق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد

---

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحوں میں آیا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیمؑ (آنحضرت ﷺ کے صغیرالسن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا اور ۱۰ھ تھا۔ (اور اس وقت آپ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔) (۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱۰ھ کا) گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء ۸ بج کر ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔ (۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹیں تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء جس میں (ازروئے قواعد ہیئت) ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔ (۴) تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لے کر ۱۲ تک میں منحصر ہے۔ (۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے' ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

[2] بخاری باب تحرم من الرضاعۃ ما تحرم من النسب۔ س

[3] امام سہیلی نے بہ تفصیل یہ واقعات لکھے ہیں' اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ میں اس لئے فصیح ہوں کہ قبیلہ بنی سعد میں پلا ہوں' سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ ''محمد کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی' ان کے اخلاق آزاد اور مستغنی عن الغیر تھے جس کی وجہ ان کا پانچ سال تک بنی سعد میں بسر کرنا تھا' اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی۔ ابن اثیر ج ۵ ص ۶ طبع لیڈن'' س''

[4] ابن اثیر ج ۵ صفحہ ۶ طبع لیڈن'' س''

قبیلۂ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں ان میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ بھی تھیں [1] اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا۔

آنحضرت ﷺ کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی۔ لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھیں اس لئے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی اور آنحضرت ﷺ کو لے کر گئیں ان کی ایک صاحبزادی تھی، جن کا نام شیما تھا' ان کو آنحضرت ﷺ سے بہت انس تھا' وہی آپ کو کھلایا کرتی تھیں' دو برس کے بعد حلیمہ آپؐ کو مکہ میں لائیں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا۔ چونکہ اس زمانہ میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی' آپؐ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ۔ چنانچہ دوبارہ گھر میں لائیں' اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ حضرت حلیمہؓ کے یہاں کتنے برس تک رہے' ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ ۶ برس لکھا ہے۔

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے' ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں تم سب میں فصیح تر ہوں' کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہیں۔ [2]

حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو بے انتہا محبت تھی' عہد نبوت میں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ''میری ماں' میری ماں'' کہہ کر لپٹ گئے' یہ دلچسپ واقعات آگے آئیں گے۔

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے وفات پا گئیں' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' ابن ابی خثیمہ نے ''تاریخ'' میں ابن جوزی نے ''حدائق'' میں منذری نے ''مختصر سنن ابی داؤد'' میں ابن حجر نے ''اصابہ'' میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے' حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے' جس کا نام ''التحفۃ الجسیمہ فی اثبات اسلام حلیمہ'' ہے۔ [3]

حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے' وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں آئے اور اسلام لائے۔ [4]

حارث آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ تم کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ دن آئے گا کہ میں آپ کو دکھا دوں گا کہ میں سچ کہتا تھا۔ حارث مسلمان ہو گئے۔

---

[1] سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب میں دودھ پلانا' اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام نہیں خیال کیا جاتا تھا' اسی بنا پر عرب میں مثل ہے الحرۃ لا تاکل بثدیھا اس بنا پر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا' اس لئے مجبوراً حضرت حلیمہ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی' لیکن تمام تاریخوں میں ہے کہ مکہ میں ہر سال باہر سے عورتیں اس کام کے لئے آیا کرتی تھیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا' یہ خیال اہل شہر اور امرا کے ساتھ مخصوص ہوگا

[2] طبقات ابن سعد جلد اصفحہ ۷۱

[3] زرقانی جلد ۳ ص ۱۶۶۔

[4] اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد اص ۲۸۳

رضاعی بہن بھائی:

آنحضرت ﷺ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے جن کے نام یہ ہیں عبداللہ، انیسہ، حذیفہ اور حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں ان میں سے عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت ہے باقیوں کا حال معلوم نہیں۔

مدینہ کا سفر

آنحضرت ﷺ کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں پونکہ آنحضرت ﷺ کے دادا کی ننھیال خاندان نجار میں تھیں وہیں ٹھہریں اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت ﷺ کی دایہ تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس ننھیالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئیں لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مؤرخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے بہر حال ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء [۱] میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہوئیں ام ایمن آنحضرت ﷺ کو لے کر مکہ میں آئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں جب آپ قیام مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ ہجرت کے منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا اسی میدان میں میں انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ [۲]

عبدالمطلب کی کفالت:

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن تربیت میں لیا ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ [۳]

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت ﷺ بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو آنحضرت ﷺ کی تربیت سپرد کی ابو طالب نے اس فرض کو جس

---

۱ ایک گاؤں کا نام ہے جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے

۲ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۷۳

۳ عبدالمطلب کا آنحضرت ﷺ کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے لیکن مارگولیوس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں کہ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی اور اخیر زندگی میں ان کے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت میں محمد کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا" (لائف آف محمد از مارگولیوس صفحہ ۴۵ تا ۴۹) حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے مارگولیوس خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نشہ کی حالت تھی اس کی تفصیل جیسا کہ بخاری (غزوۂ بدر و خمس) میں ہے کہ بدر کے مال غنیمت سے حضرت علیؓ کو دو اونٹ ملے تھے۔ اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی حضرت حمزہؓ شراب میں مخمور ادھر سے گزرے اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس گئے اور ان کو ملامت کی حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے اس حالت میں وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے؟

خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے‘ یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عبدالمطلب کی موت نے بنو ہاشم کے رتبہ امتیاز کو دفعتہً گھٹا دیا‘ اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنوامیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آ گیا‘ عبدالمطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا جو امیہ کا نامور فرزند تھا‘ مناصب ریاست میں سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہاتھ میں رہا‘ جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

ابو طالب کی کفالت:

عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے‘ ان میں سے آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے‘ اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا‘ ابو طالب آنحضرت ﷺ سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروانہیں کرتے تھے‘ سوتے تو آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر سوتے‘ اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

غالباً جب آپؐ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریاں چرائیں۔ فرانس کے ایک نامور مؤرخ نے لکھا ہے کہ ”ابو طالب چونکہ محمد کو ذلیل رکھتے تھے‘ اس لئے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے“۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا‘ بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بکریاں چراتے تھے‘ خود قرآن مجید میں ہے ﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا‘ زمانہ رسالت میں آپ اس سادہ اور پرلطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے‘ ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے‘ صحابہؓ ”جھڑ بیریاں“ توڑ توڑ کر کھانے لگے‘ آپ ﷺ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں زیادہ مزے کے ہوتے ہیں‘ یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ [1]

شام کا سفر:

ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابو طالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا‘ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے‘ لیکن آنحضرت ﷺ کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے‘ ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا‘ عام

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۸ جلد اول‘ بخاری نے کتاب الاجارۃ میں آنحضرت ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ ”میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا“ قراریط کے معنی میں اختلاف ہے‘ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے‘ اس بنا پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے‘ اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے‘ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی جلد ۶ صفحہ ۶۳۱) نور النبراس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے‘ اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا' اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابو طالب بصریٰ میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے جس کا نام بحیرا تھا' اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ "یہ سید المرسلین ہیں" لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے۔

یہ روایت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے' تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر عام مسلمانوں کو شغف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے' سرولیم میور' ڈریپر' مارگولیوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مذہب کے حقائق واسرار اسی راہب سے سیکھے' اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے انہی پر آنحضرت ﷺ نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی' اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں۔[1]

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہئے جس طرح روایت میں مذکور ہے' اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں' قیاس میں بھی نہیں آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیئے جائیں اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں' سب مرسل ہیں' یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا' اور اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا۔

اس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی میں مذکور ہے' اس کے متعلق تین باتیں قابل لحاظ ہیں

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "حسن اور غریب ہے اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے" حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمان بن غزوان ہے' اس کو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے' لیکن اکثر اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے' علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ "عبدالرحمن منکر حدیثیں بیان کرتا ہے' جن میں سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے جس میں بحیرا کا واقعہ مذکور ہے"۔

(۳) حاکم نے مستدرک میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرائط کے مطابق

---

[1] ڈریپر صاحب "معرکہ علم و مذہب" میں لکھتے ہیں "بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ میں محمد کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی..... آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا..... بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہاں تک قابو پالیا تھا"۔ سرولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب ورنگ سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قائم کیا' وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے' (لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارع اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا' تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ میں پیدا ہو سکتا جو قرآن کے ہر صفحہ میں نظر آتا ہے۔)

ہے"۔ علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں"۔

(۴) اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر میں شریک تھے، حالانکہ اس وقت بلال کا وجود بھی نہ تھا، اور حضرت ابوبکرؓ بچے تھے۔

(۵) اس حدیث کے اخیر راوی ابوموسیٰ اشعریؓ ہیں، وہ شریک واقعہ نہ تھے، اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے، ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد [۲] میں جو سلسلۂ سند مذکور ہے وہ مرسل یا معضل ہے یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہیں ہے، کسی صحابی کا نام نہیں لیتا ہے اور جو روایت معضل ہے اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں دونوں کا نام نہیں لیتا ہے۔

(۶) حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور بلال کی شرکت بداہتہ غلط ہے اس لئے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادّعا بھی صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام روات قابل سند ہیں، عبدالرحمان بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ "وہ خطا کرتا تھا" اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے"۔ ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں [۳]

حربِ فجار کی شرکت:

عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے، ان میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک ہے۔

یہ لڑائی قریش اور قیس قبیلہ میں ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں، آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبدالمطلب تھے، اور اسی صف میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، بڑے زور کا معرکہ ہوا، اول قیس پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا، اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا، جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔

چونکہ یہ قریش اس جنگ میں برسر حق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی، لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود جنگ نہیں کی، ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

---

[۱] نبراس فی شرح عیون السیر لابن سید الناس اور زرقانی اور میزان الاعتدال اور اصابہ (تذکرۂ عبدالرحمان بن غزوان) مستدرک حاکم مع تلخیص ج ۲ ص ۶۱۵ س

[۲] جزو اول قسم اول ص ۷۵ "س"

[۳] جامع نے بحیرا راہب کے قصہ کی مکمل تنقید سیرت النبی جلد سوم باب مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت میں کی ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ "س"

﴿و انما لم یقاتل رسول الله ﷺ مع اعمامه فی الفجار و قد بلغ سن القتال لانها کانت حرب فجار و کانوا ایضاً کلّهم کفاراً و لم یاذن الله لمؤمنٍ ان یقاتل الّا لیکون کلمة الله هی العلیاً﴾

اور آپ نے اس لڑائی میں جنگ نہیں کی' حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم صرف اس لئے خدا نے دیا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔

اس لڑائی کو فجار اس لئے کہتے ہیں کہ ایام الحرام میں یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں لڑنا ناجائز تھا۔

حلف الفضول:

لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے اور قتل اور سفا کی موروثی اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی' جنگِ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ ﷺ کے چچا اور خاندان کے سرکردہ تھے یہ تجویز پیش کی۔ چنانچہ خاندانِ ہاشم' زہرہ اور تیم عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے' اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا' اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔[1]

آنحضرت ﷺ اس معاہدہ میں شریک تھے' اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ ''معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا[2] اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں''۔

اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا' ان کے نام میں لفظ ''فضیلت'' کا مادہ داخل[3] تھا۔ یعنی فضیل بن حرث' فضیل بن واعہ اور مفضل۔ یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے۔ اگرچہ یہ معاہدہ بے کار گیا' اور کسی کو یاد بھی نہ رہا' چنانچہ قریش نے نئے سرے سے بنیاد ڈالی' تاہم بانی اول کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا کہ ان کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے۔

تعمیر کعبہ:

کعبہ کی عمارت صرف قد آدم اونچی تھی اور دیواروں پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک میں عیدگاہیں ہوتی ہیں' چونکہ عمارت نشیب میں تھی' بارش کے زمانہ میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا' اس کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوادیا گیا تھا' لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا' اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا' بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے' حسن اتفاق یہ کہ جدہ کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لئے' جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا' ولید

[1] طبقات جلد ا صفحہ ۸۲

[2] مستدرک جلد ۲ ص ۲۲۰ ''س''

[3] لیکن امام سہیلی نے مسند حارث بن اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام اس لئے پڑا کہ اس معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔ تردا الفضول علی اهلها۔

اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے' لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا' ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اسی کے ہاتھ سے انجام پائے' نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی بعض دعویداروں نے یہ رسم ادا کی' چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا' پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے' سب نے یہ رائے تسلیم کی۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے' کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمالِ جہاں تاب چہرۂ محمدی تھا' لیکن رحمت عالم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں' آپ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے' آنحضرت ﷺ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں' جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ [۱] یہ گویا اشارہ تھا کہ دین الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی انہیں ہاتھوں سے نصب ہوگا۔ [۲]

اسی طرح ایک سخت لڑائی آپ کے حسن تدبیر سے رُک گئی' کعبہ کی عمارت اب مسقف کر دی گئی' لیکن چونکہ سامان تعمیر کافی نہ تھا' ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادیں قائم کی گئیں اور اس حصہ کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے' یہی حصہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہیں' اور جس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے بعد نبوت ارادہ فرمایا تھا کہ دیوار ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہیں' دیوار کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہو جائیں گے۔ [۳]

شغل تجارت: [۴]

عرب خصوصاً قریش یعنی بنی اسمٰعیل ظہور اسلام کے ہزاروں برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے جد اعلیٰ ''ہاشم'' نے قبائل عرب سے تجارتی معاہدے کر کے اس خاندانی طریقہ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم باقاعدہ کر دیا تھا' آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب بھی تاجر تھے' اس بنا پر سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا۔

---

۱ مسند طیالسی جلد اول ص ۱۸ و مستدرک حاکم جلد اول ص ۴۵۸۔ ''س''

۲ یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے' جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ''میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں'' یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہوں۔

۳ یہ واقعات ابن ہشام' طبقات' طبری میں منفرد اور زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۶ تا ۲۴۰ میں مجتمعاً مذکور ہیں' اخیر کا واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے' اور دوش مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے یہاں تک کہ شانے چھل گئے تھے۔

۴ توراۃ تکوین قصہ یوسف

ابو طالب کے ساتھ آپ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے' جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا' اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی' لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے کر اس کے منافع میں شرکت کر لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس دیانت اور راست بازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے۔

تاجر کے محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور اتمامِ وعدہ کا ہوسکتا ہے' لیکن منصب نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امینؐ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا' حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت ﷺ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا' کچھ معاملہ ہو چکا تھا' کچھ باقی تھا' میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا' اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا' تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا' تو آنحضرت ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن اس خلافِ وعدہ سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا' صرف اس قدر فرمایا کہ ''تم نے مجھے زحمت دی' میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں''۔ [1]

کاروبارِ تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے۔ نبوت سے پہلے بھی جن لوگوں سے تجارت میں آپ کا سابقہ تھا وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے۔ سائب نام ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف کی' آپ نے فرمایا ''میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں'' سائب نے کہا' آپ پر میرے ماں باپ قربان' آپ میرے شریک تجارت تھے' لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا ﴿فکنت لا تداری و لا تماری﴾ [2] قیس بن سائب مخزومیؓ ایک اور صحابی بھی آپ کے شریک تجارت تھے' وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔ [3]

تجارت کی غرض سے آپ ﷺ نے شام و بصریٰ اور یمن کے متعدد سفر کئے تھے۔

تزویج خدیجہؓ :

حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ملتا ہے' اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں' اب وہ بیوہ تھیں' چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں' جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے' نہایت دولتمند تھیں' طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی عمر اب پچیس برس کی ہو چکی تھی' متعدد قومی کاموں میں آپ ﷺ شریک ہو چکے تھے' تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگوں کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے' اس بنا پر آپ ﷺ کے حسن معاملہ' راست

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۶' مطبع محمدی کتاب الادب باب فی الوعد۔

[2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۔

[3] اصابہ (ج ۵ ص ۳۵۳) ترجمہ قیس بن سائب۔

بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی، یہاں تک زبانِ خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا، حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ''آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں، جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ ﷺ کو اس کا مضاعف دوں گی'' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا، اور مال تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔

واپس آنے کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں اور اس میں بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی، حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے۔ تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے، ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے، اور ان کی موجودگی میں نکاح ہوا، لیکن شراب میں مخمور تھے، جب ہوش میں آئے تو نکاح کا حال سن کے برہم ہوئے کہ یہ برابر کا جوڑ نہیں۔

لیکن یہ روایت صحیح نہیں، امام سہیلی نے بہ تصریح اور بدلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگ فجار سے قبل انتقال کر چکے تھے۔

حضرت خدیجہؓ جس مکان میں رہتی تھیں، وہ آج بھی (حسب بیان مؤرخ طبری) انہیں کے نام سے مشہور ہے، امیر معاویہ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا۔

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی، اور پہلے دو شوہروں سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئیں گے۔ [1]

آنحضرت ﷺ کی جس قدر اولاد ہوئی، بجز حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی، ان کے حالات آگے تفصیل سے آئیں گے۔ [2]

جستہ جستہ واقعات:

یہ واقعات تھے جن میں تاریخی ترتیب معلوم ہے، اس لئے مسلسل لکھے گئے، ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہے، چونکہ ان کے سنین اور تاریخیں غیر معلوم ہیں، اس لئے ان کو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا

حدودِ سفر:

اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے، آنحضرت ﷺ نے بھی اس تقریب سے متعدد

[1] حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے واقعات ابن ہشام، ابن سعد و طبری میں باختلاف اجمال و تفصیل و اثبات و نفی مذکور ہیں، میں نے قرائن سے جو روایت زیادہ قابل اعتبار پائی نقل کی ہے، یکجا تمام حالات دیکھنے ہوں تو زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۲ سے ۲۳۶ تک دیکھنا چاہئے

[2] حضرت خدیجہؓ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے، ابن حنبل (مسند ابن عباسؓ) میں بھی بعض واقعات مذکور ہیں۔

سفر کئے' شام اور بصریٰ کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہے' اس کے علاوہ اور مقاماتِ تجارت میں بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے۔ عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے ان میں سے حباشہ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے' حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا' ان میں جرش بھی ہے جو یمن میں ہے' حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش میں آپ ﷺ دو دفعہ تشریف لے گئے' اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔[1]

نبوت کے بعد جس سال آپ ﷺ کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود آئے، ان میں جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا' لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ''میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی'' [2] مؤرخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں' اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں' قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ''آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی [3] ہے'' مورخ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے' اور ڈیڈ سی (بحر میت) کا بھی معائنہ کیا تھا' لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی ہے۔ [4]

مراسم شرک سے اجتناب:

یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے' مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

ایک دفعہ قریش نے آپ ﷺ کے سامنے کھانا لاکر رکھا' یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا' جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا' آپ ﷺ نے کھانے سے انکار کیا۔ [5]

---

۱ نور النبراس فی شرح ابن سید الناس

۲ مسند امام احمد بن حنبل صفحہ (۲۰۶) ''س''

۳ (مارگولیوس صفحہ ۵۷)

۴ یورپین مورخین جن کی بنیاد صرف قیاس و رائے پر ہوتی ہے' اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہد مظلم کی مضحکہ انگیز روایت ہے۔ بحری سفر آپ نے یقیناً نہیں کیا' لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا' بحر میت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب و شام کے درمیان میں ہے' جہاں سے آپ کئی بار تجارت کے ساتھ گزرے ہوں گے۔ ''س''

۵ صحیح بخاری باب المناقب ذکر زید بن عمرو بن نفیل' یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے' اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے' جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے' مسند امام احمد بن حنبل (جلد اول صفحہ ۱۸۹) میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا' اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا' لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا' اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے۔

نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے آپ ﷺ کا طرز عمل وہی تھا، جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے پہلے صاحبزادہ کا نام عبدالعزیٰ [۱] رکھا تھا، اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے، لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت ﷺ کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں، انہوں نے یہ نام رکھا ہوگا، آنحضرت ﷺ ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں، اس روایت کا سب سے زیادہ ترصحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے، اس کا پہلا راوی اسمٰعیل ہے، جس کا پورا نام اسمٰعیل بن ابی اویس ہے، اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:

معاویہ بن صالح	اسماعیل اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔
یحییٰ بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے۔
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔
نصر بن سلمہ مروزی	وہ کذاب ہے۔
دار قطنی	میں اس کو صحیح روایت کے لئے پسند نہیں کرتا۔
سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثیں بناتا ہے۔
سلمہ بن شیب	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنالیتا تھا۔

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی، اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا، ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ [۲] (مستدرک حاکم جلد سوم ذکر زیدؓ)

---

[۱] عزیٰ ایک بت کا نام تھا۔

[۲] مسٹر مارگولیوس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے اور اس کے ثبوت میں دعویٰ سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہے کہ ''آنحضرت ﷺ اور خدیجہؓ دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کرلیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا''۔ مصنف موصوف نے اس کی سند میں امام احمد بن حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿حدثنی جارلخدیجة بنت خویلد انه سمع النبی ﷺ و هو یقول لخدیجة ای خدیجة واللّٰه لا اعبد اللات والعزّٰی واللّٰه لا اعبدابدا قال فتقول خدیجة خل اللات خل العزّٰی قال کانت صنمهم التی کانوا یعبدون ثم یصطجعون۔﴾

''مجھ سے خدیجہ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر صاحب ﷺ کو حضرت خدیجہؓ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ بخدا میں کبھی لات اور عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا، خدیجہ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجئے، عزیٰ کو جانے دیجئے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے) اس نے کہا کہ لات وعزیٰ وہ بت تھے جس کی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کرلیا کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

موحدین کی ملاقات:

اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے فیض الٰہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہو گئی تھیں، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا [۱] ان میں سے آنحضرت ﷺ نے زید سے ملاقات کی تھی، جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے، ورقہ عیسائی ہو گئے تھے، اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے، اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ان سے بھی ملے ہوں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان سے آپ کی دوستی تھی۔

ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا، آنحضرت ﷺ اس خطبہ میں شریک تھے، اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہے اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفّٰی ہیں اس لئے عیسائی مؤرخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ طرز انہی سے لیا ہے، چنانچہ بعض فقرے یہ ہیں۔

﴿ ایها الناس اسمعوا و اوعوا و اذا وعیتم فانتفعوا۔ انه من عاش مات۔ و من مات فات و کل ماهو اٰتٍ اٰت۔ امطر و نبات۔ و ارزاق و اقوات۔ و اباءِ و امّهات۔ و احیاء و اموات۔ و جمیع و اشتات۔ ان فی السماء لخبرا۔ و ان فی الارض لعبرا۔ لیل داج۔ و سماء ذات ابراج و بحار ذات امواج۔ مالی اری الناس یذهبون فلا یرجعون۔ ارضوا بالمقام فاقاموا۔ ام ترکوا اهناك فناموا۔ این من بنی و شید۔ و زخرف و نجد و عد المال و الولد۔ این من بغٰی و طغٰی ﴾

قس بن ساعدہ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عبارات مختلفہ۔ بغوی، ازدی، بیہقی، جاحظ وغیرہ نے نقل کیا ہے، لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے، اس کے رواۃ عموماً ناقابل سند بلکہ کذاب ہیں، چنانچہ سیوطی نے موضوعات

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکور میں "کانوا" کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عرب لات، عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے، اگر آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا، اس کے علاوہ خود اسی روایت میں لات و عزیٰ کی پرستش سے آنحضرت ﷺ کا سخت انکار کرنا مذکور ہے۔

مارگولیوس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی، لیکن صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عربی ماخذ پیش نہیں کیا بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہے (دیکھو مارگولیوس کی کتاب صفحہ ۶۸ تا ۷۰) معجم البلدان (ایک جغرافیہ کی کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے لیکن (اولاً تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے، ثانیاً یہ روایت) کلبی سے ہے، جو مشہور دروغ گو ہے) (مستدرک حاکم جلد سوم ذکر زیدؓ بن حارثہ "س")

[۱] ابن ہشام صفحہ ۷۶ میں قس بن ساعدہ کے سوا باقی سب لوگوں کے نام اور حالات مذکور ہیں، زید کا ذکر بخاری میں بھی ہے۔ قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخوں اور ادب کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

میں اس روایت کے تمام طریقوں کو نقل کر کے ان کے رواۃ سے بحث کی ہے اور علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال تفصیل سے نقل کئے ہیں' عجیب بات یہ ہے کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے' لیکن ہر طریقہ میں کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو موضوع حدیثیں بنایا کرتا تھا' اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے' اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے کہ ''کذاب اور خبیث ہے'' ابن عدی نے لکھا ہے کہ ''ہریسہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہے'' ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرۃ ہے' اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے کہ ''ثقہ لوگوں کی زبانی جھوٹی حدیثیں روایت کرتا تھا' یا تو وہ خود یہ حدیثیں تصنیف کرتا تھا' یا اور لوگ اس کے لئے بنا دیا کرتے'' ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبداللہ اور احمد بن سعید ہیں اور یہ دونوں حدیث بنانے میں بدنام ہیں' بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہے' یہ روایت پوری کی پوری موضوع ہے۔[1] حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقہ بھی نقل کئے ہیں اور ان کی تضعیف کی ہے۔[2]

---

[1] یہ پوری تفصیل اللآلی المصنوعہ' مطبوعہ مصر صفحہ ۹۵ تا صفحہ ۱۰۰ میں ہے

[2] ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے' بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں یہ مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعرا اور فصحا سے اشعار اور خطبے تصنیف کراتے تھے اور جاہلیت یا ابتدائے اسلام کے شعراء اور خطباء کے نام سے مشہور کرتے تھے۔ محمد بن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہیں کہ امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ان سے روایت کی ہے' تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا' علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعہ مصر صفحہ ۹۲) میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد بن اسحاق شعرائے وقت کو مغازی کے واقعات دے دیتے تھے کہ ان کے بارے میں اشعار کہہ دو۔ ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے۔ ابن ہشام میں حضرت خدیجہؓ' ابوبکرؓ' امیہ بن ابی الصلت' ابوطالب کے سینکڑوں اشعار نقل کئے ہیں' جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی زبان نہیں ہے' ایک لطیف بات یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعوں پر لکھ دیتے ہیں کہ فن شعر کے ماہران اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں' مثلاً سریہ عبیدۃ بن الحرث میں (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعہ مصر) حضرت ابوبکرؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے

﴿ واكثر اهل العلم والشعر ينكر هذه القصيدة لا بى بكر۔﴾

اور اکثر اہل علم اور فن شعر والے اس بات کے منکر ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے۔

یہ وضائع مختلف اغراض سے کی جاتی تھی' زیادہ اس وجہ سے کہ ان جلسوں یا شعروں میں آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے' مثلاً یہی قس بن ساعدہ کا خطبہ اس میں یہ فقرے بھی ہیں

نبيا قدحان حينه واظلكم اوانه فطوبى لمن امن به نهداه وويل لمن خالفه و عصاه (اللآلی المصنوعہ صفحہ ۲۸)

ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آ گیا ہے سو اس کو مبارک ہے جو اس پر ایمان لائے گا اور وہ اس کو ہدایت کرے گا اور تباہی ہے اس کے لئے جو اس کی مخالفت اور نافرمانی کرے گا۔

ابوطالب کے نام سے جو لامیہ قصیدہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے (ابن ہشام صفحہ ۹۳' ۹۴) سر تا پا موضوع ہے اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں

فاصبح فينا احمد فى ارومه	فايده رب العباد بنصره
تقصر عنه سورة المتطاول	و اظهر ديناً حقه غير باطل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احباب خاص:

نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے، ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے، جو برسوں آپ کے شریک صحبت رہے۔ [1] حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام [2] جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے، حرم کا منصب رفادہ انہی کے ہاتھ میں تھا، دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا۔ لیکن یہ کل رقم خیرات کر دی، آنحضرت ﷺ سے عمر میں ۵ برس بڑے تھے۔

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے، لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کعبہ میں ذویزن کا اسباب نیلام ہوا تھا، اس میں ایک عمدہ حلہ تھا، انہوں نے پچاس اشرفیوں میں اس کو خریدا اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت ﷺ کو نذر کریں، آپ نے فرمایا کہ میں مشرکوں کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں، مجبور ہو کر انہوں نے قیمت لینی گوارا کی، اور آنحضرت ﷺ نے اس کو لے لیا۔ [3]

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

(اس قصیدہ کو سرتاپا موضوع کہنے کے بجائے جیسا کہ مصنف نے کہا ہے، اکثر کہنا صحیح ہے کیونکہ اس کے دو شعر صحاح میں بھی مذکور ہیں مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاستسقاء۔ خود ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کر کے لکھا ہے و بعض اهل العلم بالشعر ینکر اکثرها یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہیں موضوع ہے، اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں۔ اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کے متعلق جو باتیں ہیں، ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی۔ امیہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہیں ان کو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہے کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر یہ اشعار کہے ہیں، مثلاً

فقلت له اذهب بهارون فادعوا	الی اللّٰہ فرعون الذی کان طاغیا
وقولا لـه انـت رفعت هذه	بـلا عـمـداً رفـق اذابك بـانـيـا
وقولا له انت سويت وسطها	منيـرا اذا مـا جنه الليل هاديا

ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگولیوس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں "قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کی اسلوب پر موزوں کیا گیا ہے" (صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۶۳) ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی خیرخواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا، آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطباء اور شعراء سے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے، لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہیں، یورپ کو فن ادب اور روایت میں مہارت کے لئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے اور جب وہ زمانہ آئے گا تو یورپ کو اپنی بدمذاقی پر خود شرم آئے گی۔

[1] اصابہ ذکر حضرت ابوبکرؓ (حضرت ابوبکرؓ کا نام عبداللہ تھا) اصابہ میں اسی نام کے ذیل میں حضرت ابوبکرؓ کا حال لکھا ہے جلد ۲ ص ۳۴۱ "س"

[2] اصابہ ذکر حکیم بن حزام صفحہ ۳۴۹ "س"

[3] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۳۔

حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ جواز د کے قبیلہ سے تھے' جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے' یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔ نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ آئے' آنحضرت ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے' مکہ کے کفار آنحضرت ﷺ کو مجنوں کہتے تھے' لونڈوں کا غول دیکھ کر ضماد نے یہی قیاس کیا اور آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا' **محمد!** میں جنون کا علاج کرسکتا ہوں' آپ نے حمد وثنا کے بعد چند موثر جملے ادا کئے' ضماد مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ کو مختصراً مسلم ونسائی نے بھی لکھا ہے' لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل (جلد ا۔ صفحہ ۳۰۲) میں ہے۔

جو لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے' ان میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے۔ مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گزرے ہیں' انہی کے غلام تھے' ان کا بیان ہے کہ شرکاء کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا' اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔[۱]

۲؎ استیعاب ج ۲ ص ۵۳۷ واصابہ "س"

آفتابِ رسالتؐ کا طلوع

رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں پیدا ہوئے مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا' خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے' رسول اللہ ﷺ کے خاندان کا تمغائے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے' بااین ہمہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا' دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی' قریش نے اس بنا پر کہ ان کو عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہئے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایامِ حج میں قریش کے لئے عرفات جانا ضروری نہیں اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں' وہ قریش کا لباس اختیار کریں' ورنہ ان کو عریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔[1] چنانچہ اسی بنا پر طواف عریاں کا عام رواج ہو گیا تھا' لیکن آنحضرت ﷺ نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔[2]

عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے' ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا' داستان شروع کرتا تھا' لوگ بڑے ذوق وشوق سے رات رات بھر سنتے تھے' بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا تھا' لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا' دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے' وہیں نیند آ گئی' اٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔[3] ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا' اس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا' چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچا لیا کہ ''تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے''۔[4]

یہ فطرت سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا' لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس ایک مذہب کامل کی تشیید' اور رہنمائی کونین کے منصب عظیم کے لئے کچھ اور درکار تھا' اسی زمانہ کے قریب میں اور حق پرستوں (ورقہ' زید' عثمان بن حویرث) کے دل میں خیال آیا کہ جماد لایعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہے' چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش کے لئے نکلے' لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے۔ ورقہ اور عثمان عیسائی ہو گئے' اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے ''اے خدا! اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ تجھ کو کس طریقہ سے پوجنا چاہئے تو میں اسی طریقہ سے تجھ کو پوجتا''۔

آنحضرت ﷺ کے بہت سے دنیاوی تعلقات تھے' تجارت کا کاروبار تھا' متعدد اولادیں تھیں' تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا' لیکن دستِ قدرت کو جو کام لینا تھا' وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے' تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا۔

مکہ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں' آپ مہینوں وہاں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے' کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے' وہ ختم ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے' اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے۔

---

[1] ابن ہشام مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ جلد اول صفحہ ۶۷

[2] ابن ہشام صفحہ ۶۹

[3] بزاز و مستدرک بحوالہ نسیم الریاض ج اول صفحہ ۶۰۹ و خصائص الکبری سیوطی ج ا صفحہ ۸۸ ''س''

[4] سر ولیم میور صاحب ''لائف آف محمد'' میں لکھتے ہیں'' ہماری تمام تصنیفات محمد کے بارہ میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی متفق ہیں''۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غارِ حرا میں آپ ﷺ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے‘ یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری میں ہے

﴿ قيل ما كان صفة تعبده اجيب بان ذلك كان بالتفكر و الاعتبار ﴾

یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔

یہ وہی عبادت تھی جو آپ ﷺ کے دادا ابراہیمؑ نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی‘ دھوکا ہوا‘ چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا‘ آفتاب پر اس سے زیادہ‘ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اٹھے

اِنِّی لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ..... اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام۔۹)

میں فانی چیزوں کو نہیں چاہتا..... میں اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کیا۔

ایک مغربی مؤرخ نے آنحضرت ﷺ کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے:

’’سفر و حضر میں ہر جگہ محمد کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے‘ میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں؟ کیا کوہِ حرا کی چٹانیں‘ کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں‘ کھنڈر اور میدان‘ کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا‘ نہیں ہرگز نہیں‘ بلکہ گنبد گرداں‘ گردشِ لیل و نہار‘ چمکتے ہوئے ستارے‘ برستے ہوئے بادل‘ کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا‘‘۔ [۱]

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے‘ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا‘ [۲] ایک دن جب کہ آپ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے‘ فرشتۂ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ﴾ (اقراء)

’پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا‘ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا‘ پڑھ تیرا خدا کریم ہے‘ وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا‘ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

آپ گھر تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز تھے۔ [۳]

آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا‘ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں‘ جو عبرانی زبان

---

[۱] کارلائل ہیروز‘ تذکرۂ رسول اللہ ﷺ

[۲] وحی کے انواع میں سے ایک خواب بھی ہے‘ صحیح بخاری کے شروع میں ہے اول ما بدء به رسول اللهؐ من الوحى الرؤيا الصالحه فى النوم۔ بخاری کتاب التعبیر میں زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے۔

[۳] صحیح بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر‘ یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے‘ لیکن حضرت عائشہؓ اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں‘ محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کو مرسل کہتے ہیں‘ لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابلِ حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہؓ ہی ہوں گے۔

جانتے تھے اور توریت وانجیل کے ماہر تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔

روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ڈر پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ "آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا" پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔

آنحضرت ﷺ کی زبان سے بے شبہ یہ الفاظ نکلے "مجھ کو ڈر ہے" لیکن یہ تردد یہ ہیبت یہ اضطراب جلال الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تخیل تھا) آپ نے کیا دیکھا؟ ناموسِ اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔

صحیح بخاری باب التعبیر میں ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دیں دفعۃً حضرت جبریلؑ نظر آتے تھے اور کہتے تھے۔ "اے محمد تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو۔" اس سے آپ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں کے لئے رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبرئیلؑ نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصہ اول کی شرح میں معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے"۔ پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ "نبوت ایک امر عظیم ہے اس کا تحمل دفعۃً نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پہلے آنحضرت ﷺ کو خواب کے ذریعہ سے مانوس کیا گیا پھر جب دفعۃً فرشتہ نظر آیا تو آپ اقتضائے بشریت سے خوف زدہ ہو گئے حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسکین دی پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا" محدث مذکور کے الفاظ یہ ہیں

﴿فلما سمع کلامه ایقن بالحق واعترف به﴾

جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آ گیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "وحی بار بار اس لئے رک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں"۔[1]

لیکن جب کہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے سفر شام میں (بمقام بصریٰ) جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے اس کی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں جس سے بحیرا نے آپ کے نبی ہونے کا یقین کیا"۔ جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ "میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا"۔ جب کہ صحاح میں موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلائش نکال کر پھینک دی"۔ تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپ اس قدر خوفزدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا اور آپ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۷ مطبوعہ مصر۔

ارادہ کرتے تھے' اور بار بار حضرت جبرائیلؑ کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی' کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی'' کہ میں خدا ہوں'' تو کیا ان کو کوئی شبہ پیدا ہوا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں' ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے یا نہیں' یہ روایت امام زہری کے بلاغات میں سے ہے' یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا' چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لئے سند مقطوع کافی نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب فرضِ نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں' اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں' یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں' تو مشکل نہ تھی۔ لیکن خاتم انبیا ﷺ کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغِ اسلام سے منور کر دینا تھا اس لئے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا' سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے' اس کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے' جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی تمام حرکات وسکنات کا تجربہ ہو چکا تھا، جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ ﷺ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے' یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کی حرم محترم تھیں' حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوشِ تربیت میں پلے تھے' زیدؓ تھے جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے۔ حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں [1] سے فیض یابِ خدمت تھے۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں' پھر اور بزرگوں کی باری آئی' اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔

حضرت ابوبکرؓ دولتمند' ماہر انساب' صاحب الرائے اور فیاض تھے' ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے' غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان کا عام اثر تھا' اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے' اربابِ روایت کا بیان ہے کہ کبار صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران' حضرت طلحہؓ سب انہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے۔ [2] ان کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں بھی پھیلا' اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا' ان سابقین اولین میں عمارؓ، خباب بن الارتؓ، حضرت عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہؓ، ارقمؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عثمان بن مظعونؓ، عبیدہؓ اور صہیبؓ رومی زیادہ ممتاز ہیں۔

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے' جب نماز کا وقت آتا تو آنحضرت کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ ﷺ حرم ہی میں ادا کرتے تھے' کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔ [3] ایک دفعہ آپ ﷺ

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ میں بزرگان موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہئے۔

[2] دیکھو ریاض النضرۃ لمحب الطبری مطبوعہ مصر صفحہ ۵۷۔

[3] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱ ذکر الاختلاف فی اول من اسلم ''س''

حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے' اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب آ نکلے' ان کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا' کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے' نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے' آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا۔ ابوطالب نے کہا میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گی' لیکن ایک خاص پہلو پر یہیں نگاہ ڈال لینی چاہئے' یعنی یہ کہ اوائل اسلام میں جب کہ اسلام لانا جان و مال سے ہاتھ دھونا تھا' کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟

اس زمانہ میں جو لوگ اسلام لائے' ان میں چند خصائص مشترک تھے' اسی قسم کے (لیکن بالعکس) مشترک خصائص ان لوگوں میں بھی پائے جاتے تھے' جنہوں نے شدت سے مخالفت کی چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ جاہلیت میں بھی عفیف' پارسا اور صدق و دیانت میں مشہور تھے۔ عثمان بن مظعون صوفی مزاج تھے' اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے۔ اسلام کے بعد چاہتے تھے کہ راہب بن جائیں لیکن آنحضرت ﷺ نے روکا۔ صہیبؓ عبداللہ بن جدعان کے تربیت یافتہ تھے جو اسلام سے پہلے تارک شراب ہو کر وفات پا چکے تھے' حضرت ابوذرؓ جن کا اسلام لانے والوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا' ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے' اور غیر متعین طریقہ سے جس طرح ان کے ذہن میں آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے' جب آنحضرت ﷺ کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائیں' وہ مکہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتیں سنیں واپس جا کر ابوذر سے کہا کہ ''میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں۔ وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہیں کوئی اور چیز ہے' تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے'' ابوذرؓ کو تسکین نہیں ہوئی اور خود مکہ آئے۔ زبان مبارک سے آپ ﷺ کا کلام سنا اور اسلام قبول کیا۔ وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے' ان کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زر و مال جمع کرتا ہے وہ مسلمان نہیں۔ چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا۔ [۱]

(۲) بعض صحابہؓ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے' یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے' لیکن اس اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے' اور اس لئے تلاش حق میں سرگرداں تھے۔ انہی میں زید بھی تھے' جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے' انہوں نے تو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی' لیکن ان کے صاحبزادے سعید موجود تھے۔ وہ باپ کے ارشادات سن چکے تھے' آنحضرت ﷺ سے ملے تو ان کو وہ رہنما ہاتھ آ گیا جس کی جستجو میں ان کے باپ دنیا سے چلے گئے اور وہ اب تک سرگشتہ تھے۔

---

[۱] حضرت ابوذرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے لیکن باہم اختلاف ہے' میں نے دونوں سے کچھ کچھ لیا ہے لیکن اختصار کے لحاظ سے بہت سی باتیں چھوڑ دیں۔

(۳) یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہہؓ، صہیب وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی، چنانچہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو لے کر حرم میں جاتے تو روٴسائے قریش ہنس کر کہتے

﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ﴾ (انعام)

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔

کفار کے نزدیک ان کا افلاس ان کی تحقیر کا سبب تھا، لیکن یہی چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ آ سکتی تھی، دولت و مال ان کے دلوں کو سیاہ نہیں کر چکا تھا۔ فخر وغرور ان کو اتقیادِ حق سے روک نہیں سکتا تھا۔ ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دیں گے تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا، غرض ان کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے اور حق کی شعاعیں ان پر دفعتہً پرتو افگن ہو سکتی تھیں، یہی سبب ہے کہ انبیاءؑ کے ابتدائی پیرو کار ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہیں۔ عیسائیت کے ارکانِ اولین ماہی گیر تھے۔ حضرت نوحؑ کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا

﴿ وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاۡىِ‌ۚ وَمَا نَرٰى لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۢ بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴾ (ھود)

اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی انہی لوگوں نے کی جو رذیل ہیں اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔

یہ سابقین اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے اس کی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ قریش کی سخت خونخواریاں، جور وظلم کے شدائد، دولت و مال کی انتہائی ترغیبیں، کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کر سکی، اور آخر انہی کمزور ہاتھوں نے قیصر و کسریٰ کا تخت الٹ دیا۔

تین برس تک آنحضرت ﷺ نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا، صاف حکم آیا

﴿ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ ﴾ (حجر۔۶)

اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے۔

اور نیز حکم آیا

﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴾ (شعراء۔۱۱)

اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا۔

آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر القریش! لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ”اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے، تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ”ہاں کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے“۔ آپ نے فرمایا ”تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذابِ شدید نازل ہوگا“۔ یہ سن

کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر واپس چلے گئے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۰۰)

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا' تمام خاندانِ عبدالمطلب مدعو کیا گیا' حمزہؓ ابوطالب' عباس سب شریک تھے' آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کی کفیل ہے' اس بار گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا"۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا' دفعتہً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "گو مجھ کو آشوبِ چشم ہے' گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں' تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔[1]

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں' حاضرین کو بیساختہ ہنسی آ گئی' لیکن آگے چل کر زمانے نے بتایا کہ یہ سراپا سچ تھا۔

اب مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی' آپ نے حرمِ کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی' اس لئے دفعتہً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا' اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے' آنحضرت ﷺ کے ربیب حضرت حارث بن ابی ہالہ گھر میں تھے' ان کو خبر ہوئی' دوڑے ہوئے آئے اور آنحضرت ﷺ کو بچانا چاہا' لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے' اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔[2]

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب:

مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا' اور جس کی وجہ سے وہ ہمسائگانِ خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے تھے۔ اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے' اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کئے گئے جن کی تفصیل یہ ہے۔[3]

منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون سا منصب حاصل تھا	آنحضرتؐ کے زمانہ میں کون لوگ ان مناسب پر فائز تھے
حجابہ	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت		عثمان بن طلحہؓ
رفادہ	غریب حجاج کی خبرگیری	خاندانِ نوفل	حرث بن عامرؓ
سقایہ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندانِ ہاشم	حضرت عباسؓ
مشورہ		خاندانِ اسد	یزید بن ربیعہ الاسود

[1] طبری نے تاریخ جلد ۳ ص ۱۱۷۱ اور تفسیر جلد ۱۹ ص ۶۸ میں عبدالغفار بن قاسم اور منہال بن عمرو کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ پہلا شیعی اور متروک ہے اور دوسرا مذہب بد۔ اس روایت میں اور بھی وجوہ ضعف بلکہ وجوہ وضع ہیں "س"

[2] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ۔

[3] یہ تمام تفصیل عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۳۱ میں ہے۔

دیات ومغارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا	خاندانِ امیہ	حضرت ابوبکرؓ
عقاب	علم برداری	خاندانِ امیہ	ابوسفیانؓ
قبہ	خیمہ وخرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	خاندانِ مخزوم	ولید بن مغیرہؓ
سفارت ومنافرت	سفیر ہوکر جانا اور جن قبیلوں میں یہ نزاع پیش آئے کہ شریف تر کون ہے' اس کا فیصلہ کرنا	خاندانِ عدی	حضرت عمرؓ
ازلام وایسار	محکمہ مال کا انتظام	خاندانِ جمح	صفوان بن امیہ
اموال	مہتمم خزانہ	خاندانِ سہم	حرث بن قیس

آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت واقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا ان کے نام یہ ہیں:

ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہ کے باپ) ابولہب (آنحضرت ﷺ کا چچا)	حرب فجار میں انہی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا۔
ابوجہل	ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار۔
ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)	قریش کا رئیس اعظم تھا۔
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمرو بن العاصؓ کا باپ)	نہایت دولتمند' کثیر الاولاد اور صاحب اثر تھا۔
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہؓ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا۔

ان کے سوا اسود بن مطلب' اسود بن عبدیغوث' نضر بن الحرث بن کلدۃ، اخنس بن شریق ثقفی' ابی بن خلف' عقبہ بن ابی معیط' صاحب اثر تسلیم کئے جاتے تھے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خاندانِ ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے اور دونوں میں مدت سے رشک ورقابت چلی آتی تھی۔

پہلا سبب:

ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم وعقائد کے خلاف ہو' ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ ان کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی۔ آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے' اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا۔

عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا۔ خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی' جن میں ہبل خدائے اعظم تھا' یہی بت ہر قسم کے خیر وشر کے مالک تھے' پانی برساتے تھے' اولادیں دیتے تھے معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے' خدا' یا تو سرے سے نہ تھا یا تھا تو وجودِ معطل تھا۔

دوسرا سبب:

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتہً برباد کر دینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت واقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔

قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیہ تھا، چنانچہ حربِ فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا۔ لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا، اس لئے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی، ابوجہل اس کا بھتیجا تھا اور وہ بھی قریش میں امتیاز رکھتا تھا۔

ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنوامیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔ خاندانِ ہاشم میں سب سے زیادہ کبیر السن ابولہب تھا، جو رسول اللہ ﷺ کا حقیقی چچا تھا۔

قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ بااثر عاص بن وائل تھا جو نہایت دولت منداور کثیر الاولاد تھا۔

قریش کی عنان حکومت انہی رؤسا کے ہاتھ میں تھی، اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی، قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط انہیں لوگوں کے زیر اثر تھے، اور اس وجہ سے اعدائے اسلام میں ان کے نام ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔

﴿ وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ (زخرف: ۳)

وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اترنا تھا، تو ان دو شہروں (مکہ و طائف) میں سے کسی رئیس اعظم پر اترنا تھا (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابومسعود ثقفی)

عرب میں ریاست کے لئے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب سے ضروری شرط تھی، اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں (ہندوستان میں بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے ہندوؤں میں بھی یہ خیال ہے کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہیں مل سکتی۔

قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید بن المغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی اور ابومسعود ثقفی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان اوصاف سے بالکل خالی تھے، دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔

تیسرا سبب:

قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی جس کی وجہ یہ تھی ابرہۃ الاشرم (بادشاہِ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا، عیسائی تھا، یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے، ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان شکستہ ہوئے، چنانچہ یہ آیت اتری

﴿ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ (روم۔۱)

'قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہو گئے' لیکن یہ لوگ مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں پھر غالب آ جائیں گے' خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے۔

اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں' سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا' اور مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا' ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھا سبب:

ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یک دگر تھے' بنو ہاشم و بنو امیہ' عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا۔لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا' ابوطالب دولت مند نہ تھے' عباس دولتمند تھے لیکن فیاض نہ تھے' ابولہب بدچلن تھا' اس پر بنوامیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنوامیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا' اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی' بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں' اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔

عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کا دشمن تھا' اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈالی تھی (اموی تھا) بنوامیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعویٰ تھا' وہ بنو مخزوم تھے' ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا' اس لئے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت ﷺ کی سخت مخالفت کی۔ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے' ایک دفعہ اخنس بن شریق' ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ "محمد کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟" ابوجہل نے کہا ہم اور بنوعبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے' انہوں نے مہمان داریاں کیں تو ہم نے بھی کیں، انہوں نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے' انہوں نے فیاضیاں کیں تو ہم نے ان سے بڑھ کر کیں' یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا' تو اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہیں' خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔ [۱]

پانچواں سبب:

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں' بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے' ابولہب جو خاندان ہاشم میں سب سے زیادہ ممتاز تھے' اس نے حرم محترم کے خزانہ سے غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا [۲] اخنس بن شریق جو بنوزہرہ کا حلیف اور رؤسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا' نمام اور کذاب تھا'

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ مصر

[۲] حرم میں ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ میں محفوظ تھا' ابولہب نے چرا کر فروخت کر دیا۔ یہ واقعہ عموماً تاریخوں میں مذکور ہے' ابن قتیبہ نے بھی معارف میں اس کا ذکر کیا ہے۔

نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمالِ شنیعہ میں گرفتار تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں میں سخت دارو گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں، اور گو طریقۂ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴾ (سورۂ قلم)

اور اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم کھاتا ہے، آبرو باختہ ہے، طاعن ہے، چغلیاں کھاتا ہے، لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے، حد سے بڑھ گیا ہے، بد ہے، تندخو ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا نسب بناتا ہے، اس لئے کہ وہ مالدار اور لڑکوں والا ہے۔

﴿ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴾ (سورۂ علق)

وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے۔

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا، لیکن مدت کی عربی نخوت، دولت و اقتدار کا فخر، ریاست کا زعم ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خبردار نہ ہوتے، اس لئے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کئے جاتے تھے

﴿ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴾ (مدثر)

ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو۔ میں نے اس کو اکیلا پیدا کیا، پھر بہت سا مال دیا، بیٹے دیئے، سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے کہ ہم اس کو اور دیں، ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے جو قریش کا سرتاج تھا، اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا۔

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا یہ تھا کہ جو معبود سینکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے، اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا، اور ان کی شان میں کہتا تھا

﴿ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ (سورۂ انبیا۔۷)

بلاشبہ تم اور جن چیزوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہوں گے۔

قریش کے تحمل کے اسباب:

ان اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا، توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خونریزیاں شروع ہو جاتیں، لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا، اور اس کے ناگزیر اسباب تھے۔ قریش خانہ جنگیوں میں تباہ ہو

چکے تھے‘ اور حربِ فجار کے بعد اس قدر عاجز آ گئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے‘ مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک بدلا نہ لے لیا جائے‘ یہ آگ بجھ نہیں سکتی تھی‘ رسول اللہ ﷺ کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لئے نہایت آسان تھا‘ لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے‘ اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائے گا‘ بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے‘ اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس میں دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہوں‘ اس لئے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا‘ بلکہ سینکڑوں تھے‘ اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا۔

روٴسائے قریش میں متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے‘ وہ بدنفسی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے خیال میں نیک نیتی کی بنا پر مخالفت کرتے تھے‘ اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی [1] سے طے ہو جائے۔

غرض جب آنحضرت ﷺ نے اعلانِ دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابو طالب سے آ کر شکایت کی‘ ابو طالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت ﷺ ادائے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے‘ اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابو طالب کے پاس آئی‘ اس میں تمام روٴسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ‘ شیبہ‘ ابوسفیان‘ عاص بن ہشام‘ ابوجہل‘ ولید بن مغیرہ‘ عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے‘ ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے‘ ہمارے آباواجداد کو گمراہ کہتا ہے‘ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے‘ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔

ابو طالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے‘ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ ”جانِ عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں“۔ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے‘ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے‘ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا ”خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا‘ خدا اس کام کو پورا کرے گا‘ یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا“۔ آپ کی پراثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا‘ رسول اللہ ﷺ سے کہا ”جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا [2] نہیں کر سکتا“۔

آنحضرت ﷺ بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے‘ قریش اگرچہ آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے‘ لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے‘ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے‘ نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے‘ بدزبانیاں کرتے تھے‘ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے‘ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے‘ قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا کر سکتا ہے‘ قریش نے بھی یہی خیال کیا‘ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا ”محمد! کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟

---

[1] یہ آیت غالباً انہیں لوگوں کی شان میں ہے۔ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ یعنی آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی سے تو لوگوں کو منع کرتے تھے لیکن آپ کے دعوائے نبوت سے دور ہٹتے تھے“۔ اصابہ ذکر ابی طالب بحوالہ عبدالرزاق ”س“

[2] ابن ہشام صفحہ ۸۹۔ امام بخاری نے بھی تاریخ میں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں' اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ"۔

عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ ﷺ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ (حم السجدہ۔۱)

اے محمد کہہ دے کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں' مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے' بس سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اسی سے معافی مانگو۔

﴿قُلْ ءَاِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (حم۔السجدہ۔۲)

اے محمد کہہ دے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی' اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو' یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا' اس نے قریش سے جا کر کہہ دیا کہ محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے' میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو' اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آ جائیں گے تو یہ تمہاری ہی عزت ہے' ورنہ عرب ان کو خود فنا کر دے گا" لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی۔

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام' ۶ نبوی:

آنحضرت ﷺ کے اعمام میں سے حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص محبت تھی' وہ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے' اور ساتھ کے کھیلے تھے' دونوں نے ثویبہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے' وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے' ان کا مذاق طبیعت سپاہ گری اور شکار افگنی تھا' معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے' دن دن بھر شکار میں مصروف رہتے' شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے' طواف کرتے' قریش کے روٴساء صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے' حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے' کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے' اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے بیگانوں سے بھی دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ ایک دن ابوجہل نے رودررو آپ کے ساتھ نہایت سخت گستاخیاں کیں' ایک کنیز دیکھ رہی تھی' حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اس نے تمام ماجرا کہا۔ حضرت حمزہؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے' تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا" میں مسلمان ہو گیا ہوں"۔

آنحضرت ﷺ کے جوش حمایت میں انہوں نے اسلام کا اظہار تو کر دیا' لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی

دین کو دفعتہً کیونکر چھوڑ دوں' تمام دن سوچتے رہے' بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے [۱] دو ہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں [۲] سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے' حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زیدؓ کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے۔ حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا' اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو گئیں' اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا' لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے' ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے' یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے' لبینہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشا مارتے' اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ''دم لے لوں تو پھر ماروں گا'' لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے' لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا' ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود ذاتِ نبوی کے قتل کا ارادہ کیا' تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے' کارکنانِ قضا نے کہا۔

ع آمد آں یارے کہ ما میخواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہؓ مل گئے' انہوں نے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں' انہوں نے کہا ''پہلے اپنے گھر کی خبر لو' خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں''۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے' وہ قرآن پڑھ رہی تھیں' ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لئے' لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی' بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں' انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو' یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہوئے' اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی' بولیں کہ ''عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا''' ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا' بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا' ان کے جسم سے خون جاری تھا' دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی' فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ' فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے' اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی

﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (حدید۔۱)

زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

---

[۱] حضرت حمزہؓ کے اسلام کا واقعہ عموماً سب نے لکھا ہے لیکن یہ اخیر واقعہ میں نے صرف روض الانف میں دیکھا ہے۔

[۲] حضرت عمرؓ کا قبول اسلام میں الفاروق میں مفصل لکھ چکا ہوں' اسی کو بعینہ یہاں نقل کر دیا ہے' کہیں کہیں بعض الفاظ یا جملے بدل دیئے ہیں (جامع نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کی دوسری روایتیں سیرۃ النبیؐ جلد سوم باب استجابت دعا میں مفصل درج کر دی ہیں' وہاں دیکھی جائیں ''س'')

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا' یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ (حدید)

خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

﴿ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ﴾

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا' پناہ گزیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی' چونکہ شمشیر بکف گئے تھے' صحابہؓ کو تردد ہوا' لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا ''آنے دو' مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے' ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا''۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کے فرمایا ''کیوں عمرؓ کس ارادہ سے آیا ہے؟'' نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا' نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ''ایمان لانے کے لئے'' آنحضرت ﷺ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے' اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ [1]

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا' اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے' عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداءؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا' تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے' اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا' حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی' انہوں نے علانیہ اسلام ظاہر کیا' کافروں نے اول اول بڑی شدت کی' لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے' یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی' ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

﴿ فلما اسلم عمر قاتل قریشاً حتی صلّٰی عند الکعبة و صلّینا معهٗ ﴾

جب عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا' اتفاق سے عاص بن وائل آ نکلا' اس نے پوچھا کیا ہنگامہ ہے' لوگوں نے کہا عمر مرتد ہو گئے' عاص بن وائل نے کہا ''تو کیا ہوا میں نے عمر کو پناہ دی''

تعذیب مسلمین:

رسوخِ عزم' قوتِ ارادہ' شدتِ عمل' انسان کے اصلی جوہر ہیں اور داد کے قابل ہیں' لیکن انہی اوصاف کا رخ جب بدل جاتا ہے تو وہ سخت دلی' بے رحمی' درندہ طبعی اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیتے ہیں۔ اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہؓ کو ان کے قبیلوں نے اپنے حصارِ حفاظت میں لے لیا تو قریش کا طیش و غضب ہر

---

[1] انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد و اسد الغابہ وابن عساکر و کامل ابن الاثیر۔

طرف سے سمٹ کران غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یارومددگار نہ تھا' ان میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں' کچھ غریب الوطن تھے' جو دو ایک پشت سے مکہ میں آرہے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے' جو کسی قسم کی عظمت واقتدار نہیں رکھتے تھے' قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جوروستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے۔

یہ آسان تھا کہ مسلمانوں کے خس وخاشاک سے سرزمین عرب دفعتہً پاک کردی جاتی' لیکن قریش کا نشۂ انتقام اس سے نہیں اُتر سکتا تھا' مسلمان اگر اپنے مذہب پر ثابت قدم رہ کر پیوند خاک کردیئے جاتے تو اس میں جس قدر قریش کی تعریف نکلتی' اس سے زیادہ ان بیکسوں کا صبر واستقلال دادطلب ہوتا' قریش کی شان اس وقت قائم رہ سکتی تھی جب یہ لوگ جادۂ اسلام سے پھر کر پھر قریش کے مذہب میں آجاتے' یا شاید ان کو مسلمانوں کی سخت جانی کا امتحان لینا' اور اس کی داد دینا منظور تھا۔

قریش میں ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا کہ ان کا مدتوں کا بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہے' ان کے آباؤاجداد کی تحقیر کی جاتی ہے' قابل احترام معبودوں کی عظمت مٹی جاتی ہے' یہ لوگ صرف حسرت وافسوس کرکے رہ جاتے تھے' اور کہتے تھے کہ چند خام طبقوں کے دماغ میں خلل آگیا ہے۔ عتبہ' عاص بن وائل وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے لیکن ابوجہل' اُمیہ بن خلف وغیرہ کا معیار اس سے زیادہ بلند تھا۔

مسلمانوں پر ظلم کے طریقے:

بہرحال قریش نے جوروظلم کے عبرت ناک کارنامے شروع کئے' جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے' عرب کی تیز دھوپ' ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے' وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے' چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں' بدن پر گرم بالو بچھاتے' لوہے کو آگ پر گرم کرکے اس سے داغتے' پانی میں ڈبکیاں دیتے۔ [1] یہ مصیبتیں اگرچہ تمام بیکس مسلمانوں پر عام تھیں لیکن ان میں جن لوگوں پر قریش زیادہ مہربان تھے ان کے نام یہ ہیں

حضرت خبابؓ بن الارت' تمیم کے قبیلہ سے تھے' جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کردیئے گئے تھے۔ اُمّ انمار نے خرید لیا تھا' یہ اس زمانہ میں اسلام لائے جب آنحضرت ﷺ ارقمؓ کے گھر میں مقیم تھے' اور صرف چھ سات شخص اسلام لاچکے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں' ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے' اس پر چت لٹایا' ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں' یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے' خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی [2] حضرت خبابؓ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے' اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کا بقایا تھا' مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمد کا انکار نہ کروگے' ایک کوڑی نہ ملے گی' یہ کہتے کہ نہیں جب تک تم مرکر پھر جیو نہیں۔ [3]

---

[1] یہ واقعات ابن سعد نے بلالؓ وصہیبؓ کے حال میں بہ تفصیل لکھے ہیں۔ دیکھو کتاب مذکور جلد ثالث تذکرۂ صحابہ بدر۔

[2] طبقات ابن سعد جلد سوم تذکرۂ خبابؓ۔

[3] صحیح بخاری صفحہ ۶۹ جلد ۲' س

حضرت بلالؓ، یہ وہی حضرت بلال ہیں جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہیں۔ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں' ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ ورنہ یوں ہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا' لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے ''احد'' کا لفظ نکلتا' جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندھی اور لونڈوں کے حوالہ کیا' وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے' لیکن اب بھی وہی رٹ تھی اَحَدٌ اَحَدٌ۔

حضرت عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے' ان کے والد یاسر مکہ میں آئے' ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیہؓ تھا' شادی کر دی تھی۔ عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے' یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے' ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں' ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور وہ ہلاک ہو گئیں۔

یاسر، حضرت عمارؓ کے والد تھے' یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔

حضرت صہیبؓ یہ رومی مشہور ہیں لیکن در حقیقت رومی نہ تھے' ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے' اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا' ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا' اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے ان میں صہیبؓ بھی تھے۔ یہ روم میں پلے اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے' ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر کے آزاد کر دیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسرؓ ایک ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے' آپ ﷺ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے۔[1] قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب انہوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو' انہوں نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔

حضرت ابوفکیہہؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے' اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے۔ اُمیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں' ایک گبریلا راہ میں جا رہا تھا' امیہ نے ان سے کہا'' تیرا خدا یہی تو نہیں ہے''۔ انہوں نے کہا'' میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے''۔ اس پر امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا' ایک دفعہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی۔

حضرت لبینہؓ، یہ بیچاری ایک کنیز تھیں' حضرت عمرؓ اس[2] بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ

---

[1] ابن الاثیر ذکر تعذیب المستضعفین ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عمارؓ اس وقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارقمؓ کے مکان میں چلے آئے تھے اور جبکہ تیس شخص سے زیادہ اسلام لا چکے تھے۔

[2] حضرت عمرؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے

''میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں'' وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ''اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا''۔

حضرت زنیرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں

حضرت ابوبکرؓ کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انہوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی۔ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، لبینہؓ زنیرہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسؓ سب کو بھاری بھاری داموں پر خرید اور آزاد کر دیا۔ یہ لوگ وہ تھے جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچائیں، ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے (حضرت عثمانؓ جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے، جب اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا [1] حضرت ابوذرؓ جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا [2] دیا، حضرت زبیر بن العوامؓ جن کا مسلمان ہونے والوں میں پانچواں نمبر تھا، جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے، [3] حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔[4])

لیکن یہ تمام مظالم یہ جلادانہ بے رحمیاں یہ عبرت خیز سفا کیاں ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ ایک نصرانی مورخ نے نہایت سچ لکھا

> ''عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد کے خصائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے...... جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ ...... برعکس اس کے محمد کے پیرو، اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے، اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔ [5]

ہجرت حبش، ۵ نبوی:

قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم نے جاں نثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو

---

[1] طبقات ترجمہ عثمان بن عفان

[2] بخاری جلد ا، ص ۵۴۴۔۵۴۵ باب اسلام ابی ذرؓ

[3] ریاض النضرۃ لمحب الطبری

[4] بخاری صفحہ ۱۰۲۷۔ اس وقت تک حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے۔

[5] اپالوجی گاڈ فری ہیگنس، ترجمہ اردو صفحہ ۶۶ و ۶۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء

ہجرت کر جائیں' حبش قریش کی قدیم تجارت گاہ تھا' وہاں کے حالات پہلے سے معلوم تھے' اہل عرب حبش کے فرمان روا کو نجاشی [۱] کہتے تھے' اوراس کے عدل وانصاف کی عام شہرت تھی۔

جاں نثارانِ اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے' اوران کا پیمانہ صبر لبریز نہیں ہوسکتا تھا' لیکن مکہ میں رہ کر فرائض اسلام کا آزادی سے بجالانا ممکن نہ تھا' اس وقت تک حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا۔ عبداللہ بن مسعود جب اسلام لائے تو انہوں نے کہا میں اس فرض کوضرور ادا کروں گا۔ لوگوں نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے' حرم میں گئے اور مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہوکر سورۃ الرحمٰن پڑھنی شروع کی' کفار ہر طرف ٹوٹ پڑے' اوران کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے' اگرچہ انہوں نے جہاں تک پڑھنا تھا پڑھ کر دم لیا' لیکن واپس گئے تو چہرہ [۲] پر زخم کے نشان لے کر گئے (حضرت ابوبکرؓ جاہ واقتدار میں دیگر روسائے قریش سے کم نہ تھے' لیکن آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے' اور اسی بناپر ایک بار ہجرت کے لئے آمادہ ہوگئے۔[۳])

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جاتا وہاں اسلام کی شعاعیں خود بخود پھیلتی تھیں۔

غرض آنحضرت ﷺ کی ایما سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عثمانؓ بن عفان	مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ کے جو رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔
۲۔ حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام حضرت سہلہؓ (بنت سہیل) تھا	ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا' لیکن چونکہ سخت کافر تھا اس لئے ان کو گھر چھوڑنا پڑا۔
۳۔ حضرت زبیر بن العوامؓ	رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور مشہور صحابی تھے۔
۴۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ	ہاشم کے پوتے تھے۔
۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	مشہور صحابی اور عشرۂ مبشرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قبیلہ زہرہ سے تھے اوراس بناپر آنحضرت ﷺ کے ننہالی رشتہ دار تھے۔
۶۔ حضرت ابوسلمہؓ (بن عبدالاسد) مخزومیؓ مع اپنی زوجہ حضرت ام سلمہؓ (بنت ابی امیہ) کے۔	یہ ام سلمہؓ وہی ہیں جو ابوسلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت کے عقد میں آئیں۔
۷۔ حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ	مشہور صحابی ہیں۔
۸۔ عامر بن ربیعہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام حضرت لیلیٰ (بنت ابی حثمہ) تھا۔	سابقین اولین میں ہیں۔ بدر میں بھی شریک تھے' حضرت عثمانؓ نے سفر حج میں ان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا (اصابہ)

۱۔ نجاشی حبشی لفظ نجوس کی تعریب ہے' جس کے معنی حبشی میں بادشاہ کے ہیں۔ نجاشی کا نام ''اصحمہ'' تھا۔ (بخاری باب موت النجاشی) ''س

۲۔ طبری صفحہ ۱۱۸۸ جلد ۳

۳۔ بخاری باب ہجرتِ مدینہ۔

۹۔حضرت ابوسبرہؓ بن ابی رُہم [۱] یا ان کی ماں برہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، یہ سابقین فی الاسلام میں ہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ ہجرتِ ثانیہ میں گئے۔

۱۰ (حضرت) ابوحاطبؓ بن عمرو (حضرت) سہیل بن بیضاء بدر میں شریک تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی ہے (اصابہ)

۱۱۔(حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ میں داخل ہیں۔

ان لوگوں نے ۵ نبوی ماہ رجب میں سفر کیا۔ حسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے، جہاز والوں نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھا لیا، ہر شخص کو صرف ۵ درہم دینے پڑے۔ قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب میں آئے لیکن موقع نکل چکا تھا۔ [۲]

عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت انہی لوگوں نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا لیکن فہرست مہاجرین میں ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنوامیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیرؓ اور مصعبؓ خود آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ہیں۔ عبدالرحمن بن عوفؓ اور ابوسبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے اس بنا پر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ قریش کا ظلم وستم بے کسوں پر محدود نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی ان کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑا تھا، یعنی حضرت بلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ وغیرہ ان لوگوں کا نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نظر نہیں آتا اس لئے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔

دلم ز جورِ تو آسودہ است ومی نالم — کہ غیر پے نہ برد لذت خدنگ ترا

---

[۱] حبشہ کے مہاجرین اول کی تعداد اور ان کے تعین میں کسی قدر اختلاف ہے۔ ابن اسحاق نے مردوں میں ان ہی دس آدمیوں کا نام لیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کے متعلق وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ ہجرت اولی میں نہیں بلکہ ہجرت ثانیہ میں تھے (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۴۳) واقدی نے مردوں میں گیارہ صاحبوں کی ہجرت کا ذکر کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسبرہؓ اور حضرت ابوحاطبؓ دونوں کو مہاجرین میں شمار کیا ہے اور ابن اسحاق ان میں سے ایک کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں واقدی سے ایک بڑی فروگزاشت یہ ہوئی کہ انہوں نے گیارہ مردوں کو مہاجرین حبش بتلایا لیکن جب مہاجرین کی فہرست گنائی تو اس میں بارہ آدمیوں کا نام لیا، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کا بھی اضافہ کیا (زرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ ۳۱۴) حافظ ابن حجر نے واقدی کی اس فروگزاشت پر گرفت کی ہے (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۴۳) ابن سعد نے انہی تمام مہاجرین کا نام لیا ہے جس کا ذکر واقدی نے کیا ہے (ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۶) ابن سید الناس نے بھی بہ روایت زہری بارہ آدمیوں کا ذکر کیا ہے مگر انہوں نے حضرت زبیر کے بجائے حضرت سلیطؓ بن عمرو کا نام لیا ہے (عیون الاثر اول صفحہ ۱۱۵) بعض دوسرے سیرت نگار جو بارہ مرد مہاجرین کو تسلیم کرتے ہیں وہ حضرت حاطب بن عمرو اور حضرت سہیل بن بیضاء کے بجائے حضرت حاطبؓ بن حارث اور حضرت ہاشمؓ بن عمرو کا نام لیتے ہیں (زرقانی اول ص ۳۱۴) اسی طرح ہجرت کرنے والی خواتین میں بعض لوگ حضرت ابوسبرہؓ کی بیوی حضرت ام کلثوم بنت سہیل اور حضور ﷺ کی دایہ حضرت ام ایمنؓ کا اضافہ کرتے ہیں ''س''

[۲] تمام تفصیل طبری میں ہے۔

نجاشی کی بدولت مسلمان حبش میں امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش یہ خبریں سن سن کر پیچ و تاب کھاتے تھے' آخر یہ رائے ٹھہری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو' عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لئے منتخب ہوئے [1] نجاشی اور اس کے درباریوں میں سے ایک ایک کے لئے گراں بہا تحفے مہیا کئے گئے [2] اور نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی' یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے اور ان کی خدمت میں نذریں پیش کیں اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے' ہم نے ان کو نکال دیا تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے۔ کل ہم بادشاہ کے دربار میں ان کے متعلق جو درخواست پیش کریں' آپ بھی ہماری تائید فرمائیں۔ دوسرے دن سفراء دربار میں گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کر دیئے جائیں۔ درباریوں نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا ''تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے؟''

مسلمانوں نے اپنی گفتگو کرنے کے لئے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا انہوں نے اس طرح تقریر شروع کی

''اَیُّھَا الْمَلِکُ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' بدکاریاں کرتے تھے' ہمسایوں کو ستاتے تھے' بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا' قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے' اس اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے' اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں' سچ بولیں' خونریزی سے باز آئیں' یتیموں کا مال نہ کھائیں' ہمسایوں کو آرام دیں' عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوٰۃ دیں' ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آ جائیں''۔

نجاشی نے کہا ''جو کلامِ الٰہی تمہارے پیغمبر پر اترا ہے کہیں سے پڑھو''۔ جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' پھر کہا ''خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں''۔ یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا' تم واپس جاؤ میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ دوں گا''۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا ''حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں'' نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں' ان لوگوں کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں تو نجاشی عیسائی ہے ناراض ہو جائے گا' حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ ہو ہم کو سچ بولنا چاہئے۔

---

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲ ''س''

[2] ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا۔ اور کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور شام وغیرہ کو جو مال تجارت لے جاتے تھے وہ بھی چمڑا ہوتا تھا۔ (مسند امام ابن حنبل میں تصریح ہے کہ یہ تحفہ چمڑا ہی تھا۔ مسند اہل البیت)

غرض یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے‘ نجاشی نے کہا تم لوگ عیسٰی بن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ”ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسٰیؑ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے“۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہا واللہ جو تم نے کہا عیسٰیؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں [1] بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے‘ نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی‘ نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پرواہ نہ کی اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے۔ [2]

اسی اثناء میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا‘ نجاشی اس کے مقابلہ کیلئے خود گیا‘ صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں۔ حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کمسن تھے‘ لیکن انہوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا‘ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزم گاہ میں پہنچے‘ ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لئے خدا سے دعا مانگتے تھے‘ چند روز کے بعد زبیر واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی [3]

حبش میں کم و بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے‘ چند روز آرام سے گزرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔ اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ میں آ گئے۔

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخوں میں مذکور ہے اور ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن ان کتابوں میں اس خبر کے مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی‘ کفار بھی موجود تھے جب آپ نے یہ آیت پڑھی۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۰ کتاب التفسیر ”س“

[2] مارگولیوس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہے‘ فرماتے ہیں کہ ”جب محمد نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کیلئے ابرہہ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا‘ اس لئے انہوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے‘ اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو خود مکہ پر قابض ہو جائے گا‘ مجھ کو کیا ہاتھ آئے گا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے“۔ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔ صاحب موصوف کو حضرت جعفرؓ کی تقریر و مکالمت میں اس بنا پر شک ہے کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا حالانکہ اس زمانہ میں (اولاً تو) عربی زبان عام طور سے حبش میں بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے کہ یہ دونوں زبانیں باہم نہایت قریب ہیں‘ ثانیاً درباروں میں ترجمان ہوتے تھے جیسا کہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ میں مذکور ہے‘ بخاری باب بدء الوحی ”س“

[3] یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۲۰۲ میں مذکور ہیں‘ ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہیں لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفرؓ اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہیں کیا۔ امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلہ روایت یہ ہے‘ محمد بن اسحاق‘ زہری‘ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحرث بن ہشام مخزومی‘ ام سلمہ۔ یہ سب رواۃ ثقہ ہیں اور سب سے اخیر راوی حضرت ام سلمہؓ جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ اور خود اس واقعہ میں شریک تھیں‘ وہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ کے عقد میں نہیں آئی تھیں‘ بلکہ اپنے پہلے شوہر ابوسلمہ بن عبدالاسد کے ساتھ حبش میں ہجرت کر کے گئی تھیں‘ مورخ یعقوبی نے بھی بہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے۔

﴿ وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی۔﴾

تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے

﴿ تلك الغرانيق العلی و ان شفاعتهن لترتجیٰ۔ ﴾

یعنی (یہ بت) معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی (اس روایت کا یہ آخری حصہ کہ چند کافروں کے سوا تمام جن وانس نے حضور ﷺ کے ساتھ ایک دفعہ سجدہ کیا' صحیح ہے' جیسا کہ صحیح بخاری باب[1] میں ہے (قولہ فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا) مذکور ہے' مگر باقی) قصہ بے ہودہ اور ناقابل ذکر ہے اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی' قاضی عیاض' علامہ عینی' حافظ منذری' علامہ نووی [2] نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے' لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے' ان میں طبری' ابن ابی حاتم' ابن المنذر' ابن مردویہ' ابن اسحاق' موسیٰ بن عقبہ' ابو معشر [3] شہرت عام رکھتے ہیں' اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے' اس روایت کی صحت پر اصرار ہے' چنانچہ لکھتے ہیں۔ [4]

﴿ و قد ذكرنا ان ثلاثة اسانيد منها علی شرط الصحيح و هی مراسيل يحتج بمثلها من يحتج بالمراسيل ﴾

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ استدلال کر سکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قائل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کفار کی عادت تھی کہ جب آنحضرت ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی فقرے ملا دیتے' قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴾(حم السجدہ)

اس قرآن کو نہ سنو' اور اس میں گڑبڑ کر دو شاید تم غالب آ ؤ۔

قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے۔ [5]

﴿ واللات والعزی و مناۃ الثالثة الاخری فانهن الغرانيق العلیٰ و ان شفاعتهن لترتجی﴾

لات اور عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ کی قسم یہ بلند و بزرگ ہیں اور ان کی شفاعت کی امید ہے۔

---

[1] کتاب التفسیر سورۂ نجم ''س''

[2] دیکھو زرقانی بر مواہب لدنیہ و شفائے قاضی عیاض و عینی شرح بخاری تفسیر سورۂ نجم و نور النبر اس۔ علامہ نووی کے یہ الفاظ ہیں
لا يصح فيه شئی لا من جهة النقل و لا من جهة العقل اور علامہ عینی لکھتے ہیں فلا صحة له نقلا و لا عقلا۔

[3] دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی واقعہ ہجرت حبشہ

[4] زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۳۰۔

[5] معجم البلدان لفظ عزیٰ

آنحضرت ﷺ نے جب سورۂ والنجم کی وہ آیتیں پڑھیں تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز میں ملا کر پڑھ دیئے ہوں گے، دور کے لوگوں کو (کفار میں سے) شبہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ ہی نے وہ الفاظ ادا کئے، اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانوں میں ہوا ہوگا تو لوگوں نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہہ دیئے ہوں گے، اس واقعہ نے روایتوں میں صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کر لی کہ شیطان نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے اور چونکہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے اس لئے راویوں نے اس روایت کو تسلیم کر لیا۔

یہ صرف قیاس نہیں بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہے، مواہب میں ہے۔

﴿قیل انہ لما وصل الی قولہ و مناۃ الثالثۃ الاخری خشی المشرکون ان یاتی بعدھا بشیء یذم الھتھم فبادروا الی ذلک الکلام فخلطوہ فی تلاوۃ النبی ﷺ علی عادتھم فی قولھم لا تسمعوا لھذا القران والغوا فیہ او المراد بالشیطان شیطان الانس﴾

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس آیت پر پہنچے و منوۃ الثالثۃ الاخری تو مشرکوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب ان کے معبودوں کی کچھ برائی کا بیان ہوگا، اس بنا پر انہوں نے جھٹ سے آنحضرت ﷺ کی تلاوت میں یہ فقرے خلط کر کے پڑھ دیئے جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ کہتے کہ قرآن پر کان نہ لگاؤ اور اس میں گڑبڑ مچا دو۔ یا شیطان سے شیطان آدمی مراد ہے۔

جو لوگ حبش سے واپس آ گئے تھے، اہل مکہ نے اب ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی کہ وہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی۔ کفار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہو سکا بہت سے صحابہ جن کی تعداد قریباً سو تک پہنچتی ہے مکہ سے نکل گئے اور حبش میں اقامت اختیار کی۔ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ۷ھ میں ان کو بلا لیا۔[1]

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزوروں اور بیکسوں پر محدود نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا، ان کے یاور اور انصار بھی کم نہ تھے، تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آ گئے، اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا۔ برک الغماد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ[2] ہے، وہاں تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا، اس نے پوچھا کہاں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ''میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں'' ابن الدغنہ نے کہا ''یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے، میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں'' تو حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے، ابن الدغنہ مکہ پہنچ کر تمام سرداران قریش سے ملا اور کہا کہ ''ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے، مفلسوں کا مددگار ہے، رشتہ داروں کو پالتا ہے، مصیبتوں میں کام آتا ہے''۔ قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے

---

[1] یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے، بعض مؤرخوں نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہیں کیا اور بعض نے نہایت اختصار کے ساتھ لیا ہے

[2] زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۴۳ ذکر ہجرت ثانیہ حبش

کہ ابوبکرؓ نمازوں میں چپکے جو چاہیں پڑھیں' آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چندروز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخرانہوں نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس میں خضوع وخشوع کے ساتھ بہ آواز قرآن پڑھتے تھے' وہ نہایت رقیق القلب تھے' قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے' عورتیں اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی' اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا' حضرت ابوبکرؓ نے کہا'' مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے' میں تمہاری جوار سے استعفٰی دیتا ہوں''۔ [1]

محرم ۷ نبوی، شعب ابو طالب میں محصور ہونا:

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے' عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے' نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی' سفراء بے نیل ومرام واپس آئے' مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ'' کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قربت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید وفروخت کرے گا' نہ ان سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا جب تک وہ محمد کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں [2] یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنی ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب [3] میں پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے' حدیثوں میں جو صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے' چنانچہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے' حضرت سعد وقاصؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔ [4]

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی' قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا۔ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے۔ راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا' وہ اگرچہ کافر تھا' لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔

مسلسل تین برس تک آنحضرت ﷺ اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں' بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود

---

[1] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ میں ہے۔

[2] اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہے' لیکن یہ الفاظ کہ'' وہ محمد کو قتل کیلئے حوالہ کر دیں'' صرف مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں۔

[3] یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا۔''س''

[4] روض الانف۔

انہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، ہشام عامری خاندان بنو ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دن وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، گیا اور کہا "کیوں زہیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟" زہیر نے کہا "کیا کروں تنہا ہوں، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دوں"۔ ہشام نے کہا "میں موجود ہوں"۔ دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے۔ زہیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے! ہم لوگ آرام سے زندگی بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا"۔ ابوجہل برابر سے بولا "ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا"۔ زمعہ نے کہا "تو جھوٹ کہتا ہے۔ جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے"۔ غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری، زہیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان کو درہ سے نکال لائے [1] بقول ابن سعد یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اسی زمانہ میں معراج واقع ہوئی، جس کی تفصیل تیسرے حصہ میں آئے گی۔ اسی زمانہ میں نماز پنج گانہ فرض ہوئی۔

۱۰ نبوی، حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات:

آنحضرت ﷺ اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے، اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی کہ ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا "مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں"۔ ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا "ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟" بالآخر ابو طالب نے کہا "میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں" پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا "میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے"۔ [2]

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت ﷺ سے کہا "تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں"۔ [3]

اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے، لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے اس

[1] یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ میں مذکور ہے، اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے

[2] صحیح بخاری باب الجنائز اور مسلم، ابو طالب کا اخیر فقرہ مسلم میں ہے بخاری میں نہیں۔

[3] ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۶

لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیّب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ''روایت مرسل ہے''[1]۔ ابن اسحاق نے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے' اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔[2]

ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کے لئے جو جان نثاریاں کیں' اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے' فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے' تین تین برس تک آب و دانہ بندر ہا' کیا یہ محبت' یہ جوش' یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟

ابو طالب آنحضرت ﷺ سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے' رسول اللہ ﷺ کو ان سے نہایت محبت تھی' ایک دفعہ وہ بیمار پڑے' آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کے لئے گئے تو انہوں نے کہا' بھتیجے! جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے''۔ آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے' آنحضرت ﷺ سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے' آپ نے فرمایا کہ ''آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے''۔[3]

ابو طالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ابو طالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے۔ صحابہؓ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے' یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے' اور خود آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے۔[4] حضرت خدیجہؓ نے رمضان ۱۰ نبوی میں وفات کی' ان کی عمر ۶۵ برس کی تھی' مقام حجون میں دفن کی گئیں' آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اُترے۔ اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی۔[5]

---

[1] عینی کتاب الجنائز جلد ۴ صفحہ ۲۰۰ ''س''

[2] مصنف کے اس نظریہ سے مجھے اتفاق نہیں ہے اس لئے کہ بخاری کی روایت کے آخر راوی حضرت مسیبؓ ہیں جو صحابی ہیں' ظاہر ہے کہ صحابی کی روایت کسی صحابی ہی سے ہوگی اس لئے مراسیل صحابہ حجت ہیں اور ابن اسحاق کی روایت منقطع ہے اور چھوٹا ہوا راوی صحابی نہیں ہے' خود ابن اسحاق بھی استناد کا اعلیٰ درجہ نہیں رکھتے اس لئے دونوں روایتوں کو یکساں نہیں قرار دیا جا سکتا۔ علاوہ بریں حضرت مسیبؓ کی اس روایت کی تائید میں خود حضرت عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اسی مسیب والی روایت سے اوپر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ حضرت عباسؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے چچا (ابو طالب) کو آپ سے کیا فائدہ پہنچا کہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لئے آپ کے دشمنوں سے برسر پرخاش رہتے تھے۔ فرمایا' وہ دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنے تک ہیں مگر اس کا اثر بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباسؓ کے علم میں تھا کہ ان کا خاتمہ توحید کے اقرار پر نہیں ہوا' اسی مضمون کی روایت حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی ہے جو صحیح بخاری باب قصہ ابی طالب میں اسی موقع پر موجود ہے۔ ''س''

[3] اصابہ فی تمیز الصحابہ ذکر ابو طالب

[4] مواہب لدنیہ

[5] یہ تفصیل ابن سعد میں ہے

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا' اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے' ایک دفعہ آپ ﷺ راہ میں جا رہے تھے' ایک شقی نے آ کر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے' آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں، آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں' آپ ﷺ نے فرمایا'' جان پدر! رو نہیں' خدا تیرے باپ کو بچا لے گا''۔ [1]

اہل مکہ سے تو قطعی نا امیدی تھی، اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور اربابِ اثر رہتے تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے عبد یالیل' مسعود' حبیب۔ آنحضرت ﷺ ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا'' اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے'' دوسرے نے کہا'' کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا؟''۔ تیسرے نے کہا'' میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا۔ تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے' اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں''۔

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا' طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپ ﷺ کی ہنسی اڑائیں شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے' یہ مجمع دورویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا' جب آپ ادھر سے گزرے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کر دیئے' یہاں تک کہ آپ ﷺ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں' جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے' جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے' ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔ [2] آخر آپ ﷺ نے ایک باغ میں انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا' اس نے آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا انگور کا خوشہ ایک طشت میں رکھ کر بھیجا۔ اس سفر میں زیدؓ بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ میں قیام کیا' پھر حراء میں تشریف لائے' اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی ان سے طالب حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے' مطعم نے یہ درخواست منظور کی' بیٹوں کو بلا کر کہا کہ'' ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ'' رسول اللہ ﷺ مکہ میں تشریف لائے' مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا' حرم کے پاس آیا تو پکارا کہ'' میں نے محمد کو پناہ دی ہے''۔ آنحضرت ﷺ حرم میں آئے، نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے' مطعم اور اس کے بیٹے آپ ﷺ کو تلواروں کے

---

[1] طبری اور ابن ہشام ذکر وفات خدیجہؓ

[2] یہ پوری تفصیل مواہب لدنیہ بحوالہ موسیٰ بن عقبہ اور طبری و ابن ہشام میں ہے

[3] کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے' مارگیولیس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کے اس سفر کو سوء تدبیر میں داخل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ'' طائف مکہ سے بالکل قریب اور ان کے زیر اثر تھا اور وہاں رؤسائے مکہ کے باغ تھے' جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اس لئے جب مکہ کے تمام رؤسا' آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھے تو طائف کے لوگوں سے کیا امید ہو سکتی تھی''۔ لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ'' محمد کا زور اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک مخالف شہر میں گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا۔ع والفضل ماشہدت بہ الاعداء

سایہ میں لائے۔[1]

مطعم نے کفر کی حالت میں غزوۂ بدر سے پہلے وفات کی' حضرت حسانؓ جو دربار رسالت کے شاعر تھے' انہوں نے مرثیہ لکھا' زرقانی نے یہ مرثیہ بدر میں نقل کیا[2] ہے اور لکھا ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں' مطعم کا یہ کام بے شبہ مدح کا مستحق تھا' لیکن آجکل کے مسلمان حضرت حسانؓ اور زرقانی سے زیادہ شیفتۂ اسلام ہیں' اس لئے معلوم نہیں حضرت حسانؓ کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

قبائل کا دورہ:

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا' جب حج کا زمانہ آتا تھا اور عرب کے قبائل ہر طرف سے آ کر مکہ کے آس پاس اترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے' عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے' جن میں دور دور کے قبائل آتے تھے' آپ ان میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔

ان میلوں میں سے عکاظ جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا' اور مجنہ اور ذوالمجاز کا نام مؤرخین نے خاص طور پر لیا ہے' قبائل عرب میں سے بنو عامر' محارب' فزارہ' غسان' مرۃ' حنیفہ' سلیم' عبس' بنو نضر' کندۃ' کلب' حارث بن کعب' عذرہ' حضارمہ مشہور قبائل ہیں۔[3] ان سب قبائل کے پاس آپ ﷺ تشریف لے گئے' لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ "دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے"۔[4]

بنی حنیفہ یمامہ میں آباد تھے' ان لوگوں نے نہایت تلخی کے ساتھ جواب[5] دیا۔ مسیلمہ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا' اسی قبیلہ کا رئیس تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ ﷺ گئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا "تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے؟ وہ یہی ہیں"۔ مفروق نے آنحضرت ﷺ کی طرف رخ کر کے کہا "برادر قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟" آپ نے فرمایا "خدا ایک ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں" اور یہ آیتیں پڑھیں۔

﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (انعام آیت ۱۵۱)

کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں' یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور والدین کا حق

---

[1] ابن سعد صفحہ ۱۴۲ کسی قدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہے جو ابن اسحاق کی روایت ہے۔ تعجب ہے کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کئے ہیں۔

[2] زرقانی جلد اول صفحہ ۵۱۶۔

[3] ابن سعد نے ان تمام قبائل کا ذکر کیا ہے۔

[4] مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۵' حیدرآباد "س"

[5] ابن ہشام۔

خدمت بجالاؤ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو، ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے، ناحق ہلاک نہ کرو۔

اس قبیلہ کے رؤساء مفروق، مثنی اور ہانی بن قبصیہ تھے اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ "مدتوں کا خاندانی دین دفعۃً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں اور معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہ آئیں گے"۔ آپ نے ان کی راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا"۔ [1]

قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے تو ایک شخص نے جس کا نام (بحیرہ بن) فراس تھا۔ آپ ﷺ کی تقریر سن کر کہا "یہ شخص مجھ کو ہاتھ آ جائے تو میں تمام عرب کو مسخر کرلوں" پھر آپ ﷺ سے پوچھا کہ "اگر ہم تمہارا ساتھ دیں اور تم اپنے مخالفوں پر غالب آ جاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہم کو ملے گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "سب خدا کے ہاتھ ہے" اس نے کہا "ہم اپنا سینہ عرب کا آماجگاہ بنائیں اور حکومت غیروں کے ہاتھ آئے، ہم کو یہ غرض نہیں۔ [2]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی:

اسبابِ مذکورۂ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت ﷺ کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ ﷺ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں، سوءِ اتفاق یہ کہ جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص سب قریش کے سر برآوردہ رؤساء تھے اور یہی سب سے بڑھ کر آپ کے دشمن [3] تھے، یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے، سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لا کر ڈال دیتے، گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں۔ (آپ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے، دعوائے نبوت کو سن کر مجنوں کہتے، باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے [4]، نمازِ جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے لانے والے (رسول ﷺ) اور قرآن کے اتارنے والے (خدا) کو گالیاں دیتے۔) [5]

ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش بھی موجود تھے، ابوجہل نے کہا "کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد سجدہ میں جاتے تو ان کے گردن پر ڈال دیتا" عقبہ نے کہا یہ "خدمت میں انجام دیتا ہوں" چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے جا کر حضرت فاطمہ ؓ کو خبر کی، وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی

---

[1] روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت۔

[2] طبری ج ۳ ص ۱۳۰۵ "س"۔

[3] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۴۔

[4] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۰۲۔

[5] صحیح بخاری ص ۶۸۶۔

آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔ [1]

آنحضرت ﷺ جب کہیں کسی مجمع عام میں دعوتِ اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپ کے ساتھ ساتھ رہتا تھا، برابر سے کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے" ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ میں اسلام نہیں لایا تھا آنحضرت ﷺ بازار ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھس کر لوگوں سے کہا کہ "لا الہ الا اللہ کہو" ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا جاتا تھا اور کہتا کہ "اس کے فریب میں نہ آنا' یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو" [2] طائف میں کفار نے آپ ﷺ کو جو اذیتیں پہنچائیں ان کا بیان پیچھے گزر چکا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے' عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی' اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا اور کہا کہ "اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے"۔ [3]

جو لوگ آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے' اور رات دن اسی شغل میں رہتے تھے ان کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں۔

"ابوجہل' ابولہب' اسود بن عبدیغوث' حارث بن قیس بن عدی' ولید بن المغیرہ' امیہ' اُبی بن خلف' ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ' عاص بن وائل' نضر بن حارث' منبہ بن الحجاج' زہیر بن ابی امیہ' سائب بن سیفی' اسود بن عبدالاسد' عاص بن سعید بن العاص' عاص بن ہاشم' عقبہ بن ابی معیط' ابن الاصدیٰ ہذلی' حکم بن ابی العاص' عدی بن حمراء"۔

یہ سب کے سب آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ اور ان میں سے اکثر صاحب جاہ واقتدار تھے۔ یہ جو کچھ ہوا' گو نہایت دردانگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا' دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئی ہوں' حضرت نوحؑ کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا' یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول ہے تاہم اسی حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا' حضرت عیسیٰؑ کو دار ورسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں سرور عالم ﷺ نے کیا کیا؟

سقراط (زہر کا) پیالہ پی کر فنا ہو گیا، حضرت نوحؑ نے مخالفت سے تنگ آ کر ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا' حضرت عیسیٰؑ تیس چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے [4] لیکن سرور کائنات ﷺ کا فرض ان سب سے بالاتر تھا' حضرت خبابؓ بن الارت نے جب قریش کی ایذا

---

[1] صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوۃ والجزیہ والجہاد وصحیح مسلم وزرقانی جلد اول صفحہ ۲۹۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۶۳

[3] صحیح بخاری باب ما لقی النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ بمکۃ الخ

[4] حضرت مسیح کو سولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے ورنہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے' انسانی معلومات کی ترقی کے ساتھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

رسانی سے تنگ آ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ "تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے، تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا"۔ کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہیں ہوئی؟ [1]

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی ہے۔ چند سو سال پہلے انجیل برناباس کا نسخہ دریافت ہوا تھا اس میں برناباس نے نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی نہیں دی گئی تھی بلکہ ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی مصلوب ہوا تھا، حال ہی میں انجیل کا ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے اس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ (ملخص حاشیہ بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ صفحہ ۶۶، ۶۷) منجانب: مصحح محمد محی الدین سواتی۔

[1] صحیح بخاری، باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین، ذکر ایام جاہلیہ

مدینہ منورہ اور انصار

آفتاب کی روشنی دور پہنچ کر تیز ہوتی ہے، شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشاں بنتی ہے، آفتاب اسلام مکہ میں طلوع ہوا لیکن کرنیں مدینہ کے افق پر چمکیں۔

مدینہ کا اصلی نام یثرب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہاں آ کر قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی ''پیغمبر کا شہر'' پڑ گیا اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔

یہ شہر مدتوں سے آباد ہے، بہت قدیم زمانہ میں یہودی یہاں آ کر آباد ہوئے۔ ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضہ میں آ گئے۔ انہوں نے مدینہ اور اس کے حوالی میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے (یہود کے متعلق زائد تحقیق آگے آئے گی)

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے، یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو ''سیل عرم'' کہتے ہیں یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے یہ دو بھائی تھے، اوس اور خزرج۔ تمام انصار انہی دو کے خاندان سے ہیں۔ [1] یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے مقامات ان کے قبضہ میں تھے اور دولت و مال سے مالا مال تھے، چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اس لئے دور دور تک بستیاں بسائی تھیں، انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے، لیکن ان کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف [2] بن گئے، ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی، لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا، یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا۔

یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا، اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے، پہلے اس کے شبستانِ عیش میں آئے، یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا، لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی، اس زمانہ میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا، اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری، مالک کو غیرت آئی، اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی، اس نے کہا ''ہاں! لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے''۔ دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا، یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابو جبیلہ حکمران تھا، اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج گراں لے کر آیا، اور اوس اور خزرج کے رؤسا کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے، پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرا دیا، یہود کا زور اب ٹوٹ گیا، اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔ [3]

---

[1] انصار کے نسب، اور مدینہ میں آباد ہونے کی پوری تفصیل وفاء الوفاء جلد اول صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۲ میں مذکور ہے۔

[2] جو قبیلے آپس میں ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا (تحلف) معاہدہ کرتے تھے وہ باہم حلیف کہلاتے تھے۔

[3] وفاء الوفاء یہ واقعہ مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے اور وفاء الوفاء میں یہ تمام روایتیں مذکور ہیں۔

انصار نے مدینہ اور حوالیٔ مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے۔ اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں' سب سے اخیر لڑائی میں جس کو بعاث کہتے ہیں ایسے زور کا معرکہ ہوا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑلڑ کر مر گئے' انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انہوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجئے لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔

انصار گو بت پرست تھے چونکہ یہود سے میل جول تھا اس لئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے' یہود سے گو انصار اک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے' یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کئے تھے اور جن کو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ میں نام مذکور ہے [1]) ان میں توراۃ کی تعلیم ہوتی تھی' انصار جاہل تھے' اس لئے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا' یہاں تک کہ انصار میں سے جس کے اولاد زندہ نہیں رہتی تھی' وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا۔ [2]

یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے' اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے۔

انصار میں ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری میں ممتاز تھا' اس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آ گیا تھا جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا' وہ ایک دفعہ حج کو گیا' آنحضرت ﷺ نے اس کے حالات سنے تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے' اس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا' آپ نے فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے"۔ یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں' سوید نے تحسین [3] کی' اگرچہ وہ مدینہ واپس آ کر جنگ بعاث میں مارا گیا' لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا۔

سوید شجاعت اور شاعری دونوں میں کمال رکھتا تھا' ایسے شخص کو اہل عرب "کامل" کہتے تھے اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا' [4] سوید کے میلانِ اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا۔

اوس اور خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اوس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں ان کو حلیف بنائیں' اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں' ایاس نے ساتھیوں سے کہا کہ "خدا کی قسم تم جس غرض کے لئے آئے ہو یہ کام اس سے بھی بہتر ہے"' لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحیسیس نے کنکریاں اٹھا کر ان کے منہ پر

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۷ کتاب الاکراہ باب فی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق وغیرہ "س"

[2] کتب تفسیر میں لا اکراہ فی الدین کی تفسیر دیکھو

[3] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۷ "س"

[4] سوید کا ذکر ابن ہشام میں ہے لیکن روض الانف میں زیادہ تفصیل ہے' اصابہ میں بھی اس کا حال ہے' لیکن نسب میں اختلاف ہے اور امثال لقمان کا ذکر نہیں ہے' طبری میں بھی سوید کا پورا واقعہ مع اس کے اشعار کے مذکور ہے' دیکھو صفحہ ۱۲۰۷۔

ماریں اور کہا کہ ''ہم اس کام کے لئے نہیں آئے'' اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آ گیا اور ایاس آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔ [1]

انصار کے اسلام لانے کی ابتداء ۱۰ نبوی:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں رؤسائے قبائل کے پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے' اس سال (رجب ۱۰ نبوی) میں بھی آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے' عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے' خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے' آپ نے ان سے نام و نسب پوچھا' انہوں نے کہا ''خزرج'' آپ نے دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں' ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا ''دیکھو یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں''۔ یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا' [2] یہ چھ شخص تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں:- [3]

---

[1] طبری اور اصابہ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے' اصابہ میں لکھا ہے کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۸ ''س''

[2] مدینہ منورہ کے یہ حضرات جو پہلے پہل اسلام لائے بعض مصنفین سیرت نے ان کے اس قبول اسلام کے واقعہ کا تذکرہ بیعت عقبہ اولی کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ عنوان کتب سیرت کے ناظرین کے لئے اس وقت پریشانی کا موجب بن جاتا ہے جب وہ دوسری کتابوں (مثلاً مستدرک حاکم ج ۶۲۴۲ ابن کثیر علیٰ حاشیہ فتح البیان ج ۹ ص ۴۴۳) میں دیکھتے ہیں کہ بیعت عقبہ اولیٰ میں بارہ آدمی تھے۔ اسی اختلاف روایت کے سبب سے بعض مصنفین سیرت بیعت عقبہ ثانیہ میں بارہ آدمی اور بعض ۷۳ آدمی بتلاتے ہیں حالانکہ اصل صورت یہ ہے کہ چھ یا آٹھ آدمی جو شروع شروع میں اسلام لائے' ان کے واقعہ قبول اسلام کا عنوان بیعت عقبہ اولیٰ نہیں بلکہ ابتدائے اسلام انصار ہونا چاہیے اور دوسرے سال جبکہ گیارہ بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے ہیں یہ بیعت عقبہ اولیٰ ہے [1] (سیرت حلبیہ) حضرت عبادہؓ بن الصامت نے بصراحت فرمایا ہے کہ کنا احد عشر فی العقبۃ الاولی من العام المقبل [2] (مستدرک ج ۲ صفحہ ۶۲۴ حیدر آباد دکن) اس روایت میں حضرت عبادہ العام المقبل میں بیعت عقبہ اولیٰ کا ہونا فرماتے ہیں اور اس میں گیارہ آدمیوں کے ہونے کی صراحت فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے پہلے جو لوگ آ کر اسلام قبول کر چکے تھے اس کا تعلق بیعت عقبہ اولیٰ سے نہیں ہے۔

جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کا نام بیعت عقبہ اولیٰ رکھا ہے وہ تین بیعت عقبہ کا عنوان دیتے ہیں۔ یعنی ایک یہ بیعت عقبہ اولیٰ دوسری وہ بیعت عقبہ جس میں گیارہ یا بارہ آدمی اسلام لائے اور تیسری وہ بیعت عقبہ جس میں ۷۳ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے اور یہ تینوں واقعے ایک ایک سال کے فصل سے حج کے موسم میں پیش آئے اور جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کو صرف ابتدائے اسلام انصار کے عنوان سے ذکر کیا ہے انہوں نے گیارہ آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ اور ۷۳ آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس اول صفحہ ۳۰۶' ۳۱۶' ۳۱۷ و زرقانی علی المواہب ج ۱ ۳۶۷ ص ۳۶۷ ''س''

[3] یہ واقعات تمام تاریخوں میں مذکور ہیں، ہم نے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہے' کیونکہ اس نے تمام مختلف روایتیں جمع کر دی ہیں ان لوگوں کی تعداد بعضوں نے آٹھ بیان کی ہے اسعدؓ بن زرارہ اور ابوالہیثم کا پہلے سے موجود ہونا ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔ دیکھو کتاب [illegible] انصار بدر میں' صفحہ ۲۲

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

۱۔ابوالہیثم بن تیہان

۲۔ابوامامہ اسعد بن زرارہ (صحابہ میں سب سے پہلے ان ہی نے اھ میں وفات پائی۔)

۳۔عوف بن حارث (بدر میں وفات پائی)۔

۴۔رافع بن مالک بن عجلان (اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا' آنحضرت ﷺ نے ان کو عنایت فرمایا' جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔)

۵۔قطبہ بن عامر بن حدیدہ (تینوں عقبات میں شریک رہے)

۶۔جابر بن عبداللہ (بن رباب) (یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ تھے بدر وغیرہ میں شریک تھے۔)

بیعت عقبہ اولیٰ ۱۱ نبوی:

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی' اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام کے سکھانے کے لئے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔مصعبؓ ہاشم بن عبدمناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے' غزوۂ بدر میں لشکر کی علمبرداری کا منصب انہی کو ملا تھا' وہ مدینہ میں آ کر اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے' روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے' لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے' روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے' رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔صرف حطمہ' وائل' واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ابن سعد نے طبقات میں یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ تھے۔قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام میں ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔مصعبؓ نے جب ان کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے پہلے نفرت ظاہر کی لیکن جب مصعبؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں تو پتھر موم تھا' ان کا اسلام لانا تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔

بیعت عقبہ ثانیہ ۱۲ نبوی:

اگلے سال بہتر (۷۲) شخص حج کے زمانہ میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے (جو بت پرست تھے) چھپ کر بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی' اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے' انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا ''گروہِ خزرج! محمد اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے' اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو''۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

واقدی کا بیان ہے کہ اسعدؓ بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے۔(بعضوں نے ابوالہیثم بن تیہان کی جگہ عقبہ بن عامر بن نابی کا نام لیا اور بعض نے جابر بن رباب کے بجائے عبادہ بن صامت کو جگہ دی ہے''س''

حضرت براءؓ نے آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا ''ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں''۔ وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا ''یارسول اللہ! ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں، بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائیں''۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا ''نہیں تمہارا خون میرا خون ہے' تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں''۔

آپ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کئے' جن کے نام خود انصار نے پیش کئے تھے' ان میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے۔ ان کے نام حسبِ روایت ابن سعد حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اُسید بن حضیرؓ	جنگ بعاث میں انہی کے باپ اوس کے سردار تھے۔
۲۔ ابوالہیثمؓ بن تیہان	
۳۔ سعد بن خثیمہؓ	جنگ بدر میں شہید ہوئے۔
۴۔ اسعد بن زرارہؓ	ان کا ذکر اوپر گزر چکا' یہ امام نماز تھے۔
۵۔ سعد بن الربیعؓ	جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔
۶۔ عبداللہ بن رواحہؓ	مشہور شاعر ہیں۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔
۷۔ سعد بن عبادہؓ	معزز اور مشہور صحابی ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انہوں نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔
۸۔ منذر بن عمروؓ	بیر معونہ میں شہید ہوئے۔
۹۔ براء بن معرورؓ	بیعت عقبہ میں انہوں نے انصار کی طرف تقریر کی تھی' آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔
۱۰۔ عبداللہ بن عمروؓ	جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔
عبادہؓ بن الصامت	مشہور صحابی ہیں' ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔
۱۲۔ رافع بن مالکؓ	جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں ''شرک' چوری' زنا' قتل اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ ان سے جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے''۔[1]

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعدؓ بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا ''بھائیو! یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن وانس سے اعلان جنگ ہے''۔ سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے رئیس القبائل تھے' ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا' صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی' قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی' انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے ان کو اس

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ عقبہ اولیٰ کی شرائط ہیں' اخیر بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ انصار آپ ﷺ کی جان کی حفاظت کریں گے۔

بیعت کی خبر نہ تھی' انہوں نے تکذیب کی کہ "ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا"۔

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے' صرف آنحضرت ﷺ' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے' جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے' وہ مدت تک نہ جاسکے' یہ آیت انہی کی شان میں ہے۔

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾ (نساء آیت ۱۰)

کمزور مرد' عورتیں اور بچے جو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا! ہم کو اس شہر سے نکال کہ یہاں کے لوگ ظالم ہیں۔

۱ ھ ہجرت

(اس وقت جبکہ دعوتِ حق کے جواب میں ہر طرف سے تلوار کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں' حافظ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن خود وجود اقدس ﷺ جوان ستم گاروں کا حقیقی ہدف تھا' اپنے لئے حکم خدا کا منتظر تھا۔ مکہ کے باہر اطراف میں جو صاحب اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جان نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے۔ قبیلہ دُوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا' اس کے رئیس طفیل بن عمروؓ نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ [1] اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی۔ بعد میں اس نے کہا کہ وہ اپنے اہل قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئے گا۔ [2] لیکن کارساز قضا وقدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا۔ چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ دارالہجرۃ ایک پُر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہو گا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا [3])

نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہؓ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پُراثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے' اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے' حضرت عائشہؓ گو اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں' لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ انہی سے سن کر کہا ہو گا اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی موجود تھیں۔

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے اس بنا پر انہوں نے دارالندوہ میں جو دارالشوریٰ تھا' اجلاس عام کیا' ہر قبیلہ کے رؤساء یعنی عتبہ' ابوسفیان' جبیر بن مطعم' نضر بن حارث بن کلدۃ' ابوالبختری' ابن ہشام' زمعہ بن اسود بن مطلب' حکیم بن حزام' ابوجہل' نبیہ ومنبہ' امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ' یہ سب شریک تھے' لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں' ایک نے کہا محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے'' دوسرے نے کہا'' جلاوطن کر دینا کافی ہے''۔ ابوجہل نے کہا'' ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہو' اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے' اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا' اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے''۔ اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا' اور جھٹ پٹے سے آ کر رسول اللہ ﷺ کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت ﷺ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی' تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۵۸' باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر۔

[2] مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۳ و زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۳۵۹۔

[3] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ ''س''

اسبابِ امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں، آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی، اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ "مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا"۔ یہ سخت خطرے کا موقع تھا، حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں، اور آج رسول اللہ ﷺ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ دو پہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے، دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی، اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو"۔ بولے کہ "یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے"۔ (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی) آپ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے"۔ [۱] حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا "میرا باپ آپؐ پر فدا ہو، کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں، عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں، محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا، ارشاد ہوا "اچھا، مگر بہ قیمت"، حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں، ان کی بڑی بہن اسماءؓ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ [۲]

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا، آنحضرت ﷺ ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"۔ حضرت ابوبکرؓ سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی، دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے، یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہِ خلائق ہے۔ [۳]

حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ جو نوخیز جوان تھے، شب کو غار میں ساتھ سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کرتے، حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا، اور آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں، اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں۔ [۴]

---

[۱] صحیح بخاری باب الہجرت "س"

[۲] صحیح بخاری باب الہجرت "س"

[۳] یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب ہے، پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے، سمندر یہاں سے دکھائی دیتا ہے، دیکھو زرقانی جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۲۸ "س"

[۴] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ میں ہے، باب مناقب المہاجرین میں بعض مزید حالات ہیں وہ بھی ہم نے شامل کر لئے ہیں۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت ﷺ کے بجائے حضرت علیؓ تھے' ظالموں نے آپ کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا' اور چھوڑ دیا۔[1] پھر آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے' ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آ گئے' آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ "اب دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے" آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ (توبہ)

گھبراؤ نہیں' خدا ہمارے ساتھ ہے۔

مشہور ہے کہ جب کفار غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا۔ دفعتہً ببول کا درخت اگا' اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت ﷺ کو چھپا لیا' ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلہ بنا کر انڈے دیئے' حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ اس روایت کو مواہب لدنیہ میں تفصیل سے نقل کیا ہے' اور زرقانی نے بزار وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں' لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں اس روایت کا اصل راوی عون بن عمرو ہے' اس کی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے "لاشیء' یعنی ہیچ ہے' امام بخاری نے کہا ہے کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے"۔ اس روایت کا ایک اور راوی ابو مصعب مکی ہے' وہ مجہول الحال ہے' چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عون بن عمرو کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کئے ہیں' اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔[2]

بہر حال چوتھے دن آپ غار سے نکلے' عبداللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا' رہنمائی کے لئے اُجرت پر مقرر کر لیا گیا۔ وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا' ایک رات دن برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سایہ میں آرام فرمالیں' چاروں طرف نظر ڈالی' ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا' سواری سے اتر کر زمین جھاڑی' پھر اپنی چادر بچھا دی' آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا' تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں' پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا' اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کر دے' پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا' برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے' دودھ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا' آپ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟" آفتاب اب ڈھل چکا تھا' اس لئے آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔[3]

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا' سراقہ بن جعشم[4] نے سنا تو انعام کے لالچ میں نکلا' عین اس حالت میں کہ آپ روانہ ہو رہے

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳' صفحہ ۱۲۳۴۔ "س"

[2] سیرت النبی جلد ۳ صفحہ ۳۰ میں ضمن "مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت" ان روایات پر مفصل تنقید کی گئی ہے۔ "س"

[3] یہ پوری تفصیل حرف بہ حرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے' ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کیں کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

[4] سراقہ بعد میں اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے' تو حضرت عمرؓ نے انہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

تھے اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی' وہ گر پڑا' ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جواب میں ''نہیں'' نکلا لیکن سو اونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی' دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا' اور آگے بڑھا۔ اب کی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے' گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی' اب بھی وہی جواب تھا' لیکن مکرر تجربہ نے اس کی ہمت پست کر دی' اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا۔ [1]

حسن اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے' انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے جو اس بے سروسامانی میں غنیمت تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنائی ہیں۔ اگرچہ عرب کے نقشوں میں آج ان کا نشان نہیں ملتا' تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہیں' خرار' ثنیۃ المرۃ، لقف، مدلجہ، مرجح، حدائد' اذاخر' رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ میں آتا ہے' یہاں آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذا سلم' عشانیہ' قاحہ' عرج' جدوات' رکوبہ' عقیق، حجاشہ۔

تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے پہنچ چکی تھی' تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا' معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے تھے کہ ''پیغمبر آ رہے ہیں''۔ لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے' اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے' ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ ''اہل عرب لو تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا''۔ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا' انصار ہتھیار سجا سجا کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے۔

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قباء کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے' ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت ﷺ یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا' یہ فخر ان کی قسمت میں تھا کہ میزبانِ دوعالم ﷺ نے انہی کی مہمانی قبول کی' انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے۔ [2]

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت ﷺ سے پہلے مدینہ میں آ چکے تھے' وہ بھی انہی کے گھر میں اُترے تھے' چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبداللہ بن مخرمہؓ، وہبؓ بن سعد' معمرؓ بن ابی سرح' عمرؓ بن عوف اب تک انہی کے مہمان [3] تھے۔ جناب امیرؓ آنحضرت ﷺ کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے' وہ بھی

---

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا۔

[2] صحیح بخاری صفحہ ۵۶ طبقات ابن سعد سیرت نبوی صفحہ ۱۵۸

[3] ابن سعد' تذکرہ کلثوم بن ہدم

آ گئے اور یہیں ٹھہرے۔ تمام مؤرخین اور اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا' لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

یہاں آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا' حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی' جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں' یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی' یہی مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے۔

﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ (توبہ۔۱۳)

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے رہو' اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے' اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ خود بھی کام کرتے تھے' بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا' عقیدت مند آتے اور عرض کرتے ''ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' آپ چھوڑ دیں ہم اٹھا لیں گے'' آپ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔[1]

عبداللہؓ بن رواحہ شاعر تھے' وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں' وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے
وَ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔
وَ لَايَبِيْتُ الَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا	اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔[2]

قباء میں آپ کا داخلہ اسلام کے دورِ خاص کی ابتدا ہے' اس لئے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے' اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ آٹھ ربیع الاول ۱۳ نبوی (مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء تھی) (محمد بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ' اور رومی ماہ ایلول ۹۲۳ اسکندری کی دسویں تاریخ تھی[3] مؤرخ یعقوبی نے ہیئت دانوں سے یہ زائچہ نقل کیا ہے۔

آفتاب	برج سرطان میں	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد میں	۲ درجہ

---

[1] وفاء الوفا' بحوالہ طبرانی کبیر جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۸۰

[2] وفاء الوفاء بحوالہ ابن شبہ ج ا ص ۱۸۱ مصر

[3] عینی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۳۵۴۔ عینی مطبوعہ قسطنطنیہ میں مطبع کی غلطی سے ۳۳ے سبعمایہ لکھا گیا ہے' اس کو تسعمایہ پڑھنا چاہئے' رومی ماہ ایلول کی دسویں کے بجائے جدید طریقہ حساب سے بیسویں ثابت ہوتی ہے' خوارزمی نے جمعہ کا دن بتایا ہے' لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہے۔

مشتری	برج حوت میں	۶ درجہ
زہرہ	برج اسد میں	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد میں	۱۵ درجہ

چودہ دن کے بعد (جمعہ کو)[۱] آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ (راہ میں بنی سالم کے محلّہ میں نماز کا وقت آ گیا' جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی' نماز سے پہلے خطبہ دیا' یہ آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی نمازِ جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔ لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف لوگ جوشِ مسرت سے پیش قدمی کے لئے دوڑے) آپ کے ننہالی رشتہ دار بنونجار ہتھیار سج سج کر آئے[۲] قباء سے مدینہ تک دورویہ جان نثاروں کی صفیں تھیں' راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے' ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا "حضور! یہ گھر ہے' یہ مال ہے' یہ جان ہے" آپ منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے' شہر قریب آ گیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا[۳]	چاند نکل آیا ہے۔
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ	کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	ہم سب پر خدا کا شکر واجب ہے۔
مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ	ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں۔
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ	محمد کیا اچھا ہمسایہ ہے۔

آپ ﷺ نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟" بولیں "ہاں" فرمایا کہ "میں بھی تم کو چاہتا ہوں"۔

جہاں اب مسجد نبوی ہے' اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا' کوکبۂ نبوی یہاں پہنچا سخت کشمکش تھی کہ آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ[۴] کے حصہ میں آئی۔

---

[۱] خوارزمی کے حساب کے مطابق روز ورود (جمعرات) نہ لیا جائے تو ۱۴ دن کے بعد جمعہ ہوگا۔

[۲] یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد' ہجرت وغیرہ میں مذکور ہے۔

[۳] وفاء الوفاء جلد اول صفحہ ۱۸۷' پہلے اشعار کے متعلق زرقانی میں نہایت محققانہ' محدثانہ بحث کی ہے اور ابن قیمؒ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ کی طرف' مواہب میں لکھا ہے کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کئے ہیں' بخاری میں بھی یہ اشعار منقول ہیں' مگر غزوۂ تبوک کے موقع پر' لیکن ان دونوں روایتوں میں کچھ تناقض نہیں' ممکن ہے دونوں موقعوں پر یہ اشعار پڑھے گئے ہوں۔

[۴] ابوایوبؓ کا نام خالد ہے' اصابہ فی احوال الصحابہ میں اسی نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور وہیں یہ واقعہ لکھا ہے' اکثر سیر اور تواریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر میں اتارنے کی درخواست کرتا تھا' آپ نے فرمایا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

حضرت ابوایوب ؓ کا مکان دو منزلہ تھا' انہوں نے بالائی منزل پیش کی' لیکن آپ ﷺ نے زائرین کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ ابوایوب ؓ دو وقت آپ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپ ﷺ جو چھوڑ دیتے' ابوایوب ؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ میں آتا' کھانے میں جہاں آنحضرت ﷺ کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا' ابوایوب ؓ تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا' اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جائے اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہو' گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا' حضرت ابوایوب ؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے۔ [1]

آنحضرت ﷺ نے سات مہینہ تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثناء میں جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپ نے نقل مکان فرمایا' تفصیل آگے آتی ہے۔

مدینہ میں آکر آپ نے حضرت زید ؓ (اور اپنے غلام ابو رافع) کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیوں اور حرم نبوی کو لے آئیں' حضرت ابوبکر ؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ ؓ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے رقیہ ؓ حضرت عثمان ؓ کے ساتھ حبش میں تھیں۔ حضرت زینب ؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ زید ؓ صرف حضرت فاطمہ زہراؓ (اور حضرت ام کلثوم ؓ) اور حضرت سودہ ؓ (زوجہ محترمہ نبوی) کو لے کر آئے' حضرت عائشہ ؓ اپنے بھائی عبداللہ ؓ کے ساتھ آئیں۔ [2]

مسجد نبویؐ اور ازواج مطہرات ؓ کے حجروں کی تعمیر:

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی' اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے' [3] دولت کدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں' کچھ کھجور کے درخت تھے' آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا ''میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں'' وہ بولے کہ ''ہم قیمت لیں گے لیکن آپ ﷺ سے نہیں بلکہ خدا سے'' چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی آپ ﷺ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپ ﷺ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوایوب ؓ نے قیمت ادا کی' قبریں

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

کہ ''میرے ناقہ کو چھوڑ دو' وہ خدا کی طرف سے مامور ہے'' چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوب ؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا' اس لئے آپؐ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا۔ لیکن صحیح مسلم باب الہجرت میں ہے کہ جب لوگوں میں آپ ﷺ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپؐ نے کہا کہ ''میں بنو نجار کے ہاں اتروں گا' جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں''۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمداً ایسا کیا تھا' حضرت ابو ایوبؓ اسی خاندان سے تھے' امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے کہ ابوایوب ؓ کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔

[1] اصابہ' ذکر ابوایوب' اور زرقانی بحوالہ قاضی ابو یوسف و حاکم و وفاء الوفاء

[2] ابن سعد۔ جزء نساء صفحہ ۴۳

[3] ابوداؤد باب بناء المسجد

اکھڑ وا کر زمین ہموار کردی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہ دو عالم پھر مزدوروں کے لباس میں تھے، صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے۔ [۱]

اللھم لا خیرا لّا خیر الآخرۃ   فاغفر الا نصار و المھاجرۃ

اے خدا کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔   اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹوں کی دیواریں، برگِ خرما کا چھپر اور کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا، لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہوگیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کردیا گیا، فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہؓ نماز کے لئے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھالیں، آنحضرت ﷺ نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوادیا۔

مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ ان لوگوں کیلئے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبوی جب تعمیر ہوچکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہراتؓ کیلئے مکان بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ نکاح میں آچکی تھیں، اس لئے دو ہی حجرے بنے۔ جب اور ازواجؓ آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے، ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے، جو حجرے اینٹوں کے تھے۔ ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں [۲] یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہراتؓ گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا، دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا [۳] راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ [۴]

آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے ان میں حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت عمارہ بن حزمؓ اور حضرت ابوایوبؓ رئیس اور دولتمند تھے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے تھے۔ سعد بن عبادہؓ نے التزام کرلیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جس میں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا [۵] حضرت انسؓ کی ماں اُمِ انسؓ نے اپنی

۱۔ بخاری باب المساجد و باب الہجرۃ و حج و باب البیوع، وعینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ و زرقانی۔

۲۔ طبقات ابن سعد، سیرت نبوی صفحہ ۱۶۱، جلد ۱۔

۳۔ منازل نبوی کا حال طبقات ابن سعد جز ۶ صفحہ ۱۱۷، اور وفاء الوفاء میں تفصیلاً ہے۔

۴۔ بخاری باب الصلوٰۃ علی الفراش۔

۵۔ طبقات ابن سعد، جلد کتاب النساء صفحہ ۱۱۶۔

جائداد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آنحضرت ﷺ نے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمنؓ کو دے دی [۱] اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔

اذان کی ابتدا:

اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت و اجتماع ہے۔ اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ پسند نہ تھا' آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں' لیکن اس میں زحمت تھی' صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا' لوگوں نے مختلف رائیں دیں' کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے' لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے' آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا' عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے' لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں [۲] اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی' دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زیدؓ نے پیش کی تھی جو انہوں نے خواب میں دیکھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں توارد ہوا' لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی اور روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ [۳]

بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں' لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی' اور آپ ﷺ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا' خواب کا ذکر نہیں۔

مواخاۃ:

مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے۔ گو ان میں دولت مند اور خوشحال بھی تھے' لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے' اس لئے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۳۵۷' باب فضل المنیحہ۔

[۲] ابوداؤد باب بدء الاذان و بخاری باب الاذان' بخاری میں زید کے واقعہ کا ذکر نہیں۔

[۳] یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم' نسائی اور ترمذی میں بھی ہے۔ لیکن تمام روایات کو اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسرے لوگوں کی راؤں کے مقابلے میں اپنی رائے یہ پیش کی تھی جیسا کہ بخاری والی روایت میں ہے۔ اولا تبعثون رجلاً ینادی بالصلوۃ کہ ایک آدمی بھیجا جائے جو پکار کر نماز کا اعلان کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے خود بھی اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ کے ساتھ اذان کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور اسی کے مطابق اذان مروجہ جاری فرمائی گئی فتح الباری و نووی و زرقانی و روض الانف باب بدء الاذان میں یہ تفصیلات بحوالہ و سند مذکور ہیں۔ ''س''

اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے' وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے' چونکہ بالکل نگھرے[1] تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے۔ جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار کو طلب فرمایا' حضرت انسؓ بن مالک جو اس وقت دہ سالہ تھے' ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے' مہاجرینؓ کی تعداد پینتالیس تھی' آنحضرت ﷺ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''یہ تمہارے بھائی ہیں''۔ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے' سعد بن الربیعؓ جو عبدالرحمن بن عوفؓ کے بھائی قرار پائے' ان کی دو بیویاں تھیں' عبدالرحمنؓ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا۔[2]

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے' روپے پیسے تو اس زمانہ میں تھے نہیں[2] انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیئے جائیں' مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے انکار کیا' انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے۔ جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا' مہاجرین نے اس کو منظور کیا۔[3]

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا' کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائداد اور مال مہاجر[4] کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے' یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیر تھی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ﴾ (انفال آیت ۱۰)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی' یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری:

﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ﴾ (انفال آیت ۱۰)

ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اُس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا۔ چنانچہ کتب تفسیر و حدیث میں بہ تصریح مذکور ہے۔[5]

---

۱ بے گھر

۲ مواخات کا ذکر اور ایک ایک کا نام ابن ہشام صفحہ ۱۷۸ میں ہے' حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخبار النبی میں ہے۔

۳ صحیح بخاری صفحہ ۳۱۳ ۴ صحیح بخاری صفحہ ۳۱۲

۵ صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ و اولوا الارحام بعضہم اولی ببعض

۴؁ھ میں بنونضیر جب جلاوطن ہوئے اور ان کی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا ''کہ مہاجرین نادار ہیں' اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دے دیئے جائیں' اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو'' انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجئے اور نئے بھی انہی کو عنایت فرمائیے۔ [1]

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی' لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ حضرت سعدؓ بن الربیع نے جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا'' خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے' مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے''۔ انہوں نے قینقاع کا' جو مشہور بازار تھا جا کر راستہ بتا دیا' انہوں نے کچھ گھی' کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی [2] کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے' ان کا اسبابِ تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ [3]

بعض صحابہؓ نے دکانیں کھول لیں' حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ سخ میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے [4] حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے [5] حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے [6] اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی [7] دیگر صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ پر لوگوں نے جب کثرتِ روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہؓ تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انہوں نے کہا ''اس میں میرا کیا قصور ہے' دیگر صحابہؓ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتا تھا''۔ پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیئے۔ صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے۔

﴿ان رسول اللّٰہ ﷺ لما فرغ من قتال اھل خیبر و انصرف الی المدینۃ ردّ المھاجرون الی الانصار منائحھم التی کانوا منحوھم من ثمارھم﴾

آنحضرت ﷺ جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت میں تھے واپس کر دیئے۔

---

[1] فتوح البلدان' مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۰۔

[2] صحیح بخاری میں دو مختلف موقعوں پر یہ واقعہ مذکور ہے۔ کتاب البیوع و باب کیف آخی النبی ﷺ باب اخاء النبی بین المہاجرین والانصار' باب الولیمہ ولو بشاۃ ''س''

[3] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ و صفحہ ۳۱۵' وغیرہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

[4] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۔

[5] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲۔

[6] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۰۰۔

[7] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۴۷۔

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں، اور جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دے دیئے سب سے پہلے حارثہؓ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی، بنوزہرہ مسجد نبوی کے عقب میں آباد ہوئے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے یہاں ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) بنوایا، حضرت زبیر بن العوامؓ کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی، حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں۔ [1] مواخات کے رشتہ سے، جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے، ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں۔ [2]

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	حضرت خارجہؓ بن زید انصاری
حضرت عمرؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری
حضرت عثمانؓ	حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری
حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ	حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری
حضرت زبیرؓ بن العوام	حضرت سلامہؓ بن وقش
حضرت مصعبؓ بن عمیر	حضرت ابوایوبؓ انصاری
حضرت عمار بن یاسرؓ	حضرت حذیفہؓ بن یمان
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذرؓ بن عمرو
حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابودرداءؓ
حضرت بلالؓ	حضرت ابورویحہؓ
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عباد بن بشرؓ
حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل	حضرت ابی بن کعبؓ

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چندروزہ انتظام ہو جائے، لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراضِ اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔

اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شہنشاہی ہے۔ اس سلطنت کیلئے وزراء، اربابِ تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں، شرفِ صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا، اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درسگاہ تربیت سے اور اربابِ استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں، اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لئے ضرور ہے، تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا، اور

---

1. یہ پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر میں ہے۔
2. یہ تفصیل ابن ہشام صفحہ [illegible] میں ہے۔

جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔

حضرت سعیدؓ بن زید عشرۂ مبشرہ میں ہیں' ان کے والد زید آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلی ملت ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے' اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے۔ سعیدؓ نے ان ہی کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی' اس لئے اسلام کا نام سننے کے ساتھ ہی انہوں نے لبیک کہا۔ ان کی ماں بھی ان کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائیں' حضرت عمرؓ انہی کے گھر میں اور ان ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے۔ علم و فضل کے لحاظ سے فضلائے صحابہؓ میں تھے۔ ان کی اخوت حضرت ابی بن کعبؓ سے قائم کی گئی جنہوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ ان کو سید المسلمین کہتے تھے' بارگاہ نبوت میں منصب انشاء پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے' فن قرأت کے وہ امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔[1]

حضرت ابو حذیفہؓ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے' جو قریش کا رئیس اعظم تھا۔ اس مناسبت سے ان کو حضرت عباد بن بشرؓ کا بھائی بنایا گیا جو قبیلہ اشہل کے سردار تھے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ جن کو رسول اللہ ﷺ نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا' ایک طرف تو فاتح شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے' دوسری طرف اسلام کے مقابلہ میں پدری اور فرزندی کے جذبات ان پر کچھ اثر نہیں کر سکتے تھے' چنانچہ غزوۂ بدر میں جب ان کے باپ ان کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے پہلے حقوق ابوت کی مراعات کی لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کر دینا پڑا۔ ان کی تربیت میں حضرت سعد بن معاذؓ دیئے گئے' جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے' ان میں بھی ایثار کا یہ وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے' بنو قریظہ ان کے حلیف تھے' اور عرب میں حلیف کا رشتہ اخوت اور ابوت کے برابر ہوتا تھا تاہم غزوۂ بنی قریظہ میں جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انہوں نے اپنے چار سو حلیفوں کو اسلام پر نثار کر دیا۔

حضرت بلالؓ اور حضرت ابو رویحہؓ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو درداءؓ حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت حذیفہؓ بن یمان' حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو ایوبؓ میں وہ وحدت موجود تھی جس کی بدولت نہ صرف شاگرد بلکہ استاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا' حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف مدینہ میں آئے تو پنیر سر پر رکھ کر بیچتے تھے' حضرت سعدؓ بن الربیع کی صحبت میں جو امیر الامراء تھے دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ ''میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں انہوں نے عرض کی کہ ''پہلے ہمارے بھائی مہاجروں کو اتنی ہی زمین عنایت فرمائیے تب ہم لینا منظور کریں گے۔''[2]

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا کہ سخت بھوکا ہوں' آپ نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ ''صرف پانی'' آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان کو آج اپنا مہمان بنائے''۔ ابو طلحہؓ نے عرض کی ''میں حاضر ہوں''۔ غرض وہ اپنے گھر لے گئے لیکن وہاں بھی برکت تھی' بیوی نے

---

[1] اصابہ ذکر ابی بن کعبؓ

[2] صحیح بخاری فضائل انصار۔

کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ انہوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دو' تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے۔ میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں' اسی واقعہ [۱] کے بارہ میں یہ آیت اتری ہے:

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (حشر۔۱۱۰)

اور گوان کو خود تنگی ہوتا ہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

صفہ اور اصحابِ صفہ:

اصحابِ صفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے' گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں ''صفہ'' سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا' صحابہؓ میں سے اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے۔ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر پڑے رہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکیں' چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے' کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اٹھا کر کھا لیتے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ یہ لوگ آ کر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے' باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں [۲] آنحضرت ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے' اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت ﷺ ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے

حضرت سعد بن عبادہؓ نہایت فیاض اور دولتمند تھے' وہ کبھی کبھی اسی (۸۰) مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر [۳] جاتے' آنحضرت ﷺ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے فاطمہ زہراءؓ نے

---

۱ صحیح بخاری و فتح الباری فضائل انصار۔

۲ صحیح ترمذی باب معیشۃ النبی ﷺ۔

۳ زرقانی ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبوی۔

درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے مریں"[1] راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے، ان کے لئے ایک معلم مقرر تھا، اس کے پاس جا کر پڑھتے[2] اسی بنا پر ان میں سے اکثر "قاری" کہلاتے تھے، دعوتِ اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوہ معونہ میں انہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔

اُن کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ مجموعی تعداد ٤٠٠ تک پہنچی تھی لیکن کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی نہ صفہ میں اس قدر گنجائش تھی، ان لوگوں کا مفصل[3] حال ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ٣٠٤ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے۔ سلمٰی نے بھی ان کے حالات میں ایک الگ کتاب لکھی ہے۔[4]

مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ:

مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہود گو تمام دنیا میں پھیلے لیکن انہوں نے اپنے نام کہیں نہیں بدلے، آج بھی وہ جہاں ہیں اسرائیلی نام رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے عرب کے یہودیوں کے نام نضیر، قینقاع، مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہیں۔ یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ان سے لڑنے کے لئے کہا تو بولے:

﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ (مائدہ)

تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے رہیں گے۔

بخلاف اس[5] کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے۔ ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

﴿ ثم كانت وقعة بنى النضير و هم فخذمن جذام الا انهم تهودوا و كذلك قريظة ﴾

پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا۔ یہ قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا، لیکن یہودی ہو گیا تھا اور اسی طرح قریظہ بھی۔[6]

مؤرخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ[7] میں ایک روایت لکھی ہے کہ "یہ جذام کے قبیلہ سے تھے

---

[1] زرقانی، جلد ا صفحہ ٤٧، مطبوعہ مصر، ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبویؐ۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ٣ صفحہ ١٣٧۔

[3] حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام سے لکھا ہے اس رسالہ میں ١٠٠ آدمیوں کے نام بہ ترتیب ہجا مذکور ہیں۔

[4] اصحاب صفہ کے حال بخاری باب المغازی وغیرہ اور صحیح مسلم میں جستہ جستہ مذکور ہیں۔ زرقانی نے اور کتابوں سے لے کر اضافہ کیا ہے۔ میں نے یہ واقعات بخاری و مسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ (نیز مسند ابن حنبل جلد ٣ صفحہ ١٣٧ میں بھی ہیں)

[5] مسٹر مرگولیوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے، ان کا میلان رائے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہودیوں کی اس بڑی آبادی میں ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے۔ عرب جو یہودی ہوتے گئے وہ بھی ان میں شامل ہوتے گئے۔

[6] یعقوبی جلد ٢ صفحہ ٤٩۔

[7] مطبوعہ یورپ صفحہ ٢٤٧۔

کسی زمانہ میں عمالقہ سے اوران کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے"۔

یہ تین قبیلے تھے، بنوقینقاع، بنونضیر اور قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے، اور مضبوط برج اور قلعے بنا لئے تھے۔ انصار کے جو دو قبیلے تھے، یعنی اوس اور خزرج، ان میں باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں۔

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں، آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا، یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے:

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔
(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
(۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
(۴) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔
(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یک دگر ہوں گے۔
(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

واقعاتِ متفرقہ:

اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقربین خاص میں تھے وفات پائی، حضرت کلثومؓ بن ہدم اور اسعدؓ بن زرارہ۔ کلثوم وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قباء میں تشریف لائے تو انہی کے مکان میں ٹھہرے، اکثر بڑے بڑے صحابہؓ بھی انہی کے گھر اُترے تھے۔ اسعدؓ بن زرارہ ان چھ شخصوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصوں میں جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا یہی اسعد تھے، یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ میں آ کر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے، چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اوروں کو رشک ہوگا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں خود تمہارا نقیب ہوں"[1] چونکہ آپ کی ننہال اسی قبیلہ میں تھی، اس لئے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا۔

حضرت اسعدؓ کی وفات کا آنحضرت ﷺ کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ

[1] طبری ص ۱۲۶۱ تا ۱۲۶۲

"محمد (ﷺ) اگر پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا" آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا:

﴿لا املك لنفسي و لا لصاحبي من الله شيئا۔﴾ (طبری صفحہ ۱۲۶۱)

میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

یہ عجب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسانِ کفر نے بھی وفات پائی، یعنی ولید بن المغیرہ جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا اور عاص بن وائل سہمی جن کے بیٹے عمرو بن عاصؓ ہیں جو فاتح مصر اور امیر معاویہؓ کے وزیر اعظم تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی ولادت ہوئی' ان کے والد حضرت زبیر آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور ان کی والدہ (اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بے مات بہن تھیں۔ اب تک مہاجرین میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے' عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا۔

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر و عصر و عشاء میں چار چار ہو گئیں لیکن سفر کے لئے اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔

۲ھ

تحویل قبلہ و آغاز غزوات

(اس سال سے اسلام کی زندگی میں دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہیں' ایک یہ کہ اسلام اپنے لئے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہے جو اب ۴۵ کروڑ قلوب کا مرکز ہے' دوسرا یہ کہ دشمنانِ اسلام اب مخالفت کے لئے تلوار اٹھاتے ہیں اور مسلمان اس کی مدافعت کے لئے تیار ہوتے ہیں۔)

تحویل قبلہ' شعبان ۲ھ:

ہر گروہ' ہر قوم اور ہر مذہب کے لئے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہے جس کے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی قائم نہیں ہوسکتی۔ اسلام نے یہ شعار قبلہ' نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے۔ اسلام کا خاص اور نمایاں وصف مساواتِ عام' جمہوریت اور توحید عمل ہے یعنی تمام مسلمان یکساں اور متحد الجہت نظر آئیں' مذہب اسلام کا رکنِ اعظم نماز ہے' جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے' نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے' لیکن اس طرح کہ ہزاروں لاکھوں اشخاص کی منفرد ہستیاں مٹ کر ایک ہستی بن جائے۔ اسی بنا پر نماز باجماعت میں ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی ایک ایک حرکت اس کے اشاروں سے وابستہ ہوتی ہے' اس لئے ضرور ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے' یہی اصول ہے جس کی بنا پر نماز کے لئے ایک قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہے' اب صرف یہ بحث باقی تھی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے' یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے' کیونکہ ان کی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی لیکن حضرت ابراہیمؑ بت شکن کے جانشین کے لئے صرف کعبہ قبلہ ہوسکتا تھا' جو اس موحدِ اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب تک مکہ میں تھے دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں' ملت ابراہیمی کی تاسیس وتجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کی ضرورت تھی' لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص وہ نہیں حاصل ہوتی تھی' کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے' اس بنا پر آنحضرت ﷺ مقام ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس طرح دونوں قبلے سامنے آجاتے تھے' مدینہ میں دو گروہ آباد تھے' مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے' شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک مدت یعنی تقریباً ۱۶ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی' لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کیا جاتا' اس بنا پر یہ آیت اتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا۔ [1]

---

[1] اس مضمون میں جس قدر واقعات ہیں وہ صحیح بخاری (حدیث قبلہ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہیں۔

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (بقرہ آیت ۱۸)
تو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور جہاں کہیں رہو اسی طرف منہ پھیرو۔

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا' ان کو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے' یہاں تک کہ (جیسا ابوداؤد میں روایت ہے) ''جن لوگوں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی' وہ منتیں مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہودی بنائیں گے''۔ اسلام نے ان کے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا' تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف رُخ کرتا ہے' جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو ان کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہو گیا۔ انہوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں' اس لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے' دودلے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استقلالی اور تزلزل اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے' اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے مصالح کے متعلق چند آیتیں اتریں جن سے یہ مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ (البقرہ آیت ۱۴۲۔۱۴۳)

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ﴾ (البقرہ آیت ۱۷۷)

سفہاء یہ اعتراض کریں گے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اس سے ان کو کس نے پھیر دیا؟ کہہ دو کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔ تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اس کو جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا' تو اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہے' اور پیچھے پھر جانے والا کون ہے؟ اور بے شبہ یہ قبلہ نہایت گراں اور ناگوار ہے' بجز ان لوگوں کے جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے۔

پورب پچھم رخ کرنا یہی کوئی ثواب کی بات نہیں' ثواب تو یہ ہے کہ آدمی اللہ پر' قیامت پر' ملائکہ پر' اللہ کی کتابوں پر' پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں عزیزوں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سائلوں اور غلاموں کو (آزاد کرانے میں) اپنی دولت دے۔

ان آیتوں میں اللہ نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں' اللہ کی عبادت کے لئے پورب پچھم سب برابر ہیں' اللہ ہر جگہ ہے' ہر سمت ہر طرف ہے' پھر قبلہ کے تعین کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے' اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے' بہت سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتے تھے۔ یہ اسلام کے لئے مار آستین تھے۔ لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیت' مذہب بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے' پھر دوبارہ اللہ نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہیں' بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے۔

سلسلۂ غزوات[1]

کیا عجیب بات ہے کہ اربابِ سیر مغازی کی داستان جس قدر زیادہ دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں‘ یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے کیونکہ اس کو اسلام کے جور وستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اس کے نقش ونگار کے لئے لہو کے چند قطرے نہیں بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہیں۔

یورپ کے تمام مؤرخوں نے سیرت نبوی کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائیوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں۔ لیکن یہ خیال چونکہ واقع میں غلط بلکہ سرتاپا غلط ہے اس لئے مغازی کی ابتدا سے پہلے ضرور ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے۔

عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا‘ مصائب گوناگوں کی آماجگاہ تھا۔ مدینہ میں آ کر اس کی کلفتیں دور ہوئیں مگر یہ خیال صحیح نہیں‘ مکہ میں جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی‘ مدینہ میں آ کر وہ متعدد اور گوناگوں بن گئی۔ مکہ کل ایک قوم تھا‘ مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی تھے جو عادات‘ خصائل‘ مذہب اور دیانت میں انصار سے بالکل مختلف اور ان کے حریف مقابل تھے‘ اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا‘ جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے‘ مکہ اگر قابو میں آ جاتا تو حرم کی وسعت اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنیں خم ہو جاتیں‘ لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا‘ مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا‘ لیکن رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ وغضب کا تاراج گاہ بنا دیا۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ بن ابی کو جو واقعہ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری کر لی تھی‘[2] خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

﴿ انكم اويتم صاحبنا و انانقسم بالله لتقاتلنه او تخرجنه اولنسيرن اليكم باجمعنا حتى نقتل مقاتلتكم و نستبيح نسائكم ﴾ (سنن ابوداؤد صفحہ ۶۷ جلد ۲ باب خبر النضیر)

تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے‘ ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو گرفتار کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے‘ اس کو سمجھایا کہ ”کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے“۔ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس لئے عبداللہ اس نکتہ کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا چنانچہ اس کی تفصیل آ گے آئے گی۔

---

[1] غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا اور جس قسم کے واقعات غزوات میں پیش آئے ان کے لئے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کیونکہ ضمنی طریقے سے وہ ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اسی وقت ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام غزوات سرسری نظر سے گزر جائیں اس لئے ہم نے اس کو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے۔ ناظرین ابھی سے اس کا خیال رکھیں۔

[2] بخاری باب (التعلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین) ”س“

(تاہم قریش کی شہ پر منافقین و یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا۔اسی زمانہ میں یعنی بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ بنوالحارث بن خزرج کے محلّہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے' ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ' یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے۔گدھے کے چلنے سے گرد اُڑی تو عبداللہ بن ابی نے منہ پر کپڑا ڈال دیا اور حقارت سے بولا ''گرد نہ اڑاؤ''۔آنحضرت ﷺ نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتیں سنائیں' عبداللہ نے کہا [1] ''اے شخص مجھ کو یہ پسند نہیں' اگر تمہاری بات سچ بھی ہو تو ہماری مجلس میں آ کر ہم کو نہ ستایا کرو۔جو تمہارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو' مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہو گئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے' آخر آنحضرت ﷺ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا)۔

اسی زمانہ کے قریب سعدؓ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے رئیس الاعظم تھے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے' اُمیہ بن خلف سے اور ان سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا' اس تعلق سے حضرت سعدؓ اب بھی اُمیہ ہی کے مہمان ہوئے۔ایک دن وہ امیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے' اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آ گیا۔اُمیہ سے اس نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا ''سعدؓ ہیں'' ابوجہل نے کہا ''تم لوگوں نے صابیوں (کفار آنحضرت ﷺ اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے' میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آ سکو۔اللہ کی قسم اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے'' حضرت سعدؓ نے کہا ''اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک [2] دیں گے''۔(یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر [3] تھے' اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا' ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے' چنانچہ ۶ ھ میں جب بحرین سے عبدالقیس کی سفارت آئی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مضر کے قبائل ہم کو آپ تک پہنچنے نہیں دیتے' اس لئے ہم صرف ایامِ حج میں جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے' آپ کی خدمت میں آ سکتے ہیں۔[4]

قریش نے انہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا' اس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں۔مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت ﷺ راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے' صحیح نسائی میں ہے۔

﴿کان رسول الله ﷺ اول ما قدم المدینة یسهر من اللیل۔﴾
آنحضرت ﷺ اول جب مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۹۳ جلد ۲ بخاری باب مذکور۔

[2] یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتدا میں مذکور ہے۔

[3] ابن ہشام واقعاتِ وفود میں ہے۔وذلك ان قریشا كانوا امام الناس .. وقادة العرب لاینكرون ذلك و كانت قریش هی التی نصبت الحرب الرسول الله ﷺ)۔

[4] وفد بنی عبدالقیس کے ذکر میں صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا"۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا تب آپؐ نے آرام فرمایا۔ اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں:

﴿عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و اصحابہ المدینۃ واوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ﴾ [1]

آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ جب مدینہ آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے، صحابہ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔

مورخین مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہیں کہ اسی سال اللہ نے جہاد کی اجازت دی لیکن ایک دقیقہ بین انہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا، مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ اللہ نے ۱۲ صفر ۲ھ میں جہاد کی اجازت دی، اس کی سند میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

﴿اوّل ایۃ نزلت فی الاذن بالقتال اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ﴾ (زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جلد ا صفحہ ۴۶۶)

پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے، اُذِنَ لِلَّذِیْنَ الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ﴾ (بقرہ۔۱۹)

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

لیکن غور سے دیکھو کہ دونوں آیتوں میں انہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے تھے۔

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آ کر آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی، نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے تمام قبائل متحدہ میں یہ آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپ نے دو تدبیریں اختیار کیں، اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ غرور تھی بند کر دی جائے تا کہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں، اور یاد ہو گا کہ سعد بن معاذؓ نے مکہ میں ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی۔ دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب و جوار کے جو قبائل ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔

بدر سے پہلے جو مہمیں بھیجی گئیں:

غرض ان حالات کی بنا پر غزوۂ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں، اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپ ﷺ نے خود شرکت فرمائی تھی، ارباب سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے جن کو

[1] لباب فی اسباب النزول للسیوطی سورۂ نور آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم الخ مسند دارمی میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

ان کی زبان میں "سریہ" کہتے ہیں' سریۂ حمزہؓ، سریۂ عبیدہ بن حارثؓ، سریۂ سعد بن وقاصؓ۔ لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت وخون نہیں ہوا۔ یا بیچ بچاؤ ہو گیا یا بچ کر نکل گئے۔ ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے یعنی حضرت سعدؓ کی تحدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت تر گناہ ہے' ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟

جہینہ :

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کیلئے مہم بھیجی گئی' ان میں سب سے پہلے جہینہ کا قبیلہ ہے۔ جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور ان کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا' ان سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکساں [1] تعلقات رکھیں گے' یعنی دونوں سے الگ رہیں گے۔

صفر ۲ ھ میں آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ابواء تک گئے (جس کے قریب ہی غزوہ ابوایا غزوہ دوان واقع ہوا) اور جہاں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے' ابواء کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہاں قبیلہ مزینہ آباد ہے اور جو مدینہ سے تقریباً ۸ منزل (۸۰ میل) ہے' یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے' ان اطراف میں قبیلہ بنوضمرہ آباد تھا اور یہ نواح ان کی حدود حکومت میں داخل تھے' یہاں آپ نے چند روز قیام کر کے بنوضمرہ سے معاہدہ کیا' جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ معاہدہ کے یہ الفاظ تھے۔

﴿ هذا كتابٌ من محمد رسول الله ﷺ لبني ضمرة انهم امنون على اموالهم وانفسهم و انّ لهم النصر على من رامهم الا ان يحاربوا في دين الله مابل بحر صوفيه و ان النبي اذا دعاهم لنصره اجابوه الخ ﴾ (روض الانف ج ۲ ص ۵۸ زرقانی جلد ا صفحہ ۴۵۶)

یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے، بنوضمرہ کے لئے ان لوگوں کا جان اور مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر ﷺ جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔

تمام محدثین مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہیں، صحیح بخاری میں بھی اسی کو اوّل الغزوات قرار دیا ہے۔

قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا [2] میں تھا' مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے مویشی لوٹ لئے۔ اس کا تعاقب کیا گیا' لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا۔ (کرز بعد کو مسلمان ہوئے اور فتح مکہ میں تنہا

[1] اس واقعہ کا ذکر مؤرخین نے مستقل طور پر نہیں کیا بلکہ جہاں سب سے پہلے سریۂ ضمرہ کا ذکر کیا ہے وہاں مجدی جہینی (رئیس قبیلہ) کی نسبت لکھا ہے' کان موادعا للفریقین یعنی اس نے دونوں فریق سے صلح کر رکھی تھی۔

[2] اصابہ ذکر کرز فہری

راہ چلتے شہید ہوئے۔)

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپ دوسو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرۃ پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواح میں ہے۔

بنو مدلج، بنوضمرہ کے حلیف تھے اور چونکہ بنوضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے آسانی سے یہ شرائط منظور کر لیں۔ [1]

چندروز کے بعد یعنی رجب ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے عبداللہؓ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک خط دے کر فرمایا تھا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا' حضرت عبداللہؓ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ ''مقامِ نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو''۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لئے آتے تھے سامنے سے نکلے۔ حضرت عبداللہؓ نے ان پر حملہ کیا' ان میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا' حضرت عبداللہؓ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں پیش کیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی''، غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ صحابہؓ نے حضرت عبداللہؓ سے نہایت برہم ہو کر کہا۔

﴿ صنعتم مالم تؤمروا بہٖ وقاتلتم فی الشھر الحرام و لم تؤمر و القتال ﴾ (طبری صفحہ ۱۲۷۵)

تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے' عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا، عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہؓ کے دادا) کا حلیف [2] تھا' حرب قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی' جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان ونوفل دونوں مغیرہ کے پوتے [3] تھے، مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالدؓ کا دادا اور حرب کے بعد دوسرے درجے کا رئیس تھا، اس بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا اور ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہوگئی۔ معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے حضرت عروہؓ بن زبیرؓ حضرت عائشہؓ کے

---

[1] میں تسلیم کرتا ہوں کہ مؤرخین نے دونوں پہلے واقعوں کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا مقصد قریش کے کارواں کا لوٹنا تھا لیکن اتفاق سے کارواں ہاتھ نہ آیا اور بچ کر نکل گیا''۔ لیکن میں واقعات کا پابند ہوں' رائے اور قیاس سے غرض نہیں' اس قدر واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان مقامات تک گئے اور وہاں کے قبائل سے معاہدہ کیا۔ اس سے آگے مؤرخین کا قیاس ہے کہ قریش کے کارواں پر حملہ کرنا مقصود تھا' گو یہ مقصود نہ حاصل ہو سکا۔ اگر خدانخواستہ کارواں کا لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت ﷺ کو عیاذاً باللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑے گا کہ ہر مرتبہ ناکامیابی ہوتی تھی اور قافلہ بچ کر نکل جاتا تھا یہاں تک کہ بار بار تجربہ کے بعد بھی بدر میں اسی قسم کی ناکامی ہوئی اور قافلہ صحیح وسلامت نکل گیا۔

[2] اصابہ ترجمہ علاء حضرمی

[3] طبری صفحہ ۱۲۷۴۔''س''

بھانجے تھے انہوں نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے علامہ طبری لکھتے ہیں۔ [1]

﴿وکان الذی ھاج وقعة بدر و سائر الحروب التی کانت بین رسول اللّٰہ ﷺ و بین مشرکی قریش فیما قال عروۃ بن الزبیر ماکان من قتل واقد بن عبداللّٰہ السھمی عمرو بن الحضرمی﴾

اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش میں پیش آئیں سب کا سبب یہی تھا کہ واقد سہمی نے حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

چونکہ غزوۂ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہے اس لئے ہم پہلے اس واقعہ کو سادہ صورت میں لکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کریں گے۔

[1] طبری صفحہ ۱۲۸۴ ''س''

غزوۂ بدر

﴿ وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (آل عمران۔ آیت ۱۲۳)
(یقیناً خدا نے تمہاری در میں مدد کی جب تم کمزور تھے۔ تو خدا سے ڈرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ)

رمضان ۲ھ:

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے۔ یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے' مدینہ منورہ سے قریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں' عبداللہ بن ابی کو انہوں نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد کو قتل کر دو' یا ہم آ کر ان کے ساتھ تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھیں' کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آ کر غارت گری کرتا تھا۔

حملہ کے لئے سب سے بڑی ضروری چیز مصارف جنگ کا بندوبست تھا' اس لئے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا' اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے[1] دی۔

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبارِ تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں' ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا' قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آ گیا' جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا اسی اثناء میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ لوٹنے کو آ رہے ہیں' قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اُٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔

آنحضرت ﷺ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا' حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جان نثارانہ تقریریں کیں' لیکن رسول اللہ ﷺ انصار کی طرف دیکھتے تھے' کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئیں۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ (سردار خزرج) نے اٹھ کر کہا ''کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ اللہ کی قسم آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں''۔

صحیح مسلم کی روایت ہے' بخاری میں ہے کہ مقداد نے کہا کہ ''ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑیں' ہم لوگ آپ کے داہنے سے' بائیں سے' سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے'' ان کی اس تقریر سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ دمک اٹھا۔

---

[1] ابن سعد صفحہ ۷ میں ابوسفیان سردار قافلہ کا قول لکھا ہے واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نش وصاعدا الابعث بہ معنا ہمارے مورخین کو اسباب و نتائج کی جستجو نہیں ہوتی' اس لئے انہوں نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا لیکن ان کو احساس نہیں کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اُگل دینے کی ضرورت کیا تھی؟

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تقریباً تین سو جان نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے، ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے واپس کر دیئے گئے [1] کہ ایسے پُرخطر موقع پر بچوں کا کام نہیں، عمیرؓ بن ابی وقاصؓ ایک کمسن بچہ تھے جب ان سے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے، آخر آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی، عمیر کے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ نے کمسن سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل [2] کی، اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ چونکہ غیبت کی حالت میں منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اس لئے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائیں۔ عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا، ان انتظامات کے بعد آپؐ بدر کی طرف بڑھے، جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی، دو خبر رساں بسبسہ اور عدی آگے روانہ کر دیئے گئے تھے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں، روحاء، منصرف، ذات، اجذال، معلات، اثیل سے گزرتے ہوئے ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے۔ خبر رسانوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آ گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ یہیں رک گئے اور فوجیں اُتر پڑیں۔

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت تھی، سو سواروں کا رسالہ تھا، رؤسائے قریش سب شریک تھے، ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آ سکا تھا اس لئے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا، رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس بن مطلب، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، اُمیہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے [3] تھے، عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

قریش کو بدر کے قریب پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا "اب لڑنا ضروری نہیں"، لیکن ابوجہل نے نہ مانا۔ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی۔ قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا، بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ حضرت حباب بن منذرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ "وحی نہیں ہے" حضرت حبابؓ نے کہا "تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بیکار کر دیئے جائیں" [4] آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی، اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں۔ اس قدرتی احسان کا اللہ نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے۔

---

[1] ابن سعد صفحہ ۶۔
[2] منتخب کنز العمال بہ روایت ابن عساکر، بدر۔
[3] معارف ابن قتیبہ (باب اسماء المطعمین من قریش فی غزواۃ بدر و سیرت ابن اسحاق بہ روایت ابن ہشام غزوۂ بدر۔
[4] ابن ہشام۔

﴿ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ﴾ (انفال-۱۱)

اور جبکہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔

پانی پر اگرچہ قبضہ کرلیا گیا لیکن ساقی کوثر کا فیض عام تھا اس لئے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔[۱] یہ رات کا وقت تھا، تمام صحابہؓ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا۔ لیکن صرف ایک ذات تھی (ذاتِ نبوی) جو صبح تک بیدار اور مصروفِ دُعا رہی' صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کیلئے آواز دی' بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔[۲]

قریش جنگ کے لئے بیتاب تھے' تاہم کچھ نیک دل بھی تھے جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے' ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے جا کر کہا ''آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے''۔ عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا ''قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا' آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے'' عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق رائے ضروری تھا پس حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے۔ ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا۔ عتبہ کا پیغام سن کر بولا ''ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا''۔ عتبہ کے فرزند ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے اور اس معرکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے۔ اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی چراتا ہے کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی ابو عامر کو بلا کر کہا' دیکھتے ہو! تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہے۔ عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑا کر وعمراہ وعمراہ کا نعرہ مارنا شروع کیا' اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا اور کہا میدان جنگ بتا دے گا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے۔ یہ کہہ کر مغفر مانگا لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا۔ مجبورا سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجائے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپ اس میں تشریف رکھیں۔ سعدؓ بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے۔ اگرچہ بارگاہِ الٰہی سے فتح ونصرت کا وعدہ ہو چکا تھا' عناصر عالم آمادۂ مدد تھے' ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں' تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں' مہاجرین کا علم مصعبؓ بن عمیر کو عنایت فرمایا' خزرج کے علمبردار حضرت حبابؓ بن منذر اور اوس کے حضرت سعدؓ بن معاذ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہوتے آپ نے صف آرائی شروع کی' دست مبارک میں ایک تیر تھا اس کے اشارہ سے صفیں قائم کرتے تھے' کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے۔ لڑائی میں شور وغل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔ اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانوں کی طرف ایک آدمی

---

۱ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶

۲ منتخب کنز العمال غزوۂ بدر بہ روایت مسند ابن حنبل وابن ابی شیبہ

بھی آ کر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی' آنحضرت ﷺ ہمہ تن وفا تھے' حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور حضرت حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے' راہ میں کفار نے روکا کہ محمد کی مدد کو جا رہے ہو؟ انہوں نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی' فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے' ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے۔[1]

اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں۔ حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام۔

﴿ قَدۡ كَانَ لَكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰى كَافِرَةٌ ﴾ (آل عمران۔۱۳)

جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں۔ ایک اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

یہ عجیب منظر تھا' اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی' دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے:

''خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر'' محویت اور بیخودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی' کبھی سجدہ میں گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا''۔

اس بے قراری پر بندگانِ خاص کو رقت آ گئی حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی ''حضور اللہ اپنا وعدہ وفا کرے گا' آخر روحانی تسکین کے ساتھ۔

﴿ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴾ (قمر۔۳)

فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔

پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آ گئیں تاہم آپ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آ جائیں تو تیر سے روکو۔

یہ معرکہ' ایثار اور جان بازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو اب تک کافر تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر[2] نکلے' عتبہ میدان میں آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے' حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔[3]

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا' مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔

---

[1] صحیح مسلم باب الوفاء بالعہد کتاب الجہاد والسیر ''س''۔

[2] استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکر۔

[3] سیرت ابن ہشام ص ۳۸۸ مطبع محمد علی مصر۔

عتبہ جو سردار لشکر تھا' ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا' سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارزطلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ میں جاتے تھے' عتبہ کے سینہ پر شتر مرغ کے پر تھے' حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے' عتبہ نے نام ونسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہیں' پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے پکارا کہ محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔[1] آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے' چونکہ (یہ لوگ خود پہنے تھے جس سے چہرے چھپ[2] گئے تھے) ان لوگوں کے چہروں پر نقاب تھی' عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ سب نے نام ونسب بتائے' عتبہ نے کہا ''ہاں اب ہمارا جوڑ ہے''۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا' اور دونوں مارے گئے' لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا' حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے' حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا ''نہیں تم نے شہادت پائی''۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔[3]

﴿و نسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا و الحلائل﴾

ہم محمد کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں' اور ہم اپنے بیٹوں اور بیبیوں سے بھلا نہ دیئے جائیں۔

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا' اور پکارا کہ میں ابوکرش ہوں حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے' چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں' تاک کر آنکھ میں برچھی ماری وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔[4] برچھی اس طرح پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی' لیکن دونوں سرے خم ہو گئے' یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت ﷺ نے مانگ لی۔ پھر چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔[5]

---

[1] کتب حدیث میں جو الفاظ ہیں مختلف ہیں' ابوداؤد (کتاب الجہاد) میں ہے کہ عتبہ نے کہا کہ ہم کو اپنے برادرانِ عم زاد سے غرض ہے' تم سے کام نہیں' انصاری محدثین نے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ ''اس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی بلکہ یہ غرض تھی کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہے انصار سے نہیں''۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مکہ والے انصار کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے۔ صحیح روایتوں میں مذکور ہے کہ جب ابوجہل انصار کے ہاتھ سے مارا گیا تو مرتے وقت اس نے کہا کاش مجھ کو فلاحوں (کاشتکار) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا' انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے جو قریش کے نزدیک معیوب تھا۔

[2] ابن سعد غزوۂ بدر و البدایہ والنہایہ، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ مصر۔

[3] زرقانی۔ ان واقعات میں روایتیں مختلف ہیں اور قریباً سب ہم مرتبہ ہیں' اس لئے جو روایت اختیار کر لی جائے قابل الزام نہیں۔

[4] صحیح بخاری غزوۂ بدر میں پورا واقعہ منقول ہے۔

[5] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری غزوۂ بدر کے ذکر میں ہے۔

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے' شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی' چنانچہ ان کے بیٹے (عروہ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے' جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے گرگئی تھی' چنانچہ جب عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروہ سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچان لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں' عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے' عبدالملک نے تصدیق کی اور یہ مصرع پڑھا' بھن فلول من قراع الکتائب' عبدالملک نے تلوار عروہ کو دے دی' انہوں نے اس کی قیمت لگوائی تو تین ہزار ٹھہری' اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا۔[1]

اب عام حملہ شروع ہو گیا' مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے' لیکن ادھر سرور عالم ﷺ سربسجدہ صرف اللہ کی قوت کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔

ابوجہل کی شرارت اور دشمنی اسلام کا عام چرچا تھا۔ اس بنا پر انصار میں سے معوذؓ اور معاذؓ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آ جائے گا یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے' حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعۃً مجھ کو داہنے بائیں دو نوجوان نظر آئے' ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا برادر زادے! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ "میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا؟" میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں' میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے' بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل خاک پر تھا یہ دونوں جوان "معوذ اور معاذ" عفراء کے بیٹے تھے[2] ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آ کر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا' لیکن تسمہ باقی لگا رہا' معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا وہ بچ کر نکل گیا' معاذؓ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی' ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا' اور اب وہ آزاد تھے

آنحضرت ﷺ نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں ایسے بھی لوگ ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں"۔ ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے' ان میں ابوالبختری بھی تھا' مجذر انصاری کی نظر ابوالبختری پر پڑی' مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے' اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں' ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا' ابوالبختری نے کہا اس کو بھی؟ مجذر نے کہا "نہیں" ابوالبختری نے کہا تو میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا' یہ کہہ کر ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا:

﴿لن یسلم ابن حُرۃٍ زمیلہ　　حتیّٰ یموت اویرٰی سبیلہ﴾

شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا اور فوج میں بے دلی چھا گئی۔

---

[1] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری غزوۂ بدر کے ذکر میں ہے۔

[2] بعض روایتوں میں معاذ بن عمرو معاذ بن عفراء ہے۔

آنحضرت ﷺ کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اس سے کسی زمانہ میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ بدر میں اس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا لیکن عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے' اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے اتفاق یہ کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا' انصار کو خبر کر دی' دفعتہً لوگ ٹوٹ پڑے انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا، لوگوں نے اس کو قتل کر دیا' لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے' انہوں نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ' یہ لیٹ گیا تو وہ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا۔ [1]

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عباسؓ، حضرت عقیلؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل' اسود بن عامر' عبداللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے' ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا' بولے تو ابوجہل ہے؟ اس نے کہا "ایک شخص کو اس کی قوم [2] نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے" ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپڑ مارا تھا' انہوں نے اس کے انتقام میں اس کی گردن پر پاؤں رکھا' ابوجہل نے کہا او بکری چرانے والے! دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے' حضرت عبداللہؓ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں پر ڈال دیا۔ [3]

مغربی مؤرخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہیں' حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی' لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ تاہم اس واقعہ میں ظاہر بینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں' اوّل تو قریش میں باہم اتفاق نہ تھا' عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا' قبیلہ زہرہ کے لوگ بدر تک آ کر واپس چلے گئے' پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ قریش جہاں صف آرا تھے وہاں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا' قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے' یعنی اپنی تعداد سے دوگنا' چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ﴾ (آل عمران۔۲)

وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی' بخلاف اس کے آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک میں

---

[1] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری میں ہے لیکن چونکہ کتاب المغازی میں نہیں بلکہ کتاب الوکالہ میں ہے اس لئے ارباب سیر کی نظر نہیں پڑی

[2] بخاری غزوۂ بدر

[3] بخاری غزوۂ بدر

تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفیں درست کی تھیں۔ مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے' صبح اٹھے تو تازہ دم تھے' بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے۔

تاہم یہ اسباب ہیں' ان کا اجتماع اور تہیہ یہی تائید الٰہی ہے' پھر قریش اور مسلمانوں کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانوں کی فتح کی مقتضی تھی' قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولتمند تھے' جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے' مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا' قریش کی تعداد ایک ہزار تھی' مسلمان صرف ۳۰۰ تھے' قریش میں سو سوار تھے' مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے' مسلمانوں میں بہت کم سپاہی تمام ہتھیاروں سے لیس تھے' اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا۔

بایں ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ شخصوں نے شہادت پائی' جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے' لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی' رؤسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے' ایک ایک کر کے مارے گئے' ان میں شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن الاسود' عاص بن ہشام' امیہ بن خلف' منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے' قریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے' اسیرانِ جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیئے گئے' باقی گرفتار ہو کر مدینہ میں آئے' ان میں حضرت عباسؓ، حضرت عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابو العاصؓ (آنحضرت ﷺ کے داماد) بھی تھے۔

لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی' آپ اس کو زمین میں دفن[1] کرا دیتے' لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی' اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا' ایک وسیع کنواں تھا' تمام لاشیں آپ نے اس میں ڈلوا دیں' لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جائے' اس لئے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔

اسیرانِ جنگ جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے آئے تو حضرت سودہؓ (آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھیں۔ ان قیدیوں میں ان کے عزیز سہیل بن عمرو بھی تھے' ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ تم نے عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں' یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے۔[2] اسیرانِ جنگ دو دو' چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے' اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں' صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے' ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے' مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا' لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[3]

---

[1] روض الانف۔

[2] ابن ہشام۔

[3] طبری صفحہ ۱۳۳۸۔

(قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا' جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ! اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑوں گا (مثلہ) تو گو نبی ہوں لیکن اللہ اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑ دے گا)۔[1]

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے' آنحضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوائے' حضرت عباسؓ کے بدن پر کرتہ نہ تھا لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا' عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا' اپنا کرتہ منگوا کر دیا' صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کے کفن کے لئے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا' وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔[2]

عام روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آ کر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز اقارب ہیں' فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں' لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست دشمن' عزیز و اقارب' قریب و بعید کی تمیز نہ تھی' اس لئے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔ مگر یہاں آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ کا عتاب آیا اور یہ آیت اتری۔

﴿ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (انفال۔۹)

اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا' اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے۔

یہ روایت تمام تاریخوں میں مذکور اور احادیث میں بھی موجود ہے لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے۔ ترمذی میں جو روایت ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے' عرب کے عام دستور کے موافق صحابہؓ غنیمت میں مصروف ہو گئے' اس پر عتاب آیا' چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا' اس لئے یہ جرم معاف کر دیا گیا' اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آ چکا حلال ہے۔ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ (انفال۔۹)

تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے۔

اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا' اور وہ مال غنیمت تھا' غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ﴿ابکی الذی عرض علی اصحابك من اخذهم الفداء ﴾ یعنی تمہارے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا اس پر جو اللہ کی طرف سے

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۴۴۔

[2] صحیح بخاری صفحہ ۴۲۲' باب الکسوۃ للا ساری۔

پیش کیا گیا اس پر زور رہا ہوں، عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا' چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ (انفال۔۹)

کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کرنے کے لوگوں کو قیدی بنائے۔

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدانِ جنگ میں جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے' قیدی بنانا مناسب نہیں' اس سے یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کئے جاسکتے ہیں۔

بہرحال اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا' لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے' وہ چھوڑ دیئے گئے' ان میں سے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں [۱] تو چھوڑ دیئے جائیں گے' حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح پڑھنا لکھنا سیکھا تھا۔ [۲]

انصار نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں' لیکن آنحضرت ﷺ نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا [۳] اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا' فدیہ کی عام مقدار ۴'۴ ہزار درہم تھی' لیکن اُمراء سے زیادہ لیا گیا' حضرت عباسؓ دولتمند تھے' اس لئے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی' انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی' لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی' اس میں قریب و بعید' عزیز و بیگانہ' عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے' (لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی' دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سن کر رات کو آپ آرام نہ فرما سکے۔ لوگوں نے ان کی گرہ کھولی تو آپ نے آرام فرمایا)

آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی اسیرانِ جنگ میں آئے تھے' ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی' آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں' حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا' حضرت زینبؓ نے زرفدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا' آپ بے اختیار رو پڑے اور صحابہ سے فرمایا کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو' سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار واپس کر دیا۔ [۴]

(ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا' ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے، واپسی میں مسلمان دستوں نے ان کو مع تمام مال و اسباب گرفتار کرلیا'

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۲۴۷۔

[۲] طبقات ابن سعد ص ۱۴۔

[۳] بخاری صفحہ ۵۷۲' ج اول کتاب المغازی۔

[۴] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۸ و ابوداؤد۔

اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہوگیا' یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے' انہوں نے پناہ دی' آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کردو' پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لا لا کر واپس کر دیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا' ابوالعاص مکہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا کہ میں اس لئے یہاں آ کر اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں تا کہ یہ نہ کہو کہ ابوالعاصؓ ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا)۔[1]

بدر کی خبر مکہ میں پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے۔اس لڑائی میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے' اس کا دل امنڈا آتا' لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا۔ اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی' سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دے دی ہے' نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہوگئی؟ میرے سینہ میں آگ لگ رہی ہے جی کھول کر رولوں تو تسکین ہو جائے۔آدمی نے آ کر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے اس کے لئے رو رہی ہے' اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے۔

اتبكي ان يضلّ لها بعير	اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے
ويمنعها من النوم السهود	اور اس کو نیند نہیں آتی (اونٹ پر)
ولا تبكي على بكر و لكن	مت رو، بدر پر آنسو بہا جہاں
على بدر تقاصرت الجدود	قسمت نے کمی کی' تجھ کو رونا ہے
فبكي ان بكيت على عقيل	تو عقیل پر رو' اور حارث پر رو جو
و بكي حارثا اسد الاسود	شیروں کا شیر تھا۔

عمیر بن وہب قریش میں اسلام کا سخت دشمن تھا' وہ اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے' صفوان نے کہا ''اللہ کی قسم اب جینے کا مزہ نہیں'' عمیر نے کہا سچ کہتے ہو' اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں سوار ہو کر جاتا' اور محمد کو قتل کر آتا' میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔صفوان نے کہا تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو' ان کا میں ذمہ دار ہوں' عمیر نے گھر آ کر تلوار زہر میں بجھائی اور مدینہ پہنچا' حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لئے' گلا دبائے اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے' آپ نے فرمایا عمر! چھوڑ دو' عمیر قریب آ جاؤ' پوچھا کس ارادہ سے آئے' جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں' فرمایا پھر تلوار کیوں حمائل ہے؟ عمیر نے کہا آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں' فرمایا کیوں نہیں' تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی۔عمیر آپ ﷺ کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا' بے اختیار ہو کر بولا محمد بیشک تم پیغمبر ہو' واللہ میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی۔قریش جو آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔

حضرت عمیر مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ میں آئے جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ان کو

[1] تاریخ طبری۔

اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی' اسی شدت سے وہ اب دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے' یہاں پہنچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کر دیا)۔ [1]

غزوۂ بدر کا بیان قرآن میں:

اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ خود اللہ نے اپنے کلام پاک میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور ایک خاص سورہ (انفال) کو بدر کے احسانات ونعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقہ بدر کی توضیح کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لئے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہیں۔

(۱) ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ؕ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ﴾ (انفال۔۲تا۱۹)

مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں' اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کا

[1] یہ تمام واقعات تاریخ طبری میں بحوالہ عروہ بن زبیر مذکور ہیں' صفحہ ۱۳۵۴۔

ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں' جو نماز بہ پابندی پڑھتے ہیں اور اللہ نے جوان کو روزی دی ہے' اس سے راہ خدا میں بھی کچھ دیتے ہیں' یہ ہیں سچے مومن' ان کے لئے اللہ کے پاس رتبے ہیں' بخشش ہے اور اچھی روزی ہے' جس طرح اے پیغمبر تیرا اللہ تجھ کو حق پر تیرے گھر سے (بدر تک) نکال لایا' حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا' وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے جھگڑتا ہے' گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں' اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں' اور جب اللہ تم سے قریش کے قافلہ اور قریش کی فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے لئے ہے' تم چاہتے ہو کہ بے خرشہ والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کرے اور باطل کو مٹائے' گو گنہگار اس سے رنجیدہ ہوں' یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے' اس نے تمہاری سنی (اور کہا) میں تمہاری لگا تار ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا' اللہ نے یہ صرف مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کیلئے کہا اور فتح تو صرف اللہ کے پاس ہے' اللہ غالب و دانا ہے' یاد کرو جب تمہاری تسکین کے لئے اپنی طرف سے اونگھ تم پر طاری کر رہا تھا' اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے دل مضبوط کرے اور ثابت قدم رکھے' یاد کرو جب اللہ فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا' میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا' کافروں کی گردنیں مارو اور ہر جوڑ پر مارو' یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول سے دشمنی کی ہے اور جو اللہ اور اللہ کے رسول سے دشمنی کرے گا اللہ اس کو سخت عذاب دینے والا ہے' یہ ہے عذاب، اس کا مزہ چکھو' کافروں کے لئے عذاب دوزخ ہے' مسلمانو! جب میدان جنگ میں کافروں کے مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو' اور بجز اس کے کہ لڑنے کیلئے مڑے یا کسی دستہ کی طرف پھرے جو کوئی پشت پھیرے وہ اللہ کا غضب لائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا' اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے' مسلمانو! ان کافروں کو تم نے نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا' اور اے محمد! تم نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا' لیکن اللہ نے پھینکا' تاکہ اپنی طرف سے اہل ایمان کو اچھا انعام دے' اللہ دانا اور بینا ہے اور کافروں کے داؤ پیچ کو کمزور کرنے والا ہے' اگر فتح چاہتے تھے تو فتح آ چکی' اب اگر رک جاؤ تو بہتر ہے' اور اگر تم پھر مخالفت پر آمادہ ہوگے تو ہم پھر مسلمانوں کی مدد کریں گے' یاد رکھو کہ تمہاری جمعیت کچھ مفید نہیں گو وہ کتنی ہی کثیر ہو، اور اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔

(۲) ﴿ وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ وَلٰکِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ط وَلَوْ اَرٰکَهُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ط اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وَاِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ط وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ، وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾ (انفال۔۴۱ تا ۴۶)

(۲) جان لو کہ جو مالِ غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اہل قرابت کے لئے یتیموں کے لئے مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے اگر اللہ پر تم ایمان لا چکے ہو اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے دن میں (یعنی بدر میں) اللہ نے اپنے بندہ پر جو (فتح) اتاری اس کو مان چکے جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جب تم قریب کے میدان میں اور قریش کی فوج دور کے میدان میں اور قافلہ تم سے نیچے تھا اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے آتے تو وقت میں اختلاف ہو جاتا لیکن (اللہ نے یہ اس لئے کر دیا) تاکہ جو ہونے والا تھا اللہ اس کو کر دے تاکہ جس کو مرنا ہو وہ بھی دلیل دیکھ کے مرے اور جس کو زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل دیکھ کے زندہ رہے اور بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے یاد کرو جب اللہ تم کو جنگ کی حالت میں ان کو تھوڑا دکھا رہا تھا اگر زیادہ کر کے دکھاتا تو تم سست پڑ جاتے اور باہم جھگڑے پڑتے لیکن اللہ نے محفوظ رکھا، وہ سینوں کے بھید سے واقف ہے جب تمہاری نظر میں اللہ ان کو تھوڑا دکھا رہا تھا اور تم کو ان کی نگاہ میں تاکہ جو ہونے والا ہے اللہ اس کو پورا کرے اور اسی کی طرف تمام معاملے پھرتے ہیں مسلمانو! جب کسی دستہ فوج سے مقابلہ آ پڑے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت یاد کیا کرو تاکہ کامیاب ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جھگڑا نہ کرو ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی مستقل رہو اللہ مستقل لوگوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں (یعنی قریش) کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائش اور دکھاوے کے ساتھ اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے اور اللہ ان کے تمام کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔

(۳) ﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ، فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّمَنْ فِىْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ (انفال۔۶۷ تا ۷۱)

پیغمبر کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں تاآنکہ خوب زمین میں لڑ نہ لے تم دنیا کی دولت چاہتے ہو (قیدی ہوں گے تو فدیہ ہاتھ آئے گا) اور اللہ آخرت چاہتا ہے اللہ دانا اور توانا ہے اگر اللہ کی تقدیر پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو تم نے جو قیدیوں سے لے لیا اس پر تم کو دردناک عذاب پہنچتا اب جو کچھ تم کو غنیمت میں ملا کھاؤ وہ حلال و طیب ہے اور اللہ سے ڈرا کرو اللہ آمرزگار اور مہربان ہے اے پیغمبر تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو کہ اللہ اگر تمہارے دلوں میں کچھ نیکی دیکھے گا تو تم سے جو لیا گیا ہے اس کے بدلہ وہ نیکی عطا کرے گا اور تمہیں معاف کرے گا وہ بخشش اور مہربانی والا ہے اور اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ اللہ کے ساتھ خیانت

کر چکے ہیں' اسی لئے تو اللہ نے ان کو تمہارے قابو میں کر دیا' اللہ دانا اور باخبر ہے۔

اللہ نے اسی احسان کو اُحد کے موقع پر یاد دلایا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (آل عمران۔۱۳)

یقیناً اللہ نے تمہاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے' تو اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے کہ غزوۂ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مؤرخین نے بیان کیا ہے' کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا۔

میں اس بات سے خوب واقف ہوں کہ تاریخ اور محکمہ عدالت میں فرق ہے۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا انداز بیان مقدمہ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے۔ میں اس کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے' فیصلہ نویسی نہیں۔ لیکن موقع ایسا آ پڑا ہے کہ ایک تاریخی واقعہ نے مقدمہ عدالت کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اس لئے مجھ کو اپنے منصب سے ہٹ کر فصل مقدمہ کا قلم ہاتھ میں لینا پڑتا ہے۔

اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہیں کہ اس فیصلہ میں عام مؤرخین اور اربابِ سیر میرے حریف مقابل ہیں۔ نہایت جلد نظر آ جائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پا سکتا ہے' سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیش نظر رکھنے کیلئے سب سے پہلے ہم کو بتا دینا چاہئے کہ (ہماری تحقیقات کی رو سے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی؟

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کر دیا تھا اور اس سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی پیش آ گئیں' دونوں فریق ایک دوسرے سے پُر حذر رہتے اور جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہے غلط خبریں خود بخود مشہور ہو کر پھیل جاتی ہیں' اسی اثناء میں ابوسفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام گیا اور ابھی وہ شام میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے' قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں' مدینہ میں یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔

اس بحث کے فیصلہ کے لئے سب سے پہلے ان واقعات کو یکجا لکھ دینا چاہئے جن پر دونوں فریق کا اتفاق ہے تا کہ وہ انفصال بحث میں اصول موضوعہ کے طور پر کام آئیں' وہ یہ ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اس کے مقابلہ میں کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

(۲) کتب حدیث میں صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اس قدر عموماً مسلم ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہیں' تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر ان کا استمزاج کیا۔ مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی' لیکن آنحضرت ﷺ انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے' یہ دیکھ کر سعد یا اور کوئی معزز انصاری اٹھے اور کہا' یارسول اللہ! کیا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ ہم وہ لوگ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا اللہ دونوں جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ اللہ کی قسم اگر آپ حکم دیں تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں۔

یہ بھی مسلم ہے کہ صحابہؓ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے' چنانچہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے

﴿ وَ اِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُوْنَ ﴾ (انفال۔۱۰)

اور مسلمانوں کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا۔

عموماً ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار کی رضامندی جو خاص طور پر دریافت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ میں جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ "جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار مقابلہ کریں گے"۔ یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑیں گے' ان واقعات کے بعد اب مرکز بحث یہ ہے کہ "یہ واقعات کہاں پیش آئے؟" ارباب سیر لکھتے ہیں کہ جب آپ مدینہ سے نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا' دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش فوجیں لئے چلے آتے ہیں، اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائیں' آگے کے واقعات یہیں پیش آئے' لیکن کتب سیر' تاریخ اور تمام دیگر شہادتوں سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے (قرآن) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہئے۔

﴿ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ ﴾ (انفال' پہلا رکوع آیت: ۵ تا ۷)

جس طرح تجھ کو تیرے اللہ نے تیرے گھر سے حق پر نکالا درآنحالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا' یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات میں جھگڑا کرتے تھے گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں اور موت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جبکہ اللہ تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں کوئی جماعت تم کو ہاتھ آئے گی' اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم کو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

(۱) ترکیب نحوی کے رُو سے وَاِنَّ میں جو واؤ ہے' حالیہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے' یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ مدینہ سے نکل رہے تھے' نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپ آگے بڑھے' کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت[1] اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہئے۔

(۲) آیت مذکورہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اس وقت دو گروہ سامنے تھے' ایک کاروانِ تجارت اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی' ارباب سیر کہتے ہیں کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت ﷺ بدر کے قریب پہنچ چکے تھے' لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروانِ تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کا وعدہ ہے۔ اس لئے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہئے جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو' اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تھے' اور دونوں طرف کی خبریں آگئی تھیں کہ ادھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لے کر چلا ہے اور

ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہیں۔

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکورۂ بالا میں کفار کے دو فریق کا اللہ نے بیان کیا ہے' ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا صاحب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے آ رہے تھے۔ آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے' اللہ نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا۔

﴿ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (انفال)

تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہاتھ آ جائے' اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتوں سے حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں' دوسری طرف اللہ ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے' اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دو میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا' میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کریں' واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ ہیں' ان میں فاتح خیبر اور حضرت امیر حمزہؓ سید الشہداء بھی ہیں' جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے' باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے بہت سے صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لئے جاتا ہے۔

﴿ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ﴾ (انفال۔۱)

اور مسلمانوں کی ایک جماعت کارہ تھی' وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا کرتی تھی' گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں۔

اگر صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف' یہ اضطراب' یہ پہلوتہی کس بنا پر تھی' اس سے پہلے بارہا (بقول اربابِ سیر) قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لئے تھوڑے آدمی بھیج دیئے گئے تھے اور کبھی ان کو ضرر نہیں پہنچا تھا۔ اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں۔ یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں خبر آ گئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ پر آ رہے ہیں۔

(۵) قرآن مجید میں ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور اس وقت جب آپ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے' چنانچہ صحیح بخاری تفسیر سورۂ نساء میں تصریحاً مذکور ہے۔ آیت یہ ہے

﴿ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً ﴾ (نساء۔۱۳)

بجز معذوروں کے وہ لوگ جو بیٹھ رہے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں' برابر نہیں ہو سکتے' اللہ نے مجاہدین کو جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں' درجہ میں فضیلت دی ہے۔

صحیح بخاری میں اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لوگ جو بدر میں نہیں شریک ہوئے اور وہ جو شریک ہوئے' دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے غیر اولی الضرر کا جملہ نہ تھا' یہ آیت سن کر عبداللہ بن مکتومؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا' اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا "غیر اولی الضرر" یعنی "معذوروں کے سوا" یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔

(۲) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ (انفال)

اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائش اور اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے۔

اگر قریش صرف قافلۂ تجارت کے بچانے کے لئے نکلتے تو اللہ یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لئے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے؟ اس میں اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی' اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا کیا تھا؟ چونکہ حقیقت میں وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تھے' جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا' اس لئے اللہ نے اس کو غرور و نمائش اور صدعن سبیل اللّٰہ کہا۔

قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا درجہ ہے' احادیث کی متعدد کتابوں میں غزوۂ بدر کا مفصل و مجمل ذکر ہے' لیکن کعب بن مالک والی حدیث کے سوا اور کسی حدیث میں یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا کہ آنحضرت ﷺ بدر میں قریش کے قافلہ تجارت کے لوٹنے کے لئے نکلے تھے۔

کعبؓ بن مالک کی حدیث متعدد وجوہ سے قابل بحث ہے۔

حضرت کعبؓ کی حدیث یہ ہے۔

﴿ عن عبداللّٰہ بن کعب قال کعب لم اتخلف عن رسول اللّٰہ ﷺ فی غزوۃ غزاھا الا غزوہ تبوك غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر و لم یعاتب احد تخلف عنھا' انما خرج النبی ﷺ یرید عیر قریش' حتی جمع اللّٰہ بینہ و بینھم علی غیر میعاد ﴾

کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہا' بجز غزوۂ تبوک کے' اور ہاں غزوۂ بدر میں بھی شریک نہ تھا' اور جو اس میں شریک نہ ہوا اس پر کچھ عتاب نہیں ہوا' کیونکہ آنحضرت ﷺ قریش کے قافلہ کے لئے نکلے تھے کہ اللہ نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔

اس کے برخلاف حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے۔

(۱) ﴿ عن انس ان رسول اللّٰہ ﷺ شاور حین بلغہ اقبال ابی سفیان قال فتکلم ابو بکر

فاعرض عنه، ثُمَّ تكلم عمرفا عرض عنه فقام سعدؓ بن عبادة فقال ايانا تريد يارسول الله والذى نفسى بيده لوامرتنا ان نخيصنها البحر لا خصنناها۔ ولو امرتنا ان نضرب اكبادها الى برك الغماد لفعلنا قال فندب رسول الله ﷺ الناس فانطلقوا حتى نزلوا بدرا ﴾

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے مشورہ طلب کیا' حضرت ابوبکرؓ بولے تو آپ نے توجہ نہ فرمائی' پھر حضرت عمرؓ بولے آپ نے ان کی طرف بھی توجہ نہ کی' پھر حضرت سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا یارسول اللہ! کیا آپ کا روئے خطاب ہم انصار کی طرف ہے' اللہ کی قسم اگر دریا میں سواری ڈالنے کا آپ حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے اور اگر برک الغماد تک جانے کا حکم دیں گے تو ہم کریں گے' حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو شرکت جنگ کی دعوت دی' لوگ چل پڑے اور بدر پر اترے۔

(۲) ﴿ ووردت عليهم روايا قريش و فيهم غلام اسود لبنى الحجاج فاخذوه فكان اصحاب رسول الله ﷺ ليَسْأَلُوْنَ عن ابى سفيان و اصحابه فيقول مالى علم بابى سفيان ولكن هذا ابوجهل و عتبة و شيبة و امية بن خلف فاذا قال ذلك ضربوه فقال نعم انا اخبركم هذا ابوسفيان فاذا تركوه فقال مالى بابى سفيان من علم هذا ابوجهل ... رسول الله ﷺ قائم يصلّى فلما راى ذلك الضرب قال والذى نفسى بيده لتضربوه اذا صدقكم و تتركوه اذا كذبكم۔ ﴾ (صحیح مسلم باب غزوہ بدر)

اور (پہلے) قریش کا ہراول دستہ آ کر اُترا' اس میں بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا' مسلمانوں نے اس کو گرفتار کر لیا' اور اس سے ابوسفیان کا حال پوچھنے لگے' وہ کہتا تھا مجھے ابوسفیان کی خبر نہیں لیکن یہ ابوجہل' عتبہ' شیبہ' امیہ بن خلف آ رہے ہیں' جب وہ یہ کہتا تو لوگ اس کو مارتے' وہ کہتا اچھا ابوسفیان کا بتاتا ہوں' تب اس کو چھوڑ دیتے' تو پھر پوچھتے تو وہ کہتا مجھ کو ابوسفیان کی خبر نہیں لیکن ابوجہل' عتبہ' شیبہ' امیہ بن خلف رؤسائے قریش آ رہے ہیں' لیکن جب وہ یہ کہتا تب بھی اس کو مارتے' آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے' آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' جب وہ سچ کہتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو' اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا اسی وقت آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش کی' اور یہ مطلقاً ثابت ہے کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی میں معلوم ہو چکا تھا' اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لئے آپ ﷺ نے انصار سے مدینہ ہی میں خواہش کی تھی' ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے تو اس وقت انصار وہاں کہاں ہوتے؟ اور نیز اسی ٹکڑے میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشورہ کے بعد لوگوں کو شرکت کی دعوت دی' حالانکہ اربابِ سیرت کے مطابق واقع یہ ہونا چاہئے کہ انصار معاہدہ اور معمول سابق کے خلاف شرکت کے لئے نکلے۔ آنحضرت ﷺ نے پھر ان کا عندیہ دریافت فرمایا اور اس کے بعد شرکت کے لئے آمادہ کیا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بوضاحت تمام محقق ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقے سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہیں بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے' گو عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو۔ اس حدیث میں ایک گرہ اور کھولنا ہے کہ اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم ہوا تھا اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی تو آنحضرت ﷺ اس اصرار اور سروسامان سے کیوں اجتماع کا اہتمام فرماتے؟ اس لئے ابوسفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضا یہ ہے کہ یہ ہو کہ ''جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی'' چنانچہ اسی واقعہ کو انہیں الفاظ کے ساتھ امام احمد بن حنبل نے مسند[1] میں' ابن ابی شیبہ نے مصنف[2] میں' ابن جریر نے تاریخ[3] میں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے اور اس کو ''صحیح'' کہا ہے اور اس کے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ علیؓ بن ابی طالب ہیں۔

﴿عن علی قال لما قدمنا المدینة اصبنا من ثمارها فاجتوینا ها و اصابنا بها وعك و كان النبی ﷺ یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان المشركین قد اقبلوا سار رسول الله ﷺ الی بدر و بدر بئر فسبقنا المشركین الیها﴾ (اس کے بعد بدر کے تمام واقعات وجزئیات مذکور ہیں)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو وہاں پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے' اس لئے ہم لوگ بیمار ہو گئے' آنحضرت ﷺ بدر کو پوچھا کرتے تھے۔ جب ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آ رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بدر کو چلے' بدر ایک کنواں کا نام ہے' جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر آپ نکلے تھے اور بدر آ کر قیام فرمایا تھا' اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے۔ ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہیں لیکن لیطمئن قلبی کے طور پر واقعات ذیل پر لحاظ کرنا چاہئے۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے اس سے پہلے قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے جس قدر سرایا بھیجے اور جن میں بیس تیس آدمی سے لے کر سو سو' دو دو سو تک کی جمعیت تھی' ان میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا' ارباب سیر اس خاص امر کو بہ تصریح لکھتے ہیں اور اس تصریح کی اس لئے ضرورت سمجھتے ہیں کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہیں کیا تھا' اس بنا پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو انصار ساتھ ساتھ نہ ہوتے' حالانکہ اس واقعہ میں انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی' یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی' جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ ﷺ نکلے یہ خبر آ چکی تھی کہ قریش مدینہ پر آ رہے ہیں' اسی بنا پر آپ ﷺ نے انصار کو مخاطب کیا کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق اب انصار سے کام لینے کا وقت آ چکا تھا۔

(۲) مکہ سے جو قافلۂ تجارت کے لئے شام کو جایا کرتا تھا' مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا' مدینہ سے مکہ تک

---

[1] جلد اول صفحہ ۱۱۷۔

[2] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر۔

[3] جلد ۳ صفحہ ۱۲۸۹۔

جس قدر قبائل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کی حدود تک قریش کا اثر نہ تھا۔ اس بنا پر اگر کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا' یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ کاروان تجارت شام سے آ رہا ہے' آنحضرت ﷺ کو خبر ہو چکی ہے اور آپ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں مکہ کی طرف جاتے ہیں اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور قریش سے جنگ پیش آ جاتی ہے۔

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہے:-

۱۔ قریش نے عبداللہ بن اُبی کو خط لکھا کہ "محمد اور ان کے رفقا کو مدینہ سے نکال دو' ورنہ ہم مدینہ آ کر تم کو بھی برباد کر دیں گے" (بحوالہ سنن ابی داؤد اوپر گزر چکا)

۲۔ ابوجہل نے سعد بن معاذؓ سے کہا کہ تم نے ہمارے مجرموں کو پناہ دی ہے' اگر امیہ کی ضمانت نہ ہوتی تو میں تم کو قتل کر دیتا۔

۳۔ کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے اونٹ لوٹ لئے

۴۔ اس کے بعد ہی رجب ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو تجسس کے لئے بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔

۵۔ عبداللہ بن جحشؓ نے (آنحضرت ﷺ کی مرضی کے خلاف) قریش کا ایک مختصر سا قافلہ لوٹ لیا اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کئے۔

قریش نے مکہ میں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اس کو پیش نظر رکھو' پھر یہ خیال کرو کہ ان کا جوش انتقام کسی طرح کم نہیں ہوتا اور وہ عبداللہ ابن ابی کو لکھتے ہیں کہ ہم مدینہ آ کر تم کو اور محمد دونوں کو فنا کر دیں گے' کرز فہری مدینہ میں چھاپہ مارتا ہے' اسی اثناء میں قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہے کہ عبداللہ بن جحشؓ نے ان کا قافلہ لوٹ لیا' اور ان کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کر لئے' ان تمام باتوں کے ساتھ قریش صبر کرتے ہیں اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہیں کرتے' جب آنحضرت ﷺ ان کے قافلہ کو جس میں مکہ کی کل کائنات تھی لوٹنے کے لئے نکلتے ہیں' تب مجبوراً ان کو مدافعت کیلئے نکلنا پڑتا ہے' اس پر بھی بدر کے قریب پہنچ کر جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا تو ان کے بڑے بڑے سردار اور خود عتبہ جو سالار لشکر تھا' رائے دیتا ہے کہ اب لڑنے کی ضرورت نہیں واپس چلنا چاہئے' کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوشِ عداوت اور رسول اللہ ﷺ کی شانِ نبوت کے موافق ہے؟

(۴) اربابِ سیر عموماً لکھتے ہیں کہ "جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں صحابہؓ کو کاروان تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو لوگوں نے چنداں مستعدی ظاہر نہیں کی کیونکہ لوگ سمجھے کہ کوئی مہم اور معرکہ و جہاد نہیں ہے بلکہ صرف تحصیل غنیمت ہے' اس لئے جن لوگوں کو مال کی حاجت تھی وہ گئے" لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انصار میں جس قدر اعیانِ قوم اور سرلشکر تھے' سب کے زر و مال کے محتاج اگر تھے تو مہاجرین تھے' لیکن جانے والوں میں انصار کی تعداد مہاجرین سے دگنی تگنی ہے آنحضرت ﷺ کے استمزاج کے جواب میں جن لوگوں نے جان نثارانہ فقرے کہے تھے' مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و مقدادؓ تھے' اور انصار میں سعد بن عبادہؓ [۱] تھے' سعد بن عبادہؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے' اور مدینہ

۱۔ صحیح مسلم و صحیح بخاری غزوۂ بدر۔

سے باہر نہیں جاسکتے تھے اس لئے قطعاً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سعدؓ نے یہ جواب مدینہ ہی میں دیا تھا اور وہیں قریش کے حملہ کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اس لئے یہ قطعی ہے کہ مدینہ ہی میں اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی کہ انصار کا استمزاج لیا جائے۔

(۵) عام اربابِ سیر بلکہ احادیث کی کتابوں میں بھی منقول ہے کہ غزوۂ بدر میں جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو چلنے کی ترغیب دی تو بہت سے لوگ آمادہ نہ ہوئے اور کسمسائے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جہاد یا غزوہ نہیں ہے، صرف قافلہ کا مال لوٹنا ہے، اس لئے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہے جس کا جی چاہے جائے جس کا جی نہ چاہے نہ جائے، طبری میں ہے۔

﴿ قالوا لما سمع رسول الله بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیهم و قال هذه عیر قریش فیها اموالهم فاخرجوا الیها لعل الله ان ینفلکموها فانتدب الناس فخف بعضهم و ثقل بعضهم و ذلك انهم لم یظنوا ان رسول الله یلقی حربا ﴾ (صفحہ ۱۲۹۲)

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا سنا تو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ آ رہا ہے جس میں ان کا مال ہے، چلو شاید اللہ تم کو اس میں سے مالِ غنیمت دلوا دے، لوگ آمادہ ہوئے لیکن بعضوں نے پہلوتہی کی، کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑائی تو پیش نہیں آئے گی۔

لیکن یہ واقعات صریح آیاتِ قرآنی کے خلاف ہیں، قرآن مجید میں بہ تصریح موجود ہے کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسمساتے تھے، وہ عدم ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

﴿ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ﴾ (انفال۔۱)

اور مسلمانوں کا ایک فریق نکلنے سے ناراض تھا وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا بعد اس کے کہ حق ظاہر ہو گیا تھا، وہ گویا موت کی طرف ہنکارے جا رہے ہیں۔

(۶) تمام کتب احادیث اور سیر میں تصریح ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک میل چل کر (مقام بیر ابی عنبہ میں) آپ نے فوج کا جائزہ لیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ اس بنا پر واپس بھیج دیئے گئے کہ ان کی عمریں پندرہ برس سے کم تھیں، یا یہ کہ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے، اگر صرف قافلہ کا لوٹنا مقصود ہوتا تو یہ کام نوخیز نوجوان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے تھے لیکن چونکہ واقع میں جہاد مقصود تھا جو ایک فریضۂ الٰہی ہے اور اس کے لئے بلوغ کی قید ہے اس لئے نابالغ لوگ واپس کر دیئے گئے کہ ابھی اس کے اہل نہیں۔

(۷) حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب[1] میں روایت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قافلہ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو خیثمہؓ نے جو ایک انصاری تھے، اپنے بیٹے سعدؓ سے کہا کہ مجھے جانے دو، اور تم یہاں مستورات کی خبر گیری کرو، سعدؓ نے کہا "حضور! اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ضرور میں آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا، لیکن یہ شہادت کا درجہ

---

[1] استیعاب تذکرۂ سعدؓ بن خیثمہ اصابہ اور طبقات میں یہ واقعہ بہ اختلاف الفاظ منقول ہے۔

ہے میں اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں''۔ چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور سعدؓ کے نام قرعہ نکلا' سعدؓ شریک جنگ ہو کر شہید ہوئے۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ قافلہ لوٹنا نہیں بلکہ جہاد پیش نظر تھا' اور لوگوں کو دولت شہادت کے حاصل ہونے کی آرزو تھی۔

غزوۂ بدر کا اصلی سبب:

عرب کا خاصۂ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک سخت ہنگامہ کارزار قائم ہو جاتا تھا' دونوں طرف ٹڈی دل امنڈ آتا تھا اور خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں' یہ لڑائیاں مدتوں تک قائم رہتی تھیں' قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے' تاہم یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا' عرب لکھے پڑھے نہ تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر خاندان میں وراشتاً چلا آتا تھا' بچوں کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر اس خون کا انتقام لینا ہے' داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیاں جو چالیس چالیس برس قائم رہیں اور جن میں ہزاروں لاکھوں جانیں برباد ہو گئیں' اسی بنا پر ہوئیں' عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں' اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عبداللہ بن جحشؓ کے واقعہ میں عمرو بن حضرمی قتل کر دیا گیا تھا' حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا جو تمام قریش کا سردار تھا' بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا' عروہ بن زبیرؓ (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بہ تصریح بیان کیا ہے۔

﴿و کان الذی هاج وقعة بدر و سائر الحروب التی کانت بین رسول الله ﷺ و بین مشرکی قریش فیما قال عروة بن الزبیر ماکان من قتل واقد بن[1] عبدالله التمیمی عمرو بن الحضرمی﴾ (تاریخ طبری ۱۲۸۴)

جس چیز نے غزوۂ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیاں برپا کیں جو آنحضرت ﷺ اور مشرکین عرب کے درمیان واقع ہوئیں' وہ جیسا کہ عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے عمرو بن حضرمی کا قتل کیا جانا ہے۔ جس کو واقد بن عبداللہ تمیمی نے قتل کر دیا تھا

ایک عام غلطی جس نے واقعہ بحث طلب میں غلطی پیدا کر دی ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی وہ بدر تھی' حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں' عروہ بن الزبیرؓ نے غزوۂ بدر کے متعلق عبدالملک کو جو خط لکھا تھا اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں۔

﴿ان اباسفیان بن حرب اقبل من الشام فی قریب من سبعین راکبامن قبائل قریش فذکروا رسول الله ﷺ و اصحابه و قد کانت الحرب بینهم فقتلت قتلی و قتل ابن الحضرمی فی اناس بنخلة و اسرت اساری من قریش ...... و کانت تلك الوقعة هاجت

[1] (عبداللہؓ بن جحش جن کی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت ﷺ کے ماموں زاد بھائی تھے' قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے حلیف تھے اور حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک زندہ رہے۔ دیکھو طبقات ابن سعد ذکر عبداللہ بن جحش و واقد بن عبداللہ)۔

الحرب بین رسول اللہ ﷺ و بین قریش و اول ما اصاب بہ بعضھم بعضا من الحرب و ذلک قبل مخرج ابی سفیان و اصحابہ الی الشام ﴾(طبری صفحہ ۱۲۸۵)

ابوسفیان بن حرب تقریباً ستر سوار کے ساتھ شام سے آ رہا تھا' جو کل کے کل قریشی تھے' آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے اس کا تذکرہ ہوا' اور دونوں فریق میں لڑائی شروع ہو چکی تھی اور ادھر کے چند لوگ جن میں ابن حضرمی بھی تھا' مارے جا چکے تھے' اور کچھ قید بھی ہو چکے تھے...... اور اسی واقعہ نے آنحضرت ﷺ اور قریش میں جنگ برپا کر دی تھی اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا جس میں دونوں فریق نے ایک دوسرے کو صدمہ پہنچایا' اور یہ لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آ چکی تھی۔

اس میں تصریح ہے کہ ابوسفیان جب شام کو روانہ بھی نہیں ہوا تھا اسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ غزوۂ بدر ابوسفیان کی واپسی شام کے بعد واقع ہوا ہے۔ اصل واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہے کہ خود حریفانِ جنگ کی شہادت بہم پہنچائی جائے' اس قسم کی شہادتیں بہت کم ہاتھ آ سکتی ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہاں اس قسم کی شہادت موجود ہے۔ حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) غزوۂ بدر میں شریک تھے اور اس وقت تک کافر تھے' وہ عمر میں آنحضرت ﷺ سے پانچ برس بڑے تھے۔ گو زمانۂ جاہلیت میں آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قائم رہی تاہم فتح مکہ تک ایمان نہیں لائے۔ وہ رؤسائے قریش میں سے تھے' حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادہ انہی کے ہاتھ میں تھا' دارالندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی[1] تھے' اور مروان بن حکم کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے' مروان نے نہایت تعظیم و تکریم کی' صدر مجلس سے اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا' اور کہا بدر کا واقعہ بیان کیجئے' انہوں نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کر کے کہا کہ جب ہماری فوجیں میدان میں اتریں تو میں عتبہ کے پاس گیا اور میں نے اس سے یہ کہا۔

﴿ یا ابا الولید ھل لک ان تذھب بشرف ھذا الیوم مابقیت' قال افعل ماذا؟ قلت انکم لاتطلبون من محمد الآدم ابن الحضرمی و ھو حلیفک فتحمل دیتہ فترجع بالناس ﴾[2]

اے ابوالولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر کے لئے ساری نیک نامی تم ہی کو ہاتھ آئے؟ عتبہ نے کہا کیونکر؟ میں نے کہا' تم (یعنی قریش) محمد سے ابن حضرمی کے خون کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے اور وہ تمہارا حلیف تھا' اس لئے تم اس کا خون بہا ادا کر دو کہ سب لوگ واپس چلے جائیں۔

عتبہ نے یہ تجویز پسند کی' لیکن ابوجہل نے نہ مانا اور حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا' خون کا بدلا سامنے ہے' کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو' عامر عرب کے دستور کے موافق ننگا ہو گیا اور پکارا[3]

واعمراہ واعمراہ ہائے عمر (حضرمی) ہائے عمر!

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ میں نکلا' وہ یہی عامر حضرمی تھا۔

---

[1] اصابہ تذکرہ حکیم بن حزام

[2] طبری صفحہ ۱۳۱۳ و سیرت ابن ہشام بمعناہ ذکر غزوۂ بدر ''س''

[3] پوری تفصیل طبری صفحہ ۱۳۱۴ تا ۱۳۱۶ میں ہے۔

حکیم بن حزام اور عامر حضرمی غزوۂ بدر تک کافر تھے' عتبہ وابوجہل جو سرداران قریش تھے کفر پر تادم مرگ قائم رہے۔ اگرچہ اس درجہ کے لوگ غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے' تو ہم کو کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہئے کہ اوروں نے جو اس کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئے اس کا سبب قافلۂ تجارت کا بچانا سمجھا۔ ﴿وشتان بینھما﴾

ایک ضروری نکتہ:

گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام اربابِ سیر نے متفقاً کیوں غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ میں یہ تصریحات کیوں پائی جاتی ہیں کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی؟

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) میں حضرت کعب بن مالکؓ جو مشہور صحابی ہیں' ان کا قول نقل کیا ہے۔

﴿و لم یکن رسول اللہ ﷺ یرید غزوۃ الاورَیٰ بغیرھا۔﴾

اور آنحضرت ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔

''توریہ'' کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ ''آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے''۔ گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی میں صحیح نہیں تاہم واقعات کے استقصا سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں حضرت سعد بن خیثمہؓ کو پہلے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ نہیں بلکہ فوج کا مقابلہ ہے' بخلاف اس کے صحیح بخاری میں انہی کعب بن مالکؓ کا قول منقول ہے کہ بدر میں صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔

دیباچہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ راوی (جس میں صحابہؓ بھی داخل ہیں) بہت سے موقعوں پر جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نہیں بلکہ اس کا استنباط ہوتا ہے' یعنی اس نے اس کو یوں ہی سمجھا' بدر میں بھی یہی صورت پیش آئی اور اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کئے اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا۔

غزوۂ بدر کے نتائج:

(بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگوں اثرات پیدا کئے اور حقیقت میں یہ اسلام کی ترقی کا قدم اولین تھا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رؤساء جن میں سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ میں سدآ ہن تھا فنا ہو گئے۔ عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا' جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا' لیکن قریش کے اصلی زور و طاقت کا معیار گھٹ گیا۔

مدینہ میں اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا' لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ میں آ گیا' گو تمام عمر منافق رہا اور اسی حالت میں جان دی' قبائل عرب۔ جو سلسلۂ واقعات کا رخ دیکھتے تھے اگرچہ رام نہیں ہوئے لیکن سہم گئے ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب میں بھی انقلاب شروع ہو گیا' یہود سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ وہ ہر

معاملہ میں یکسو رہیں گے لیکن اس فتح نمایاں نے ان میں حسد کی آگ بھڑکا دی اور وہ اس کو ضبط نہ کر سکے۔ چنانچہ اس کی تفصیل یہودیوں کے واقعات میں بالتفصیل آتی ہے۔

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا' بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا' اور مقتولین بدر کے انتقام کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا' چنانچہ سویق کا واقعہ اور اُحد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا۔

غزوۂ سویق' ذی الحجہ ۲ھ:

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ اس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر منت مانی تھی کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام نہ لے گا نہ غسل جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ پر بڑھا' یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد دیں گے' اس لئے پہلے حی بن اخطب کے پاس گیا' لیکن اس نے دروازہ نہ کھولا' مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے پاس آیا' وہ یہود بنونضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا۔ اس نے بڑے جوش سے استقبال کیا' خوشگوار کھانے کھلائے' شراب پلوائی' مدینہ کے مخفی راز بتائے' صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا' جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے' ایک انصاری کو جن کا نام سعد بن عمروؓ تھا قتل کیا' چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے' ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہوگئی' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا' ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھا' گھبراہٹ میں ستو کے بورے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے' عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی، ذی الحجہ ۲ھ:

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے کمسن تھیں' اب ان کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھی اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی' آپ نے فرمایا کہ جو اللہ کا حکم ہوگا' پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی' ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا' بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی' حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعدؒ کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں' یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا' آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں' آپؐ نے فرمایا'' اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے' آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی' لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپے [1] زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی' حضرت علیؓ

[1] غلطی سے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں سوا روپے چھپ گیا ہے اس کی تصحیح کر لی جائے۔ ''س'' (۴ء)

نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی نذر کیا' حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ ہی کے پاس رہتے تھے' شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں' حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے' جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے' حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ انہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے' آپ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب ان سے کہتے شرم آتی ہے' حضرت حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے' اللہ کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا' حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہ کونین ﷺ نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا' وہ بان کی چارپائی' چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے' ایک چھاگل' ایک مشک' دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے تھے۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے' دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا' پھر اندر آئے' ایک برتن میں پانی منگوایا' دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا' پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا' وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں' ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔[1]

واقعاتِ متفرقہ' ۲ھ:

(مؤرخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے' صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا۔ پہلے آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے' پھر صدقہ کا حکم دیا۔

عید الفطر کی نماز باجماعت عید گاہ میں بھی اسی سال ادا فرمائی' اس سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

اربابِ سیر کی ترتیب کے مطابق غزوۂ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات میں ہونا چاہئے تھا' لیکن اتصال و تسلسل واقعہ کی بنا پر وہ آئندہ مذکور ہوگا)

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے۔

۳ھ

غزوۂ احد [1]

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران ۱۴)

عرب میں صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سینکڑوں برس تک ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ طرفین میں سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض موبد جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اس کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی، بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن میں اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج وافسر تھے اس بنا پر تمام مکہ جوش انتقام سے لبریز تھا۔

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے میں نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا اس کا راس المال حصہ داروں کو تقسیم کردیا گیا تھا لیکن زرمنافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔

قریش کو کشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا۔ چند سردارانِ قریش جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، ان لوگوں کو جن کے عزیز و اقارب جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ محمد نے ہماری قوم کا خاتمہ کردیا اب انتقام کا وقت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ مال تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے، وہ اس کام میں صرف کیا جائے، یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی، لیکن قریش کو اب مسلمانوں کے قوت وزور کا اندازہ ہو چکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے اس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے، عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا، قریش میں دو شاعر شاعری میں مشہور تھے، عمرو جمحی اور مسافع، عمرو جمحی غزوۂ بدر میں گرفتار ہوگیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اقتضائے رحم سے اس کو رہا کردیا تھا، قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے۔ [2]

لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھیں، جس لڑائی میں خاتونیں ساتھ ہوتی تھیں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی۔ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں اور انہوں نے منتیں مانی تھیں کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گے۔ غرض جب فوجیں تیار ہوئیں تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں۔ ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔ [3]

---

[1] مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔

[2] صحیح بخاری باب غزوۂ اُحد میں ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحد میں نازل ہوئی

[3] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۵، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳۰ نے ان چھ خواتین کے سوا سلافہ بنت سعد، عمیرہ بنت علقمہ دو اور خاتونان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں خناس و عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد کو مسلمان ہوگئیں۔ خناس اور عمیرہ کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ (زرقانی علی المواہب) "س"

(۱) ہند — عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں۔
(۲) اُمِ حکیم — عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی۔
(۳) فاطمہ (بنت ولید) — حضرت خالدؓ کی بہن
(۴) برزہ — مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اس کی بیٹی
(۵) ریطہ — عمرو بن العاص کی زوجہ
(۶) خناس — حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ماں

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا' اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا' حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا گو اسلام لا چکے تھے' لیکن اب تک مکہ ہی میں مقیم تھے' انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے' اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے۔

آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے پانچویں شوال ۳ھ کو دو خبر رساں جن کے نام انس اور مونس تھے' خبر لانے کے لئے بھیجے' انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔ آپ نے حضرت حباب بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں' انہوں نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی' چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا' ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے' حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔

صبح کو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا' مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے' عبداللہ بن ابی بن سلول جو اب تک کبھی شریک[1] مشورہ نہیں کیا گیا تھا' اس نے بھی یہی رائے دی' لیکن ان نوخیز[2] صحابہؓ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے' اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے' آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے' اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا' سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں' ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا' آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکلے' عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا' لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ ''محمد نے میری رائے نہ مانی''۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے' ان میں ایک سو زرہ پوش تھے' مدینہ

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۹ مطبوعہ یورپ ''س''
[2] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۵ ''س''

سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا' اور جو لوگ کمسن تھے واپس کر دیئے گئے' ان میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عرابہ اوسیؓ بھی تھے' لیکن جاں نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب رافعؓ بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ' تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے' چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے[1] لئے گئے' حضرت سمرہؓ ایک نوجوان جوان کے ہم سن تھے' انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو لڑائی میں پچھاڑ لیتا ہوں اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہئے' دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرہؓ نے رافعؓ کو زمین پر دے مارا' اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔

آنحضرت ﷺ نے احد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی' حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم عنایت کیا' حضرت زبیرؓ بن العوامؓ رسالے کے افسر مقرر ہوئے' حضرت حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ[2] تھے' پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں' اس لئے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے' تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر ان تیراندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی' میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا' میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابو جہل کے فرزند تھے' سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا' تیراندازوں کے دستے الگ تھے' جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا' طلحہ علمبردار تھا' دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں' جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے' ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں' اشعار یہ تھے۔

نحن بنات طارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی
او تدبر و انفارق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبول عام شخص تھا اور مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا' ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا' اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا۔ چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اس کو دیکھیں گے تو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے' میدان میں آ کر پکارا ''مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں'' انصار نے کہا ''ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں' اللہ تیری آرزو بر نہ لائے''۔

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۱ (یہ طبری کی روایت ہے لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافعؓ کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی میں تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔ حضور ﷺ کو جب ان کا حال معلوم ہوا تو ان کو شرکت کی اجازت دے دی۔ ابن ہشام ذکر غزوۂ اُحد و زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۹ و بدایہ ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵) س

[2] طبری صفحہ ۱۳۹۴۔

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا" کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے"۔[1] علی مرتضیٰؓ نے صف سے نکل کر کہا "میں ہوں" یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہاتھ میں لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا:

﴿ انّ علی اهل اللواء حقا ان تخضب الصعدة او تندقا﴾

علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی، ساتھ ہی ان کی زبان سے نکلا کہ "میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں"۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابودجانہؓ، فوجوں کے دل میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں، حضرت ابودجانہ عرب کے مشہور پہلوان تھے، آنحضرت ﷺ نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟" اس سعادت کے لئے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہؓ کے نصیب میں تھا، اس غیر متوقع عزت نے ان بادۂ شجاعت سے مست کر دیا، سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال اللہ کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے" حضرت ابودجانہؓ فوجوں کو چیرتے، لاشوں پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ہند سامنے آ گئی، اس کے سر پر تلوار رکھ کر اٹھا لی کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار اس قابل نہیں کہ عورت پر آزمائی جائے۔

حضرت حمزہؓ دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں، اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آ گیا، پکارے کہ "او ختانۃ النساء کے بچے" کہاں جاتا ہے" یہ کہہ کر تلوار ماری۔ وہ خاک پر ڈھیر تھا۔

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا، اور جس سے جبیر بن مطعم اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حضرت حمزہؓ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا، وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا، حضرت حمزہؓ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا، جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔[2]

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے، تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا، ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لے لیتا تھا، ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جب علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ساتھ کٹ کر گر پڑے، لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا، علم کے گرنے کے

---

[1] یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہیں۔

[2] صحیح بخاری باب قتل حمزہ صفحہ ۵۸۳

ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا اور علم کو سینہ سے دبا لیا' اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا"۔ [1] علم دیر تک خاک پر پڑا رہا۔ آخر ایک بہادر خاتون (عمرہ بن علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا' یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا' لیکن اس کے صاحبزادے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے' انہوں نے آنحضرت ﷺ سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی' لیکن رحمت عالم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے' حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے' دفعتہً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا اور ان کو شہید کر دیا' تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف تھا' علمبرداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے' بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں' بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا' لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر تیرانداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے۔

حضرت عبداللہؓ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن وہ رک [2] نہ سکے' تیراندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا' عبداللہؓ بن جبیر چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا' خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بےجگری سے حملہ کیا۔ لوگ لوٹنے میں مصروف تھے' مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں' بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے' حضرت مصعب بن عمیرؓ جو آنحضرت ﷺ سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے' ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور غل مچ گیا کہ آنحضرت ﷺ نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی' بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے' بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی' حضرت حذیفہؓ کے والد (یمان) اس کشمکش میں آ گئے اور ان پر تلواریں برس پڑیں' حضرت حذیفہؓ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں لیکن کون سنتا تھا' غرض وہ شہید ہو گئے اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ میں کہا مسلمانو! اللہ تم کو بخش دے [3] رسول اللہ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو میں ہیں جن میں جناب علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابو دجانہؓ اور حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے' صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے۔ اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی' لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا' جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا تھا' آنحضرت ﷺ کی کسی کو خبر نہ تھی' حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے' لیکن کعبہ مقصود (رسول اللہ ﷺ) کا پتہ نہ تھا' حضرت انسؓ کے چچا حضرت ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے' دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے' پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے "اب لڑ کر کیا

---

[1] ابن ہشام وطبری جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۴۰۱۔ "س"

[2] صحیح بخاری غزوۂ احد۔ صفحہ ۵۷۹۔

[3] صحیح بخاری غزوۂ احد۔ صفحہ ۵۸۱۔

کریں! رسول اللہ ﷺ نے تو شہادت پائی''۔ حضرت ابن نضرؓ نے کہا''ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے'' یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی' لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی (۸۰) سے زیادہ تیر' تلوار اور نیزے کے زخم تھے' کوئی شخص پہچان تک نہ سکا' ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا۔ [۱]

جان نثارانِ خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سرور عالم ﷺ کو ڈھونڈھتی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ کی نظر پڑی' چہرۂ مبارک پر مغفر تھا' لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں' حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا''مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں''۔ یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے' کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا' دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا' لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا' ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا''کون مجھ پر جان دیتا ہے؟'' حضرت زیاد بن سکنؓ پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں' [۲] حضرت زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ' لوگ اٹھا کر لائے' کچھ کچھ جان باقی تھی' قدموں پر منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دی۔ [۳]

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے — کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا' اس نے بڑھ کر پوچھا کہ ''یارسول اللہ! اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا'' آپ نے فرمایا''جنت میں'' اس بشارت سے بیخود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا۔ [۴]

عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت ﷺ کے قریب آ گیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری' اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں' چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے' یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا' حضرت ابودجانہؓ جھک کر سپر بن گئے' اب جو تیر آتے تھے ان کی پیٹھ پر آتے تھے، حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا' ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا' بے درد رحمت، عالمؐ پر تیر برسا رہے تھے' اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

﴿رب اغفر قومی فانهم لایعلمون﴾ [۵]

اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں۔

حضرت ابوطلحہؓ جو حضرت انسؓ کے علاتی باپ تھے' مشہور تیرانداز تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو

---

[۱] یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمرؓ کا نام نہیں۔

[۲] صحیح بخاری غزوۂ احد۔ صفحہ ۵۷۹ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ باب ثبوت الجنۃ للشہید ''س''

[۳] صحیح مسلم غزوۂ بدر میں ہے کہ سات انصاری تھے اور ساتوں نے باری باری اپنی جانیں فدا کیں۔

[۴] بخاری غزوۂ احد صفحہ ۵۷۹ ''س''

[۵] صحیح مسلم غزوۂ احد جلد ۲ صفحہ ۹۰۔

تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں انہوں نے سپر سے آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اٹھائیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے یہ میرا سینہ سامنے ہے۔[1] حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی مشہور تیر انداز تھے اور اس وقت آپ کے رکاب میں حاضر تھے آنحضرت ﷺ نے اپنا ترکش اُن کے آگے ڈال دیا اور فرمایا ''تم پر میرے ماں باپ قربان! تیر مارتے جاؤ۔[2]

اسی حالت میں آپ کی زبان سے عبرت کے لہجہ میں یہ لفظ نکلا ''وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے'' بارگاہ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اتری۔

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾

تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں

چنانچہ صحیح بخاری غزوۂ احد میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

رسول اللہ ﷺ ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آ سکتے تھے ابوسفیان نے دیکھ لیا فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[3]

آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے جناب فاطمہ زہراؓ نے آ کر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے جناب سیدہ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا خون فوراً تھم گیا۔[4]

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ ''یہاں محمد ہیں؟'' آپ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لے کر پکارا اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا بول اٹھے ''او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا

اعل ھبل [5] اے ہبل تو اونچا رہ۔

صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے کہا

اللّٰہُ اعلیٰ و اجلّ اللہ اونچا اور بڑا ہے۔

ابوسفیان نے کہا

---

1. صحیح بخاری غزوۂ احد صفحہ ۵۸۱
2. صحیح بخاری غزوۂ احد صفحہ ۵۸۰
3. طبری ص ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱
4. صحیح بخاری غزوۂ احد جلد ۲ صفحہ ۵۱۴
5. بت کا نام

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارے پاس عزی [1] ہے، تمہارے پاس نہیں

صحابہ نے کہا۔

اَللّٰہُ مَولَانَا وَلَا مَولٰی لَکُمْ اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں۔

ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔فوج کے لوگوں نے مردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں، میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا، لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے مستورات اور بچوں کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت میں مدینہ کے پاس کے قلعوں میں بھیج دیا تھا، ان لوگوں کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے، حضرت ثابتؓ مشرکوں کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجوم عام میں پہچان نہ سکے، ان پر تلواریں برس پڑیں، ان کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہر چند "ہاں ہاں" کہا اور بتایا کہ "میرے باپ ہیں"، لیکن ہنگامہ میں کون سنتا تھا، حضرت حذیفہؓ یہ کہہ کر رہ گئے کہ "مسلمانو! اللہ تمہارے اس گناہ کو بخش دے"۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت یمانؓ کا خون بہا مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا چاہا، لیکن حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا، ابن ہشام میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے، صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن مختصر ہے۔

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا، ان کے ناک کان کاٹ لئے، ہند (امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی، لیکن گلے سے اُتر نہ سکا اس لئے اگل دینا پڑا، تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے، ہند فتح مکہ میں ایمان لائی، لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے، تفصیل آگے آئے گی۔

اس غزوہ میں اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی۔حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔ [2] ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیطؓ نے بھی جو حضرت ابوسعید خدریؓ کی ماں تھیں یہی خدمت انجام دی۔ [3]

عین اس وقت جبکہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے ام عمارہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور اپنا سینہ سپر کر دیا، کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیہ جب دوڑتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت اُم عمارہؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا،

---

[1] بت کا نام ہے لفظی معنی عزت کے ہیں۔

[2] یہ تمام تفصیل بخاری غزوۂ احد کے ذکر میں ہے۔

[3] صفحہ ۵۰۱ کتاب المغازی غزوۂ احد۔

انہوں نے بھی تلوار ماری' لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی۔ [1]

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں' آنحضرت ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حضرت حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا' بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں' آنحضرت ﷺ نے اجازت دی' لاش پر گئیں' خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے' لیکن انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ [2]

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ' بھائی' شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے۔ باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں' اس نے پاس آ کر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی۔ [3]

﴿کل مصیبة بعدك جلل﴾ تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی' شوہر بھی' برادر بھی فدا　　اے شہ دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

مسلمانوں کی طرف ستر آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانوں کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہو سکتی' حضرت مصعب بن عمیرؓ ایک صحابی تھے کہ ان کا پاؤں چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے' آخر پاؤں اذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے' یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد آ جاتا تو آنکھیں تر ہو جاتیں' شہدا بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا' ان شہداء پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی' [4] آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپ ادھر سے گزرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہوئی اور اس طرح آپ نے پُر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہا ہو اور اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا کہ "مسلمانو! تم سے یہ خوف نہیں کہ پھر مشرک بن جاؤ گے' لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ"۔ [5]

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۵۸۴ مطبع محمد علی مصر

[2] طبری ص ۱۴۲۱

[3] طبری ص ۱۴۲۵

[4] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابوں میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہداء پر بھی نماز جنازہ پڑھی۔ یہ شہدا ایک ایک کر کے اور بعض میں ہے کہ دس دس کر کے لائے جاتے تھے اور آپ ﷺ ان پر نماز جنازہ پڑھتے تھے اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کے ساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی۔ شرح معانی الاثار طحاوی باب الصلوة علی الشهداء و نصب الرایہ زیلعی باب احادیث الصلوٰة علی الشهید و مغازی واقدی صفحہ ۳۰۰ مطبوعہ کلکتہ "س"

[5] یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوۂ احد کے متفرق ابواب میں ہیں۔

دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخم سے چور تھے تاہم یہ خیال کر کے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کر کے فرمایا کہ ''کون اِن کا تعاقب کرے گا؟'' فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لئے تیار ہوگئی جن میں حضرت ابوبکرؓ وحضرت زبیرؓ بھی شامل تھے۔[1]

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہو کر جب مقام روحا پہنچا' یہاں خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا۔ آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے گمان تھا۔ دوسرے ہی دن آپ نے اعلان کرا دیا کہ کوئی واپس نہ جائے' چنانچہ حمراء الاسد تک جو مدینہ سے ۸ میل ہے تشریف لے گئے' قبیلہ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن در پردہ اسلام کا طرفدار تھا' اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واپس جا کر ابوسفیان سے ملا۔ ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا' معبد نے کہا ''میں دیکھتا آتا ہوں محمد اس سروسامان سے آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے''۔ غرض ابوسفیان واپس گیا[2]

یہی واقعہ ہے جس کو مؤرخین نے تکثیر غزوات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔[3]

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں' آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حضرت حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے' رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

اما حمزة فلا بواكي له — لیکن حضرت حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔

انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے' سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو' آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حمزہ کا ماتم بلند تھا' ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکرگزار ہوں' لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں' عرب میں دستور تھا کہ مردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں' کپڑے پھاڑ لیتی تھیں' گال نوچتی' گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں۔ یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مردہ پر نوحہ[4] نہ کیا جائے۔ یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں۔[5]

(قرآن مجید میں سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کا مفصل ذکر موجود ہے)

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۵۸۴ ''س''

[2] طبری صفحہ ۱۴۲۸، ۱۴۲۹

[3] مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۸۴ ''س''

[4] ابن ہشام (غزوۂ احد) اور مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۸۲

[5] صحیح بخاری کتاب الجنائز ''س''

واقعاتِ متفرقہ ۳ھ:

اس سال یعنی ۳ھ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی' رمضان کی پندرھویں تاریخ تھی' اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہ ؓ سے جو حضرت عمر ؓ کی صاحبزادی تھیں اور غزوۂ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہو گئی تھیں نکاح کیا۔ اسی سال حضرت عثمان ؓ نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ام کلثوم ؓ سے شادی کی۔

وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت میں ذوی الارحام (وہ حصہ دار جو ماں' بیٹی' بہن یا لڑکیوں کی طرف سے منسوب ہو) کا کوئی حصہ نہ تھا' ان کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی' مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا' اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔

۴ھ

سلسلۂ [۱] غزوات وسرایا

تمام قبائل عرب بجز ایک دو کے اسلام کے دشمن تھے۔ دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ بت پرستی کو اپنا دین و آئین سمجھتا تھا جبکہ اسلام اسی کو مٹاتا تھا۔ اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب پر تھا' حج کے زمانہ میں تمام قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے اور قریش ان کو اسلام کی دشمنی پر اُبھارتے۔ ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارت گری تھا' جبکہ اسلام اس سے نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی روکتا تھا' اس لئے وہ جانتے تھے کہ اگر اسلام قائم ہو گیا تو ہمارے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے' تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے۔ لیکن احد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے' سیرت نبوی میں سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیاں) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے' اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ عام مؤرخوں نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق ان لڑائیوں کے ذکر میں ان کے اسباب سے بحث نہیں کی' لیکن ابن سعد نے طبقات میں اور ائمۂ فن نے قریباً ہر واقعہ کا سبب لکھ دیا ہے یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے مدافعت کے لئے فوجیں بھیجیں۔

سریۂ ابی سلمہؓ :

سب سے پہلے یکم محرم ۴ھ میں طلیحہ بن خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن میں رہتا تھا' مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت ابوسلمہؓ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا' یہ خبر سن کر ان کی جماعت منتشر ہوگئی۔ [۲]

سریۂ ابن انیسؓ:

اس کے بعد محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد جو قبیلۂ لحیان کا تھا اور جو کوہستان غرنہ کا رئیس تھا' مدینہ پر حملہ کا قصد کیا' اس کے مقابلہ کے لئے آپ ﷺ نے عبداللہ بن انیسؓ کو بھیجا جنھوں نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا۔ [۳]

---

[۱] غزوہ اور سریہ میں جو فرق ہے اس کی نسبت علمائے سیرت کی مختلف آراء ہیں' زیادہ مقبول یہ رائے ہے کہ جس واقعہ میں آنحضرت ﷺ خود شریک ہوئے وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے اور جس میں صحابہ افسر مقرر کر کے بھیج دیئے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا۔

[۲] ابن سعد صفحہ ۳۵ (جلد ۲ قسم اول)' اصل عبارت یہ ہے بلغ رسول اللّٰہ ان طلیحۃ و مسلمۃ ابنا خویلد قد سارا فی قومھما و من اطاعھما یدعونھم الیٰ حرب رسول اللّٰہ ﷺ

[۳] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۰۳۶ اصل عبارت یہ ہے وذلک انہ بلغ رسول اللّٰہ ﷺ ان سفیان بن خالد الھذلی قد جمع الجموع لرسول اللّٰہ ﷺ ۔

صفر ۴ھ میں ابو براء کلابی [1] جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں، آپ نے فرمایا "مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر [2] ہے" ابو براء نے کہا "ان کا میں ضامن ہوں" آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور ستر انصار ساتھ کر دیئے، یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے اور اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیاں چنتے شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے، کچھ اپنے لئے رکھتے۔

بیر معونہ:

ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی عامری) کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا، عامر نے حرام کو قتل کر دیا اور آس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عصیہ، رعل، ذکوان، سب کے پاس آدمی دوڑا دیئے کہ تیار ہو کر آئیں، ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا، صحابہؓ حرام کی واپسی کے منتظر تھے، جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے، راستہ میں عامر کی فوج کا سامنا ہوا، کفار نے ان کو گھیر لیا اور سب [3] کو قتل کر دیا صرف عمرو بن امیہ [4] کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر ان کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہیں ہوا، مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ حضرت عمرو بن اُمیہ نے (واپسی میں راستہ میں بنی عامر کے) دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا (جن کو رسول اللہ ﷺ امان دے چکے تھے، مگر حضرت عمروؓ بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا) وہ یہ سمجھے کہ ہم نے بنی عامر سے ان کی اس بے وفائی کا بدلہ لے لیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے ساتھ کیا ہے [5] (جب آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو) آپ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور دونوں کا خون بہا ادا کر دینے کا اعلان فرمایا۔

---

[1] ابو برا بعد کو اسلام لائے یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اسلام نہیں لائے۔ اصابہ میں ہے کہ ان کے قبول اسلام کی کوئی روایت نہیں ہے تاہم بعض روایت کی بنا پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسلام لائے تھے زرقانی جلد۲ صفحہ ۸۶

[2] اور یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا۔ عامر بن طفیل جوان اطراف کا رئیس تھا اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ "میرے تمہارے درمیان تین باتیں ہیں، بادیہ کے مالک تم بنو اور شہروں کا میں بنوں یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ ورنہ غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا۔ آنحضرتؐ نے منظور نہیں فرمایا تھا۔ صحیح بخاری، غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان۔

[3] صحابہ کی اس جماعت میں حضرت کعبؓ بن زید بھی تھے، کفار نے یہ سمجھا کہ یہ بھی شہید ہو گئے ہیں، لیکن ان میں جان باقی تھی اور بعد کو زندہ بچ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ زرقانی جلد۲ صفحہ ۸۸۔ "س"

[4] حضرت عمروؓ بن امیہ اور حضرت منذرؓ بن محمد بن عقبہ انصاری پیچھے تھے۔ جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے تو حضرت منذرؓ کو شہید کر دیا گیا اور حضرت عمروؓ بن امیہ کو قید کر لیا گیا اور بعد کو وہ چھوڑ دیئے گئے، زرقانی ج۲ ص۸۹ "س"

[5] البدایہ والنہایہ ابن کثیر، جلد۴، زرقانی ج۲ ص۹۳

واقعہ رجیع:

انہی دنوں عضل اور قارہ جو دو مشہور قبیلے ہیں' ان کے چند آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے' چند لوگوں کو ہمارے ہاں بھیجئے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں' آپ نے دس اشخاص ساتھ کر دیئے جن کے سردار عاصم بن ثابتؓ تھے' یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے' تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنولحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیں' بنولحیان دو سو آدمی لے کر جن میں ایک سو تیر انداز تھے' ان لوگوں کے تعاقب میں چلے اور ان کے قریب آ گئے' ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی' تیر اندازوں نے ان سے کہا کہ "اُتر آؤ ہم تم کو امان دیتے ہیں"۔ حضرت عاصمؓ نے کہا "میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا" یہ کہہ کر اللہ سے خطاب کیا کہ "اپنے پیغمبر کو خبر پہنچا دے"۔ غرض وہ مع سات آدمیوں کے لڑ کر تیر اندازوں کے ہاتھوں شہید ہوئے (قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ عاصم کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائیں کہ ان کی شناخت ہو' قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی' شہد کی مکھیوں نے لاش پر پردہ ڈال دیا' قریش ناکام لوٹ گئے) لیکن دو اشخاص [1] حضرت خبیبؓ اور زیدؓ نے کافروں کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے' کافروں نے بدعہدی کر کے ان کی مشکیں کس لیں اور مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لئے ان کو حارث کے لڑکوں نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے [2] چند روز انہی کے گھر میں رہے' ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے' اتفاق سے ہاتھ میں چھری تھی۔ [3] بچی کی ماں اتفاقاً کہیں سے آ گئی' دیکھا کہ حضرت خبیبؓ کے ہاتھ میں ننگی چھری ہے' کانپ اُٹھی' حضرت خبیبؓ نے کہا "کیا تو یہ سمجھی کہ میں اس کو قتل کر دوں گا؟ ہمارا یہ کام نہیں"۔ خاندان حارث ان کو حرم کے حدود سے باہر لے گیا اور قتل کرنا چاہا' انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی' قاتلوں نے اجازت دی' انہوں نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا "دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہوں"۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

و ما ان ابالی حین اقتل مسلماً	جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں
عَلٰی ایِّ شقٍ کان للّٰہ مصرعی	تو مجھ کو اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا
و ذلک فی ذات الالٰہ وان یشاء	یہ جو کچھ ہے خالصتاً اللہ کے لئے ہے' اگر وہ چاہے گا تو
یبارک علٰی اوصال شلو ممزّع	جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا

---

[1] بخاری کتاب المغازی نے اس موقع پر جن تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہے ان کا نام نہیں لکھا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کا نام حضرت عبداللہ بن طارق بتلایا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ اسی موقع پر شہید کر دیئے گئے' لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ ایان سے آگے چل کر مکہ کے راستے میں بمقام ظہران ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا' زرقانی جلد ۲ صفحہ ۷۸ "س"

[2] حارث کے بیٹے ابوسروعہ جنہوں نے حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا' بعد کو مسلمان ہوئے اور شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے زرقانی جلد ۲ صفحہ ۷۸ "س"

[3] صحیح بخاری میں اُسترا لکھا ہے۔ "س"

اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہیں تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے [۱] (اور یہ مستحب سمجھا جاتا ہے [۲]) دوسرے صاحب حضرت زیدؓ تھے' ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے' جن میں ابوسفیان بھی تھا' جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا' ''سچ کہنا اس وقت تمہارے بدلے محمد قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟'' بولے اللہ کی قسم! میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ ﷺ کے تلووں میں کانٹا چبھ جائے''۔ صفوان کے غلام نسطاس [۳] نے ان کی گردن ماردی۔

ان لڑائیوں کا سلسلہ یہود کی لڑائیوں سے مل جاتا ہے اور چونکہ یہود کے واقعات اور ان کی سرگزشت تاریخ اسلام سے گوناگوں تعلقات رکھتی ہے' اس لئے ہم ان کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہیں اور اس غرض کے لئے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا۔

واقعاتِ متفرقہ ۴ھ:

اسی سال شعبان میں حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی۔ اسی سال ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا' جن سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا۔

اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیں اور فرمایا کہ مجھ کو یہود پر اطمینان نہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ نے صرف پندرہ دن میں عبرانی زبان سیکھ لی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں عبرانی زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے۔

اسی سال شوال میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

اسی سال یہودیوں نے آپ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا اور آپ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا (تفصیل ان واقعات کی دوسرے حصوں میں آئے گی)۔

بعض مؤرخوں کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا' لیکن اس میں روایتیں نہایت مختلف ہیں' پوری تحقیق احکام شرعیہ کے ذکر میں آئے گی۔

---

۱ طبری صفحہ ۱۴۳۵' وطبقات ابن سعد' اشعار اور اکثر جزئیات واقعہ صحیح بخاری غزوہ الرجیع سے لئے گئے ہیں' نیز صحیح بخاری ھل یستاسر و من لم یستاسر و صلی رکعتین عند القتل۔

۲ اس نماز کے استحباب کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت خبیبؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا (شرح سیر کبیر سرخسی اول صفحہ ۱۵) آنحضرت ﷺ کے اس استحسان نے اس نماز کو استحباب کا درجہ عطا فرمایا (الروض الانف ج ۲ صفحہ ۱۷۱) محدثین کی اصطلاح میں اس صورت حال کو تقریر رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں یعنی حضور ﷺ کے سامنے کوئی فعل کیا گیا ہو یا حضور ﷺ کی عدم موجودگی میں کیا گیا ہو اور حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی ہو' مگر آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو تو اس سے بھی اس فعل کا مسنون و مستحب یا جائز ہونا سمجھا جائے گا۔ ''س''

۳ نسطاس نے بعد کو اسلام قبول کیا۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۸۴ ''س''

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

۲ھ ، ۳ھ ، ۴ھ

اوپر گزر چکا ہے کہ یہود مدتِ دراز سے مدینہ پر فرماں روا تھے' انصار نے آ کر ان کے ساتھ تعلقات پیدا کئے اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا لیکن جنگ بعاث نے ان کی قومی طاقت توڑ دی اور اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے۔

یہود کے تین قبیلے تھے' قینقاع، نضیر' قریظہ' یہ سب مدینہ کے اطراف اور حوالی میں آباد تھے اور عموماً زمیندار' دولتمند' تجارت پیشہ اور صناع تھے' قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے۔ چونکہ سب میں زیادہ بہادر اور شجاع تھے اس لئے ہمیشہ ان کے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے تیار رہتے تھے' انصار عموماً ان کے مقروض اور زیر بار تھے' ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا' انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے' اس بناپر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے' اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے' جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے' وہ منت مانتے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہودی بنادیں گے' چنانچہ مدینہ میں اسی قسم کے بہت سے جدید الیہودیہ [1] موجود تھے۔

یہود میں امتدادِ زمانہ سے نہایت اخلاقِ ذمیمہ پیدا ہو گئے تھے۔ ان کے امتیازی خصائص زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا' اور تمام آبادی ان کے قرضوں میں زیر بار تھی' چونکہ تنہا وہی صاحب دولت تھے اس لئے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے' یہاں تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے۔ کعب بن اشرف نے خود اپنے انصاری دوستوں سے یہی درخواست کی تھی' [2] اور مختلف طریقوں سے لوگوں کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے۔

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچوں کو دو چار روپے کے زیور کیلئے پتھر سے مار ڈالتے تھے۔ [3] دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا اور چونکہ زیادہ تر اُمراء اس کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کو سزا نہیں دے سکتے' ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا کہ ''کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا صرف درّہ مارنا ہے؟'' اس نے کہا نہیں بلکہ سنگسار کرنا ہے' لیکن ہمارے شرفا میں زنا کی کثرت ہوگئی اور جب کوئی شریف اس جرم میں پکڑا جاتا تو ہم اس کو چھوڑ دیتے تھے البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دیتے تھے' بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا درّہ سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکساں سزا دی جاسکے۔ [4]

اسلام مدینہ میں آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب ان کا جابرانہ اور خودغرضانہ اقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلام جس قدر

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۹ کتاب الجہاد باب الاسیر

[2] بخاری ومسلم ذکر قتل کعب بن اشرف

[3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۶ کتاب الدیات باب اذا قتل بحجر او بعصاء

[4] اسباب النزول' واحدی صفحہ ۱۴۵ مصر۔ (وصحیح مسلم ص ۴۹ ذکر رجم الیہود) ''س''

روز بروز مدینہ میں پھیلتا جاتا تھا اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جوان کو مدتوں سے حاصل تھا' زوال پذیر ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعتہً رک گئی' نئی نئی فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولتمند ہوتے جاتے تھے' یہودیوں کے قرض کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے' یہودیوں میں جو اخلاقِ بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا' اب ان کا راز فاش ہونے لگا۔

آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی' لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرض نبوت تھا۔ قرآن مجید میں ان کے اخلاق کی پردہ دری پر صاف صاف آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ﴾ (مائدہ۔۶)

وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔

﴿ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (مائدہ۔۹)

اور تو ان میں سے اکثروں کو دیکھے گا کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں۔

﴿ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ﴾ (نساء۔۲۲)

اور چونکہ یہ سودخوری کرتے ہیں حالانکہ ان کو سود سے منع کر دیا گیا تھا' اور چونکہ یہ لوگوں کا مال خورد برد کر جاتے ہیں۔

ان اسباب نے تمام یہود میں اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی اور اب انہوں نے طرح طرح سے آنحضرت ﷺ کو اذیتیں دینی اور اسلام کے خلاف کوششیں کرنی شروع کیں لیکن آنحضرت ﷺ کو حکم تھا کہ ان کی ہر طرح کی ایذا رسانیوں کو برداشت کریں۔

﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْآ اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (آل عمران' رکوع ۱۹)

اور اہل کتاب اور مشرکوں سے تم بہت سی ایذا (کی باتیں) سنو گے اور اگر صبر کئے رہو اور پرہیز گاری پر قائم رہو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

یہودیوں نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے سلام علیکم کرتے تو بجائے السلام علیك کے السام علیك کہتے تھے' جس کے معنی یہ ہیں کہ "تجھ کو موت آئے" ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں' انہوں نے سنا تو ان کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں کہ "کم بختو! تم کو موت آئے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "نرمی سے کام لو" حضرت عائشہؓ نے کہا "آپ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا؟" آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں' لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیك کہہ دیا۔[1]

آنحضرت ﷺ صرف مجاملت اور درگزر ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ اکثر معاشرت کی باتوں میں یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ بالوں میں مانگ نکالتے تھے

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے۔

بخلاف اس کے یہودی بالوں کو یوں ہی چھوڑ دیتے تھے۔آنحضرت ﷺ بھی یہودیوں ہی کی موافقت کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے

﴿ و کان یحب موافقة اهل الکتاب فیما لم یؤمر بشئی ﴾ (بخاری کتاب اللباس باب الفرق) (ج ۲ص۸۷۷)

اورآنحضرت ﷺ ان چیزوں میں جن میں کوئی خاص حکم الٰہی نہیں ہوتا تھا اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے

آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں، آپ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھیں۔[۱] کسی یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپ تعظیماً کھڑے ہوجاتے۔[۲]

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسٰیؑ کی فضیلت اس طرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے بھی افضل ہیں۔اس پر ایک انصاری کو غصہ آ گیا، انہوں نے اس کو تھپڑ مارا، یہودی نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھ کو اور پیغمبروں پر (ایسی) فضیلت نہ دو، (جس سے ان کا نقص لازم آئے) قیامت کے دن لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا، اس وقت میں دیکھوں گا کہ موسٰیؑ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں''۔[۳]

احکام الٰہی جو قرآن مجید میں نازل ہو رہے تھے، سرتاپا اہل کتاب کے ساتھ مدارات اور معاشرت کی ترغیب میں تھے

﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾

اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔

عموماً ان کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا:

﴿ يٰبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (بقرہ آیت ۱۵)

اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کا خیال کرو جو میں نے تم کو دیں اور یہ کہ میں نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی ہے۔

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اس وقت ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا صرف اس قدر تھا:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران، رکوع ۹)

کہہ دو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونوں یکساں مانتے ہیں، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو اپنا رب نہ بنائے تو اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ اچھا تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

---

[۱] بخاری جلد اول صفحہ ۵۶۲ باب ایتان النبی ﷺ حین قدم المدینہ''س''

[۲] بخاری کتاب الجنائز جلد ا صفحہ ۱۷۵

[۳] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۸ تفسیر سورۂ اعراف۔

ان باتوں میں سے ایک بھی ان کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی' لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہار لطف و مدارات کا جوصلہ تھا یہ تھا کہ انہوں نے ہر طرح سے اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کرلیا۔ اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کیلئے مشرکوں سے کہتے تھے کہ مذہب میں مسلمانوں سے تو تم ہی اچھے ہو۔

﴿ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ﴾ (نساء)

اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

مذہب اسلام کی بےاعتباری پھیلانے کے لئے یہاں تک آمادہ ہوئے کہ مسلمان ہوکر پھر مرتد ہو جائیں تاکہ لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا۔

﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (آل عمران۔رکوع۸)

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اُترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ' شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

ان باتوں کے علاوہ اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیریں اختیار کیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے ''اوس'' اور ''خزرج'' جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے' اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا ہے ان دونوں کو اگر پھر لڑا دیا جائے تو اسلام خود بخود فنا ہو جائے گا۔ عرب میں پچھلی کینہ آوریوں کو تازہ کر دینا نہایت آسان کام تھا۔ ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے بہت سے آدمی جلسہ میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے' چند یہودیوں نے اس صحبت میں جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا' یہ وہ لڑائی تھی جس میں انصار کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے تھے اور اسی لڑائی نے ان کی تمام قوت برباد کر دی تھی۔ اس لڑائی کے تذکرہ نے دونوں کو پرانے واقعے یاد دلائے اور دفعتاً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔ لعن وطعن سے گزر کر تلواریں کھنچ گئیں' حسن اتفاق سے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوگئی' آپ نے فوراً موقع پر پہنچ کر وعظ و پند سے دونوں فریق کو ٹھنڈا کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ [1]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ (آل عمران آیت۱۰)

مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس گروہ کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہودیوں نے اس کو نہایت آسانی سے درپردہ ملا لیا اور ان کے ساتھ مل کر سازش شروع کی۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ بن ابی پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا۔

قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کو نکال دو ورنہ ہم آ کر تمہارا استیصال کر دیں گے۔ لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے تو بدر کے بعد انہوں نے یہود کو خط لکھا:

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن حجر العسقلانی' مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۸۸

﴿ انکم اهل الحلقة والحصون و انکم تقاتلن صاحبنا او لنفعلن کذا و کذا و لایحول بیننا و بین خدم نساء کم شئی ﴾[1]

تم لوگوں کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعہ جات ہیں، تم ہمارے حریف (محمد ﷺ) سے لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔

ابوداؤد نے چونکہ بنونضیر کے ذکر میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس لئے صرف بنونضیر کا نام لیا ہے، ورنہ قریش کا خط عام یہود کے نام تھا اور نتیجہ بھی عام تھا، اسی بنا پر محدث حاکم نے بنونضیر اور قینقاع دونوں کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے، غرض اب حالت یہ ہو گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ راتوں کو گھر سے نکلتے تو یہودیوں کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا، حضرت طلحہ بن براء ایک صحابی تھے، وہ مرنے لگے تو وصیت کی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو آنحضرت ﷺ کو خبر نہ کرنا اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے، ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گزر جائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے۔[2]

شوال ۲ھ، غزوۂ بنی قینقاع:

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا، ان کو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے اور چونکہ قبائل یہود میں سب سے زیادہ جری اور بہادر بنوقینقاع[3] تھے، اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی جرأت کی۔ آنحضرت ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔ ابن ہشام و طبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے۔

﴿ ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نقضوا مابینهم و بین رسول الله و حاربوا فیما بین بدر و احدٍ ﴾

بنوقینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدہ کو جو ان میں اور آنحضرت ﷺ میں تھا توڑ ڈالا اور بدر اور احد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔

ابن سعد نے غزوۂ بنوقینقاع کے ذکر میں لکھا ہے۔

﴿ فلما کانت وقعة بدر اظهروا البغی و الحسدو نبذوا العهد والمرّة ﴾

واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ ڈالا۔

ایک اتفاقیہ سبب پیش آ گیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا۔ ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں نقاب پوش آئی، یہودیوں نے اس کی بے حرمتی کی، ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بیتاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا اور یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو

---

[1] سنن ابی داؤد ذکر نضیر (کتاب الخراج والامارہ) "س"

[2] دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہ بن براء

[3] طبقات ابن سعد۔ (جلد ۲ قسم اول صفحہ ۱۹) "س"

ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "اللہ سے ڈرو ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے" بولے کہ "ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے"۔ چونکہ ان کی طرف سے نقض عہد اور اعلان جنگ ہو گیا تھا مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ نے لڑائی کی، وہ قلعہ بند ہوئے، پندرہ دن تک محاصرہ رہا، بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ کریں گے ان کو منظور ہوگا، عبداللہ بن ابی ان کا حلیف تھا، اس نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کر دیئے [1] جائیں، غرض وہ اذرعات میں جو شام کے علاقہ میں ہے، جلاوطن کر دیئے گئے، یہ سات سو شخص تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے، یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے۔

قتل کعب بن اشرف ربیع الاول ۳ھ:

یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا، اس کا باپ اشرف قبیلہ طے سے تھا۔ مدینہ میں بنونضیر کا حلیف ہو کر اس نے اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابورافع ابن ابی الحقیق جو یہود کا مقتداء اور تاجر الحجاز جس کا خطاب [2] تھا اس کی لڑکی سے شادی کی۔ کعب [3] اس کے بطن سے پیدا ہوا، اس دوطرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودیان عرب کا رئیس بن گیا، یہودی علماء اور پیشوایان مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں، آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے اور علمائے یہود اس سے ماہواریں لینے آئے تو اس نے ان لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے متعلق رائے دریافت کی، اور جب اپنا ہم خیال بنا لیا تب ان کے مقررہ روزینے جاری کئے۔ [4]

اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، بدر کی لڑائی میں سرداران قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لئے مکہ گیا۔ کشتگان بدر کے پر درد مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب تھی لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رلاتا تھا۔ ابن ہشام نے ان واقعات کے ساتھ اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہیں تاہم جہاں تک اس زمانہ کی زبان معلوم ہوتی ہے ہم ایک دو شعر نقل کرتے ہیں۔

طحنت رحى بدر لمهلك اهله	جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا۔
و لمثل بدر تستهل و تدمعُ	بدر جیسے واقعات کے لئے رونا پیٹنا چاہئے۔
كم قد اصيب به من ابيض ماجدٍ	کتنے شریف سپید و بارونق چہرے جن کے
ذی بهجة تأوی اليه الضُيّعُ	یہاں اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے۔

مدینہ میں واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنا، اور لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے برخلاف برانگیختہ

---

[1] عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کو قتل کر دینا چاہتے تھے، عبداللہ بن ابی کے اصرار سے مجبور ہو گئے، لیکن سنن ابی داؤد میں جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے، اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔

[2] صحیح بخاری باب قتل النائم المشرک

[3] الخمیس صفحہ ۴۶۴

[4] زرقانی (جلد ۲ صفحہ ۹) بہ حوالہ ابن اسحاق وغیرہ۔

کرنا شروع کیا۔[1]

عرب میں شاعری کا وہ اثر تھا جو آج یورپ میں بڑے بڑے ملکی مدبروں کی پرجوش تقریروں اور نامور اخبارات کی تحریروں کا ہوتا ہے۔ تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ میں شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا' وہاں ابوسفیان سے ملا اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم میں آیا' سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔[2]

اس پر اکتفا نہ کر کے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت ﷺ کو قتل کرادے۔ علامہ یعقوبی اپنی تاریخ میں بنونضیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں۔

﴿کعب بن الاشرف الیهودی الذی ارادان یمکر رسول اللّٰه ﷺ﴾

کعب بن اشرف یہودی جس نے آنحضرت ﷺ کو دھوکے سے قتل کر دینا چاہا۔

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری[3] میں (ذکر کعب بن اشرف) میں عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت ﷺ کو دعوت میں بلایا اور لوگوں کو متعین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائیں تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کر دیں۔ حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہیں تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے۔

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے حضرت محمد بن مسلمہؓ نے بمشورۂ رؤسائے[4] اوس جا کر اس کو ربیع الاول ۳ھ میں قتل کر دیا۔ ارباب روایت نے لکھا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ''ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دی جائے''۔ ارباب سیر نے اس کے معنی یہ لگائے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ باتیں کہنے کی اجازت مانگی اور آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی کیونکہ الحرب خدعة یعنی لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے۔ لیکن بخاری کی روایت میں صرف یہ لفظ ہے۔

فاذن لی ان اقول ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم گفتگو کریں۔

اس سے غلط گوئی کی اجازت کہاں نکلتی ہے؟ (لیکن جو گفتگو ہوئی اس سے کعب اور عموماً یہود کے اخلاق اور دلی خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا ''ہم نے محمد کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا' اور ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے، اب تمہیں سے کچھ رکھ کر قرض لینا ہے'' کعب نے کہا تم خود محمد سے اکتا جاؤ گے' اچھا قرض کے لئے

---

[1] ابوداؤد میں ہے وکان کعب بن الاشرف یهجو النبی ﷺ و یحرض علیه کفار قریش (ابوداؤد جلد دوم باب کیف کان اخراج الیهود کتاب الخراج والامارة ''س'' ابن سعد میں ہے کان رجلا شاعرا یهجو النبی ﷺ و اصحابه و یحرض علیه۔ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۵ صفحہ ۹۷ میں ہے (ان کعب بن الاشرف انطلق الی المشرکین من کفار قریش فاستجا شهم علی النبی ﷺ و امرهم ان یغزوه) ''س''

[2] خمیس صفحہ ۵۱۷ غالباً یہ وہی پہلا واقعہ ہے' ابن خمیس نے اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کی ہے۔

[3] جلد ۷ صفحہ ۲۵۹ ''س'' [4] ابن سعد' مغازی صفحہ ۲۱

اپنی بیویوں کو رہن رکھو" حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا "تمہارے اس حسن و جمال کے سبب سے ہم کو اپنی بیویوں پر وفاداری کا یقین نہیں" اس نے کہا "اچھا اپنے بچوں کو گرو رکھو" انہوں نے کہا "اس سے تو تمام عرب میں ہماری بدنامی ہوگی ہم اپنے ہتھیار گرو رکھیں گے اور تم جانتے ہو آج کل ان کی جیسی ضرورت ہے۔" [1]

صحیح بخاری میں جو روایت ہے اس میں قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ان لوگوں نے دوستانہ طریقہ سے اس کو گھر سے باہر بلایا، پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اس کی چوٹی پکڑ لی اور قتل کر ڈالا۔ [2] لیکن روایت میں یہ مذکور نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان باتوں کی اجازت دی تھی۔ اس وقت تک عرب میں ان طریقوں سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی، آگے چل کر نہایت مفصل طور سے ایک مستقل عنوان میں یہ بحث آئے گی کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح تدریج کے ساتھ عرب کے ان طریقوں کی اصلاح کی۔

غزوۂ بنو نضیر ربیع الاول ۴ھ:

حضرت عمرو بن امیہؓ نے قبیلۂ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا خون بہا اب تک واجب الادا تھا اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنی نضیر پر واجب الادا تھا۔ اس کے مطالبہ [3] کے لئے آنحضرت ﷺ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے قبول کیا۔ لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالا خانہ پر چڑھ کر آنحضرت ﷺ پر پتھر گرا دے۔ اتفاق سے اس وقت آپ بالا خانہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑے تھے، عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا، آپ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہو گیا اور آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔ [4]

اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد کو قتل کر دو ورنہ ہم خود آ کر تمہارا بھی استیصال کر دیں گے۔ بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کیا۔ بنو نضیر نے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں، ہم بھی اپنے احبار لے کر آئیں گے۔ آپ کا کلام سن کر اگر ہمارے احبار آپ کی تصدیق کریں گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے، آپ ﷺ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھ دو میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے، آپ یہود بنی قریظہ کے

---

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۳ و صحیح بخاری (قتل کعب بن اشرف) "س"

[2] صحیح بخاری باب قتل کعب (کتاب المغازی) "س"

[3] بنو نضیر سے آنحضرت ﷺ نے دیت کے متعلق جو گفتگو کی اس کی دو تشریحیں کی گئی ہیں۔ ایک تشریح تو وہ ہے جس کو مصنف نے اختیار فرمایا ہے دوسری تشریح یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بنو نضیر سے جو گفتگو فرمائی تھی اس کا ماحصل یہ ہے کہ قبیلہ عامر کو دیت کس طرح ادا کی جائے اور ان کے یہاں دیت کا دستور کیا ہے؟ بنو نضیر اور قبیلہ عامر کے تعلقات باہم کے اچھے تھے اس لئے ان سے اس مسئلہ میں گفتگو قرین قیاس بھی ہے۔ (سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۷) "س"

[4] یہ روایت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے، زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے، یہ عبارت نقل کی ہے، وكانوا قد دسوا الى قريش فى قتاله فحضوهم على القتال ودلوهم على العورة (زرقانی صفحہ ۹۳ جلد ۲) یعنی ان لوگوں نے قریش سے در پردہ سازش کر کے ان کو آمادۂ جنگ کیا اور ان کو مخفی موقع بتائے۔

پاس تشریف لے گئے اوران سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی' انہوں نے تعمیل کی' بنونضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ ان کے برادران دینی نے معاہدہ لکھ دیا ہے' لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ [1] بالآخر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں' ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہیں' یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی لائیں گے۔ آپ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں۔ [2]

بنونضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ نہایت مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا' اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا تھا کہ "تم اطاعت نہ کرنا بنوقریظہ تمہارا ساتھ دیں گے اور میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کروں گا"۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ﴾ (سورۂ حشر۔۲)

تم نے دیکھا! منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے کوئی لڑا تو ہم بھی تمہاری مدد کو آئیں گے۔

لیکن بنونضیر کے تمام خیالات غلط نکلے' بنوقریظہ نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور منافق اعلانیہ اسلام کے مقابلہ میں نہیں آسکتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا' قلعہ کے گرد جوان کے نخلستان تھے ان کے چند درخت کٹوا دیئے' سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ سب نخلستان نہیں کاٹا گیا' بلکہ صرف لینہ جو ایک خاص قسم کی کھجور ہے اور عرب کی عام خوراک نہیں ہے اس کے درخت کٹوا دیئے گئے تھے' قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے۔

﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (سورۂ حشر۔۱)

تم نے لینہ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر قائم رہنے دیئے سب اللہ کے حکم سے تھا' تا کہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے

ممکن ہے کہ درختوں کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو' اس لئے وہ صاف کرا دیئے گئے کہ محاصرہ میں کوئی

---

[1] یہ تمام تفصیل سنن ابی داوٴد میں (خبر النضیر کتاب الخراج والامارہ "س") ہے تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداوٴد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں۔

[2] فتح الباری واقعہ غزوۂ بنونضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۵۔ فتح الباری میں یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے' صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنونضیر نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا' بخاری میں ترجمۃ الباب یہ ہے باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول اللہ الیھم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ ﷺ۔

چیز حائل نہ ہو۔ [۱]

بالآخر بنونضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال واسباب اونٹوں پر لے جاسکیں لے جائیں اور مدینہ سے باہر نکل جائیں، چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے' ان میں سے معزز روٴسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق' کنانہ بن الربیع' حی بن اخطب خیبر چلے گئے' وہاں لوگوں نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کرلیا [۲] اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ غزوهٔ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے۔

بنونضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا' اونٹوں پر سوار تھے' ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا' مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی تھیں' عروہ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا' وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہیں گزری تھی' [۳] ہتھیاروں کا ذخیرہ جوان لوگوں نے چھوڑا' اس میں پچاس زرہیں' پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا اور یہودی ان کو اتحاد و مذہب کی وجہ سے ساتھ لئے جاتے تھے' انصار نے ان کو روک لیا کہ ہم ان کو نہ جانے دیں گے۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ﴾

یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔

ابوداوٴد نے کتاب الجہاد باب "فی الاسیر یکرہ علی الاسلام" کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

❁❁❁

---

[۱] مصنف کے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمد کے نزدیک درخت وغیرہ میدان جنگ میں اسی وقت کاٹے جاتے ہیں جب کہ کاٹے بغیر چارہ کار نہ ہو' محدثین نے امام احمد کا یہ قول اسی واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے۔ نیز اس موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ اسحاق کا قول ہے اگر دشمن درختوں (کی آڑ) میں ہو تو ان میں آگ لگا دینا سنت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان ائمہ کے نزدیک اس موقع پر درخت کا کاٹنا جنگی ضرورت کا اقتضاء تھا عمدہ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۹۱ "س"

[۲] طبری صفحہ ۱۴۵۲

[۳] یہ تفصیل طبری میں ہے۔ صفحہ ۱۴۵۲ "س"

۵ھ

غزوۂ مریسیع' واقعہ افک وغزوۂ احزاب

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لے کر مدینہ تک آگ لگا دی' جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں' سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا' لیکن آنحضرت ﷺ کو خبر ہوگئی' ۱۰ محرم ۵ھ کو آپؐ مدینہ سے چار سو صحابہؓ کو لے کر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے' لیکن آپ کی آمد سن کر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ [1]

ربیع الاول ۵ھ میں یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل میں کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے' آنحضرت ﷺ ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے' ان کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے۔

غزوۂ مریسیع [2] یا بنی مصطلق ، شعبان ۵ھ:

خزاعہ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ قریش کو ایک زمانہ میں یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں' اس لئے ہم کو اوروں سے ہر باب میں ممتاز ہونا چاہئے۔ حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان میں قیام کرنا ہے' چونکہ یہ میدان حرم کی حدود سے باہر ہے سو قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائیں' لیکن ہم کو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں ٹھہرنا چاہئے جو حدودِ حرم کے اندر ہے۔ اسی قسم کی اور امتیازی باتیں قائم کیں' ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب احمس رکھا' لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے' ان کو بھی یہ لقب دے دیتے اور ان سے رشتہ ناتہ کرتے تھے' قبیلہ خزاعہ [3] کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا۔

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا' وہ مقام مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے آباد تھا۔ اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا' اس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں' آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ہوئی تو مزید تحقیقات کے لئے زیدؓ بن خصیب کو بھیجا' انہوں نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا' ۲ شعبان کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں' مریسیع میں خبر پہنچی تو حارث کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا۔ لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے' انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے' مسلمانوں

---

[1] ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع صفحہ ۴۳ (صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا' صلوۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں ادا کی گئی)

[2] ابن اسحاق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے اس غزوہ کو ۶ھ میں ذکر کیا ہے' موسی بن عقبہ کی روایت ہے کہ ۵ھ میں واقع ہوا' امام بخاری نے بھی صحیح میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے' لیکن غلطی سے ۵ھ کے بجائے ابن عقبہ کی طرف ۴ھ کی نسبت کی ہے' علامہ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۷ صفحہ ۳۳۶) میں بیہقی' حاکم' موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کی روایتوں سے ۵ھ کو ترجیح دی ہے' ابن سعد نے بھی ۵ھ ہی لکھا ہے' تفصیل کے لئے دیکھو فتح الباری" س"

[3] یہ واقعات ابن ہشام نے تفصیل سے لکھے ہیں۔

نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے' ۱۰ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے جن کی تعداد تقریباً ۶۰۰ تھی' غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور چار پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

یہ ابن سعد کی روایت ہے' صحیح بخاری [1] اور صحیح مسلم [2] میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو المصطلق پر اس حالت میں حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد [3] نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہو سکتی' لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصولِ حدیث کے رُو سے قابل حجت نہیں کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور جنگ میں شریک ہونا تو ایک طرف' نافع نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا بھی نہ تھا' اس لئے یہ روایت اصطلاحِ محدثین میں منقطع ہے۔ [4]

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ بد باطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے' ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا' انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یا للانصار کا نعرہ مارا (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یا معاشر المھاجرین کے نعرہ سے جواب دیا' نعرے سن کر قریش و انصار نے تلواریں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے' لیکن چند لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ عبداللہ بن اُبی جو رئیس المنافقین تھا' اس کو موقع ہاتھ آیا' انصار سے مخاطب ہو کر کہا ''تم نے یہ بلا خود مول لی' مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں' وقت اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا ہے تم دستگیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے''۔

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے آ کر کہا' حضرت عمرؓ بھی موجود تھے' غصہ سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اڑا دے' آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ ''محمد اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں''۔ [5]

یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن اُبی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا اس کے صاحبزادے کہ ان کا نام بھی عبداللہ تھا' اسی قدر اسلام کے جان نثار تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ عبداللہ بن اُبی کے

---

[1] باب العتق۔

[2] کتاب الجہاد والسیر۔

[3] طبقات ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۴۵ و ۴۶۔

[4] معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے صرف آغاز سند کو ملاحظہ فرما کر اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے ورنہ متن حدیث کے بعد تصریح ہے کہ حدثنی ھذا الحدیث عبداللہ ابن عمرو کان فی ذالك الجیش یعنی نافع نے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سنا جو اس لڑائی میں شریک تھے (مسلم کتاب الجہاد و بخاری کتاب العتاق) اس تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہیں باقی رہتی ہے''س''

[5] دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۷۲۸۔

قتل کا حکم دینے والے ہیں' یہ سن کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں' لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھ ہی کو حکم ہو، میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں' ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آ کر قاتل کو قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے اطمینان دلایا کہ قتل کی بجائے میں اس پر مہربانی کروں گا۔ [1] یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لئے آپ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرما کر جنازہ کی نماز پڑھائی' حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں' لیکن دریائے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا۔

حضرت جویریہؓ کا واقعہ:

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں' جو حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھیں۔ ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیرانِ جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے' حضرت جویریہؓ حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ مکاتبت کرلو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو حضرت ثابت نے منظور کیا' حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا' چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کر دیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی آئیں' حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ حضرت جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں' میں نے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرت ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا' غرض وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئیں' آپ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاؤ تمہارے ساتھ کیا جائے تو قبول کرو گی' انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں' جویریہؓ نے کہا میں نے منظور کیا۔ [2] آپ نے تنہا وہ تمام رقم ادا کر دی' اور ان سے شادی کر لی۔

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو ابن ہشام اور ابوداؤد دونوں میں موجود ہے' لیکن دوسرے طریق روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا' حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی' میری شان اس سے بالاتر ہے' آپ اس کو آزاد کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود حضرت جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے جا کر حضرت جویریہؓ سے کہا کہ محمد نے تیری مرضی پر رکھا' دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا۔ انہوں نے کہا "میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں"۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

---

[1] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہیں اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی مذکور ہیں۔

[2] ابوداؤد، کتاب العتاق۔

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن مندہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ "اس کی سند صحیح ہے" ابن سعد میں بھی یہ روایت مذکور ہے، ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زر فدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔

اس نکاح کا اثر:

حضرت جویریہؓ سے جب آپ ﷺ نے نکاح کیا تو تمام اسیرانِ جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آ گئے تھے دفعتاً رہا کر دیئے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔[1]

واقعۂ افک:

واقعۂ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی لڑائی سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے۔ لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ "بالکل افترا ہے" اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہئے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہے۔ یہ خبر اصل میں منافقین نے مشہور کی تھی، لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے میں آ گئے جن کو تہمت لگانے کی سزا دی گئی، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے۔

آجکل کے عیسائی مؤرخوں نے بھی قدیم منافقوں کی طرح اس واقعہ کو اس جوش مسرت سے لکھا ہے کہ خود بخود ان کے قلم میں روانی آ گئی ہے۔ لیکن ہم ان سے توقع بھی یہی کر سکتے تھے۔ یہ تمام لڑائیاں اس عام جنگ کا پیش خیمہ تھیں جو تمام عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے، اور جس کو جنگ احزاب کہتے ہیں۔

غزوۂ احزاب یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ، ذوقعدہ ۵ ھ:

بنو نضیر[2] مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی۔ ان کے رؤسا میں سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا "اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کیا جا سکتا ہے"۔ قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے، قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلۂ غطفان کے پاس

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب العتاق (باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبہ) "س"

[2] طبری میں ہے فان الذی جر غزوة رسول الله الخندق فیما قیل ما کان من احلاء رسول الله بنی النضیر عن دیارهم (جلد ۳ صفحہ ۱۴۶۳) مغازی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۷ صفحہ ۳۰۱) غزوۂ احزاب کے ذکر میں اس کی یہ عبارت نقل کی ہے، خرج حیی بن اخطب بعد قتل بنی نضیر الی مكة یحرض قریشا علی حرب رسول الله ﷺ و خرج کنانة بن الربیع بن ابی الحقیق یسعی فی بنی غطفان و یحضهم علی قتال رسول الله ﷺ علی ان لهم نصف تمر خیبر فاجابه عیینة بن حصن بن حذیفة بن بدر الفزاری الی ذلك و کتبوا الی حلفائهم من بنی اسد فا قبل الیهم طلیحة بن خویلد فیمن اطاعه۔الخ

گئے اور ان کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے' (اور یہ پہلے سے بھی تیار تھے' قصۂ غزوۂ معونہ میں یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی' اس لئے یہ فوراً تیار ہو گئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے' غطفان نے ان کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجیں لے کر آؤ' قبیلہ بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی' اس تعلق سے انہوں نے بھی ساتھ دیا' بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا' اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا' غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا' فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی تعداد (دس ہزار) تھی۔ ۱؎

یہ لشکر تین مستقل فوجوں ۲؎ میں تقسیم کیا گیا' غطفان کی فوجیں ۳؎ عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلیحہ کی افسری میں تھے اور ابوسفیان بن حرب سپہ سالار کل تھا۔ ۴؎

آنحضرت ﷺ نے یہ خبریں سنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا' حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں۔ ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود لی جائے۔ خندق دراصل فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے۔ جس کے معنی کھودے گئے کے ہیں' کاف خ سے اور ہائے ہوز قاف سے بدل گئی ہے۔ جس طرح پیادہ سے بیدق ہو گیا ہے۔

تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے۔

مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا' صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا' آنحضرت ﷺ نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں' یہ ذوقعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی۔

آنحضرت ﷺ نے حدود خود قائم کئے' داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی' خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا' بیس دن میں ۳ ہزار متبرک ہاتھوں سے انجام پائی۔

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرورِ دو جہان ﷺ مزدوروں کی صورت میں تھے' آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے' جاڑے کی راتیں ہیں' تین تین دن کا فاقہ ہے' مہاجرین اور انصارؓ اپنی پیٹھوں پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہیں اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر کہتے ہیں۔

نحن الذی بایعوا محمّداً علی الجهاد ما بقینا ابداً

۱؎ صحیح بخاری غزوۃ الرجیع س۔

۲؎ (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول، وفتح الباری ج ۷ صفحہ ۳۴۷)"س"

۳؎ افسروں کی یہ تفصیل پورے لشکر کی نہیں ہے بلکہ مصنف نے صرف مشہور قبائل کے فوجی افسروں کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مؤرخین نے دوسرے قبائل کے فوجی افسروں کے نام بھی بتائے ہیں چنانچہ بنو سلیم سفیان بن عبد شمس کی افسری میں تھے' قبیلہ اشجع کا سردار مسعود بن رخیلہ تھا، بنو مرہ پہ حارث بن عوف کے ماتحت تھے' حارث اور طلیحہ بعد کو مسلمان ہو گئے تھے' زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۲۱' طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول صفحہ ۴۷"س"

۴؎ ایضاً

سرورِ دو عالم بھی مٹی پھینک رہے ہیں، شکم مبارک پر گرد اٹ گئی ہے، اسی حالت میں زبان پر ہے۔

واللّٰہ لولا اللّٰہ ما اھتدینا ولا تصدّقنا ولا صلّینا

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاُلٰی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃً ابینا

اَبَیْنَا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی، اور مکرر کہتے [1] اس کے ساتھ انصار کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے اور یہ موزوں الفاظ زبان پر آتے تھے۔

اللّٰھم انہ لاخیرا لّا خیرا لاٰخرۃ فبارك فی الانصار والمھاجرۃ

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آ گئی، کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی۔ [2]

سَلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی، مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں، چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے حضرت سلمہؓ بن اسلم ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنو نضیر نے ان کے ملا لینے کی کوشش کی۔ حیَی بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، اس نے ملنے سے انکار کیا، حیَی نے کہا "میں فوجوں کا دریائے بیکراں لایا ہوں، قریش اور تمام عرب امنڈ آیا ہے اور ایک محمد کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے جانے دینے کے قابل نہیں، اب اسلام کا خاتمہ ہے" کعب اب بھی راضی نہ تھا، اس نے کہا میں نے محمد کو ہمیشہ صادق الوعد پایا، ان سے عہد شکنی کرنا خلافِ مروت ہے لیکن حیَی کا جادو رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمامِ حجت کے لئے حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو بھیجا اور فرمادیا کہ اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے تو وہاں سے آ کر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیلنے پائے، دونوں صاحبوں نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا تو انہوں نے کہا "ہم نہیں جانتے محمد کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے"؟

غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا۔ قریش، یہود اور قبائل عرب کی ۲۴ ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالیٰ نے کھینچی ہے:

﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ

[1] صحیح بخاری غزوۂ احزاب۔

[2] صحیح بخاری غزوۂ احزاب۔

الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴾ (سورۂ احزاب)

جبکہ دشمن اوپر کی طرف اورنشیب کی طرف سے آ پڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ میں آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آیا اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے

فوج اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی' جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے' لیکن موسم کی سختی' رسد کی قلت' متواتر فاقے' راتوں کی بے خوابی' بیشمار فوجوں کا ہجوم' ایسے واقعات تھے جنہوں نے ان کا پردہ فاش کر دیا' آ آ کر آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں' ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے:

﴿ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴾ (احزاب ـ ۲)

کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں بلکہ ان کو بھاگنا مقصود ہے۔

لیکن جان نثارانِ اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا:

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴾ (احزاب ـ ۳)

جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ نے اور اس کے رسول نے کیا تھا اور اللہ اور اس کا رسول دونوں سچے تھے اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ پر تین تین فاقے گزر گئے' ایک دن صحابہؓ نے بے تاب ہو کر آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر[1] تھے۔ محاصرہ اس قدر شدید اور پُرخطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے' تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے' لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی' آنحضرت ﷺ نے اسی موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب دیا۔[2]

محاصرین نے ادھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا ادھر دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے اہل و عیال یہیں قلعوں میں پناہ گزین تھے۔

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتیں اور ایک حصہ خود آپؐ کے اہتمام میں تھا۔

---

[1] شمائل ترمذی' عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک میں پیٹ باندھتے جس سے کمر نہیں جھکنے پاتی تھی

[2] صحیح بخاری ذکر غزوۂ احزاب (صحیح مسلم کتاب الفضائل لیکن ابن ہشام میں اس موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان کا نام ہے' اس لئے محدثین میں ان دونوں ناموں کے واقعوں کی تطبیق میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر اور زرقانی نے بہ دلائل یہ ثابت کیا ہے کہ محاصرین میں سے قریش کی تحقیق حال کے لئے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کے لئے حضرت زبیرؓ گئے تھے۔ یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتوں میں کی ہے' فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۱۲' زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)''س''

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو انصار ہمت ہار جائیں اس لئے آپؐ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دے دیا جائے۔ سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا' دونوں نے عرض کی کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ استقلال دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوا' حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ میں لے کر تمام عبارت [1] مٹا دی۔ اور کہا ''ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں''۔

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان' خالد بن ولید' عمرو بن العاص' ضرار بن الخطاب اور جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر رہا۔ ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا۔ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے' لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا اس لئے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے۔ چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔ تمام فوجیں یکجا ہوئیں' قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی' یہ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرار' جبیرہ' نوفل اور عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اس پار تھے' ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اس کی عمر ۹۰ برس کی تھی' تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا ''میں''، لیکن آنحضرت ﷺ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے' حضرت علیؓ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا' عمرو نے دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے' غرض آپ نے اجازت دی' خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی' سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا' حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے؟ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:

حضرت علیؓ	میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔
عمرو	یہ نہیں ہو سکتا۔
حضرت علیؓ	لڑائی سے واپس چلا جا۔
عمرو	میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔
حضرت علیؓ	مجھ سے معرکہ آراء ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔ حضرت علیؓ

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۷۴

پیادہ تھے۔عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپؓ نے نام بتایا' اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔آپؓ نے فرمایا ''ہاں! لیکن میں چاہتا ہوں''۔عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا' پر تلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا' حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی' گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپؓ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے' جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے' ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا' ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی' ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔حضرت عمر فاروقؓ نے ضرار کا تعاقب کیا' ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا ''عمرؓ! اس احسان کو یاد رکھنا''۔

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا' صحابہؓ نے تیر مارنے شروع کئے۔اس نے کہا ''مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں''۔حضرت علیؓ نے اس کی درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر مارا کہ شریفوں کے شایان تھا۔[1]

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔تمام دن لڑائی رہی۔کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی۔یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متصل [2] چار نمازیں قضا ہوئیں' متصل تیراندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔

مستورات جس قلعہ میں تھیں بنوقریظہ کی آبادی سے متصل تھا۔یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا' ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا' حضرت صفیہؓ (آنحضرت ﷺ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا۔مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے' حضرت صفیہؓ نے ان سے کہا کہ اُتر کر اس کو قتل کر دو' ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا۔حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حضرت حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔حضرت حسانؓ نے کہا جانے بھی دیجئے' مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں' حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینا پڑی۔یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے۔اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرات نہ کی۔[1]

محاصرہ جس قدر طویل ہوتا جاتا تھا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے۔دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا

---

[1] یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابوں میں ہیں لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے ابن سعد اور خمیس سے ماخوذ ہے۔

[2] اس امر میں محدثین میں سخت اختلاف ہے کہ چار نمازیں قضا ہوئیں یا ایک، اور چار قضا ہوئیں تو ایک ہی دن یا کئی دن' یا کئی دن کی ملاکر' زرقانی میں یہ بحث مفصل ہے۔

آسان کام نہ تھا' پھر کہ باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آ گیا' خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں' کھانے کے دیگچے چولہوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ اس واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادِ صرصر کو عسکر الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْجَآءَ تْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا۔﴾ (احزاب۔۲)

مسلمانو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

نعیمؓ بن مسعود اشجعی ایک غطفانی رئیس تھے' قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے' وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا' انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کیں جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیمؓ نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے ایسی باتیں کہیں جن سے دونوں ایک دوسرے سے بدگمان ہو جائیں اور اس بنا پر کہیں کہ خود آنحضرت ﷺ نے الحرب خدعة کی تعلیم کی تھی لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند نہیں نقل کی اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہیں کہ ایسا واقعہ محض ان کی سند سے قبول کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونوں فریقوں کا اتحاد بغیر اس کے توڑ دیا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے' ابن اسحاق کی روایت میں بھی اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے، تمہارا اور مسلمانوں کا ہم وطنی کا ساتھ ہے' اس لئے تم کیوں بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کے لئے لڑائی مول لیتے ہو اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہاں بھجوا دیں کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر جانا چاہیں تو تم ان لوگوں کو روک لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنو قریظہ اوّل اوّل نقض عہد پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمد سے معاہدہ کیوں توڑیں' لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ ''قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں گا''۔ قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے اس لئے جب انہوں نے انکار کیا ہوگا تو دونوں میں خود پھوٹ پڑ گئی ہو گی اس کے لئے ایک صحابی کو دروغ بیانی کی کیا ضرورت تھی۔ [۲]

بہر حال موسم کی سختی' محاصرہ کا امتداد' آندھی کا زور' رسد کی قلت اور یہود کی علیحدگی' یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے' ابوسفیان نے فوج سے کہا رسد ختم ہو چکی' موسم کا یہ حال ہے' یہود نے ساتھ چھوڑ دیا' اب محاصرہ بے کار ہے' یہ کہہ کر طبل رحیل بجنے کا حکم دیا' غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے' بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۰۔۲۲ دن تک غبار آلودہ رہ کر صاف ہو گیا۔

---

۱ زرقانی بحوالہ طبرانی و بزار ابویعلیٰ بہ سند (حسن) دیکھو صفحہ ۱۲۹ جلد ۲ و ابن ہشام۔

۲ مصنف کے اس قیاس کی تائید مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے ہوتی ہے جس کو مختصراً مصنف ابن ابی شیبہ میں اور تفصیل کے ساتھ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَّكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ﴾ (احزاب)

اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔

اس معرکہ میں فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا' لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعد بن معاذؓ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جان بر نہ ہو سکے' ان کے زخم کھانے کا واقعہ موثر اور عبرت انگیز ہے۔

حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں' سعد بن معاذؓ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی' عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی' مڑ کر دیکھا تو حضرت سعدؓ ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے۔

لَبِث قليلا تدرك الهيجا حمل [1]   لا باس بالموت اذا الموت نزل

ذرا ٹھہر جاتا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے   وقت جب آ گیا تو موت سے کیا ڈر ہے

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو پکاریں بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی' حضرت سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی ماں سے کہا کاش سعدؓ کی زرہ لمبی ہوتی' اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی' خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور ان کی تیمارداری شروع [2] کی۔ اس لڑائی میں رفیدہ ایک خاتون شریک تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ یہ خیمہ انہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھیں' آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک میں مشقص [3] لے کر داغا' لیکن پھر ورم کر آیا، دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا۔ کئی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

اس روایت کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ کے سپرد کریں گے لیکن انہوں نے اپنی یہ شرط پوری نہیں کی اور اس لئے ان کے دل میں قریش کی طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی اور انہوں نے خفیہ رسول اللہ ﷺ کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلاوطن کر دیئے گئے تھے پھر مدینہ آنے کی اجازت دے دی جائے۔ نعیم بن مسعود ثقفی جو اسی موقع پر مسلمان ہوئے تھے ایک ایسے آدمی تھے جو پیٹ کے ہلکے تھے۔ حضور انور ﷺ نے ان سے دانستہ راز کے طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام کا ذکر فرما دیا' انہوں نے جا کر یہ قریش تک پہنچایا۔ اس سے قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ ٹوٹ گیا' دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی، باب غزوہ خندق والبدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۴۔

[1] ابن ہشام وطبری وخمیس

[2] یہ خمیس کا بیان ہے' حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) میں امام بخاری کی ادب المفرد سے نقل کیا ہے کہ رفیدہ ایک خاتون تھیں جو زخمیوں کا علاج کرتی تھیں' حضرت سعدؓ انہیں کے پاس علاج کے لئے رکھے گئے تھے' ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس تھا' اسی میں وہ بیماروں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں' صحیح بخاری میں بھی رفیدہ کے خیمہ اور ان کے جراح خانہ کا ذکر ہے۔

[3] مسلم باب الدوائی

دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ:

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آغازِ قیام میں یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور ان کو جان و مال و مذہب ہر چیز میں امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کو تحریض و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے' آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی تو بنو نضیر نے انکار کیا اور وہ جلاوطن کر دیئے گئے' لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا [۱] چنانچہ ان کو امن دے دیا گیا۔ صحیح مسلم میں ان واقعات کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿عن ابن عمران یهود بنی النضیر و قریظة حاربوا رسول الله ﷺ فاجلی رسول الله ﷺ بنی النضیر و اقرّ قریظة و منّ علیهم﴾ (صحیح مسلم ذکر اجلاء الیهود من الحجاز)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت ﷺ سے لڑائی کی تو آپ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان کیا۔

بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے تو ان کے رئیس الاعظم حیؔ بن اخطب، ابورافع سلام ابن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں ریاست عام حاصل کر لی۔ جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ قبائل عرب میں دورہ کر کے تمام ملک میں آگ لگا دی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے' اس وقت تک قریظہ معاہدہ پر قائم تھے' لیکن حیؔ بن اخطب نے ان کو بہکا کر توڑ لیا اور ان سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دست بردار ہو کر چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر یہیں آ رہوں گا' چنانچہ اس نے یہ عہد وفا کیا۔

قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت [۲] کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیؔ بن اخطب کو ساتھ لائے۔ [۳]

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں۔ قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن دیا جاتا لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے' فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے علانیہ آنحضرت ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں۔ [۴] غرض ان کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینے محاصرہ

---

[۱] واقدی نے حیؔ بن اخطب کی زبانی بنو قریظہ کے اس معاہدہ سے ٹھہر جانے کے واقعہ کو ان کی سازشی چال ظاہر کیا ہے۔ حیؔ بن اخطب نے کہا کہ وہ اس لئے ٹھہر گئے ہیں تاکہ موقع پا کر کفار سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر سکیں مغازی واقدی ص ۳۶۲ کلکتہ "س"

[۲] سر ولیم میور صاحب اربابِ سیر کی یہ روایت تسلیم نہیں کرتے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں کوئی عملی حصہ لیا تھا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید میں جہاں احزاب کا ذکر ہے وہاں اس کا ذکر ضرور ہوتا' لیکن قرآن میں صاف یہ الفاظ ہیں و انـزل الـذیـن ظاهروهم من اهل الکتاب۔ مظاہرۃ سے بڑھ کر اور کونسا لفظ درکار ہے۔

[۳] طبری (ج ۳ ص ۱۴۸۷ س) و ابن ہشام ص ۱۴۶ ج دوم۔

[۴] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۸۵ میں ہے حتی اذادنامن الحصون سمع منها مقالة قبیحة لرسول الله صلی الله علیه وسلم منهم

رہا' بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔

حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا' عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا' آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور کی۔

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا' آنحضرت ﷺ تورات کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلہ نماز' رجم' قصاص' بالمثل وغیرہ وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی آنحضرت ﷺ نے تورات ہی کی پابندی فرمائی۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں' عورتیں اور بچے قید ہوں' مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے[1] تورات کے مطابق تھا' تورات کتاب تثنیہ' اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے:

''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے' اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے' لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا اللہ تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے، باقی بچے' عورتیں' جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں' سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی''۔

احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعدؓ نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا، یہ اسی تورات کے حکم کی طرف اشارہ تھا۔ یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے ان کی زبان سے نکلے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے۔

حیّ بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا' مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت ﷺ کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے۔

﴿ اماو اللّٰہ مَالُمْتُ نَفْسِی فی عداوتك و لكنه من يخذل اللّٰه يخذله ﴾

ہاں اللہ کی قسم مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو چھوڑ دیتا ہے' اللہ بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

﴿ ايها الناس انه لا باس بامر اللّٰه كتاب و قدر و ملحمة كتبها اللّٰه على بنى اسرائيل ﴾[2]

لوگو! اللہ کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں' یہ ایک حکم الٰہی تھا' یہ لکھا ہوا تھا' ایک سزا تھی' جو اللہ نے بنو اسرائیل پر لکھی تھی۔

حیّ بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷ (باب جواز قتال من نقض العهد و جواز انزال اهل الحصون على حكم حاكم عدل اهل للحكم ''س'') اور نیز بخاری (باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ''س'') میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے۔ مسٹر مارگولیوس صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ سعدؓ بن معاذ کو اس جنگ میں ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا جس سے وہ بالآخر ہلاک ہو گئے اس لیے انہوں نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بے رحمانہ فیصلہ کیا لیکن وہ تیر انداز ابن العرقہ قریشی تھا قریظی نہ تھا۔ صحیح بخاری مسلم میں صاف تصریح ہے۔

[2] یہ دونوں عبارتیں ابن ہشام میں (غزوہ بنی قریظہ) ہیں' طبری میں بھی قریباً یہی الفاظ ہیں۔

اس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دے گا۔[1] اس معاہدہ پر اس نے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب میں اس نے اس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی اس کا حال ابھی گزر چکا۔

بنوقریظہ کے متعلق مخالفین اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بے رحمی کا اعتراض کیا ہے لیکن واقعات حسب ذیل ہیں:

۱: آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آکر ان کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس میں ان کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

۲: بنوقریظہ رتبہ میں بنونضیر سے کم تھے یعنی بنونضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو اس کو صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا بخلاف اس کے بنوقریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بنوقریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنونضیر کے برابر کر دیا۔[2]

۳: آنحضرت ﷺ نے بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت بنوقریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

۴: باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ احزاب میں شریک ہوئے۔

۵: ازواجِ مطہراتؓ قلعہ میں حفاظت کے لئے بھیج دی گئی تھیں' ان پر حملہ کرنا چاہا۔

۶: حیٔ بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگ احزاب قائم کر دی تھی' اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا۔

ان حالات کے ساتھ بنوقریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عرب میں مخالفت کا معاہدہ اخوت حقیقی کے برابر تھا۔ بنوقریظہ انصار کے حلیف تھے اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے ان کی نہایت الحاح کے ساتھ سفارش کی' حضرت سعد بن معاذؓ اوس کے سردار تھے اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے' وہ سخت کشمکش میں تھے۔ ان کے حلیفوں کی موت و حیات کا مسئلہ تھا جن کی حمایت پر کل انصار (اوس) مصر تھے۔ لیکن حضرت سعد بن معاذؓ اس فیصلہ کے سوا اور کیا کر سکتے تھے؟

مقتولین کی تعداد دیگر ارباب سیر نے ۶۰۰ سے زائد بیان کی ہے لیکن صحاح میں ۴۰۰ ہے' ان میں صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان[3] (خلاد) کو قتل کر دیا تھا' اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی سنن ابی داؤد میں حسب ذیل[4] حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے۔

اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اس کا نام بھی ہے' قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اس کے کانوں میں آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت

[1] بلاذری مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۲ (یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب بنی قریظہ میں بھی مذکور ہے) ''س''

[2] ابوداود جلد ۲ کتاب الدیات باب النفس بالنفس ''س''

[3] ابن ہشام غزوہ بنی قریظہ۔

[4] ابوداؤد کتاب الجہاد' باب قتل النساء۔ ''س''

عائشہؓ سے باتیں کرتی جاتی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی، دفعۃً قاتل نے اس کا نام پکارا، وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا، اس کی سزا اٹھانے جاتی ہوں، خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔

حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو نہایت حیرت کے لہجہ میں بیان کرتی تھیں۔

ریحانہ کا غلط واقعہ:

متعدد اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قریظہ کے قیدیوں میں سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا اس کی نسبت حکم دیا کہ الگ کر لی جائے اور پھر چند روز کے بعد اس کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ چنانچہ جن مؤرخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ لونڈیوں سے بھی متمتع ہوتے تھے انہوں نے دو مثالیں پیش کی ہیں، ایک یہی ریحانہ اور دوسری ماریہ قبطیہ۔ عیسائی مؤرخوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دے کر نہایت ناگوار صورت میں دکھایا ہے۔ ایک مؤرخ نہایت طعن آمیز الفاظ میں لکھتا ہے کہ ''بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آ کر تفریح خاطر کے لئے......

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔

ریحانہ کے حرم میں داخل ہونے کی جس قدر روایتیں ہیں سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا تھا، ابن سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہے اس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

﴿ فاعتقنی و تزوج بی ﴾

پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ کو آزاد کر دیا اور مجھ سے نکاح کر لیا

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں

﴿ و کانت ریحانة القرظیة زوج النبی ﷺ تسکنه ﴾

اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت ﷺ کی زوجہ (محترم) تھیں اس مکان میں رہتی تھیں۔

حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:[1]

﴿ وَاشتَریٰ ریحانة من بنی قریظة ثم اعتقها فلحقت باهلها و احتجبت وهی عند اهلها۔ ﴾

ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں اور وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں۔

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

﴿ و هذه فائدة جلیلة اغفلها ابن الاثیر ﴾

اور یہ بڑی مفید تحقیق ہے جس سے ابن اثیر نے غفلت کی۔

---

[1] دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہؓ جلد ۴ صفحہ نمبر ۳۰۹۔ ''س''

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے خاندان میں جا کر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہو کر رہیں۔

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرمِ نبوی میں آئیں تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں تھیں کنیز نہ تھیں۔ [1]

حضرت زینبؓ سے نکاح، ۵ھ:

اس سال آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ نکاح ایک معمولی بات ہے اور اس کی تفصیل کا موقع ازواجِ مطہراتؓ کا عنوان ہے لیکن اس واقعہ میں ایسے حالات جمع ہو گئے جنہوں نے مخالفین کے نزدیک اس کو ایک مہتم بالشان مسئلہ بنا دیا۔ عیسائی مؤرخوں نے اس واقعہ کو نہایت آب و رنگ سے لکھا ہے اور آنحضرت ﷺ کی تنقیص و نکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کے لئے ان کے نزدیک اور کوئی واقعہ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنوں کو ہاتھ آتا ہے اس کا اصلی مخرج کیا ہے؟

آنحضرت ﷺ نے زیدؓ کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے متبنیٰ بنا لیا تھا' جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ نے ان کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں (ان کی ماں اُمیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) وہ غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی۔

﴿ و کان رسول اللہ ﷺ اراد ان یزوّجھا زید بن حارثہ مولاہ فکرھت ذلک ﴾ [2]

آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح اپنے غلام زید سے کر دینا چاہا تو انہوں نے ناپسند کیا۔

لیکن بالآخر آنحضرت ﷺ کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہو گئیں۔ قریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں لیکن دونوں میں ہمیشہ شکر رنجی (معمولی رنجش) رہتی تھی یہاں تک کہ زید نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر شکایت کی اور ان کو طلاق دینا چاہا۔

---

[1] حضرت ریحانہؓ کے متعلق کتب سیر میں تین قسم کی روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر پردہ نشین ہو کر رہیں۔ یہ روایت ابن مندہ کی ہے مگر اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت نہیں۔ دوسری قسم کی روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے مثل دیگر امہات المومنینؓ کے رکھنا چاہا مگر انہوں نے اس کی غیر معمولی ذمہ داری محسوس کر کے باندی بن کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں رہنا قبول کیا، یہ روایت ابن اسحاق کی ہے۔ تیسری قسم کی روایت یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے ان کو مختار بنا دیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ یہ روایت واقدی کی ہے۔ ابن سعد نے واقدی سے مختلف سلسلوں سے اسی روایت کو ذکر کیا ہے اور واقدی نے اسی کو اثبت کہا ہے۔ دیکھئے کتاب البدایہ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۰۵ اور امام زہری نے بھی زوجیت ہی کی تائید کی ہے، بحوالہ سابق تفصیل کے لئے دیکھئے اصابہ ذکر ریحانہ)۔ ''س''

[2] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب' بحوالہ ابن ابی حاتم۔

[3] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب' بحوالہ روایت عبدالرزاق از معمر از قتادہ۔

﴿جاء زید بن حارثہ فقال یارسول اللہ ان زینب اشتد علی لسانھا، و انا ارید ان اطلقھا﴾ [۳]

زیدؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت ﷺ بار باران کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ﴾ (احزاب)

اور جبکہ تم اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لئے رہو اور اللہ سے خوف کرو۔

لیکن کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی۔ حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپؐ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کرلیا تھا جو اُن کے نزدیک ان کے خلافِ شان تھا، لیکن آنحضرت ﷺ جو مساوات اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے اس میں آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بہرحال جب وہ مطلقہ ہوگئیں تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپؐ تامل فرماتے تھے، چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَ تَخۡشَی النَّاسَ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰہُ﴾ (احزاب)

اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو اللہ ظاہر کردینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا اللہ سے چاہئے۔

غرض آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی۔ اس پر منافقوں اور بدگویوں نے بہت طعنے دیئے، لیکن امر حق کے اجراء میں مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہے۔

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی، مخالفوں نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے گو سرتاپا کذب وافترا ہے لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے رنگ آرائی کے لئے سیاہی ہمارے ہی ہاں سے مستعار لی ہے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ زیدؓ سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، زیدؓ نہ تھے، زینبؓ کپڑے پہن رہی تھیں، اسی حالت میں آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے:

﴿سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ مصرف القلوب﴾ [۱]

پاک ہے اللہ برتر، پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

حضرت زید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ زینبؓ اگر آپ کو پسند آ گئی ہوں تو میں ان کو طلاق دے دوں۔

میں نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کر کے نقل کی ہے "نقل کفر کفر نہ باشد" یہی روایت ہے جو عیسائی

---

[۱] تاریخ طبری آغاز واقعات ۵ھ۔

مؤرخوں کا مایہ استناد ہے۔ لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اصولِ فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے۔ مورخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے۔

طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن محدثین نے ان کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان سے تعرض کیا جائے' حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہیں' تاہم فتح الباری (سورۂ احزاب کی تفسیر) میں جہاں اس واقعہ سے بحث کی ہے لکھتے ہیں:

﴿ووردت اثار أخرىٰ اخرجها ابن ابی حاتم والطبری و نقلها کثیراً من المفسرین لا ینبغی التشاغل بها۔﴾

اور بہت سی روایتیں آئی ہیں جن کو ابن ابی حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے اور اکثر مفسرین نے ان کو نقل کر دیا ہے' ان روایتوں میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین میں ہیں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿ذکر ابن ابی حاتم و ابن جریرههنا اثارا عن بعض السلف رضی اللّٰه عنهم احببنا ان نضرب عنها صفحالعدم صحتها فلا نوردها و قدروی الامام احمدههنا ایضامن روایة حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی اللّٰه عنه فیه غرابة ترکنا سیاقه ایضا۔﴾

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر بعض اسلاف سے چند روایتیں نقل کی ہیں جن کو ہم اس لئے نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ غلط ہیں اور امام احمد نے بھی اس واقعہ کے متعلق انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جو غریب ہے' ہم نے اس کا ذکر بھی چھوڑ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت منافقوں کا بہت زور تھا۔ حضرت عائشہؓ پر لوگوں نے جو تہمت لگائی وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہے' منافقین ان خبروں کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھیں' یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کی تہمت میں خود چند مسلمان بھی آلودہ ہو گئے جن کو شریعت کے موافق قذف کی سزا دی گئی۔ یہی روایتیں ہیں جو بچی کھچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئیں۔ لیکن وہ محدثین جن کا معیارِ تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمانِ مجاز ہیں' مثلاً امام بخاری' امام مسلم وغیرہ' ان کے ہاں ان روایتوں کا ذکر تک نہیں آتا۔

واقعاتِ متفرقہ ۵ھ:

(اس سال کی تاریخ مذہبی میں سب سے اہم واقعات عورتوں کے متعلق متعدد احکام اصلاحی کا نزول ہے' اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھیں' اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھیں' اب حکم ہوا کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کریں جس سے منہ بھی چھپ جائے' آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں' پاؤں جھنک جھنک کر نہ چلیں' پردہ کی اوٹ سے بولیں' تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولیں' ازواج مطہراتؓ کے لئے غیر مردوں کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا۔

منہ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت میں بیاہ ناجائز تھا' اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی' زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی' عفیف عورتوں پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا اور ان کمزوروں کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لئے کوئی قانونی سپر نہ تھی' اس سال ''حد قذف'' نازل ہوئی جس کی رو سے بغیر شہادت کے تنہا اتہام جرم قرار دیا گیا' بصورت عدم وجود شہادت لعان کا طریقہ بتایا گیا' یعنی زن و شوہر دونوں اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغ گوئی کا بحلف اظہار کریں اور اس کے بعد ان میں تفرقہ کر دیا جائے۔ [1]

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہیں' اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا۔

پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمّم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے' بروایت صحیحہ نماز خوف کا حکم قرآن مجید میں اسی سال نازل ہوا' جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی۔

[1] بخاری جلد ۲ ص ۷۰۷ و سیرت گازرونی قلمی' ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۲۔ نیز فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ دیکھنا چاہئے' یہ تمام احکام سورۂ نور میں بتقریب واقعہ افک ۵ھ میں نازل ہوئے۔

۶ھ

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان

ذوقعدہ ۶ھ

مکہ معظمہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں، گاؤں بھی اسی کنوئیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ چونکہ معاہدۂ صلح یہیں لکھا گیا اس لئے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ ہے اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی' تاہم اللہ نے قرآن مجید میں اس کو فتح کا لقب دیا ہے۔

کعبہ اسلام کا اصلی مرکز تھا' اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے قائم کی تھی اور یہ لقب اسلام بھی انہی کی ایجاد ہے

﴿ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (الحج-۱۰)

ابراہیمؑ ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا

رسول اللہ ﷺ کو جو شریعت ملی تھی وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی:

﴿ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ ﴾ (الحج-۱۰)

تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب

زمانہ کے امتداد سے گو انہی کی اولاد بت پرست بن گئی تھی تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا عرب کا قبلہ گاہ عام تھا۔ تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثہ آبائی سمجھتا تھا۔ نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے تھے' بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سلسلۂ نسب اس خاندان سے الگ تھا عرب کے قبائل سال بھر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور یہی غارت گریاں ان کی بقائے زندگی کا ذریعہ تھیں کیونکہ ان کی معاش بھی اسی پر منحصر تھی' تاہم چار مہینے تک جو اشہر حرم کہلاتے تھے تمام لڑائیں بند ہو جاتیں اور قبائل عرب دور دور سے سفر کر کے آتے اور اس قبلہ گاہ عام میں عبادت اور عقیدت کے رسوم بجالاتے تھے۔ وہ قبائل جن میں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے' یکجا جمع نظر آتے تھے اور شیر و شکر ہو کر ملتے تھے' گویا بھائی بھائی ہیں' مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے' لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہیں گیا اور نہ جا سکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے جس قدر اور قبائل کا ہے' اس کے ساتھ مکہ سے مسلمانوں کو گوناگوں تعلقات تھے' اور وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا' مکہ کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت ان کے کلیجے میں کھٹکتی رہتی تھی' حضرت بلالؓ مکہ میں اس قدر ستائے گئے تھے تاہم ان کو جب مکہ یاد آتا تو روتے تھے اور پکار کر یہ اشعار پڑھتے تھے۔[1]

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ	آہ! کیا پھر کبھی وہ دن آ سکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی میں
بوادو حولی اذخر و جلیل	ایک رات بسر کروں اور میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں'

[1] یہ اشعار صحیح بخاری میں میں مذکور ہیں' باب مقدم النبی ﷺ و اصحابہ المدینہ ''س''

و هل اردن یو ما میاه مجنة — اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر اتروں

و هل یبدون لی شامة و طفیل — اور شامہ و طفیل مجھ کو دکھائی دیں

اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے، لیکن خاندان اور بال بچے وہیں رہ گئے تھے۔

اسلام کے فرائض چہارگانہ میں حج کعبہ ایک رکن اعظم ہے، غرض مختلف اسباب سے آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو عمرہ [1] کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے، یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے۔ صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے اس میں بھی یہ شرط ہے کہ نیام میں بند ہو۔

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے ۱۴۰۰ شخص اس سفر میں ہمرکاب ہوئے، مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا ہوگئیں یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے۔

احتیاط کے لئے قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے۔ جب قافلہ عسفان کے قریب پہنچا اس نے آ کر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہہ دیا ہے کہ محمد ﷺ مکہ میں کبھی نہیں آ سکتے۔

غرض قریش نے بڑے زور و شور سے مقابلہ کی تیاری کی۔ قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا اور جمعیت عظیم لے کر آئے۔ مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجیں فراہم ہوئیں، خالد بن ولید جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے دو سو سوار لے کر جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غمیم تک پہنچ گئے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آ گئے ہیں، اس لئے کترا کر داہنی طرف سے چلو۔ فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی تو خالد کو گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آ گیا، آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور حدیبیہ میں پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں پانی کی قلت تھی، ایک کنواں تھا وہ پہلے ہی آمد میں خالی ہو گیا لیکن اعجازِ نبوی سے اس میں اس قدر پانی آ گیا کہ سب سیراب ہو گئے۔

قبیلۂ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے، قریش اور عام کفار اسلام کے خلاف جو منصوبے بناتے وہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا کرتے تھے اس قبیلہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقا تھے (فتح مکہ میں اسلام لائے) ان کو آنحضرت ﷺ کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے، وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے، آنحضرت ﷺ نے

---

[1] و ساق معه الهدی و احرم بالعمرة لیامن الناس من حربه (ابن ہشام)

[2] عمرہ گویا ایک چھوٹا سا حج ہے جس میں حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ (یعنی اس میں حرم کے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور بال منڈوائے یا کتروائے جاتے ہیں۔) س

فرمایا کہ قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم عمرہ [۲] کی غرض سے آئے ہیں لڑنا مقصود نہیں' جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے ان کو سخت نقصان پہنچا ہے، ان کے لئے بہتر ہو گا کہ ایک مدت معین کے لئے صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں' اس پر بھی اگر وہ راضی نہیں تو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور اللہ کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔ بدیل نے جا کر قریش سے کہا کہ ''میں محمد کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں اجازت دو تو کہوں''۔ چند شریر بول اٹھے کہ ہم کو محمد کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی' بدیل نے آنحضرت ﷺ کی شرطیں پیش کیں' عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا ''کیوں قریش! کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں''۔ بولے ہاں عروہ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں' سب نے کہا ''نہیں'' عروہ نے کہا ''اچھا تو مجھ کو اجازت دو میں خود جا کر معاملہ طے کروں' محمد نے معقول شرطیں پیش کی ہیں'' غرض آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے' قریش کا پیغام سنایا اور کہا' محمد فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو' اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی' حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دیکر کہا کہ کیا ہم محمد ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ابوبکر' عروہ نے کہا میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا' لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلا ابھی تک میں انہیں ادا نہیں کر سکا۔

عروہ آنحضرت ﷺ سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے' عروہ سے کہا ''اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا عروہ نے مغیرہ کو پہچانا اور کہا ''او دغا باز! کیا میں تیری دغا بازی کے معاملہ میں تیرا کام نہیں کر رہا ہوں''۔ (حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیئے تھے جن کا خون بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا)

عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجیب اثر کیا' قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں' یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔ محمد بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے' کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا' وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے' بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں۔ [۱]

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا آنحضرت ﷺ نے حضرت خراشؓ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن قریش نے ان کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ ﷺ کی سواری کا تھا مار ڈالا اور خود ان پر بھی یہی گزرنے والی تھی لیکن قبائل متحدہ کے لوگوں نے بچا لیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمت عالم کا دامن عفو اس سے زیادہ وسیع تھا' آپ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دیدی' قرآن مجید کی اس آیت میں اسی

---

[۱] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالح مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط ''س''

واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔[1]

﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ ۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ﴾ (فتح ۳)

وہ وہی اللہ ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کا ہاتھ تم سے اور تمھارا ہاتھ ان سے روک دیا' بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا

بیعت رضوان:

بالآخر آپ ﷺ نے گفتگوئے صلح کے لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا لیکن انہوں نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں کہ مجھ کو بچا سکے' آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت میں مکہ گئے اور آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر لیا' لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی' تمام صحابہؓ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا' یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے' اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے' سورہ فتح میں اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا﴾

اللہ مسلمانوں سے راضی تھا جبکہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے' سو اللہ نے جان لیا جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں تھا' تو اللہ نے ان پر تسلی نازل کی اور عاجلانہ فتح دی۔

لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا' وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے' چنانچہ لوگوں نے ان کو "خطیب[2] قریش" کا خطاب دیا تھا۔ قریش نے ان سے کہہ دیا صلح صرف اس شرط ہو سکتی ہے' کہ محمد ﷺ اس سال واپس چلے جائیں۔

سہیل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی' بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کریں' حضرت علیؓ نے عنوان پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا۔

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتداء میں "باسمك اللهم" لکھتے تھے۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے وہ آشنا نہ تھے' اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں' آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا' آگے کا فقرہ تھا هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله یعنی "وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ نے

---

[1] ان آیتوں کی شان نزول میں سخت اختلاف ہے لیکن زیادہ معتبر یہی روایت ہے۔

[2] زرقانی' جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ "س"

تسلیم کیا"۔ سہیل نے کہا "اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کہ گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن اللہ کی قسم میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔" یہ کہہ کر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو' حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرمان گذار ہو سکتا تھا لیکن عالم محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں جہاں فرمانبرداری سے انکار کرنا پڑتا ہے' حضرت علی ؓ نے کہا میں ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا، آپ نے فرمایا اچھا مجھ کو دکھاؤ' میرا نام کہاں ہے حضرت علیؓ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی' آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔ [1]

آنحضرت ﷺ کو لکھنا نہیں آتا تھا' اسی بنا پر آپ کو "اُمی" کہتے ہیں۔ یہ واقعہ مسلم میں جہاں منقول ہے لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دیا' بخاری میں چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہے اس لئے ایک معرکۃ الآرا مباحثہ بن گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام روزمرہ جب نظر سے گزرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام کے حرف سے آشنا ہو جاتا ہے اس سے اُمیت میں فرق نہیں آتا بے شبہ امی ہونا آپ کا فخر ہے اور خود قرآن مجید میں یہ وصف شرف و عزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَ ﴾ (اعراف۔۱۹)

شرائطِ صلح یہ تھیں:

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں' صرف تلوار ساتھ لائیں' وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا وغیرہ) میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ وہ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے' لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے [2] تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں' اتفاق یہ کہ عین اس وقت جبکہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا' سہیل کے صاحبزادے (ابوجندل) جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ میں کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے' سہیل نے کہا "محمد! صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے اس (ابوجندلؓ) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دیدو"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابھی معاہدہ

---

[1] صحیح بخاری کی اس روایت میں حضرت علیؓ کا نام اور ان کی گفتگو مذکور نہیں' یہ تصریح بخاری کی اس روایت میں ہے جو کہ کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء میں مذکور ہے' صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

[2] یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم (صلح حدیبیہ) میں بھی ہیں۔

قلمبند نہیں ہو چکا۔'' سہیل نے کہا ''تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا ان کو یہیں رہنے دو۔ سہیل نے نامنظور کیا' آپ ﷺ نے چند دفعہ اصرار کیا۔لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا۔ مجبوراً آنحضرت ﷺ کو تسلیم کرنا پڑا۔ ابو جندلؓ کو کافروں نے اس طرح مارا تھا کہ ان کے جسم پر نشان تھے' مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا' برادرانِ اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟ میں اسلام لا چکا ہوں' کیا پھر مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو' تمام مسلمان تڑپ اٹھے' حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا' یارسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' ہاں ہوں' حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں' حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں' آپ ﷺ نے فرمایا'' میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا اللہ میری مدد کرے گا' حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا'' لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے''۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی' حضرت ابو بکرؓ نے کہا' وہ پیغمبر اللہ ہیں جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ [1] حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری میں ان سے سرزد ہوئیں تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' خیرات کی' غلام آزاد کئے' بخاری میں اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتیں گنائی ہیں۔

اس حالت کو گوارا کرنا گو صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا۔ ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے' ابو جندل بیڑیاں پہنے ۱۴سو جان نثارانِ اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں' سب کے دل جوش سے لبریز ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کا ذرہ ایما ہو جائے تو تلوار فیصلہ قاطع کے لئے موجود ہے' دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے' رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

﴿ یا ابا جندل اصبرو احتسب فان اللّٰہ جاعل لك و لمن معك من المستضعفین فرجا و مخرجا انا قد عقدنا صلحا و انا لا نغدرھم ﴾

ابو جندلؓ! صبر اور ضبط سے کام لو' اللہ تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا' صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔

غرض ابو جندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے' [1] تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی' انہوں نے کہا آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں۔ آپ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے۔ اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط'' س''

صلح کے بعد تین دن تک آپ ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا' پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ اتری

﴿ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ﴾ (فتح۔۱)

ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے' اللہ نے اس کو فتح کہا' آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے' انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ "ہاں"' صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے [۲] نتائج مابعد نے اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی۔ اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی' خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے' مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے' باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا' اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص' حسن عمل' نیکوکاری' اخلاق پاکیزہ کی ایک زندہ تصویر تھا' جو مسلمان مکہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ حضرت خالدؓ (فاتح شام) اور عمرو بن عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔ معاہدہ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائے گا اس میں صرف مرد داخل تھے عورتیں نہ تھیں عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِهِنَّ ۚ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡهُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡهُنَّ اِلَی الۡکُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمۡ وَ لَا هُمۡ یَحِلُّوۡنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوۡهُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ تَنۡکِحُوۡهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمۡسِکُوۡا بِعِصَمِ الۡکَوَافِرِ ﴾ (ممتحنہ۔۲)

مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو' اللہ ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے' اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو' نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر عورتوں کے قابل ہیں اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ تم ان کو دے دو' اور تم ان سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کرو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو'

جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے۔ سب سے پہلے عتبہؓ بن اسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے' قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے' آنحضرت ﷺ نے حضرت عتبہؓ سے فرمایا کہ واپس جاؤ' حضرت عتبہؓ نے عرض کی کہ کیا آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ اس کی کوئی تدبیر

[۱] کتاب الشروط "س"

[۲] صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری میں نہایت تفصیل سے مذکور ہیں لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے ذکر میں نہیں بلکہ کتاب الشروط میں' اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے' غزوات میں جستہ جستہ واقعات ہیں ہم نے ان کو بھی لیا ہے' باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔

نکالے گا'' حضرت عتبہؓ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا' دوسرا وہ شخص جو بچ رہا اس نے مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی' ساتھ ہی ابوبصیر بھی پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا' اب آپؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں' یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے ذومرہ کے پاس ہے رہنا اختیار کیا' مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے۔ چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا اس کو روک لیتے تھے۔ ان حملوں میں جو مال غنیمت مل جاتا تھا وہ ان کی معاش کا سہارا تھا۔

قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے' اس سے تعرض نہ کریں گے۔ آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ یہاں چلے آؤ۔ چنانچہ ابوجندل اور ان کے ساتھی مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے اور کاروانِ قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔[1]

مستورات میں سے اُمّ کلثوم جو رئیس مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں مدینہ ہجرت کر کے آئیں ان کے ساتھ ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے' اور آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو واپس دے دیجئے' آپ نے منظور نہیں فرمایا' صحابہ میں سے جن لوگوں کی ازواج مکہ میں رہ گئی تھیں اور اب تک کافر تھیں صحابہ نے ان کو طلاق دیدی۔

❁❁❁

[1] یہ تفصیل اکتفاء کلاعی سے خمیس نے نقل کی ہے۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر) ۶ھ یا (شروع) ۷ھ

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا" ایہا الناس ! اللہ نے مجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے' دیکھو حواریین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ میری طرف سے پیغامِ حق ادا کرو" اس کے بعد آپ نے قیصر روم' شہنشاہِ عجم' عزیز مصر اور روٴسائے عرب کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے' جو لوگ خطوط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے ان کی تفصیل یہ ہے۔[1]

حضرت دحیہ کلبیؓ	قیصر روم
حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ	خسرو پرویز کج کلاہ ایران
حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	عزیز مصر
حضرت عمرو بن امیہؓ	نجاشی بادشاہ حبش
حضرت سلیطؓ بن عمر بن عبد شمس	روٴسائے یمامہ
حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی	رئیس حدودِ شام، حارث غسانی

ایرانیوں نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کر کے رومیوں کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غلبت الرّوم میں ہے' ہرقل نے اس کے انتقام کے لئے بڑے سروسامان سے فوجیں تیار کیں اور ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کو سخت شکست دی تھی۔ اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہاں چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے۔[2]

شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت رہا کرتا تھا وہ غسانی خاندان تھا اور اس کا پایۂ تخت بصریٰ تھا جو دمشق کے علاقہ میں ہے اور آج کل حوران کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا' دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک یہیں بصریٰ میں حارث غسانی کو لا کر دیا' اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا' قیصر کو خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ' اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجارِ عرب کے ساتھ غزہ میں مقیم تھے' قیصر کے آدمی ان کو غزہ سے جا کر لائے۔

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۵۹ "س" اور ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ ﷺ الی الملوک) "س"

[2] ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری (جلد اول صفحہ ۳۱ "س") "شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے' اصل صحیح بخاری سے لیا گیا ہے' اصل صحیح بخاری (بخاری کیف کان بدء الوحی و کتاب الجهاد باب دعا النبی ﷺ الی الاسلام و النبوة "س") "میں مجمل واقعہ ہے' زائد تفصیلیں حافظ ابن حجر نے اور کتابوں سے بڑھائی ہیں۔

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا' خود تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا تخت کے چاروں طرف بطارقہ قسیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں' اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا' تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا "میں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

قیصر	مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟
ابوسفیان	شریف ہے۔
قیصر	اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟
ابوسفیان	نہیں۔
قیصر	اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟
ابوسفیان	نہیں۔
قیصر	جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟
ابوسفیان	کمزور لوگ ہیں۔
قیصر	اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟
ابوسفیان	بڑھتے جاتے ہیں۔
قیصر	کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟
ابوسفیان	نہیں۔
قیصر	وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟
ابوسفیان	ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہوا ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں؟
قیصر	تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟
ابوسفیان	ہاں۔
قیصر	نتیجہ جنگ کیا رہا؟
ابوسفیان	کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔
قیصر	وہ کیا سکھاتا ہے؟
ابوسفیان	کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو' کسی اور کو اللہ شریک نہ بناؤ' نماز پڑھو' پاکدامنی اختیار کرو' سچ بولو' صلہ رحم کرو

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ "تم نے اس کو شریف النسب بتایا پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں' تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے' تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا' وہ اللہ پر کیونکر

جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے۔ پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے' تم تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے' تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ وعفاف کی ہدایت کرتا ہے' اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا' میں اگر وہاں جاسکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا''

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھا جائے۔ [1]

فرمان رسالت کے یہ الفاظ تھے:

﴿ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبداللّٰہ و رسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ' اما بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتك اللّٰہ اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم الاریسین وَیٰٓاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِكَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' محمد کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے' یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے' اس کو سلامتی ہے جو ہدایت کا پیرو ہے' اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں' اسلام لا' تو سلامتی میں رہے گا' اللہ تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا' اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے' وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (اللہ کو چھوڑ کر) اللہ نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے' نامہ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے' یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا' اور گو اس کے دل میں نور اسلام آ چکا تھا لیکن تاج وتخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی' [2]

---

[1] یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں منقول ہے' ابتداء کتاب میں بھی اور باب الجہاد میں بھی۔

[2] مسند ابن حنبل صفحہ ۷۴ جلد ۴ میں ہے کہ دحیہؓ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دے کر خدمت نبوی میں بھیجا تھا' اور سفیر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیئے تھے' اس نے سوالات پوچھے آپ ﷺ نے جوابات دیے اور آخر بغیر اسلام لائے وہ واپس گیا' لیکن یہ حدیث صحیح نہیں' اس میں ہے کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو بلایا اور انہوں نے پڑھ کر سنایا' حالانکہ وہ اس وقت اسلام بھی نہیں لائے تھے (جامع کے نزدیک حسب تحقیق ابن حجر فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۷ و زرقانی جلد ۳ صفحہ ۸۸ و ۸۹ یہ واقعہ دوسرا ہے اور اس کے بعد کا ہے اور خود اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ تبوک کا واقعہ ہے اور غزوہ تبوک فتح مکہ کے بعد رجب ۹ھ میں پیش آیا ہے اور حضرت معاویہؓ اس سے ایک یا دو سال پہلے حدیبیہ یا فتح مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے مگر تبوک میں حضرت معاویہؓ کی شرکت کہیں مذکور نہیں' یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب الاموال ابوعبیدہ القاسم بن سلام صفحہ ۲۵۵ مصر میں بھی موجود ہے۔) س

خسرو پرویز (شہنشاہِ ایران) کے نام جو نامۂ مبارک عبداللہ بن حذافہؓ لے کر گئے تھے یہ تھا:

﴿ بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ الی کسری عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدی و اٰمن باللّٰہ و رسولہ و اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و انی رسول اللہ اِلی الناس کافۃ لینذر من کان حیًّا اسلم تسلم فان ابیت فعلیك اثم المجوس ﴾

خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے محمد پیغمبر کی طرف سے کسریٰ (رئیس فارس) کے نام سلام ہے اس شخص پر جو ہدایات کا پیرو ہو' اور اللہ اور پیغمبر پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ اللہ صرف ایک اللہ ہے اور یہ کہ اللہ نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ ہر زندہ شخص کو اللہ کا خوف دلائے تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا' ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا' اس کی سلطنت میں دربار کو جو عظمت وجلال حاصل ہوا کبھی نہیں ہوا تھا' عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کے نام ہوتا تھا' نامہ مبارک میں پہلے اللہ کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ پھر نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اڑ گئے۔

نظامی نے شیریں خسرو میں داستان مفصل لکھی ہے اور اسلامی جوش سے لکھی ہے ہم اس کے چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہیں:

دراں دوراں کہ گیتی رامِ اُو بود [1]	ز مشرق تا بمغرب نام اُو بود
رسولِ ما بہ حجت ہائے قاھر	نبوت درجہاں می کرد ظاہر
گہے باسنگ خارا رازی گفت	گہے ریگش حکایت بازمی گفت
خلائق راز دعوت جام در داد	بہ ہر کشور صلائے عام درداد
بفرمودا زعطا عطرے سرشتند	بنامِ ہر یکے سطرے نوشتند
چواز نامِ نجاشی باز پرداخت	ز بہرنامِ خسرو نامۂ ساخت
چو قاصد عرضہ کرد آں نامۂ نو	بجوشید از غضب اندامِ خسرو
ز تیزی گشت ہر مویش سنانی	زگرمی ہر رگش آتش فشانی
سوا دے دید روشن ہیبت انگیز	نوشتہ از محمد سوے پرویز
چوعنوان گاہِ عالم تاب رادید	تو گفتی سگ گزیدہ آب رادید
غرورِ بادشاہی بردش ازراہ	کہ گستاخی کہ یارد؟ باچومن شاہ
کر ازہرہ کہ بااِیں احترام	نویسد نامِ خود بالاے نامم
رُخ ازگرمی چو آتش گاہ خود کرد	بخود اندیشۂ بد کرد و بد کرد

[1] اس سے خسرو مراد ہے۔

دریدآں نامۂ گردن شکن را / زنامہ بلکہ نام خویشتن را
فرستادہ چودیدآں خشم ناکی / بہ رجعت پائے خودرا کرد خاکی
ازاں آتش کہ آں دودِتہی داشت / چراغِ آگہاں[1] راآگہی داشت
زگرمی آں چراغِ گردن افروز / دعارا داد چوں پروانہ پرواز
عجم رازاں دعا کسریٰ درافتاد / کلاہ ازتارکِ کسریٰ درافتاد
زہے شاہنشہے کزبیم و امید / قلم رانده برافریدوں و جمشید

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامہ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جس کا نام ''باذان'' تھا فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں لائے۔ باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خرخسرہ تھا' مدینہ روانہ کیا۔ ان دونوں نے بارگاہِ رسالت میں آ کر عرض کی کہ شہنشاہ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے' اگر تعمیل حکم نہ کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔[2] پیغام پہنچا کر یمن میں آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا۔

نجاشی (بادشاہ حبش) کو آپ نے دعوت اسلام کا جو خط بھیجا تھا اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں'' حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہیں موجود تھے۔ نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی' ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض نیاز کے لئے بھیجا' لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی۔[3]

عام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ خبر سن کر آپ نے غائبانہ اس کی جنازہ کی نماز پڑھائی' لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح مسلم میں تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا لیکن ابن قیم نے ارباب سیر کی روایت کی تائید کی ہے اور مسلم کی روایت کے اس ٹکڑا کو راوی کا وہم بتایا ہے۔[4]

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے ان میں حضرت اُمّ حبیبہؓ (امیر معاویہ کی بہن) بھی تھیں' ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا' اس لئے آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام سنا دو اور میرے پاس بھیج دو' نجاشی نے خالد بن سعید بن العاصؓ کو مقرر کیا' انہوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایجاب وقبول ادا کیا' نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے مہر ادا کیا جس کی تعداد چار سو اشرفیاں تھیں۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر

---

[1] آگہاں یعنی ارباب علم چراغ۔ آگہاں سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں ''آگہی داشت'' یعنی خبر کی
[2] طبری جلد ۳ ص ۱۵۷۲۔
[3] طبری صفحہ ۱۵۶۹۔
[4] زادالمعاد۔ ''س''

روانہ ہوئیں، اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں، آنحضرت ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ اکثر نجاشی کے حالات ام حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے۔ [1]

عزیز مصر (مقوقس) کو آپ ﷺ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا۔:

﴿لمحمد بن عبدالله من المقوقس عظيم القبط سلام عليك اما بعد فقد قرأت كتابك وفهمت ما ذكرت فيه وما تدعو اليه وقد علمت ان نبيا بقى و كنت اظن انه يخرج بالشام و قد اكرمت رسولك و بعثته اليك بجاريتين لهما مكان فى القبط عظيم و كسوة و اهديت اليك بغلة تركبها و السلام عليك﴾

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں، لیکن میں یہ سمجھا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے، میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں [2] بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں میں (مصر کی قوم) بہت عزت کی جاتی ہے، اور میں آپ کے لئے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔

بایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا، دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں دوسری سیرین تھیں جو حضرت حسانؓ کے ملک میں آئیں، خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، جنگ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے، طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ جن کو آنحضرت ﷺ نے مقوقس کے پاس خط دیکر بھیجا تھا ان کی تعلیم سے دونوں خاتونیں خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں، اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہئے کہ یہ خاتونیں لونڈیاں نہ تھیں، اور اسلام قبول کر چکی تھیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں۔

رؤسائے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے ان کے بھی جواب مختلف آئے، ہوذہ بن علی رئیس یمامہ نے لکھا، تم جو باتیں کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہیں اگر حکومت میں کچھ میرا بھی حصہ ہو تو میں تمہاری اقتدا کے لئے تیار ہوں، اسلام ہوس ملک کے لئے نہیں آیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ''زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔''

حارث غسانی جو حدود شام کا رئیس تھا اور رومیوں کے ماتحت اطراف کے عربوں میں حکومت کرتا تھا خط پڑھ کر برہم ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا، مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر قیمت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔ [3]

---

[1] تاریخ طبری جلد صفحہ ۱۵۷۰۔

[2] ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے، عربی میں جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی، ارباب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہیں، لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی کہ ''مصریوں میں بڑی عزت ہے'' یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کئے جا سکتے۔

[3] اور جن رؤسائے قبائل اور امرائے عرب کو دعوتی خطوط لکھے گئے تھے ان کی تفصیل دوسری جلد کے تبلیغی واقعات میں آئے گی۔ س

واقعاتِ متفرقہ ۶ھ خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص کا اسلام:

حدیبیہ کی صلح کو اللہ نے فتح کہا ہے' لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی' اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے امن درکار تھا اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا' اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے' قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالد بن ولیدؓ کا نام ممتاز نظر آتا ہے' جاہلیت میں رسالہ کی افسری انہیں کے سپرد تھی' احد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤں انہیں کی کوشش سے سنبھلے تھے' حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا' لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملہ کاری سے نہ بچ سکا۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا راستہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ ملے پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہوں' آخر کب تک؟ عمرو بن العاص نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے' دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے [1] اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا۔

فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرے تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا خالد ہیں' آپ نے فرمایا ''اللہ کی تلوار ہے''۔ [2]

غزوۂ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ، زید بن حارثہؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کے بعد حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے۔

عہد خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا (عمرو بن العاص) مصر کا فاتح ہوا۔

---

[1] صابہ ابن حجر بہ روایت ابن اسحاق جلد اول صفحہ ۴۱۳ ''س''

[2] ترمذی' مناقب۔

۷ھ

خیبر

آخر ۶ھ یا اوائل ۷ھ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ یورپین سیاحوں میں ڈاوٹی کئی مہینہ تک یہاں ۱۸۷۷ء میں مقیم رہا' اس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ ۲۰۰ میل لکھا [۱] ہے۔ وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے' نہایت زرخیز ہے' یہاں یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے' جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں۔

عرب میں یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا' مدینہ سے جب روسائے بنونضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تو انہوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کر دیا جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا' ان روساء میں سے حیّ بن اخطب جنگ قریظہ میں قتل ہوا' جس کے بعد ابورافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا' یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا۔ قبیلۂ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحب اثر قبیلہ تھا' ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی' اور ہمیشہ سے یہودی خیبر کے حلیف اور ہم عہد [۲] تھے' ۶ھ میں سلام نے خود جا کر قبیلہ غطفان اور ان کے آس پاس کے قبیلوں کو اسلام کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا' یہاں تک کہ ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ [۳] آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ کے ایما سے (رمضان ۶ ہجری میں حضرت عبداللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ سے اپنے قلعہ خیبر میں سوتا ہوا مارا گیا) سلام کے بعد یہودیوں نے اسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا' اس نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ ''میرے پیشروؤں نے محمد کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط تھیں صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمدؐ کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔'' [۴] اس غرض سے اُسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا اور ایک فوج گراں تیار کی' آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے اس افواہ پر اعتماد نہیں کیا' بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کریں' چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود

---

[۱] مارگولیوس صفحہ ۳۵۶۔

[۲] ابن خلدون جلد ۲ ذکر قبائل عرب (و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۴۳ باب غزوۂ خیبر) س

[۳] ابن سعد صفحہ ۶۶ ۷ اصلی الفاظ یہ ہیں کان ابو رافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان و من حوله من مشرکی العرب و جعل لهم الحفل العظیم لحرب رسول الله صلی الله علیه و سلم ' (ابورافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور ایک بہت بڑی بھیڑ کو آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لئے جمع کیا) صحیح بخاری باب قتل ابی رافع میں ہے و کان ابو رافع یوذی رسول الله و یعین علیه ﷺ یعنی ابورافع آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اور آپ کے دشمنوں کو مقابلہ میں مدد دیا کرتا تھا' اس امداد و اعانت کی تفصیل بروایت عروہ فتح الباری میں جلد ۷ ص ۲۶۳ مفصل مذکور ہے

[۴] زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۱۹۷ مصر'' س''

اُسیر کی زبانی اس کے مشورے اور تدبیریں سنیں، یہ حالات آ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کئے، آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ۳۰ آدمی دے کر خیبر کو روانہ کیا، ان لوگوں نے اسیر سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ تم اگر حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دیدی جائے، چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لے کر خیبر سے نکلا اور احتیاط کی بنا پر مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے جن میں ایک یہودی اور دوسرا مسلمان ہوتا تھا، قرقرہ پہنچ کر اسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی تلوار چھیننی چاہی، انہوں نے کہا او دشمن خدا! بدعہدی کرنا چاہتا [1] ہے، یہ کہہ کر سواری بڑھائی اور جب اُسیر زد پر آ گیا تو تلوار ماری کہ اس کی ران کٹ گئی، وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اس نے عبداللہ کو زخمی کیا، اب مسلمان پیش دستی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے۔ نتیجہ جنگ یہ تھا کہ یہود میں ایک کے سوا کوئی نہیں بچا، یہ اخیر ۶ھ یا محرم ۷ھ کا واقعہ ہے۔

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا، ان لوگوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب میں بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کر دی، جس نے واقعہ احزاب میں مرکز اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کر دیا تھا، یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے اب بھی موجود تھے۔ جن لوگوں نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی ان میں زیادہ با اثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا جو قبیلہ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلا وطن ہو کر آیا تھا اس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا، سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے اسی خاندان کا رئیس تھا، اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا۔ خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لئے سازش کر رہے تھے، ادھر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان تم سے سر بر نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ ان لوگوں سے معاہدہ ہو جائے، اس بنا پر آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا تھا لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی ادھر منافقین ان کو اُبھارتے تھے، اسی زمانہ میں راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تم ان سے نہ ڈرنا، ان کی ہستی کیا ہے مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ یہود نے یہ سن کر کنانہ اور ہودہ بن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دیں گے (ایک روایت میں ہے) غطفان نے اس کو منظور کیا۔ [2]

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود خیبر میں آئے کہ ہم تمہارے ساتھ شریک ہو کر لڑیں گے، آنحضرت ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنو

---

[1] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے منقول ہیں، بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن انیس نے خود ابتدا کی اور اسیر بن رزام کو قتل کر ڈالا لیکن صحیح واقعہ وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہے اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہو سکتا ہے۔

[2] تاریخ خمیس (جلد ۲ صفحہ ۴۳) عام روایتوں میں گو یہ ہے کہ غطفان نے مسلمانوں کے خوف سے اس کو منظور نہیں کیا تاہم یہ ظاہر ہے کہ ان کی اس ناطرفداری پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ''س''

فزارہ کو خط لکھا کہ ''تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ' خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا۔'' لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا۔ [1]

ذی قرد محرم ۷ھ:

غطفان کی شرکت جنگ کا دیباچہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے بہ سرداری عبدالرحمٰن بن عیینہ چھاپہ مارا اور ۲۰ اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے' حضرت ابو ذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے (مسلمانوں نے جب تعاقب کیا تو وہ درہ میں گھس گئے' وہاں) عیینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا (ان کی امداد کو موجود تھا) مسلمانوں میں حضرت سلمہ بن الاکوع ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے سب سے پہلے ان کو اس غارت گری کا علم ہوا' انہوں نے واصباحاہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آوروں کو جا لیا۔ وہ اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے' حضرت سلمہؓ نے تیر برسانے شروع کئے' حملہ آور بھاگ نکلے' انہوں نے تعاقب کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ دربار نبوت میں آ کر عرض کی کہ میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں اگر ۱۰۰ آدمی مل جائیں تو ایک ایک کو گرفتار کر کے لاتا ہوں' آپ نے رحمت عام کے لحاظ سے فرمایا [2]

اذا ملکت فاسجع — قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو۔

اس واقعہ کے تین دن [3] بعد خیبر کی جنگ پیش آئی۔

خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ ارباب سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور ان کی زبان سے بھی بلا قصد نکل گئے ہیں' سب سے مقدم یہ کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلان عام کر دیا کہ

---

[1] یہ واقعہ معجم البلدان لفظ حنفاء کی ذیل میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے اصل الفاظ یہ ہیں:

روی موسی بن عقبة عن ابن شهاب قال کانت بنو فزاره ممن قدم علی اهل خیبر لیعینوهم فراسلوهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یعینوهم وساء لهم ان یخرجوا عنهم الخ جلد ۳ صفحہ ۱۵۲ مصر

[2] یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی منقول ہے لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و اسحاق سے لی گئی ہے:

[3] ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے' لیکن طبری نے بہ روایت سلمہ جو اس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھ کر لکھا ہے۔ فعلی هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوة ذی قرد اصح مما ذکره اهل السیر۔

تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری میں غزوہ ذی قرد کے متعلق مذکور ہے وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عیینہ بن حصن نے ذو قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا۔ عام ارباب سیر جس کا تذکرہ کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا اور یہ بالکل قرین قیاس ہے (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۵۲ باب غزوہ ذی قرد) ''س'' عام ارباب سیر کو غزوہ خیبر (بلکہ غزوات کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش و جستجو نہیں اس لئے ان کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ واقعات تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں۔ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں)۔

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجهاد (ابن سعد)

ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالبِ جہاد ہوں۔

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے، طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدراہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے، نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے، صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدے کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بہ تفصیل آئے گی کہ ایک مدت تک لوگ [1] جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد محض جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔

غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے مدینہ سے محرم ۷ھ [2] میں سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے ازواجِ مطہرات میں سے حضرت ام سلمہؓ ساتھ تھیں۔ فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جن میں ۲۰۰ سوسوار اور باقی پیدل تھے۔ اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا، چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں، یہ پہلی مرتبہ تھا کہ آپ نے تین علم تیار کرائے دو حضرت حباب بن منذرؓ اور سعد بن عبادہؓ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا حضرت علیؓ کو مرحمت ہوا، فوج روانہ ہوئی تو حضرت عامر بن الاکوع مشہور شاعر تھے یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے

الهم لو لانت ما اهتدينا	اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
ولا تصدقنا ولا صلينا	نہ خیرات کرتے، نہ روزے رکھتے
فاغفر فداء لك ما ابقينا	ہم تجھ پر فدا ہوں، ہم جو احکام نہیں بجالائے
والقين سكينة علينا	ان کو معاف کردے اور ہم پر تسلی نازل کر
انا اذا صيح بنا اتينا	ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ

---

[1] یہاں "لوگ" سے مراد منافقین ہیں، یہ لوگ غزوات میں محض غنیمت کے لالچ میں شریک ہوتے تھے۔ جہاں سخت مقابلہ پیش آنے اور مال غنیمت کے نہ ملنے کا گمان ہوتا وہاں غزوات کی شرکت سے کتراتے تھے، چنانچہ ان ہی وجوہ سے وہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے اور اس پر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ غنیمت والے غزوہ میں بھی وہ شریک نہ کئے جائیں۔ اسی لئے حضور انور ﷺ نے اس موقع پر اعلان فرمایا کہ اس غزوہ میں بھی وہی شرکت کا ارادہ کریں جن کی غرض محض جہاد و اعلاء کلمۃ اللہ ہو، دنیاوی مال ومتاع نہ ہو (زرقانی وابن سعد باب غزوہ خیبر) "س"

[2] ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۷۷ میں جمادی الاولی ۵ ھ ہے جو بہ تحقیق مذکورہ بالا صحیح نہیں "س"

و ثبت الاقدام ان لا قینا	جاتے ہیں اور جب مڈ بھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم
و بالصیاح عولوا علینا	رکھ لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے

یہ اشعار صحیح (مسلم) بخاری میں نقل کئے ہیں۔ مسند ابن حنبل میں بعض اشعار[1] زیادہ ہیں (پہلے دو مصرع کسی قدر اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم (خیبر) میں بھی ہیں۔)

ان الذین قد بغوا علینا	جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے جب
اذا ارادو افتنة ابینا	وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان
و نحن عن فضل ما استغنینا	سے دبتے نہیں اور اے اللہ ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہیں

راہ میں ایک میدان آیا' صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ چونکہ تعلیم و تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا اور بات بات میں نکات شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی، ارشاد ہوا کہ آہستہ' کیونکہ کسی بہرے اور دور دراز نظر کو نہیں پکار رہے ہو' تم جس کو پکارتے ہو وہ تمہارے پاس ہی ہے۔[2]

اس غزوہ میں چند خواتین بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہولی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ میں فرمایا "تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں"' بولیں کہ یا رسول اللہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں گی اور اس کام میں مدد دیں گی' ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں' اس کے علاوہ ہم تیر اٹھا کر لائیں گی۔ آنحضرت ﷺ نے فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حصہ لگایا لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے' مال و اسباب نہ تھا اور درہم و دینار نہ تھے بلکہ صرف کھجوریں تھیں' تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا اور ان پردہ نشینوں نے بھی یہی پایا تھا۔

یہ واقعہ ابوداؤد باب فی المرأة والعبدیحذمان من الغنیمة میں مذکور ہے۔ حدیث اور سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات میں مستورات ساتھ رہتی تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ احد میں حضرت عائشہؓ کا مشک میں پانی بھر بھر کر لانا اور زخمیوں کو پلانا اوپر گزر چکا ہے' لیکن یہ امر کہ عورتیں میدان جنگ سے تیر اٹھا اٹھا کر بھی لاتیں اور مجاہدین کو دیتی تھیں' صرف ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے اس لئے شک کی گنجائش نہیں۔ یوں بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جا سکتی ہے۔

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئیں گے آنحضرت ﷺ نے مقام رجیع میں فوجیں اتاریں جو غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے' اسباب بار برداری خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی گئیں[3] اور فوجیں خیبر کی

---

[1] ان اشعار میں صاف تصریح ہے کہ تعدی اور حملہ کی ابتدا دشمنوں کی طرف سے تھی' اشعار کے بعض بعض الفاظ میں روایات کا اختلاف ہے۔

[2] صحیح بخاری غزوۂ خیبر۔

[3] یہ تفصیل معجم البلدان (جلد ۴ صفحہ ۲۲۹) ذکر رجیع میں ہے۔

طرف بڑھیں' غطفان یہ سن کر کہ اسلامی فوجیں خیبر کی طرف بڑھ رہی ہیں' ہتھیار سجا کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرہ میں ہے تو واپس چلے گئے۔[1]

خیبر میں چھ قلعے تھے' سالم' قموص' نطاۃ' قصارہ' شق' مربطہ۔ اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے ان میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے' ان سب میں قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس[2] تھا' ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی یہیں رہتا تھا۔

لشکر اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہباء میں پہنچا تو نماز عصر کا وقت آ چکا تھا' آنحضرت ﷺ نے یہاں ٹھہر کر نماز عصر ادا کی' پھر کھانا طلب فرمایا' رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا وہی آپ نے بھی پانی میں گھول کر نوش فرمایا[3] رات ہوتے ہوتے فوج اسلام خیبر کے سواد میں پہنچ گئی' عمارتیں نظر آئیں تو آپ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ' پھر اللہ کا نام لے کر یہ دعا مانگی:

﴿انا نسئلك خير هذه القرية و خير اهلها و خير ما فيها و نعوذ بك من شرها و شر اهلها و شر ما فيها﴾ (ابن ہشام)

اے اللہ! ہم تجھ سے اس گاؤں کی اور گاؤں والوں کی اور گاؤں کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپ کا معمول عام تھا یعنی جب کسی مقام میں داخل ہوتے تھے تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے۔ چونکہ سنت نبوی یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا[4] اس لئے رات یہیں بسر کی۔ صبح کو خیبر میں داخلہ ہوا۔ یہودیوں نے مستورات کو ایک محفوظ مقام میں پہنچا دیا' رسد اور غلہ قلعہ ناعم میں یکجا کیا اور فوجیں قلعہ نطاۃ اور قموص میں فراہم کیں۔ سلام بن مشکم بیمار تھا تاہم اس نے سب سے زیادہ حصہ لیا اور خود قلعہ نطاۃ میں آ کر فوج میں شرکت کی۔

آنحضرت ﷺ کا مقصود جنگ نہ تھا لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی۔ تاریخ خمیس میں اس موقع پر لکھا ہے۔

﴿ولما تيقن النبي ﷺ ان اليهود تحارب وعظ اصحابه و نصحهم و حرضهم على الجهاد﴾

اور جب آنحضرت ﷺ کو یقین ہو گیا کہ یہود لڑنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے صحابہؓ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی۔

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۷۵' اصل عبارت یہ ہے' فبلغني ان غطفان لما سمعت بمنزل رسول الله ﷺ خيبر جمعوا له ثم خرجوا ليظاهر واليهود عليه حتى اذا ساروا الخ

[2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۲۔

[3] صحیح بخاری۔

[4] صحیح بخاری میں اصل عبارت یہ ہے اذ اتى قوما بليل لم يغزهم حتى يصبح

سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجیں بڑھیں، حضرت محمود بن مسلمہؓ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا اور دیر تک لڑتے رہے چونکہ سخت گرمی تھی، تھک کر دم لینے کے لئے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے صدمہ سے وفات پائی، لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا[۱] ناعم کے بعد اور قلعے بہ آسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا، اس مہم پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے، طبری میں روایت ہے کہ جب خیبر کے قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی

اس روایت کو طبری نے جس سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے اس کے راوی عوف ہیں۔ ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب ان کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ "وہ رافضی اور شیطان تھا۔" یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن ان کی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس روایت کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہ ہے کہ ان کی جو روایتیں باپ کے سلسلہ میں منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں؟

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہؓ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا۔ جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کو چاہتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں"[۲] یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی، صحابہؓ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاجِ فخر کس کے ہاتھ آتا ہے، حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔ صبح کو دفعتاً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؓ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں، غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ جب ان کو علم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ "کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالیں۔" ارشاد ہوا کہ "بہ نرمی ان پر اسلام پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔[۳]

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے، مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:

﴿قد علمت خیبر انی مرحب　　شاکی السلاح بطل مجرب﴾

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہوں تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں۔

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانہ میں گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے

---

۱ ابن ہشام نے دو موقعوں پر اس واقعہ کا الگ ٹکڑا لکھا ہے یہ تفصیل خمیس سے لی گئی ہے۔

۲ یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔　　۳ یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری میں منقول ہے۔

تھے یہی خود کہلاتا تھا۔

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا:

﴿ان الذی سمتنی امی حیدر کلیث غابات کریہ المنظرہ﴾

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا' میں شیر نیستان کی طرح مہیب و بدمنظر ہوں۔

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی [1] پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا' اس لئے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہیں پھیلا دیں۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب سے سپر پر روکا لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی' مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی' آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا' اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا۔ یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں لیکن بازاری قصے ہیں۔ علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ

کلها واهية سب لغو روایتیں ہیں۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی بن احمد فروخ کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "یہ روایت منکر ہے" ابن ہشام نے جن سلسلوں سے یہ روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں تو بیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے میں اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہیں' جن کو امام بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ [2]

ابن اسحاق' موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا۔ مسند ابن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے' لیکن صحیح مسلم (اور حاکم ج ۲ ص ۳۹) میں حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہودی مارے گئے' جن میں حارث' مرحب' اسیر' یاسر اور عامر زیادہ مشہور ہیں۔ صحابہؓ میں سے ۱۵ بزرگوں نے شہادت حاصل کی جن کے نام ابن سعد نے بہ تفصیل لکھے ہیں۔

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کریں گے' یہ درخواست منظور ہوئی' بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت ﷺ عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے' وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو' یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے

---

[1] طبری صفحہ ۱۵۷۹ (یہ اشعار اور مختصر واقعات صحیح مسلم غزوۂ خیبر میں بھی ہیں۔)

[2] میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان۔

تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں [1] خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی' اسی میں آنحضرت ﷺ کا خمس بھی تھا۔

عام روایت ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص طور پر کر لیا جاتا تھا جس کو صفی کہتے ہیں۔ اس بنا پر حضرت صفیہؓ (زوجہ کنانہ بن الربیع) کو آپ ﷺ نے لے لیا اور آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق:

حضرت صفیہؓ کی نسبت بعض کتب حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے ان کو دحیہ کلبیؓ کو دیا تھا' پھر کسی نے ان کے حسن کی تعریف کی تو ان سے مانگ لیا اور اس کے معاوضہ میں ان کو سات لونڈیاں دیں۔ مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ میں ادا کیا ہے اور جب اصل روایت میں اتنی بات موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہاں تک کام لے سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صفیہؓ کا یہ واقعہ حضرت انسؓ سے منقول ہے' لیکن خود حضرت انسؓ سے متعدد روایتیں ہیں اور وہ باہم مختلف ہیں بخاری کی جو روایت غزوہ خیبر کے ذکر میں ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ جب قلعہ خیبر فتح ہوا تو لوگوں نے آپ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے حسن کا ذکر کیا' آپ نے ان کو اپنے لئے لے لیا۔ اصلی لفظ یہ ہیں:

﴿فلما فتح اللّٰه عليه الحصن ذكر له جمال صفية بنت حيى بن اخطب و قد قتل زوجها و كانت عروسا فاصطفاها النبى ﷺ لنفسه﴾

جب اللہ نے قلعہ فتح کرا دیا تو لوگوں نے آپ سے صفیہ بنت حیی کے حسن و جمال کی تعریف کی۔ اس کا شوہر اس جنگ میں مارا گیا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے لئے پسند کر لیا۔[2]

لیکن بخاری کتاب الصلوٰۃ (باب ما يذكر فى الفخذ) صحیح مسلم (باب فضل عتق الامة) میں خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت ہو۔ آپ نے ان کو اختیار دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو' انہوں نے حضرت صفیہؓ کو انتخاب کیا لیکن لوگوں کو اعتراض ہوا' ایک شخص نے آ کر آنحضرت ﷺ سے کہا:

﴿يا نبى اللّٰه اعطيت دحية صفية بنت حى سيدة قريظة و النضير لا تصلح الا لك﴾

اے پیغمبر اللہ! آپ نے صفیہ کو دحیہؓ کے حوالہ کیا' وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہے اور آپ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں۔

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا'' ابوداؤد [3] میں یہ دونوں روایتیں ہیں اور دونوں حضرت انسؓ سے مروی ہیں' ابوداؤد کی شرح میں مازری (مشہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۷' فتح خیبر وطبری صفحہ ۱۵۸۹ (اصل روایت ابوداؤد باب المساقات میں موجود ہے)۔

[2] صحیح مسلم (جلد اصفحہ ۵۴۶' باب فضل عتق الامته ثم التزوج بها۔

[3] ابوداؤد باب ماجاء فی سہم الصفی۔

ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو اس لئے دحیہؓ سے لے کر ان سے عقد کیا کہ

﴿لما فیہ من انتھا کھا مع مرتبتھا و کونھا بنت سیدھم۔﴾

چونکہ وہ عالی رتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں اس لئے ان کا کسی دوسرے کے پاس جانا ان کی توہین تھی۔

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس کے قریب قریب لکھا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہؓ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتیں، وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھیں ان کا شوہر بھی قبیلہ نضیر کا رئیس تھا' باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جا چکے تھے۔ اس حالت میں ان کے پاس خاطر حفظ مراتب اور رفع غم کے لئے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کو اپنے عقد میں لے لیں۔ وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی خاندانی عزت کے لحاظ سے ان کو آزاد کر دیا اور پھر نکاح پڑھایا۔ (بلکہ مسند ابن حنبل میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائیں یا آپ کے نکاح میں آنا قبول کریں۔ انہوں نے دوسری صورت پسند کی یعنی یہ کہ وہ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آ جائیں[1]) حسن خلق' رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزوں اور بجا تھی۔ اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنوں کے ورثہ کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔

غزوۂ بنی المصطلق میں حضرت جویریہؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور اس سلوک کا جو اثر ہوا وہ اوپر گذر چکا ہے

فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے چند روز خیبر میں قیام کیا۔ اگرچہ یہود کو کامل امن و امان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئی تاہم ان کا طرز عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا۔ پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی آنحضرت ﷺ کی چند صحابہؓ کے ساتھ دعوت کی' آپ نے فرط کرم سے قبول فرمایا۔ زینب نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا لیکن بشر بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے زینب کو بلا کر پوچھا' اس نے جرم کا اقبال کیا' یہود نے کہا ہم نے اس لئے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہیں ہیں تو ہم کو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی۔

آنحضرت ﷺ کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ اس بنا پر آپ نے زینب سے تعرض نہیں فرمایا لیکن جب دو تین دن کے بعد بشر زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص میں قتل کر دی گئی۔

ایک دفعہ صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن سہیلؓ اور حضرت محیصہؓ قحط سالی کے زمانہ میں خیبر گئے۔ یہود نے حضرت عبداللہؓ کو دھوکے سے قتل کر کے ایک نہر میں ڈال دیا' حضرت محیصہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا' آپ نے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے قتل کیا؟ عرض کیا کہ حضور وہ تو پچاس مسلمانوں کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسم کھا لیں گے' غرض آنحضرت ﷺ نے یہود سے تعرض نہیں کیا اور بیت المال سے مقتول کا خون بہا دلا دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یہود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سوتے میں کوٹھے پر سے گرا دیا کہ ان

کا ہاتھ اور پاؤں ٹوٹ گیا۔ اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیاں کرتے رہتے تھے۔ مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے اضلاع میں جلاوطن [1] کر دیا (یہ جملہ معترضہ سلسلہ کلام میں آ گیا تھا)

خیبر کے واقعات میں اربابِ سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ اکثر کتابوں میں منقول ہو کر متداول ہو گئی ہے' یعنی یہ کہ اول آپ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائیں گے۔ لیکن جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ کے بتانے سے انکار کیا تو آپ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ سختی کر کے اس سے خزانہ کا پتہ لگائیں' حضرت زبیرؓ چقماق جلا کر اس کے سینے کو داغتے تھے یہاں تک کہ اس کی جان نکلنے کے قریب [2] ہو گئی۔ بالآخر آپ نے کنانہ کو قتل کرا دیا اور تمام یہودی لونڈی غلام بنا لئے گئے۔ [3]

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کر دیا گیا' لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ خزانہ کے بتانے سے انکار کرتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا۔ طبری میں تصریح ہے:

﴿ثم دفعه رسول اللّٰه الی محمد بن سلمة فضرب عنقه باخیه محمود بن مسلمة﴾ (صفحہ ۱۵۸۲)

پھر آنحضرت ﷺ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالہ کیا' انہوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے قصاص میں اس کو قتل کر دیا۔

باقی روایت کا یہ حال ہے کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونوں نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے لیکن ابن اسحاق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہیں بتایا' محدثین نے رجال کی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ ابن اسحاق یہودیوں سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے۔ اس روایت کو بھی انہی روایتوں میں سمجھنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق ان راویوں کا نام نہیں لیتے۔

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لئے اس قدر سختی کرنا کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے رحمۃ للعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے۔ وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہیں کرتا کیا چند سکوں کے لئے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے؟

اصل واقعہ اس قدر تھا کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہ کرے گا [4] اس نے یہ بھی منظور کیا تھا (بلکہ ایک روایت میں ہے) کہ اگر اس کے خلاف اس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق ہو گا۔ [5]

کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اس کو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا۔ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا اب اس کے

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۸ مصر "س"

[2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۸ اور صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی جلد اول صفحہ ۳۷۷' باب اذا اشترط فی المزارعة اذاشئت اخرجتك

[3] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری میں مذکور ہے۔ ابن ہشام میں بھی اس کے قریب قریب ہے۔

[4] ابوداؤد باب حکم ارض خیبر

[5] طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۸۱ سطر ۲۴ "س"

قصاص میں وہ قتل کر دیا گیا جیسا کہ ابھی ہم نے طبری کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اب دیکھو اس روایت میں کیا کیا واقعات اضافہ ہو گئے:

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا' خزانہ کے چھپانے کا وہی مجرم تھا' محمود بن مسلمہ کو اسی نے قتل کیا تھا اس لئے وہی قتل بھی کیا جا سکتا تھا' اضافہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ابن سعد نے بکر بن عبدالرحمن سے جو روایت متصل نقل کی ہے اس میں کنانہ کے ساتھ اس کے بھائی کا بھی نام بڑھا دیا ہے' یعنی دونوں قتل کئے گئے۔

فضرب اعناقهما و سبى اهليهما[1]

تو آنحضرت ﷺ نے دونوں کو قتل کرا دیا' ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا۔

(۲) یہاں تک بھی خیریت تھی لیکن ابن سعد نے عفان بن مسلم سے جو روایت نقل کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی ہے' یعنی دونوں بھائیوں کے ساتھ تمام یہودی گرفتار اور لونڈی غلام بنا لئے گئے۔

﴿ فلما وجد المال الذى غيبوه فى مسك الجمل سبى نساء هم۔ ﴾[2]

تو جب وہ خزانہ مل گیا جس کو انہوں نے اونٹ کی کھال میں چھپا رکھا تھا تو ان کی عورتیں گرفتار کیں اور لونڈیاں بنا لیں

لیکن جب یہ روایتیں محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہیں تو چھلکے اترتے جاتے ہیں اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے' یہود کا قتل اور زن و بچہ کا گرفتار ہونا ایک طرف، خود صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہیں کیا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک موجود تھا۔ صحیح بخاری میں ہے:

﴿ فلما اجمع عمر على ذلك اتاه احد بنى ابى الحقيق فقال يا امير المومنين اتخرجنا وقد اقرنا محمد و عاملنا على الاموال ﴾[3]

پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کر لیا تو ابوالحقیق کا ایک بیٹا ان کے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپ ہم کو نکالتے ہیں حالانکہ ہم کو محمد نے رہنے دیا تھا اور خراج پر معاملہ کیا تھا۔

حافظ ابن قیم نے زادالمعاد میں عام روایتوں کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا کہ

﴿ ولم يقتل رسول الله ﷺ بعد الصلح الا ابنى ابى الحقيق۔ (ذکر غزوۂ خیبر وغیرہ)

آنحضرت ﷺ کے بعد ابن ابی الحقیق کے دونوں بیٹوں کے سوا اور کسی کو قتل نہیں کیا۔

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارت مذکورہ بالا پیش نظر ہوتی تو غالباً یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی۔

ابوداؤد میں جہاں ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہے۔ یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ابوداؤد میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سعیہ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوا؟ اس نے کہا لڑائیوں میں صرف ہو گیا۔ باوجود اس کے آنحضرت ﷺ نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا' یہ اس بات کی صاف

---

[1] طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۸۱ سطر ۲۷۔

[2] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۸۰۔

[3] صحیح بخاری ج ۱ مطبع مصطفائی ص ۳۷۷ باب اذا اشرط فى المزارعه اذا شئت اخرجتك

دلیل ہے کہ کنانہ کا قتل محمود بن مسلمہ کے قصاص میں ہوا تھا ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے۔

مورخین نے پہلی غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفائے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم میں اور لوگ بھی شریک تھے اس لئے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کر دیا گیا۔

ایک اور نکتہ:

اس قدر عموماً مسلم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرم میں پیش آیا یعنی آنحضرت ﷺ جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو محرم کی اخیر تاریخیں تھیں۔ محرم میں لڑائی شرعاً ممنوع ہے اس لئے محدثین اور فقہاء میں اس کی توجیہ کے متعلق اختلافات پیدا ہوا۔ بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل میں البتہ ان مہینوں میں لڑائی شرعاً ممنوع تھی لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کی رو سے تھا:

﴿ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَّصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ﴾ (بقرہ ۲۷)

کہہ دو کہ اس مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔

پھر سورۂ مائدہ میں یہ آیت اتری:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ (مائدہ ۱)

مسلمانو! اللہ کی حد بندیوں کی اور ماہ حرام کی بے حرمتی نہ کرو۔

پچھلی آیت پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی۔ اس وسیع زمانہ تک تو حرم کا حکم باقی رہا۔ اب وہ کونسی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہوگیا؟

﴿ وَلَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَ لَا سُنَّةِ رَسُوْلِهٖ نَاسِخٌ لِحُكْمِهَا ﴾

اور اللہ کی کتاب اور حدیث میں ان آیتوں کے حکم کا کوئی ناسخ نہیں۔

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح حرم، طائف کا محاصرہ، بیعت رضوان، یہ سب ماہ حرام میں ہوئے تھے۔ اس لئے اگر ماہ حرام میں لڑائی جائز نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان کو کیونکر جائز رکھتے۔ حافظ ابن القیم نے جواب دیا ہے کہ ماہ حرام میں ابتداء جنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہے تو بالاتفاق جائز ہے، وہ سب واقعات دفاعی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پیش دستی نہیں کی تھی بلکہ دفاع کیا گیا تھا۔ بیعت رضوان اس لئے لی گئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو (جو سفیر ہو کر گئے تھے) قتل کر دیا۔ طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی بلکہ غزوۂ حنین کا بقیہ تھا جس میں خود کفار ہر طرف سے جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔ فتح حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا قریش نے کی تھی۔ [1]

حافظ ابن القیم نے نہایت صحیح جواب دیا لیکن خاص خیبر کے معاملہ میں وہ اس گرہ کو نہ کھول سکے اور بحث نامفصل رہ گئی۔ حافظ ابن القیم کے استاد علامہ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع پر اشتباہ ہوا، انہوں نے "الجواب الصحیح لمن

---

[1] زاد المعاد ذکر غزوہ خیبر۔

بدل دین المسیح ''میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس قدر لڑائیاں کیں سب دفاعی تھیں' صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنیٰ ہیں۔لیکن اگر علامہ موصوف زیادہ استقصا کرتے تو ثابت ہوتا کہ بدر اور خیبر بھی مستثنیٰ نہیں' بدر کا بیان اوپر گزر چکا ہے' خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دے کر دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہود اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے۔

تقسیم زمین:

خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی' نصف بیت المال' مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر لیا گیا۔ باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے' مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا' کل فوج کی تعداد چودہ سو تھی' دو سو سوار تھے' سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لئے پیدل سے دوگنا ملتا تھا' اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی' اس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو حصے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصہ میں ایک حصہ آیا' جناب سرور کائنات ﷺ کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصہ ملا۔[1]

﴿ ولرسول الله ﷺ مثل سهم واحدهم ﴾[2]

اور آنحضرت ﷺ کا بھی عام لوگوں کی طرح ایک حصہ تھا۔

ملکی حالت اور احکام فقہی:

خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے' اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے' مشرکین اور یہود اگرچہ مذہباً باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر ان میں اتحاد پیدا ہو گیا تھا۔ مدینہ کے یہود عموماً انصار کے حلیف تھے اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے' اب آنحضرت ﷺ کے مقابلہ کے لئے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مل کر کنفسِ واحدِ ہو گئے' خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا۔

اب تک اسلام چاروں طرف سے نرغہ کی حالت میں تھا' اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادت کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا' شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے حالات کے اقتضاء سے بتدریج آئے ہیں' چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ خیبر کی فتح سے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیوں سے نجات ملی ادھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا' اس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے۔

اربابِ سیر نے غزوۂ خیبر کے تذکرہ میں عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل[3] ہوئے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری' ذکر غزوۂ خیبر (ابوداؤد حکم ارض خیبر میں ہے)

[2] النبی ﷺ معهم له سهم كسهم احدهم ''س''

[3] یہاں نزول سے وحی متلو یعنی قرآن مراد نہیں ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تبلیغ کی' ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پنجہ سے شکار کرنے والے پرند حرام ہو گئے۔

(۲) درندہ جانور حرام کر دیئے گئے۔

(۳) گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔

(۴) اب تک معمول تھا کہ لونڈیوں سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا' اب استبراء کی قید ہو گئی' یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک' ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہیں۔

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا۔

وادی القریٰ اور فدک:

تیماء اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں' اس کو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عاد و ثمود یہاں آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد و ثمود کے آثارات اب بھی باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آ کر آباد ہوئے اور زراعت اور آب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہود کا مخصوص مرکز بن گیا تھا۔[۲]

خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے وادی القریٰ کا رخ کیا' لیکن لڑنا مقصود نہ تھا' مگر یہود پہلے سے تیار تھے' انہوں نے فوراً تیراندازی شروع کر دی' آنحضرت ﷺ کا محمل آپ کے غلام (حضرت مدعم) اتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ عام مؤرخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے:

﴿ و قد استقبلتنا یهود بالرمی ولم نکن علی تعبیة ﴾[۳]

یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم تیار نہ تھے۔

بہر حال جنگ شروع ہو گئی لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہو گئی

ادائے عمرہ:

صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت ﷺ مکہ میں آ کر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے' اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ واقعہ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے چنانچہ بجز ان لوگوں کے جو اس اثناء میں مر چکے تھے' سب نے یہ سعادت حاصل کی۔ معاہدہ میں شرط تھی کہ مسلمان مکہ میں آئیں تو ہتھیار ساتھ نہ لائیں' اس لئے اسلحہ جنگ بطن یاجج میں جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیئے گئے اور دو سو سواروں کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا۔

۱؎ معجم البلدان لفظ قریٰ جلد ۷ صفحہ ۳ ''س''

۲؎ زرقانی' بر موطا بہ حوالہ بیہقی باب الجہاد ذکر غلول' صفحہ ۲۱۳ ''س''

آنحضرت ﷺ لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:[1]

خلوا بنی الکفار عن سبیله	کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ
الیوم نضربکم علی تنزیله	آج جو تم نے اُترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کریں گے
ضرباً یزیل الهام عن مقیله	وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کر دے
و یذهل الخلیل عن خلیله	اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔

صحابہؓ کا جم غفیر ساتھ تھا' برسوں کی دیرینہ تمنا اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا کر رہا تھا' اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے' اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیروں میں اکڑتے ہوئے چلیں۔ عربی زبان میں اس کو ''رمل'' کہتے ہیں' چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے۔

اہل مکہ نے اگرچہ چار و ناچار عمرہ کی اجازت دیدی تھی تاہم ان کی آنکھیں اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی تھیں' رؤسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا اور پہاڑوں پر چلے گئے۔ تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا ''محمد سے کہہ دو کہ شرط پوری ہو چکی' اب مکہ سے نکل جائیں'' حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی آپ ﷺ اسی وقت روانہ ہو گئے' چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی امامہ جو مکہ میں رہ گئی تھیں' آنحضرت ﷺ کے پاس چچا چچا[2] کہتی دوڑی آئیں' حضرت علیؓ نے ہاتھوں میں اٹھا لیا' لیکن حضرت جعفرؓ' حضرت علیؓ کے بھائی اور زید بن حارثہ نے اپنے دعوے پیش کئے' حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے' زید کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے' اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے' حضرت علیؓ کو دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے' آنحضرت ﷺ نے سب کو دعوے مساوی الدرجہ دیکھ کر ان کو اسماء کی گود میں دیا' وہ امامہ کی خالہ تھیں' پھر فرمایا کہ ''خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔''[3]

❀❀❀

---

[1] یہ اشعار اور یہ واقعہ ترمذی نے شمائل میں نقل کیا ہے

[2] آنحضرت ﷺ رشتہ میں ان کے بھائی تھے لیکن انہوں نے تعظیماً کہا (یا اس لئے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت حمزہؓ دونوں رضاعی بھائی تھے)

[3] اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے' بعض زائد تفصیلیں زرقانی سے لی گئی ہیں جو کتب حدیث کے حوالہ سے زرقانی نے نقل کی ہیں۔

۸ھ غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقا سے اس طرف ہے۔ عرب میں جو مشرقی تلواریں مشہور ہیں وہ یہیں بنتی تھیں۔[۱] کثیر مشہور شاعر کہتا ہے۔

﴿ صَوَارِمَ يَجْلُوْهَا بِمُوْتَة صَيْقَلُ ﴾

وہ تلواریں جن کو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہے

آنحضرت ﷺ نے شاہِ بصریٰ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا' عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے ان میں ایک شرجیل بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بلقا کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا' یہ خط حارث بن عمر لیکر گئے تھے' شرجیل نے ان کو قتل کر دیا' اس کو قصاص کے لئے آنحضرت ﷺ نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن حارثہؓ کو جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو تو جعفر طیار اور وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ فوج کے سردار ہوں[۲] حضرت زیدؓ غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے' حضرت جعفر طیارؓ حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت ﷺ کے مقرب خاص تھے' عبداللہ بن رواحہؓ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ جعفر و عبداللہ بن رواحہؓ کے ہوتے زید کو افسر کرنا کس بنا پر ہے' چنانچہ لوگوں میں چہ چے ہوئے[۳] لیکن اسلام جس مساوات کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا اس کے لئے اسی قسم کا ایثار درکار تھا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا آنحضرت ﷺ نے انہی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا' اس وقت بھی لوگوں میں چہ چے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے"۔ چنانچہ صحیح بخاری بعث النبی ﷺ اسامۃ بن زید فی مرض الذی توفی فیہ (باب المغازی) میں بہ تفصیل یہ واقعہ منقول ہے۔ گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی۔ چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغ اسلام تھا' ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوتِ اسلام دیجائے'[۴] اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں' یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر نے ادائے فرض میں جان دی ہے' ثنیۃ الوداع تک آنحضرت ﷺ خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے' صحابہؓ نے پکار کر دعا کی کہ اللہ سلامت اور کامیاب لائے۔

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرجیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لئے کم و بیش ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بے شمار فوج لیکر تاب میں خیمہ زن ہوا جو بلقاء کے اضلاع میں ہے۔ حضرت

---

۱ معجم البلدان لفظ موتہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۰۔

۲ صحیح بخاری غزوہ موتہ۔

۳ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۹۳۔ "س"

۴ طبقات ابن سعد جز مغازی صفحہ ۹۳ "س"

زیدؓ نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات کی دربار رسالت میں اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولت شہادت [1] ہے، جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہے۔

غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا' حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے' ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا' گھوڑے سے اُتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی' تلواروں اور برچھیوں [2] کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے' پشت نے یہ داغ نہیں اُٹھایا تھا' حضرت جعفرؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے۔

اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں [3] لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا مقابلہ کیا تھا' بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے۔ جب یہ شکست [4] خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غم خواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے کہ او فرار یو! تم اللہ کی راہ سے بھاگ آئے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفرؓ سے آپ کو خاص محبت تھی ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا۔ آپ مسجد میں جا کر غمزدہ بیٹھے۔ اسی حالت میں ایک شخص نے آ کر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات رو رہی ہیں' اور ماتم کر رہی ہیں آپ ﷺ نے منع کرا بھیجا' وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں' آپ نے دوبارہ بھیجا' وہ پھر گئے اور واپس آ کر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی' آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''تو ان کے منہ میں خاک بھر دو'' یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے' صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ اللہ کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی۔

---

[1] ابن ہشام غزوۂ موتہ۔ ''س''

[2] صحیح بخاری

[3] صحیح بخاری غزوۂ موتہ۔

[4] مصنف نے یہاں ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے اور ان کی واپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوۂ موتہ میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے از روئے وحی فرمایا کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فتح اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت اور شراح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح میں مختلف ہیں۔ ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پوری فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ اور فتح یہ ہے کہ مسلمان اس قلت تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے۔ تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ میں حاصل ہوئی۔ اور اس سے مال غنیمت بھی حاصل کیا۔ چوتھا بیان یہ ہے کہ مسلمان کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں کو روک دیا اور بہ سلامت پیچھے ہٹ آئے۔ اس مقام پر فتح الباری' روض الانف سہیلی اور البدایہ ابن کثیر ملاحظہ کرنا کرنا چاہئے۔ اسی طرح مسلمان کی جس فوج کو اپنے اوپر فراری ہونے کا گمان تھا یا مسلمان نے ان کو فراری کہا اور حضور ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ نہیں تم فراری نہیں بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو' اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہیں بلکہ ان کی فوج کا ایک خاص دستہ تھا جو جلدی کر کے پہلے مدینہ چلا آیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری روض الانف سہیلی والبدایہ ابن کثیر باب غزوۂ موتہ ''س)''

فتح مکہ

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

﴿ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ﴾

جانشین ابراہیم (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا سب سے مقدس فرض توحید خالص کا احیاء اور حرم کعبہ کا آلائش سے پاک کرنا تھا۔ لیکن قریش کے پے در پے حملوں اور عرب کی مخالفت عام نے پورے اکیس برس تک اس فرض کو روک رکھا۔ صلح حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چندروز کے لئے امن وامان قائم ہو گیا اور دلدادگانِ حرم ایک دفعہ یادگار ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے' لیکن معاہدہ حدیبیہ بھی قریش سے نہ نبھ سکا۔ حلم وعفو وتحمل کی حد ہو چکی' اب وقت آ گیا کہ آفتابِ حق حجابہائے حائل کو چاک کر کے باہر نکل آئے۔

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت ﷺ کے حلیف ہو گئے تھے اور ان کے حریف بنوبکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کر لیا تھا' ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیں چلی آتی تھیں۔ اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیاں رک گئیں اور اب تک رُکی رہیں' کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہو رہا تھا' صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیا تو بنوبکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آ گیا۔ دفعتہً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور روسائے قریش نے اعلانیہ ان کو مدد دی۔ عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو صورتیں [1] بدل کر بنوبکر کے ساتھ تلواریں چلائیں' خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی' بنوبکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضروری ہے' لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا۔ غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دفعتہً یہ صدا بلند ہوئی:

﴿ لا ھمّ انی ناشدٌ محمدا حَلفَ ابینا و ابَیه الا تلدا فانصر رسول اللّٰہ نصرً اعُتُدا وادعُ عباداللّٰہ یا تو امِددًا ﴾

اے خدا! میں محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہو رہے' اے پیغمبر خدا! ہماری اعانت کر اور اللہ کے بندوں کو بلا' سب اعانت کے لئے حاضر ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ [2] سوار جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے' فریاد لے کر آئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے واقعات سنے تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ تاہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے:

(۱) مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۰' (ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۹۹ میں کچھ اور نام بھی ہیں) "س"

[2] طبقات ابن سعد جز مغازی صفحہ ۹۷ "س"

(۲) قریش، بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور [1] ہے"، لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرالائیں۔

ابوسفیان نے مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہِ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بیچ میں ڈالنا چاہا، لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا، ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہراؓ کے پاس آیا، امام حسنؓ پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا "اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا" جناب سیدہؓ نے فرمایا "بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل" بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ "میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی"۔ [2]

ابوسفیان نے مکہ میں جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا کہ یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں اور نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ کی تیاریاں کیں، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں، احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ ایک معزز صحابی تھے، انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی، حضرت علیؓ (اور حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابومرثدؓ غنوی) کو بھیجا [3] کہ قاصد سے خط چھین لائیں، خط آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی، حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ "حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں؟" لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی۔ ارشاد ہوا عمرؓ! تم کو کیا معلوم ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہو کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے۔

حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا اس لئے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا۔

غرض ۱۰ رمضان ۸ ہجری کو کبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا۔ دس ہزار آراستہ فوجیں

---

[1] زرقانی (جلد ۲ صفحہ ۳۳۶) نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ مؤرخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کر گئے

[2] زرقانی علی المواہب جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ "س"

[3] زرقانی علی المواہب جلد ۲ صفحہ ۳۳۹ "س"

رکاب میں تھیں، قبائل عرب راہ میں آ کر ملتے جاتے تھے مرالظہران پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں، یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔

آنحضرت ﷺ کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادی ایمن بن گیا، فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی، تحقیق کے لئے انہوں نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ خیمہ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا [۱] حضرت عمرؓ جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے۔ تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت میں آ کر عرض کیا کہ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا۔ حضرت عباسؓ نے کہا ''عمرؓ! اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے'' حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ نہ فرمائیں آپ جس دن اسلام لائے تھے مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔ [۲]

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال اور آنحضرت ﷺ کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی، اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ ''خوف کا مقام نہیں''

صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا، لیکن طبری وغیرہ میں اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے:

رسول اللہ ﷺ	کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں؟
ابوسفیان	کوئی اور اللہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔
رسول اللہ ﷺ	کیا اس میں کوئی شبہ ہے کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں؟
ابوسفیان	اس میں تو ذرا شبہ ہے

بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن مورخین لکھتے ہیں کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوۂ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی۔

لشکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑی کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواجِ الٰہی کا جلال آنکھوں سے دیکھیں۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا، قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں۔ سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ، (سعد بن) ہذیم، سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو جاتے تھے، سب

۱؎ اصل واقعہ بخاری میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کئے ہیں میں نے ان کو بھی لے لیا ہے، بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہیں۔

۲؎ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۳۲ ''س''

کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں، ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا، دفعتاً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اٹھے:

﴿ اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الكعبة ﴾ [1]

آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمایاں ہوا جس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا جاتا تھا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ علمبردار تھے۔ ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے کہ حضور نے سنا عبادہؓ کیا کہتے ہوئے گئے؟" ارشاد ہوا کہ "عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے" یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم سعد بن عبادہؓ سے لے کر ان کے بیٹے کو دیدیا جائے۔ مکہ پہنچ کر آپ نے حکم دیا کہ علم نبوی مقام حجون پر نصب کیا جائے، حضرت خالدؓ کو حکم ہوا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف آئیں۔ [2]

اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا یا دروازہ بند کر لے گا یا خانۂ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کو امن دیا جائے گا۔ تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے، چنانچہ تین صاحب (یعنی حضرت کرز بنؓ جابر فہری اور حضرت حبیش بن اشعرؓ اور حضرت سلمہ بن المیلا [3]) نے شہادت پائی، حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر حملہ کیا، یہ لوگ ۱۳ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت ﷺ نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو خالدؓ سے باز پرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔

لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور قیام کہاں فرمائیں گے؟ کیا اپنے قدیم مکان میں؟ شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ ابو طالب (آنحضرت ﷺ کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے اس لئے وہی وارث ہوئے، انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں اتروں؟ اس لئے مقام خیف میں ٹھہروں گا یہاں قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید پر باہم عہد و پیمان کیا تھا۔"

اللہ کی شان، حرم محترم جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا اس کے آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزیں تھے، آنحضرت

---

[1] یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے۔

[2] مصنف نے یہاں حضرت عروہ کی روایت لی ہے جو گو صحیح بخاری میں ہے مگر مرسل ہے، صحیح و مرفوع روایات جو صحیح بخاری میں ہیں ان کے مطابق صورت حال یہ ہے کہ حضرت خالدؓ مکہ کے زیریں حصہ سے اور حضور انور ﷺ بالائی حصہ سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۸

[3] ان کی شہادت کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے۔

ﷺ ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے: [۱]

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَايُعِيدُ) اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [۲]

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے' آنحضرت ﷺ نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائیں۔ [۳] حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا دیں۔ حرم ان آلائشوں سے پاک ہو چکا تو آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے' کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا' آپ ﷺ حضرت بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کعبہ کے اندر تکبیریں کہیں لیکن نماز نہیں ادا کی۔

خطبۂ فتح :

شاہنشاہیٔ اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا' خطبہ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافت الٰہی کے منصب سے رسول اللہ ﷺ نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہل مکہ سے نہیں' بلکہ تمام عالم سے تھا:

﴿ لا الٰه الا اللّٰه وحده لاشريك له صدق وعده و نصر عبده هزم الا حزاب وحدهٗ الا كل مـاثـرة او دم اومال يدعى فهوا تحت قدمى هاتين الا سد انة البيت و سقاية الحاج ......يـا معشرقريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية و تعظمها بالا باء' الناس من ادم و ادمُ من تراب ﴾

ایک اللہ کے سوا اور کوئی اللہ نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اس نے اپنا وعدہ سچا کیا' اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا' ہاں تمام مفاخر تمام انتقامات خون بہائے قدیم، تمام خون بہا' سب میرے قدموں کے نیچے ہیں' صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں' اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط

۱۔ صحیح بخاری فتح مکہ میں حضرت اسامہؓ بن زید سے جو روایت ہے اس میں تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر کیا لیکن اس میں خیف کے قیام کا ذکر نہیں لیکن جو روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا اور اس میں خیف کی تصریح ہے۔ ابن حجر نے یہ تطبیق کی ہے کہ ممکن ہے کہ دونوں موقعوں پر لوگوں کے سوال پر یہ ارشاد فرمایا ہو فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۳ و جلد ۲ صفحہ ۳۶۰ ''س''

۲۔ اس موقع پر اس پوری آیت کے پڑھنے کا ذکر ابن سعد فتح مکہ میں ہے۔ صحیح بخاری فتح مکہ میں الفاظ آئے ہیں۔ جـاء الـحـق وزهق الباطل و مايبدئ الباطل و مايعيد یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور اب باطل پھر نہ آئے گا۔

۳۔ صحیح بخاری فتح مکہ۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (ابن ہشام ۔مختصراً) اِنَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ (بخاری) (الحجرات ۔۲۰)

لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ' لیکن اللہ کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو' اللہ دانا اور واقف کار ہے' اللہ نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی۔

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوت اسلام کا اصلی پیغام توحید ہے' اس لئے سب سے پہلے اسی سے ابتداء کی گئی۔

خطبہ کے اصولی مطالب:

عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پا جاتا تھا' یعنی اگر اس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھا جاتا اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا قاتل اگر مر چکا ہو تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے' اسی طرح خون بہا کا مطالبہ بھی ابا عن جد چلا آتا تھا' یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی' اس طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہو گئی تھیں' اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا' اور اس بنا پر آپ نے (اس طریق) انتقام اور خون بہا اور نیز تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ ''میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا۔''

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم میں فرق مراتب قائم کئے گئے تھے' جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے اور اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائیں۔ اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا' مساوات عام کا قائم کرنا تھا یعنی عرب و عجم' شریف و رذیل' شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ ہر شخص ترقی کر کے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے' اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ ''تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے''۔

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے' ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے' وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں' وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکر قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں' وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے' وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے' وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے بھی بجھ نہیں سکتی تھی' وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا' وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا ''تم کو کچھ معلوم ہے' میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟''

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ

﴿اَخٌ کَرِیمٌ و اِبْنُ اَخٍ کریم﴾

تو شریف بھائی ہے، اور شریف برادرزادہ ہے۔

ارشاد ہوا:

﴿لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اذھبوا فانتم الطلقاء﴾

تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وہ وقت تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جاتے، لیکن آپؐ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے ان کی آتش غیرت پھر مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا "اللہ نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا[1] لیا"۔ ایک اور سردار قریش نے کہا "اب جینا بے کار ہے"۔[2]

مقام صفا میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں، عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا، پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت ﷺ دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے[3] آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔

ان مستورات میں ہند بھی آئی۔ یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھی، حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی۔ وہ نقاب پہن کر آئی، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت اس نے (نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے) باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں:[4]

رسول اللہ ﷺ	اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔
ہند	یہ اقرار آپؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔
رسول اللہ ﷺ	چوری نہ کرنا۔
ہند	میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] ابن ہشام (حضرت عتابؓ بعد کو مسلمان ہوئے) "س"

[2] اصابہ تذکرہ عتاب بن اُسید جلد ۲ صفحہ ۴۵۱

[3] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۴۴

[4] طبری جلد ۳ صفحہ ۳۴ مختصراً "س"

رسول اللہ ﷺ	اولاد کو قتل نہ کرنا۔
ہند	﴿ ربینا ھم صغارا وقتلتم کبارا فانت و ھم اعلم ﴾ ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا، بڑے ہوئے تو جنگ [1] بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے ان میں صفوان بن اُمیہ جدہ بھاگ گئے عمیر بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہو جاتا ہے آپ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے۔ حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے (بعد کو مسلمان ہو گئے)۔ [2]

عبداللہ بن زبعریٰ عرب کے مشہور شاعر جو (پہلے) آنحضرت ﷺ کی ہجویں کہا کرتے تھے اور قرآن مجید پر نکتہ چینیاں کرتے تھے نجران بھاگ گیا لیکن پھر آ کر اسلام لائے۔ [3]

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ یمن چلا گیا لیکن اس کی حرم (ام حکیم) نے آنحضرت ﷺ سے امان لی اور جا کر یمن سے لائیں [4] یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہیں کہ اس کا جگر بند کفر کی گود سے نکل کر اسلام کے آغوش میں آ گیا اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں۔

اشتہاریانِ قتل:

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گو اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا تاہم دس اشخاص [5] کی نسبت حکم دیا

---

[1] جنگ بدر میں ہند کے لڑکے کافروں کے ساتھ شریک ہو کر لڑے تھے اور لڑ کر مارے گئے تھے۔

[2] طبری (جلد ۲ صفحہ ۱۶۴۵) و اصابہ ذکر صفوان بن امیہ۔

[3] ابن ہشام

[4] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۴۶ ''س''

[5] حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالوں سے جمع کئے ہیں جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاطانہ ہیں۔ عام اربابِ سیرت نے دس شخصوں کے نام لیے ہیں ابن اسحاق نے ۸ نام گنائے ہیں ابوداؤد اور دارقطنی کی روایت میں صرف چھ ہیں بخاری میں صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔
عام روایت کے رُو سے جن دس شخصوں کی سزائے موت کا اعلان کیا گیا تھا ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور ان کو معافی دیدی گئی صرف تین شخص قتل ہوئے دو مرد اور ایک عورت۔ عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقیہ اور قریبہ ابن خطل کی لونڈی ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے ابن خطل نے جو اسلام لا چکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا آنحضرت ﷺ نے اس کی دیت ادا کرادی تھی تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور غدر سے اس انصاری کو قتل کر دیا اور حویرث نے آنحضرت ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ جب وہ ہجرت کر رہی تھیں شرارت کی تھی اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دینا چاہتا تھا حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اس کو قتل کر دیا۔
قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی۔
(دیکھو زرقانی اور ابن ہشام ذکر فتح مکہ۔)

کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں' ان میں سے بعض مثلاً عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، خونی مجرم تھے اور قصاص میں قتل کئے گئے' لیکن متعدد ایسے تھے کہ ان کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو مکہ میں ستایا کرتے تھے یا آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک عورت اس جرم پر قتل کی گئی کہ وہ آپ کے ہجو یہ اشعار گایا کرتی تھی۔

لیکن محدثانہ تنقید کی رو سے یہ بیان صحیح نہیں' اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا' کفار قریش میں سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت ﷺ کو سخت سے سخت ایذائیں نہیں دیں؟ بایں ہمہ انہیں لوگوں کو یہ مژدہ سنا دیا گیا کہ انتم الطلقاء جن لوگوں کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ تو نسبتاً کم درجہ کے مجرم تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا' خیبر میں جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا اس کی نسبت لوگوں نے دریافت بھی کیا کہ اس کے قتل کا حکم ہوگا' ارشاد ہوا کہ نہیں' خیبر کے کفرستان میں اک یہود یہ زہر دے کر رحمت عالم کے طفیل سے جانبر ہو سکتی ہے' اس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہیں۔

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابل اعتبار رہ جاتا ہے' صحیح بخاری میں صرف ابن خطل کا قتل مذکور [1] ہے اور یہ عموماً مسلم ہے کہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا۔ مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا۔ باقی جن لوگوں کی نسبت حکم قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ میں آنحضرت ﷺ کو ستایا کرتے تھے وہ روایتیں صرف ابن اسحاق تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں' یعنی اصول حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابل اعتبار نہیں' ابن اسحاق کا فی نفسہٖ جو درجہ ہے وہ ہم کتاب کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں۔

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارے میں پیش کی جا سکتی ہے ابوداؤد کی وہ روایت [2] جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار اشخاص کو کہیں امن نہیں دیا جا سکتا' لیکن ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند جیسی چاہئے مجھ کو نہیں ملی۔ [3] پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل کی ہے'

---

[1] بخاری فتح مکہ "س"

[2] ابوداؤد باب قتل الاسیر

[3] ابوداؤد نے باب قتل الاسیر میں اس معنی کی تین روایتیں درج کی ہیں۔ پہلی وہ روایت ہے جس کا ذکر مصنف نے اخیر میں کیا ہے۔ یہ روایت احمد بن المفضل، اسباط بن نصر، سدی کبیر' مصعب بن سعد اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے' اس میں چار مرد اور دو عورتوں کے قتل کا حکم مذکور ہے' جن میں سے ایک ابن ابی سرح ہے جس کو حضرت عثمانؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر آپ کی خدمت میں لا کر پیش کیا اور اس کو کچھ دیر کے تامل کے بعد پناہ دی اور وہ مسلمان ہوا۔ اس روایت میں احمد بن مفضل اور اسباط بن نصر اور سدی کبیر تینوں پر علمائے رجال نے جرحیں کی ہیں اور خصوصاً اسباط ابن نصر پر اور زیادہ جرحیں ہیں' یہ روایت اسی سلسلہ سے نسائی نے باب قتل المرتد میں اور حاکم نے مستدرک کتاب المغازی میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ کے یہ تینوں راوی شیعہ ہیں اور حاکم نے مستدرک میں اس پہلو سے اپنا اظہار خیال کر دیا ہے۔ ابوداؤد کی دوسری روایت عمرو بن عثمان بن عبدالرحمان بن سعید مخزومی سے ہے کہ انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے بارہ میں فرمایا کہ ان کو پناہ نہیں دی جا سکتی۔ ان دو عورتوں میں سے جو دونوں مغنیہ لونڈیاں تھیں ایک مسلمان ہوگئی اور ایک قتل کی گئی۔ اس روایت کے متعلق ابوداؤد نے لکھا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

(شروع میں جو روایت ہے) اس کا ایک راوی احمد بن الفضل ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جس کی نسبت نسائی کا قول ہے کہ "قوی نہیں ہے" اگرچہ اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لئے کافی نہیں لیکن واقع جس قدر اہم ہے۔ اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لئے کافی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بعض سرداران قریش جو مخالفین اسلام کے پیشرو تھے' آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سن کر مکہ سے بھاگ گئے۔ لیکن یہ صرف ابن اسحاق کا قیاس ہے کہ وہ اس وجہ سے بھاگے تھے کہ ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا' ان اشتہاری مفرورین میں ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہے جو ابوجہل کے فرزند تھے۔ لیکن موطائے امام مالک میں جس کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اس سے زیادہ صحیح نہیں یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی ام حکیم، عکرمہ بن ابی جہل کی زوجہ تھیں' وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے' ام حکیم یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور مکہ میں آئے' آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی پھر ان سے بیعت لی" (کتاب النکاح)

یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کو امن دیا جاتا تھا وہ اسلام پر مجبور نہیں کئے جاتے تھے۔ تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حنین کی لڑائی میں جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی لشکر اسلام میں مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اس وقت تک کافر تھے اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملے میں انہی کافروں کے قدم اکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے۔

خزائن حرم:

حرم میں نذور اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا وہ محفوظ رکھا گیا' لیکن مجسمہ جات اور تصویریں

پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

میں نے اپنے شیخ ابوالعلاء سے اس کی سند اچھی طرح سمجھی نہیں' یہی روایت اسی سلسلہ سے دارقطنی اواخر کتاب الحج میں ہے۔ اس میں سند کے آخر میں یوں ہے۔ عمرو بن عثمان نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت سنی۔ اس سے ظاہر ہے کہ سند کے اسی حصہ میں ابو داؤد کو شک ہے۔ ابوداؤد کی تیسری روایت میں صرف ابن خطل کے قتل کا ذکر ہے جو صحیح بخاری کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ بیہقی نے حکم بن عبدالملک' قتادہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے ایک روایت کی ہے جس میں تین مرد اور ایک عورت یعنی چار اشخاص کے قتل کا حکم ہے' تین مرد یہ ہیں' ابن خطل' مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح اور عورت کا نام ام سارہ تھا۔ عبداللہ بن سعد کے قتل کی ایک انصاری نے نذر مانی تھی مگر حضرت عثمانؓ کی سفارش سے ان کی جان بخشی ہوئی اور ام سارہ وہی عورت ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ کرنے کا خط خفیہ لے چلی تھی۔ اس روایت میں حکم بن عبدالملک مطلقاً ناقابل اعتبار ہے اور اس کی اس روایت کو عقیلی نے لکھا ہے کہ کوئی تائید اس کے رفقاء میں سے کسی نے نہیں کی ہے۔ تہذیب ابن حجر" "س"

برباد کر دی گئیں' ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے' حضرت عیسٰیؑ کی تصویر بھی تھی [۱] جس سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا' رنگین تصویریں جو دیواروں پر تھیں مٹانے پر بھی ان کے دھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر تک باقی رہے۔ [۲]

مکہ معظمہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام پندرہ دن تک رہا' جب یہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں۔

فتح مکہ اور بت شکنی:

فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ کعبہ میں سینکڑوں بت تھے جن میں ہبل بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا' یہ انسان کی صورت کا تھا اور یاقوتِ احمر سے بنا تھا۔ سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا تھا' خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پڑپوتا تھا' ہبل کے سامنے ساٹھ تیر رہتے تھے جن پر ''لا'' و ''نعم'' لکھا ہوا تھا' عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے اور ''ہاں'' یا ''ناں'' جو کچھ نکلتا اس پر عمل کرتے [۳] جنگ احد میں ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری' وہ عین کعبہ کے اندر تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا۔

مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لئے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں' ان میں سے سب سے بڑے لات' مناۃ اور عزیٰ تھے' عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا' مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے' عزیٰ یہیں منصوب تھا' بنوشیبان اس کے متولی تھے' اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ اللہ جاڑوں میں ''لات'' کے ہاں اور گرمیوں میں ''عزیٰ'' کے ہاں بسر کرتا ہے' عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ میں بجالاتے تھے' اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔ [۴]

مناۃ تخت گاہ مشلّل تھا' جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے' وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا' ازد' غسان' اوس اور خزرج اس کا حج کرتے تھے' عمرو بن لحیٰ نے جو اصنام قائم کئے تھے یہ ان سب میں بالاتر تھا۔ اوس اور خزرج جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آ کر ادا کرتے تھے۔ [۵] قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا' جو ینبع کے اطراف رہاط میں تھا' یہ ایک پتھر تھا' اس کے متولی بنولحیان تھے۔

بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن میں سارا عرب گرفتار تھا' اب ان کی بربادی کا وقت آ چکا تھا اور دفعتاً ہر جگہ خاک اڑنے لگی۔

---

[۱] فتح الباری ذکر فتح مکہ

[۲] فتح الباری ذکر فتح مکہ (اخبار مکہ ازرقی میں بہ تفصیل یہ واقعات مذکور ہیں)

[۳] معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہ ہشام بن محمد کلبی

[۴] یہ تمام تفصیل زرقانی جلد دوم صفحہ ۴۰۰ میں ہے۔

[۵] معجم البلدان ذکر منات۔

هوازن وثقیف

غزوۂ حنین، اوطاس، طائف

شوال ۸ھ ہجری

﴿وَ یَوۡمَ حُنَیۡنٍ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ﴾

حنین:

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل ہے [1] اور یہ اس کے دامن میں ہے۔ اس مقام کو اوطاس [2] بھی کہتے ہیں، ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں۔

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے۔ ان کا خیال تھا کہ محمد اگر قریش پر غالب آ گئے اور مکہ فتح ہو گیا تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں، مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا [3] لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا، یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے، اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا، یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے [4] کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ اس بنا پر فتح مکہ (کے بعد) ہوازن اور ثقیف کے روساء نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور تمام قبائل عرب سے قرارداد ہو گئی کہ مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک عام حملہ کیا جائے، مکہ فتح ہوا تو ان کو یقین ہو گیا کہ اب جلد تدارک نہ کیا گیا تو پھر کوئی طاقت اسلام کو زیر نہ کر سکے گی۔

آنحضرت ﷺ کی روانگی کے وقت ان کو یہ غلط خبر پہنچی تھی کہ حملہ کا رخ انہی کی طرف ہے اس لئے اب انتظار کی حاجت بھی نہ تھی، دفعتاً بڑے زور و شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے، جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ تمام اہل و عیال لے کر آیا تھا کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دے دیں گے۔

---

[1] یہاں مصنف کی عبارت میں کچھ اغلاق ہے، مطلب یہ ہے کہ حنین زرقانی کی تصریح کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل ہے۔ لیکن ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے۔ ''س''

[2] قاضی عیاض کی یہی رائے ہے لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے۔ فتح الباری و زرقانی ذکر غزوہ ہوازن و اوطاس'' ''س''

[3] صحیح بخاری ذکر فتح مکہ (بعد) باب مقام النبی ﷺ بمکہ

[4] مارگولیوس صاحب لکھتے ہیں، حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جن کو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی نہایت خائف تھے۔

اس معرکہ میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں تاہم کعب اور کلاب الگ رہے' فوج کی سرداری کے لئے انتخاب تو مالک بن عوف[1] کا کیا گیا جو قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم تھا لیکن مشیر کی حیثیت سے دُرید بن الصمّہ کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو عرب کا مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کا سردار تھا۔ اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں لیکن اس کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا' چونکہ پورا عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے و تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا' خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی۔ پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدان جنگ میں لائے' اس نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے' لوگوں نے کہا اوطاس۔ بولا" ہاں یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے' اس کی زمین نہ بہت سخت ہے' نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں" پھر پوچھا کہ" یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آ رہی ہیں" لوگوں نے کہا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے۔ بولا کہ" جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی' میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی"۔ پھر پوچھا کہ" کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں" اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان جنگ میں نہیں تو کہا" اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے۔" اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں اعلان جنگ کیا جائے۔ لیکن مالک بن عوف نے جو تیس سالہ نوجوان تھا جوشِ شباب میں اس رائے کو قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہو چکے' آپ کی عقل بے کار ہو چکی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کو (مکہ میں) ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ کو بھیجا' وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کئے۔ آنحضرت ﷺ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں' رسد اور سامان جنگ کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی' عبداللہ بن ابی ربیعہ' جو ابوجہل کے بے مات بھائی تھے' نہایت دولت مند تھے' ان سے تیس ہزار درہم قرض[3] لئے' صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی میں مشہور تھا' لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا' اس سے آنحضرت ﷺ نے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے' اس نے سو زرہیں اور ان کے لوازمات پیش کئے۔[4]

شوال ۸ ہجری مطابق جنوری فروری ۶۳۰ء اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ صحابہؓ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ" آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے" لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ

---

[1] عوف غزوۂ طائف کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ میں شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۶) "س"

[2] یہ تمام تفصیل طبری میں ہے' جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۵ تا ۱۶۵۷

[3] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۶' اصابہ میں امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی ہے' لیکن اس میں دس ہزار کی تعداد ہے

[4] مؤطا میں ہے کہ جب آپ نے اس سے ہتھیار مانگے تو اس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبراً مانگتے ہو تو میں نہیں دیتا) آپ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً (ابوداؤد باب الضمانہ میں بھی اسی قسم کی روایت ہے)۔

نازش پسند نہ تھی۔

﴿ وَ یَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَذَالِكَ جَزَآءُ الْکَافِرِیْنَ ﴾ (توبہ ۴)

اور حنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے، لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

فتح کے بجائے وہلۂ اول میں مطلع صاف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے بھی کوئی پہلو میں نہ تھا۔[1] حضرت ابوقتادہؓ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک

---

[1] لیکن اور روایتوں میں چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے۔ ان دونوں روایتوں کی تطبیق یہ ہے کہ یہ دو مختلف وقفوں کے حالات ہیں، راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے، تفصیل آگے آئے گی (مصنف نے آئندہ تفصیل کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا ہے اس لئے تفصیل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند باتیں قابل تشریح ہیں۔

(۱) پہلی یہ کہ مصنف نے اول وہلہ میں مسلمانوں کی شکست تسلیم کی ہے، یہ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر کی رائے ہے لیکن حدیث صحیح کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی، لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، دشمن کے تیراندازوں نے موقع پا کر تیراندازی شروع کر دی جس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی۔ بخاری میں حضرت براءؓ کے الفاظ یہ ہیں:

و انا لما حملنا علیھم انکشفوا فاکببنا علی الغنائم فاستقبلنا بالسھام (بخاری غزوہ حنین)

اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہم کو تیروں پر دھر لیا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں کچھ لوگ محض اس غرض ہی سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے جو اس جنگ میں شریک تھیں حضور انور ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجئے انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

اقتل من بعد نامن الطلقاء انھزموا بك (غزوہ النساء مع الرجال)

ہمارے سوا ان طلقاء کو قتل کر دیجئے ان ہی نے آپ کو شکست دلوائی۔

امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

لم یحصل الفرار من جمیعھم و انمافتحه علیھم من فی قلبه مرض من مسلمة اهل مکة المئولفة و مشرکیھا الذین لم یکونوا اسلموا و انما کانت ھزیمتھم فجاة لا انصبابھم علیھم دفعة واحدۃو رشقھم بالسھام ولا ختلاط اھل مکة معھم ممن لم یستقر الایمان فی قلبه و ممن یتربص بالمسلمین الدوائر فیھم نساء و صبیان خرجوا للغنیمة

(غزوہ خیبر)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار دے ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

سب لوگ نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مؤلفۃ القلوب میں جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے اور جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے بھاگنا شروع کیا تھا اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنوں نے ایک ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی تھی اور فوج میں ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر مصائب کے منتظر تھے اس میں عورتیں اور بچے بھی تھے جو غنیمت کے لئے آئے تھے۔

مؤرخ طبری نے اس موقع پر مکہ کے ان طلقاء کی زبان سے جو فقرے نقل کئے ہیں وہ بھی اسی راز کی پردہ کشائی کرتے ہیں کہ اہل مکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ دل سے نہ تھے (جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۰ لائیڈن) متقدم مفسروں میں سے ابن جریر طبری نے لکھا ہے (ان الطلقاء انجفلوا یومئذ الناس و جلوا عن النبی ﷺ ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶۳) عہد متوسط کے مفسروں میں سے ابوحیان اندلسی کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿یقال ان الطلقاء من اہل مکۃ فروا و قصدوا القاء الھزیمۃ فی المسلمین﴾

(بحر المحیط جلد ۵ صفحہ ۲۴)

کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔

متاخر مفسروں میں سے صاحب روح المعانی نے تفسیر سورۃ توبہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں

﴿وکان اول من انھزم الطلقاء مکراً منھم و کان ذلک سببا لوقوع الخلل و ھزیمۃ غیرھم﴾

(جلد ۱۰ ص ۶۲)

سب سے پہلے طلقاء مکر و فریب سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس سے مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہوئی۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ پسپائی کے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت ثابت قدم رہی۔

اس سلسلہ میں بنائے اشتباہ بخاری کی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ

لوگ پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ تنہا رہ گئے۔

مصنف نے ان الفاظ کو اپنے پیش نظر رکھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے جس جگہ رسول اللہ ﷺ تھے وہاں کوئی نہ تھا' اسی روایت میں حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت رسول کریم ﷺ نے انصار کو آواز دی تو انصار نے یہ الفاظ کہے لبیک یا رسول اللہ و سعدیك نحن معك (ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ خوش ہیں کہ ہم آپ کے پاس ہیں) اسی باب میں حضرت انسؓ کی ایک روایت اس سے پہلے ہے جس میں انصار کے الفاظ یہ ہیں:

﴿لبیك یا رسول اللہ و سعدیك نحن بین یدیك﴾ (بخاری غزوۂ طائف)

ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ خوش ہیں کہ ہم آپ کے سامنے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے حضور ﷺ کی تنہائی اور رفقائے خاص کے پاس رہنے کی تطبیق ان الفاظ میں کی ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گئی۔اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی' لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔اسی اثناء میں میں نے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

﴿ و یجمع بین قوله حتی بقی وحده وبین الاخبار الدالة علی انه بقی معه جماعة بان المراد بقی وحده متقد ما علی العدو والذین ثبتوا معه کانوا وراء ہ﴾ (جلد ۸ صفحہ ۲۴ مصر)

اوراس قول میں کہ حضور ﷺ تنہارہ گئے اوران واقعات میں جواس پردال ہیں کہ حضور کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت تھی تطبیق یہ ہے کہ حضور ﷺ دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام میں تھے اور جو آپ کے ساتھ ثابت قدم تھے وہ آپ کے پیچھے تھے۔

دوسرے یہ کہ بخاری ہی میں حضرت براءؓ کی جو روایت ہے اس میں حضرت براءؓ تصریح کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حارث اس وقت حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے اور آپ کی سواری کی لگام تھامے تھے (غزوہ حنین بخاری)

مسلم میں حضرت عباسؓ کے پُر زور الفاظ یہ ہیں کہ ''میں نے اور ابوسفیان بن حارث نے حضور ﷺ سے علیحدگی اختیار نہیں کی۔

﴿فلزمت انا و ابو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب رسول الله ﷺ فلم نفارقه ﴾ (مسلم غزوہ حنین)

صحیحین کی ان روایات کے سوا روایت ذیل بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے:

(۱) ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں جو حکم بن عتیبہ سے مروی ہے' چار آدمیوں کا حضور ﷺ کی خدمت میں باقی رہنا بتایا گیا ہے (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۳)

(۲) ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اس دن حضور ﷺ کے ہمراہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے

(ترمذی ابواب الجهاد باب ماجاء فی الثبات عند القتال)

(۳) مسند احمد (ج اول ص ۴۵۳) و حاکم میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ اس دن حضورؐ کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے (فتح الباری ج ۸ ص ۱)

(۴) بیہقی نے حارثہ نعمان سے روایت کیا ہے کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے (زرقانی ج ۳ ص ۲۳) ابونعیم نے دلائل میں سو کی تفصیل بتائی ہے کہ تیس سے کچھ زائد مہاجرین تھے بقیہ انصار تھے (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳)

(۵) ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس اس وقت مہاجرین انصار اور اہل بیت میں سے حسب ذیل اصحابؓ موجود تھے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث، حضرت جعفر بن ابی سفیان بن حارث، حضرت فضلؓ بن عباس، حضرت ربیعہؓ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ایمنؓ بن ام ایمن۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے الفاظ بقی وحدہ اپنے ظاہری معنی پر باقی نہیں رہ سکتے۔حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ حقیقت یہ نہ تھی۔دوسری روایت میں ثابت قدم رہنے والوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ ص ۴۲) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت سرور کونین ﷺ کے آس پاس تھے اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں حضور ﷺ کے پاس پہنچنے لگے یہاں تک کہ خاصی جماعت حضور کے گرد جمع ہوگئی۔اسی وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے'' س''

حضرت عمرؓ کو دیکھا، پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔[1]

شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے۔ وہ جوانی کے غرور میں اسلحۂ جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔[2] فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے[3] ہوازن قدراندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، میدانِ جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔[4] کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوؤں اور دروں میں جا بجا جما دیئے تھے، فوجِ اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا، میدانِ جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے، حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں، اُدھر کمین گاہوں سے قدراندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا، مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فادبروا عنه بقی وحده[5] یعنی سب لوگ ٹل گئے اور آنحضرت ﷺ اکیلے رہ گئے۔

تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پابرجا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم بلکہ مجموعۂ کائنات تھا۔

آنحضرت ﷺ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی، آپ سواری سے اُتر پڑے اور جلالِ نبوت کے لہجہ میں فرمایا "میں اللہ کا نبی اور اس کا پیغمبر ہوں"۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے:

انا النبی لا کذب	میں پیغمبر ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے۔
انا ابن عبدالمطلب	میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے، آپ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انہوں نے نعرہ مارا:

یامعشر الانصار یا	اوگروہِ انصار!
یا اصحاب الشجرة	او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین ج ا ص ۶۱۸ "س"

[2] بخاری باب الجہاد باب من صف صحابه عندالهزیمته و نزول عن دابة "س"

[3] مصنف کا یہ فقرہ واضح نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ گو وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ عمدۃ القاری جلد ہشتم ص ۳۵۹ مصر اور شرح مسلم نووی غزوہ النساء مع الرجال میں ہے لیکن ہنوز وہ تازہ مسلمان تھے، راسخ الاسلام نہیں ہوئے تھے اس لئے مہاجرین و انصار جیسا استقلال و اثبات ان میں اس وقت تک پیدا نہیں ہوا تھا "س"

[4] بخاری باب الجہاد (باب مذکور) "س"

[5] صحیح بخاری جلد دوم ص ۶۲۱ (غزوۂ طائف)

اس پراثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی، جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے۔ انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے، دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر مالک بن عوف بھی تھا۔

اوطاس:

درید بن الصمہ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں آیا۔ آنحضرت ﷺ نے (ابو عامر اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لئے بھیج دی حضرت ابو عامر، درید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے اور علم اسلام اس کے ہاتھ میں تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا، دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا [1] درید ایک شتر پر ہودج میں سوار تھا، ربیعہؓ بن رفیع نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن اچٹ کر رہ گئی، اس نے کہا ''تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے'' پھر کہا کہ ''میرے محمل میں تلوار ہے نکال لو اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ میں نے درید کو قتل کر دیا''۔ ربیعہؓ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا ''اللہ کی قسم درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا'' [2]

اسیرانِ جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی، ان میں حضرت شیماءؓ بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں، لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا ''میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔'' لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس لائے انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ نے دانت سے کاٹا تھا، یہ اس کا نشان ہے۔'' فرطِ محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ ''جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے'' [3] انہوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا، چنانچہ عزت اور احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں۔

محاصرہ طائف:

حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ طائف نہایت محفوظ مقام تھا، طائف اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا نہایت شجاع، تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا، عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابوسفیان (امیر

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۹

[2] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۶ مطبوعہ یورپ

[3] طبقات ابن سعد و اصابہ و طبری (جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۸)۔

معاویہؓ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی' کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے روساء پر اترتا' یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے۔ طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروۃ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ' ضبور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔ [1]

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا' اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی، سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا' چاروں طرف منجنیقیں اور جا بجا قدر انداز متعین کئے' [2]

آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں اور خود طائف کا عزم کیا' حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیئے گئے تھے' غرض محاصرہ ہوا اور اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیقیں استعمال کئے گئے' دبابہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت کی تیر بازی کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا' بہت سے لوگ زخمی ہوئے' بیس دن تک محاصرہ رہا' لیکن شہر فتح نہ ہو سکا' آنحضرت ﷺ نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی' لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں' چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی' آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ ان کو بددعا دیں' آپ نے یہ دعا دی: [3]

﴿ اللهم اهد ثقيفا وائت بهم ﴾

اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔

تقسیم غنائم:

محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ تشریف لائے' غنیمت کا بیشمار ذخیرہ تھا۔ چھ ہزار اسیران جنگ' چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار (سے زیادہ) بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی [4] تھی' اسیران جنگ کے متعلق آپ نے انتظار کیا کہ ان کے عزیز و اقارب آئیں تو ان سے گفتگو کی جائے' لیکن کئی دن گزرنے پر کوئی نہ آیا' مال غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے' چار حصے حسب قاعدہ اس فوج کو تقسیم کئے گئے' خمس بیت المال اور غربا و مساکین کے لئے رکھا گیا۔

مکہ کے اکثر رؤساء جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا' ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے، انہی کو قرآن مجید میں مؤلفۃ القلوب کہا ہے' قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں' ان لوگوں کا نام بھی ہے' آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات دئے جن کی تفصیل یہ ہے:

ابوسفیان مع اولاد	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۹ مطبوعہ یورپ

[2] تاریخ خمیس جلد دوم صفحہ ۱۲۲ و ابن سعد

[3] ابن سعد (جز مغازی صفحہ ۱۱۵) ''س''

[4] طبقات ابن سعد' جز مغازی ص ۱۱۰ ''س''

حکیم بن حزام	۲۰۰ اونٹ
نضر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰ اونٹ
صفوان بن امیہ	۱۰۰ اونٹ
قیس بن عدی	۱۰۰ اونٹ
سہیل بن عمرو	۱۰۰ اونٹ
حویطب بن عبدالعزیٰ	۱۰۰ اونٹ

(ان کے علاوہ تین غیر ملکی نومسلم رئیس بھی ان انعامات کے مستحق ٹھرے)

اقرع بن حابس (تمیمی)	۱۰۰ اونٹ
عیینہ بن حصین (فزاری)	۱۰۰ اونٹ
مالک بن عوف (نصری)	۱۰۰ اونٹ

ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے' عام تقسیم کی رو سے فوج کے حصہ میں جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں۔ چونکہ سواروں کو تگنا حصہ ملنا تھا اس لئے ہر سوار کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سوبیس بکریاں آئیں۔[1]

جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا' بعضوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا' حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔[2]

آنحضرت ﷺ نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا' ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے' آپ ﷺ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے عرض کی کہ "حضورؐ! ہمارے سر برآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا' نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے"[3] صحیح بخاری باب مناقب الانصار میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے انہوں نے کہا "آپ نے جو سنا صحیح ہے۔"

آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی' انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے' اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی' تم منتشر اور پراگندہ تھے' اللہ نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا' تم مفلس تھے' اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا۔"

---

۱ طبقات ابن سعد' جز مغازی ص ۱۱۰ و زرقانی علی المواہب جلد ۳ صفحہ ۴۳ "س"

۲ صحیح بخاری غزوۂ طائف۔

۳ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی صفحہ ۶۲۱۔

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "اللہ اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔[1]

آپ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمد تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد کو لے کر اپنے گھر آؤ۔"

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد درکار ہے" اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں، میں نے ان کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں دیا بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا۔[2]

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے جائیں، یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ سے تھیں، رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر کہا "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں، انہی میں تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں، اللہ کی قسم اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔ نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ نے فرمایا "مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے، لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں۔" مہاجرین اور انصار بول اٹھے، ہمارا حصہ بھی حاضر ہے، اس طرح چھ ہزار دفعتاً آزاد تھے۔[3]

واقعاتِ متفرقہ:

حضرت ماریہؓ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت ﷺ نے ابراہیم رکھا، آنحضرت ﷺ کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی، ڈیڑھ سال (۱۷ یا اٹھارہ مہینے) زندہ رہا۔ جس دن ابراہیمؓ نے وفات پائی سورج گرہن ہوا، عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے، لوگوں نے سمجھا کہ یہ ابراہیمؓ کی موت کا نتیجہ ہے، آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ "سورج اور چاند اللہ کی قدرت ہیں، کسی کے مرنے اور جینے سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔" اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی۔[4]

آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰، باب غزوۂ طائف

[2] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰، باب غزوۂ طائف و فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۱ "س"

[3] صحیح بخاری و فتح الباری پوری تفصیل فتح الباری میں ہے

[4] بخاری باب کسوف

۹ھ

واقعہ ایلاء و تخییر و غزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر [1] ۹ھ:

رسول اللہ ﷺ زاہدانہ اور تمام زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی' آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے' مدت العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ ازواج مطہراتؓ اس جنس لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے' اور گو شرفِ صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحاتِ اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے' ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا۔

ازواج مطہراتؓ میں بڑے بڑے گھرانوں کی خاتونیں تھیں' حضرت ام حبیبہؓ تھیں جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھیں' حضرت جویریہؓ جو قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں' حضرت صفیہؓ تھیں جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا' حضرت عائشہؓ تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں' حضرت حفصہؓ تھیں جن کے والد فاروق اعظم تھے' بشریت کے اقتضا سے ان میں منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا' آنحضرت ﷺ سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع باسایہ ترانمی پسندم' کی حد تک تھی۔

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا' آپ کو شہد بہت مرغوب تھا' آپ نے نوش فرمایا' اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی' حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا' حضرت حفصہؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے' (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت ﷺ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا' اس پر قرآن مجید [2] کی یہ آیت اُتری۔

﴿ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ﴾ (تحریم آیت ۱)

---

[1] بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ ذوالحجہ ۵ھ کا واقعہ ہے' اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ بعض روایتوں میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن آگے چل کر حضرت عمرؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانوں میں اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا' جس کی اطلاع پہلے معلوم ہو چکی تھی' غسان کا حملہ ۹ ھ میں ہونے والا تھا' حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بدلائل ثابت کیا کہ یہ اوائل ۹ھ کا واقعہ ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۰)

[2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم' اس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے' جس میں یہ بھی ہے کہ اس تدبیر میں اور ازواج مطہراتؓ بھی شریک کر لی گئیں اور جس نے اول اس کا اظہار کیا وہ حضرت سودہؓ تھیں۔

اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو۔

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے:

﴿فان قلت كيف جاز لعائشة و حفصة الكذب و المواطاة التى فيها ايذاء رسول الله ﷺ قلت كانت عائشه صغيرة مع انها وقعت منها من غير قصد الا يذاء بل على ماهم من حبلة النساء فى الغيرة على الضرائر﴾ (تفسیر سورۂ تحریم)

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا' تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کمسن تھیں' اس کے علاوہ ان کا مقصود آنحضرت ﷺ کو ایذا دینا نہیں تھا بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں' اس طرح کی ایک تدبیر تھی۔

لیکن علامہ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے' اول تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ میں ہے جو ۹ ھ میں واقع ہوا تھا' اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھیں' دوسرے حضرت عائشہؓ کمسن تھیں لیکن اور ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں وہ تو پوری عمر کی تھیں' خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرت ﷺ کی شادی کے وقت ۳۵ برس کی تھی۔

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی' تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے[1] مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں [2] البتہ ازواج مطہرات کا ایکا کرنا بظاہر محل اعتراض ہوسکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں کہ ازواج مطہراتؓ معصوم تھیں یا اپنے انجاحِ مقصد کے لئے جائز وسائل نہیں اختیار کرتی تھیں' اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی اور تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہنا' لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا اس پر یہ آیت اتری:

﴿وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (تحریم۔۱)

اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی اور اللہ نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا' پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی' پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے عالم خبیر نے خبر دی۔

شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہؓ و حفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا' یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں' اس پر حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی شان میں یہ آیتیں اتریں:

---

۱ مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۴۹ ''س''

۲ عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۲۲۶ ''س''

﴿ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ (سورہ تحریم)

اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے (یعنی رسول اللہ) کے مقابلہ میں ایکا کرو تو اللہ اور جبریل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہراتؓ شریک تھیں' آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ سے نہ ملیں گے' اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا۔ آپ نے بالا خانہ [1] پر تنہا نشینی اختیار کی' واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دی' اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دلچسپ اور پُر اثر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے' اس بیان میں کچھ ابتدائی واقعات بھی آ گئے ہیں جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ [2]

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے اور معمول تھا کہ باری باری سے ایک دن بیچ لے کر ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے اور ان پر غالب رہتے تھے۔ لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں۔ ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی' ایک دن میں نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا' انہوں نے الٹ کر جواب دیا' میں نے کہا کہ تم میری بات کا جواب دیتی ہو' بولیں تم کیا ہو' رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ان کو برابر کا جواب دیتی ہیں' یہاں تک کہ دن بھر آنحضرت ﷺ سے روٹھی رہتی ہیں' میں نے دل میں کہا' غضب ہو گیا' اٹھ کر حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرت ﷺ سے رات بھر روٹھی رہتی ہے' حفصہ نے اقرار کیا' میں نے کہا تجھ کو یہ خیال نہیں کہ رسول کی ناراضی اللہ کی ناراضی ہے' بخدا رسول اللہ میرا خیال فرماتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے' پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی شکایت کی' بولیں کہ عمرؓ! تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے' یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ

---

[1] بالا خانہ کے لئے احادیث میں مشربہ کا لفظ آیا ہے' مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ اُمّ ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے' اسی لئے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالا خانہ تھا' لیکن یہ قطعاً غلط ہے' مشربہ اُمّ ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا' حضرت عمرؓ کی جو روایت تمام صحاح میں موجود ہے اور جس کو مصنف نے آگے نقل کیا ہے اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام تھا جو حضرت حفصہؓ کے گھر اور مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا کہ حضرت عمرؓ دوڑ دوڑ کر کبھی ادھر کبھی ادھر جاتے تھے' ابوداؤد میں تصریح ہے کہ یہ مشربہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا بالا خانہ تھا جو مسجد نبوی ہی سے متصل دیگر ازواج مطہرات کے حجروں کے برابر تھا (ابوداؤد باب الامام یصلی من قعود) ''س''

[2] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح' طلاق' کتاب العلم میں باختلاف عبارت منقول ہے' صحیح مسلم باب النکاح میں بھی کئی طریق سے مذکور ہے' ان روایتوں میں باہم جزئیات میں اختلاف ہے' ہم نے تا امکان سب روایتوں کو جمع کیا ہے

اوران کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو' میں چپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔

کچھ رات گئی' میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا' میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انہوں نے کہا غضب ہو گیا' میں نے کہا کیا غسانی [1] مدینہ پر چڑھ آئے؟ بولے کہ نہیں' اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی' میں صبح کو مدینہ میں آیا' آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی' آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بالا خانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے' میں حفصہؓ کے پاس آیا تو وہ بیٹھی رو رہی ہے' میں نے کہا کہ میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا، حفصہؓ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا' دیکھا تو صحابہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں' میں ان کے پاس بیٹھ گیا' لیکن طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا' اٹھ کر بالا خانہ کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو' لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا' میں اٹھ کر پھر مسجد میں آیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیتاب ہو کر بالا خانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی' جب کچھ جواب نہیں ملا تو میں نے پکار کر کہا رباح! میرے لئے اذن مانگ شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہے کہ حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں' اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ فرمائیں تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں' آنحضرت ﷺ نے اجازت دی' اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کھری چارپائی [2] پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے، ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی' میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' آنحضرت ﷺ نے سبب پوچھا، میں نے عرض کی اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا' قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں' اور آپ پیغمبر ہو کر' آپ کی یہ حالت ہے' آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت۔"

میں نے عرض کی کیا آپ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ آپ نے فرمایا "نہیں" میں اللہ اکبر پکار اٹھا' پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں، اجازت ہو تو جا کر خبر کر دوں کہ واقعہ غلط ہے' چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تھا' آپ ﷺ بالا خانہ سے اتر آئے [3] اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۔ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ

---

[1] غسان عرب کا ایک خاندان تھا' جو شام میں رومیوں کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا' وہ رومیوں کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا

[2] بعض روایتوں میں حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے اور بعض میں سریہ (چارپائی) ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ وہ تھی چارپائی لیکن چٹائی جس سے بنی جاتی ہے اس سے بنی ہوئی تھی (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۱)

[3] آنحضرت ﷺ بالاتفاق ۲۹ روز بالا خانہ پر تشریف فرما رہے' حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخری روز کا اس روایت کے جتنے طرق ہیں ان کا ابتدائی ٹکڑا ظاہر کرتا ہے کہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسویں روز کا واقعہ ہے مصنف مرحوم نے آخری فقروں کا لحاظ کیا ہے اور بظاہر اس کو انتیسویں روز کا واقعہ سمجھا ہے' لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے کہ ۲۸ دن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴾ (احزاب۔۴)

(اے پیغمبر ﷺ اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کر دوں اور اگر اللہ اللہ کا رسول اور آخرت مطلوب ہے تو اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس آیت کی رُو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازدواج مطہرات ؓ کو مطلع فرما دیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں' دنیا اور آخرت' اگر تم چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں' اور اگر تم اللہ اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلب گار ہو تو اللہ نے نیکوکاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

مہینہ ختم ہو چکا تھا' آپ ﷺ بالا خانہ سے اُترے' چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہ پیش پیش تھیں ان کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا' انہوں نے کہا میں سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور رسول کو لیتی ہوں' تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ایلاء' تخییر' مظاہرہ' حفصہ ؓ و عائشہ ؓ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں' اور ان سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازدواج مطہرات ؓ کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں' صحیح بخاری باب النکاح (باب موعظة الرجل ابنة) میں حضرت ابن عباس ؓ کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرہ ازواج مطہرات سے انعزال' افشائے راز' آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں

حافظ ابن حجر العزال کے متعدد اسباب لکھ لکھتے ہیں

﴿ هذا هو اللائق بمكارم اخلاقه صلى الله عليه وسلّم وسعة صدره و كثرة صفحه فان ذلك لم يقع منه حتى تكرر موجبه منهن﴾ (فتح الباری جلد' صفحہ ۲۵۴)

آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق' کشادہ دلی اور کثرت عفو کے یہی مناسب ہے اور آپ نے اس وقت تک ایسا نہیں کیا ہوگا جب تک ان سے اس قسم کی حرکتیں متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوئیں

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرررساں سازش تھی جس کا اثر بہت پرخطر تھا' آیت مذکور یہ ہے:

﴿وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَیۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰىهُ وَجِبۡرِیۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

تک گویا حضرت عمر ؓ اور صحابہ کو واقعہ ایلاء کی اطلاع ہی نہ تھی' حالانکہ اس کو کوئی تسلیم نہیں کر سکتا' اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے' راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا' بخاری کی اس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها اور کتاب اللباس باب ماكان يتجوز رسول الله ﷺ من اللباس میں مذکور ہے یہ صاف تصریح موجود ہے' اس بنا پر اس فقرہ کو یوں پڑھنا چاہئے جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا)۔ "س"

ظَهِيرٌ ﴾ (تحریم۔۱)

اور اگر تم دونوں (حضرت عائشہ وحفصہؓ) رسول ﷺ کے برخلاف ایکا کرو تو اللہ اس کا مولا ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ ﷺ کی مدد کو اللہ اور جبریل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں۔

روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کر لی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائیں لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں اور حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پرخطر ہو سکتی ہے جس کی مدافعت کے لئے ملاء اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو؟

اس بنا پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا' مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جن کی تعداد ۴۰۰ تک بیان کی گئی ہے' یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت ﷺ کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوا دیں (ابن حجر نے اصابہ میں اُمّ جلدح کے حال میں لکھا ہے و کانت تحرش بین ازواج النبی ﷺ وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھیں) افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آ چکی تھی' رسول اللہ ﷺ پندرہ دن تک حضرت عائشہؓ سے کبیدۂ خاطر رہے' حضرت حسانؓ افک میں شریک ہو گئے تھے' آنحضرت ﷺ کی سالی حمنہ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھیں سازش میں آ گئی تھیں' چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دیتی تھیں' حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا' غرض اگر حضرت عائشہؓ کی برأت پر وحی نہ آ جاتی تو ایک فتنۂ عظیم برپا ہو چکا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہراتؓ کی کشش خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان بدنفسوں نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا' چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعظم حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ تھیں' ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے ذریعہ سے ان کے والدین (حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ) کو اس سازش میں شریک کر لینا ممکن ہے لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کو رسول ﷺ کی خاک پر قربان کر سکتے تھے' چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ''ارشاد ہو تو حضرت حفصہؓ کا سر لے کر آؤں۔''

آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہؓ وحفصہؓ سازش بھی کریں گی اور منافقین اس سے کام لیں گے تو اللہ پیغمبر کی اعانت کے لئے موجود ہے اور اللہ کے ساتھ جبریل وملائکہ بلکہ تمام عالم ہے۔

روایاتِ کاذبہ:

ان واقعات میں کذابین رواۃ نے اس قدر تلبیسات اور خداعیاں کی ہیں کہ بڑے بڑے مؤرخین وارباب سیر نے یہ روایتیں اپنی تصانیف میں سند کے طور پر درج کر دیں' اس لئے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

اس قدر عموماً مسلم ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کی خاطر سے

کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی' اختلاف اس میں ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتوں میں ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھیں جن کو عزیز مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا' ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا راز جو حضرت حفصہؓ نے فاش کر دیا تھا' ان ہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا۔ اگرچہ یہ روایتیں بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہیں' لیکن یورپ کے اکثر مؤرخوں نے آنحضرت ﷺ کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریاں کی ہیں ان کی گل سرسبد یہی ہیں' اس لئے ان سے تعرض کرنا ضروری ہے

ان روایتوں میں واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے' لیکن اس قدر سب کی قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت ﷺ کی موطوءۃ کنیزوں میں تھیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم میں لکھتے ہیں:

﴿و وقع عند سعيد بن منصور باسناد صحيح الى مسروق قال حلف رسول الله صلى الله عليه و سلم لحفصة لا يقرب امته الخ﴾ (صفحہ ۵۰۳ ج ۸)

اور سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ جو مسروق تک منتہی ہوتی ہے' یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے مقاربت نہ کریں گے۔

اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند ہیثم بن کلیب اور طبرانی سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

﴿وللطبرانى من طريق الضحاك عن ابن عباس قال دخلت حفصة بيتها فوجده يطاء ماريه فعاتبته﴾ (فتح الباری۔ مطبوعہ مصر ج ۸ ص ۵۰۳)

اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہؓ اپنے گھر میں گئیں تو آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ ہم بستر دیکھا' اس پر انہوں نے آنحضرت کو معاتب کیا۔

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایوں میں نقل کیا ہے' ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں' لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روایتیں محض افترا اور بہتان ہیں۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح جلد ۹ صفحہ ۵۴۸ میں لکھتے ہیں:

﴿والصحيح فى سبب نزول الاية انه فى قصة العسل لا فى قصة مارية المروى فى غير الصحيحين و قال النووى و لم يات قصة مارية من طريق صحيح﴾

اور آیت کی شانِ نزول کے باب میں صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ میں ہے، ماریہؓ کے قصہ کے باب میں نہیں ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابوں میں مذکور ہے' نووی نے کہا ہے کہ ماریہ کا واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہیں ہے۔

یہ حدیث تفسیر ابن جریر' طبرانی مسند ہیثم میں مختلف طریقوں سے مروی ہے' ان کتابوں میں عموماً جس قسم کی رطب یابس روایتیں مذکور ہیں اس کے لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو تو لائق التفات نہیں'

حافظ ابن حجر نے ان میں ایک طریقہ کی توثیق کی ہے یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہیں۔ [1] لیکن اولاً تو اس روایت میں ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہیں' صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤں گا اور وہ مجھ پر حرام ہے، اس کے علاوہ مسروق تابعی ہیں' یعنی آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا اس لئے یہ روایت اصول حدیث کی رو سے منقطع ہے یعنی اس کا سلسلہ سند صحابی تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح کہا ہے' لیکن اس طریقہ کے ایک اور راوی عبدالملک رقاشی ہیں جن کی نسبت دارقطنی نے لکھا ہے:

﴿ کثیر الخطاء فی الاسانید و المتون بحدث عن حفظه ﴾

سندوں میں اور اصل الفاظ حدیث میں بہت خطا کرتے ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کسی کتاب میں مذکور [2] نہیں ہے۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ سورۂ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہے' امام نووی نے جو ائمہ محدثین میں سے ہیں صاف تصریح کی ہے کہ ماریہؓ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں' حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا ان میں سے ایک منقطع اور دوسرے کا راوی کثیر الخطاء ہے۔ ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت استناد کے قابل ہے۔

یہ بحث اصولِ روایت کی بنا پر تھی' درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کدو کاوش کی حاجت نہیں' جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزئیات مذکور ہیں وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کیے جا سکتے' نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس ونزاہت کا پیکر تھا ﷺ

---

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ تحریم۔

[2] یعنی ماریہ کے نام سے مشہور لغو واقعات کے شمول کے ساتھ نہیں ورنہ نسائی باب الغیرہ میں اس قدر مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے اصرار سے آنحضرت ﷺ نے ایک لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' لیکن اس کا ایک راوی مجروح ہے۔ ''س''

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ مطابق نومبر ۶۳۵ء

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل ہے۔

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ غسانی خاندان جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا مذہباً عیسائی تھا اس لئے قیصر روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا۔ مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کے واقعہ میں حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعتہً آ کر یہ کہا کہ غضب ہو گیا تو انھوں نے کہا کیوں خیر ہے؟ کیا غسانی آ گئے۔[1]

شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے، انہوں نے خبر دی [2] کہ رومیوں نے شام میں لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں جمع کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں اور مقدمۃ الجیش بلقا تک آ گیا ہے۔ مواہب لدنیہ میں طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں اس بناء پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں۔

بہر حال یہ خبریں تمام عرب میں پھیل گئیں اور قرائن اس قدر قوی تھے کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ سوء اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھیں۔ ان اسباب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت[3] شاق تھا۔ منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے ان کا پردہ فاش ہو چلا، وہ خود بھی جی [4] چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ:-

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ۔ گرمی میں نہ نکلو۔

سویلم ایک یہودی تھا۔ اس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے اور لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے۔ چونکہ ملک پر رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی اعانت طلب[5] کی۔ صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ نے دوسو اوقیہ چاندی اور دوسو اونٹ پیش کئے۔[6] اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں لا کر حاضر کیں

---

[1] بخاری ذکر واقعہ ایلاء

[2] مواہب لدنیہ (مع زرقانی ج ۳ ص ۶۲)

[3] مارگولیوس صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ حنین میں انصار مال غنیمت سے محروم رہے تھے اس لئے وہ بے دل ہو گئے تھے کہ ہم کیا لڑیں جب فوائد جنگ دوسروں کو حاصل ہوں گے لیکن یہ مارگولیوس صاحب کا حسن ظن ہے (قرآن نے خود بتا دیا ہے تو قیاس کی کیا حاجت ہے) ''س''

[4] ابن ہشام

[5] ابن سعد، جزء المغازی ص ۱۱۹ ''س''

[6] زرقانی جلد ۳ ص ۶۲ ''س''

تاہم بہت سے مسلمان اس بناء پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر رحم آیا' تاہم اُن کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہو سکا انہی کی شان میں سورہ توبہ کی یہ آیتیں اُتری ہیں:

﴿ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴾ (توبہ۔۱۲)

اور نہ ان لوگوں پر کچھ اعتراض ہے کہ جب تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہاں ہے جس پر تم کو سوار کرسکوں تو وہ واپس گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب آپؐ مدینہ سے تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے۔ چونکہ اس غزوہ میں بخلاف اور معرکوں کے ازدواج مطہراتؓ ساتھ نہیں گئی تھیں اہل حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا اس لئے اب کے یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا لیکن انہوں نے شکایت کی کہ آپؐ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی۔ [۱]

غرض آپؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ [۲] راہ میں وہ عبرتناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے' یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑوں میں تراش کر بنائے گئے تھے' چونکہ اس مقام پر عذابِ الٰہی نازل ہو چکا تھا' آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے' نہ پانی پیے اور نہ کسی کام میں لائے۔

تبوک کو پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی' غسانی رئیس عرب میں ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔ صحیح بخاری (غزوہ تبوک) میں جہاں حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ مذکور ہے لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور حضرت کعبؓ بن مالک کو رئیس غسان کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے سُنا ہے کہ محمد نے تمہاری قدر نہ کی' اس لئے تم میرے پاس چلے آؤ' میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں گا۔ حضرت کعبؓ معتوب نبوی تھے لیکن انہوں نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا۔

تبوک پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے بیس دن تک قیام کیا۔ [۳] ایلہ کا سردار جس کا نام یوحنا تھا' حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا' جس کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ردائے مبارک عنایت [۴] فرمائی۔ جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی۔ دومۃ الجندل جو

---

۱ صحیح بخاری غزوہ تبوک

۲ طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۹) "س"

۳ یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہے۔ (مارگولیوس)

۴ زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ (ج ۳ ص ۸۶ "س"

دمشق سے پانچ منزل پر ہے وہاں ایک عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا' قیصر کے زیر اثر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو چارسو (بیس) کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربار رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے' چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ میں آیا۔ آپؐ نے اس کو امان دی۔

تبوک سے جب آپؐ واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق میں استقبال کو نکلے یہاں تک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش میں گھروں سے نکل پڑیں اور لڑکیاں یہ اشعار گاتی نکلیں۔ [1]

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع	وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا۔
وجبَ الشکر علینا ما دعا للّٰہ داع	جب تک خدا کا پکارنے والا کوئی دنیا میں باقی ہے ہم پر خدا کا شکر فرض ہے۔

مسجد ضرار:

منافقین ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں میں کسی طرح پھوٹ ڈال دو' ایک مدت سے وہ اس خیال میں تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہیں ایک مسجد اس حیلہ سے بنائیں کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں' یہاں آ کر نماز ادا کر لیا کریں' ابو عامر جو انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا اس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو' میں قیصر کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کر دوں۔ [2]

آنحضرت ﷺ جب تبوک تشریف لے جانے لگے تو منافقین نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد تیار کی ہے آپؐ چل کر اس میں ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تو مقبول ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت میں مہم پر جا رہا ہوں جب تبوک سے واپس پھرے تو مالک اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد میں آگ لگا دیں۔ اسی مسجد کی شان میں یہ آیتیں اتری ہیں:

﴿ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِداً ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا ' بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِیْہِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ ط فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ ﴾ (توبہ۔۱۳)

اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد ضرار اور پھوٹ ڈالنے اور کفر کی غرض سے تیار کی اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے سے خدا اور رسولؐ سے لڑتے ہیں ان کو ایک کمین گاہ ہاتھ آئے اور وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے صرف بھلائی کے لحاظ سے ایسا کیا اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ محمدؐ! تو کبھی اس مسجد میں جا کر نہ کھڑا ہو، وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں نماز پڑھے' وہاں ایسے لوگ

---

[1] زرقانی بحوالہ ابن جریر (ج ۳ ص ۹۲)''س''

[2] زرقانی بحوالہ ابن جریر (ج ۳ ص ۹۱)''س''

ہیں جن کو صفائی محبوب ہے اور خدا صفائی پسند کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

حج اسلام اور اعلانِ برأت:

مکہ ۸ھ میں فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک میں اچھی طرح امن وامان قائم نہیں ہوا تھا اس لئے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکان حج انجام پائے۔ مسلمانوں نے حضرت عتابؓ بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے فریضہ حج ادا کیا۔ اب ۹ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر وشرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادت ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا' ان میں حضرت ابوبکرؓ قافلہ سالار' حضرت علیؓ نقیب اسلام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص' حضرت جابرؓ' حضرت ابوہریرہؓ [۱] وغیرہ معلم تھے۔ قربانی کے لئے (آنحضرت ﷺ کی طرف سے) بیس اونٹ ساتھ تھے۔

قرآن نے اس حج کو حج اکبر [۲] کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی۔ اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتداء کا اعلان کیا جائے، مناسک ورسوم حج کی عام طور سے تعلیم دی جائے، زمانہ جاہلیت کے رسوم وعادات کا ابطال کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی' یوم النحر میں خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے' اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے۔ سورۂ برأت کی ۴۰ آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا، نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ گیا [۳] سورۂ برأت کی ابتدائی آیتیں جس میں اللہ نے اس کا حکم فرمایا وہ یہ ہیں۔ [۴]

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

۱۔ بخاری کتاب المناسک باب لایطوف عریان' وباب حج ابی بکرؓ بالناس وتفسیر سورۃ البرأۃ۔

۲۔ سورۂ توبہ میں ہے کہ یوم الحج الاکبر مصنف نے اس حج کو حج اکبر کہنے کی جو توجیہ لکھی ہے اس کو بھی گو بعض علماء نے اختیار کیا ہے لیکن عام خیال یہ ہے کہ خاص اسی سال کے حج کو حج اکبر نہیں کہا گیا ہے بلکہ ہر حج عمرہ کے مقابلہ میں حج اکبر ہے اور عمرہ حج اصغر ہے' ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۱۰ ص ۴۲ "س"

۳۔ ابن حنبل ص ۲۹۹ ج ۲۔ عام تفصیل زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲ وغیرہ میں موجود ہے "س"

۴۔ ان آیات میں یہ بیان ہے کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ میں) جو معاہدے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئے لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ مصنف نے اس بناء پر اپنے ایک مکتوب ۴۰۔۳۷ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتیں ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہوں گی اور شاید اسی لئے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کر دیئے ہیں لیکن خاکسار جامع کا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتیں گو ۸ھ میں نازل ہوئی ہوں لیکن ان کا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ صحاح ستہ کی مستند روایات میں مذکور ہے ۹ھ کے موسم حج میں ہوا ہو "س"

وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ‌ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ‌ وَرَسُوۡلُهٗ‌ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ وَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ‌ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍۙ ؕ اِلَّا الَّذِيۡنَ عَاهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔـا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ۔ (ع۔۱)

اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا (اور انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا) ان کی خدا کی خدا کے رسول کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے‘ اب (اے معاہدہ شکن مشرکو!) چار مہینے کی تم کو مہلت ہے، اس میں تم ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے، حج اکبر کے دن لوگوں کو اعلان عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین کا اب ذمہ دار نہیں اگر (تم نے اے مشرکین) توبہ کر لی تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر اب بھی پھرے رہو تو یقین کرو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکو گے، اے پیغمبر تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دے لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اس کے ایفاء میں تمہارے ساتھ کچھ کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں انہوں نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی تو زمانہ معاہدہ کو تم پورا کرو۔ خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ﴾ ج (رکوع۔۴)

اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہیں اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئیں۔

طبری نے بواسطہ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے [1]

واقعاتِ متفرقہ:

نو سال کے بعد اب ملک میں امن و امان کا دور شروع ہوا۔ اب حصول دولت کے مواقع حاصل تھے۔ اس بناء پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال قبائل میں مقرر ہوئے [2]

اسلام کے سایہ میں بعض غیر مسلم قومیں بھی داخل ہو چکی تھیں ان کے جزیہ کی یہ آیت اتری۔

﴿ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴾ (توبہ۔۴)

تا آنکہ چھوٹے بن کر وہ جزیہ نہ ادا کریں۔

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے اس کا اعلان عام فرمایا۔

نجاشی جس کے ظل حمایت میں مسلمانوں نے چند سال حبشہ میں بسر کئے‘ اس نے امسال انتقال کیا‘ آنحضرت ﷺ نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ مسلمانو! آج تمہارے برادر صالح اصحمہ نے وفات پائی۔ اس کے لئے دعائے مغفرت مانگو۔ اس کے بعد نجاشی کے لئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

---

[1] طبری ج ۴ ص ۱۷۲۱ ’’س‘‘

[2] طبری جلد ۴ ص ۱۷۲۲ ’’س‘‘

غزوات پر دوبارہ نظر

کتاب کا یہ حصہ سادہ سوانح زندگی پر محدود ہے۔ بحث و تدقیقات اور رفع شکوک کے لئے دوسرے حصے ہیں اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہیں انہی حصوں میں لکھے جاتے لیکن کتب سیر میں کثرت اور اہمیت دونوں حیثیتوں سے جو واقعات زیادہ تر نمایاں ہیں' صرف غزوات ہیں' اگر صرف تصانیف سیرت کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام تر سوانح عمری غزوات ہی کا نام ہے' چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ سیرت نہیں بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں' مثلاً مغازی ابن عقبہ' مغازی ابن اسحاق' مغازی واقدی۔ یہ اندازِ تحریر آج تک چلا آیا' اس لئے اگر یہ طرز بالکل بدل دی جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے۔ ان اسباب سے ہم کو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا' لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں ان کو دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا۔

غیر مذہب والوں نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے میں سخت غلطیاں کی ہیں' نہ صرف بدنیتوں نے بلکہ نیک دلوں نے بھی۔ لیکن یہ تعجب کی بات نہیں' اسباب ایسے جمع ہیں کہ اس قسم کی غلطیوں پر نہ صرف دوستوں کو بلکہ دشمنوں کو بھی معذور رکھ سکتے ہیں۔

عرب اور جنگ و غارت گری:

اس باب میں سب سے مقدم اور سب سے اہم اس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیت کو ''جنگ و غارت گری'' سے کیا تعلق ہے؟ ہر قوم کے اخلاق و عادات' رسوم و معاملات' محاسن و اوصاف' معائب و مثالب' غرض اس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزیں اسی سے بنتی اور اسی سے نشوونما پاتی ہیں' عرب میں یہ چیز جنگ و غارت گری تھی' اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا' کسی قسم کی پیداوار وہاں نہیں ہوتی تھی' لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے' خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے کہ ان کا دودھ اور گوشت کھاتے' اور بالوں کو بن کر کمبل بناتے تھے' لیکن یہ جائداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی' یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی' اس لئے حملہ اور غارت گری شروع ہوئی اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارت گری قرار پایا' ابو علی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے

﴿ و ذلك انهم كانوا يكرهون ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لا تمكنهم الا غارة فيها لان معاشهم كان من الاغارة ﴾ [1]

(یہ اس لئے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ ان پر تین ماہ متواتر اس طرح گزر جائیں کہ ان میں وہ غارت گری نہ کر سکیں کیونکہ ان کا ذریعہ معاش یہی تھا)

چونکہ لوٹ میں زیادہ تر بکریاں ہاتھ آتی تھیں اور بکری کو عربی میں ''غنم'' کہتے ہیں اس لئے لوٹ کے مال کو

[1] کتاب الامالی جلد اول صفحہ ۶ مطبوعہ مصر۔

عربی میں ''غنیمت [1] کہنے لگے' اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا۔

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم' عربی زبان اور عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب' سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا۔ آج بھی ایک سلطان' ایک رئیس' ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کے وقت رخصت کرتا ہے تو کہتا ہے' سالما غانما یعنی سلامت آنا اور لوٹ کر لانا۔ ہماری زبان میں سب سے عزیز چیز کو جو ''غنیمت'' کہتے ہیں (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے اور عربی زبان سے آیا ہے۔

ضرورتِ معاش کی وجہ سے تمام عرب میں غارت گری اور جنگ عام ہوگئی تھی' تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے' صرف حج کے زمانہ میں مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیے تھے' جن کو ''اشہر حرم'' کہتے تھے' ان مہینوں میں لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا معطل رہنا سخت گراں تھا' اس لئے ''نسئ'' ایک رسم ایجاد کر لی تھی' یعنی ان مہینوں کو حسب ضرورت دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے۔

حافظ ابن حجر' صحیح بخاری کی شرح (تفسیر سورۂ توبہ) میں لکھتے ہیں:

﴿ کانو ایجعلون المحرم صفرا و یجعلون صفرا المحرم لئلا یتوالی علیهم ثلاثة اشهر لا یتعاطون فیها القتال ﴾ الخ (ج ۸ ص ۲۴۳)

وہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے تاکہ پے در پے تین مہینے تک لڑائی سے محروم نہ ہو جائیں۔

ثار کا عقیدہ:

لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے' ان میں سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا' یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کے قبیلہ کو اس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا' گو سینکڑوں برس گذر جاتے تھے اور قاتل بلکہ اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل نہیں کر لیتا تھا قومی فرض سے ادا نہیں ہو سکتا تھا' اسی کو ثار کہتے ہیں' اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس تک مسلسل لڑائیاں قائم ہو جاتی تھیں' اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا تھا اور اپنے قبیلہ کے قاتلوں کا خون معاف کر دیا تھا' لیکن صحرا نشین عربوں میں آج تک یہ طریقہ قائم اور ان کے قومی خصائص کا جزوِ اعظم ہے۔

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہو گئے تھے' مثلاً یہ کہ مقتول جب مر جاتا ہے تو اس کی روح پرند بن جاتی ہے اور جب تک اس کا انتقام نہیں لیا جاتا مقامِ قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ ''مجھ کو پلاؤ میں پیاسی ہوں'' اس پرند کو صدیٰ یا ہامہ کہتے تھے۔

ابوداؤد ایادی کہتا ہے۔

سلط الموت و المنون علیهم فلهم فی صدی المقابرها م

---

[1] یہ مصنف کی ذاتی تحقیق ہے جس کی تائید کتب لغت سے ہاتھ نہیں آئی ''س''

ان پر موت مسلط ہوگئی اور مقبروں کے ''صدی'' میں ان کے لئے ''ہام'' ہے

ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے

یا عمروان لا تدع شتمی و منقصتی اضربك حیث تقول الهامة اسقونی

اے عمر! اگر تو مجھ کو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑے گا تو میں تجھ کو اس طرح ماردوں گا کہ ہامہ کہے گی کہ مجھ کو سیراب کرو

ایک یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا انتقام نہیں لیا جاتا اس کی قبر میں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے عمرو بن معدی کرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے

و اترك فی قبر بصعده مظلم خون بہا لوگے تو میں اندھیری قبر میں پڑا رہوں گا۔

اسی بنا پر خون بہا لینے کو عیب سمجھتے تھے' اسی شاعرہ کا مصرع ہے:

و مشوا باذان النعام المصلّم اور خون بہا لینا ہے تو بوچے شتر مرغ کا کان پکڑ کر لے جاؤ۔

غیرت اور حمیت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے

ولا تراهم و ان جلت مصیبتهم مع البکاة علی من مات یبکونا

گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو لیکن ان کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے'

عمرو بن کلثوم:

معاذ الا له ان ینوح نساء نا علی هالك او ان نضج من القتل

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتیں مقتول پر نوحہ کریں یا ہم قتل سے گھبرا جائیں

مقتول کا نوحہ اس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے۔

من کان مسرور ابمقتل مالك فلیات نسو تنا بو جه نهار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا وہ دن کو ہماری عورتوں کے پاس آئے۔

یجد النساء حوا سر ایندبنه یلطمن او جهن بالاسحار

دیکھے گا کہ عورتیں ننگے سر نوحہ کر رہی ہیں اور صبح کو اپنے چہروں پر دوہتڑ مار رہی ہیں

ایک خیال یہ تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اس کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے' ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا' اسی بنا پر بیماری سے مرنے کو ''حتف انف'' کہتے تھے' یعنی ''ناک کی موت'' اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے۔

وما مات منا سید حتف انفه ولا طُل منّا حیث کان قتیل

ہمارا کوئی سردار ناک کی راہ سے نہیں مرا اور نہ ہمارے کسی مقتول کا خون ہدر ہوا۔

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق و عادات کا اصلی محور جنگ بن گیا۔ یعنی ان کے اوصاف و اخلاق میں جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے یہی چیز نکلتی تھی۔ یہی چیز تھی جسے ایک مدت تک قبائل عرب کو اسلام لانے سے باز

رکھا۔ حضرت عمرو بن مالکؓ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا "بنوعقیل پر ہمارا انتقام باقی ہے وہ لے لیں تو اسلام لائیں" چنانچہ اسی وقت بنوعقیل پر جو اسلام لا چکے تھے حملہ آور ہوئے اور خود حضرت عمرو بن مالکؓ نے اس میں شرکت کی۔ گو پھر ان کو بہت ندامت ہوئی کہ ان کے ہاتھ سے ایک مسلمان[1] مارا گیا۔

لوٹ کا مال:

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لڑائیوں کی اصل بنیاد ضرورتِ معاش سے شروع ہوئی تھی اس لئے عرب کے نزدیک مال غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی اور ذرائع معاش میں سب سے زیادہ حلال وطیب اسی کو سمجھتے تھے' یہ خیال اس قدر دلوں میں راسخ اور رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا اور جس طرح شارع نے ممنوعات شریعہ کو بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا۔

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا تو پہلے یہ آیت اتری:

﴿ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ ﴾ (بقرہ۔۲۷)

لوگ تجھ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ دونوں میں بڑا گناہ ہے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا:

﴿ اَللّٰهُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا ﴾

اے اللہ شراب کے متعلق ہم کو صاف احکام بتا۔

پھر یہ آیت اتری:

﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی ﴾ (نساء۔۷)

نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔

چنانچہ نماز کا وقت آتا تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے ایک شخص منادی[2] پکارتا کہ کوئی شخص نشہ میں نماز کو نہ آئے۔ پھر یہ آیت اتری:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ (مائدہ۔۱۲)

مسلمانو شراب' جوا' انصاب' فال کے تیر' یہ سب ناپاک اور شیطان کے کام ہیں' تو ان سے بچو کہ غالباً تم فلاح پاؤ گے' شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور قمار کے ذریعہ سے تم لوگوں میں عداوت اور بغض ڈالے اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے تو تم باز آؤ گے؟

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک جلد ۳ صفحہ ۱۳ "س"

[2] مسند امام احمد ابن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۵۳ و ابوداؤد کتاب الاشربہ باب تحریم الخمر "س"

باوجود اس کے آنحضرت ﷺ نے شراب کی حرمت کے متعلق اس قدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پیتے تھے تڑوا دیئے۔ لوگوں نے عرض کی کہ شراب کا سرکہ بنالیں' اس سے بھی منع فرمایا' ان سب باتوں پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے شرابیں پیں اور جب ان سے باز پرس کی گئی تو انہوں نے نیک نیتی سے کہا کہ نیک اور اچھے آدمیوں کے لئے شراب کہاں حرام ہے؟ قرآن مجید میں خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ﴾ (مائدہ ۱۲)

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) ان پر کچھ الزام نہیں۔

اس موقع پر بہت سے صحابہ موجود تھے' حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ ان صحابہ کی نسبت ہے جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مر گئے۔ حضرت عمرؓ نے تصدیق کی اور ان لوگوں کو سزا دی۔ چنانچہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری میں مذکور ہے۔

اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ جب کوئی چیز زمانہ دراز سے رسم و عادت میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کے آثار اور مخفی نتائج مدتوں تک قائم رہتے ہیں اور غنیمت کا بھی یہی حال ہے۔

سب سے پہلے جنگ بدر میں قبل اس کے کہ مال غنیمت یکجا جمع کیا جاتا لوگ غنیمت میں مصروف ہو گئے۔ اس پر یہ آیت اُتری

﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (انفال۔۹)

اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ کیا اس پر تم کو عذاب ہوتا۔

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر انفال میں یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ ''جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا مال و اسباب قاتل کو ملے گا۔'' اس بنا پر لوگوں نے مسلوبہ مال کا دعویٰ کیا' جو صحابہؓ خود لڑے نہ تھے بلکہ علم اور درایت کے محافظ تھے ان کا دعویٰ تھا کہ اس میں ہمارا بھی حق [1] ہے' اس پر یہ آیت اتری

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ (انفال۹)

لوگ تجھ سے غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں' کہہ دے غنیمت اللہ اور رسول کی ہے۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مجاہدین مال غنیمت کا خود دعویٰ نہیں کر سکتے اس کی تقسیم آنحضرت ﷺ کے اختیار میں ہے جس طرح آپ چاہیں تقسیم فرمائیں۔ اس سے اتنا ہوا کہ لڑائیوں میں ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا، لیتا تھا بند ہو گیا لیکن میدانِ جنگ کے علاوہ اور موقعوں پر لوٹنا مدتوں موقوف نہیں ہوا۔ سنن ابی داؤد [2] میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھے' بھوک کی سخت تکلیف ہوئی' اتفاقاً سامنے بکریاں نظر پڑیں' ان کو لوٹ لائے اور ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے

---

[1] سنن ابی داؤد باب النفل

[2] کتاب الجہاد باب فی النهی عن النبهی

اور کمان جو ہاتھ میں تھی اس سے دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا کہ "لوٹ کی چیز مردہ سے بڑھ کر حلال نہیں"

خیبر کی لڑائی ۷ھ میں ہوئی۔ اس وقت تک یہ حال تھا کہ امن کے بعد لوگوں نے یہودیوں کے جانور اور پھل لوٹ لئے۔ اس پر آنحضرت ﷺ کو نہایت غصہ آیا' آپ نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا

﴿ان اللّٰہ تعالی لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اهل الکتاب الا باذن ولا ضرب نساء هم ولا اکل ثمارهم اذا اعطوکم الذی علیهم﴾ (سنن ابی داؤد باب فی تعشیر الذمة اذا اختلفوا فی التجارة)

خدا نے تم لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ (مگر بہ اجازت) اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو' نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ' جب کہ وہ تم کو وہ ادا کریں جو ان پر فرض ہے۔

آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ غنیمت کے ساتھ لوگوں کا جو شغف ہے کم ہو جائے لیکن مدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی۔ غزوۂ احد میں صرف اس وجہ سے شکست ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے اگرچہ تیر اندازوں کو سخت تاکید فرمادی تھی کہ گو لڑائی کی کچھ حالت ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا تاہم جو فتح ہوئی تو لوگ بے اختیار لوٹ میں مصروف ہو گئے' ان کا ہٹنا تھا کہ دشمن نے موقع پا کر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا حنین میں بھی شکست کی اصلی وجہ یہی تھی کہ قبل از وقت لوگوں نے غنیمت لوٹنی شروع کر دی تھی۔

"غنیمت" اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبوں کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ مل سکا۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک سریہ میں حملہ کرنا چاہا' قبیلہ والے روتے ہوئے آئے' انہوں نے کہا لا الہ الا اللہ کہو تو تمہاری جان اور مال بچ جائے گا' انہوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کو امن دے دیا گیا۔ جب یہ اپنے ساتھیوں میں آئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ

﴿احرمتنا الغنیمة﴾[1]

تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جب یہ لوگ گئے تو آپ نے ان صحابیؓ کی تحسین کی اور فرمایا "کہ تم کو ایک ایک آدمی کے بدلے (جس کو تم نے چھوڑ دیا) اس اس قدر ثواب ملے گا"۔

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ مدت تک لوگ یہ سمجھا کئے کہ غنیمت حاصل کرنا ثواب کا کام ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ "یارسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کچھ مال ہاتھ آئے" آپ نے فرمایا کہ "اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا"۔ یہ جواب انہوں نے آکر لوگوں سے بیان کیا تو لوگوں کو بہت تعجب ہوا' اور ان سے کہا کہ تم نے آنحضرت ﷺ کا مطلب نہیں سمجھا پھر جا کر پوچھو۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا اور وہی جواب ملا' لوگوں نے پھر ان کو بھیجا اور پھر آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہیں[2] ملے گا۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں۔

---

[1] ابوداؤد باب مایقول اذا اصبح' کتاب الادب'

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الجهاد باب فی من یغزو و یلتمس الدنیا

وحشیانہ افعال:

عرب میں لڑائیوں کی شدت اور وسعت نے نہایت وحشیانہ رسمیں قائم کر دی تھیں جن میں سے چند کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے تو چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کرتے تھے بلکہ آگ میں جلا دیتے تھے۔ [۱]

(۲) غفلت یا نیند کی حالت میں دفعتہً دشمن پر جا پڑتے تھے اور قتل و غارت گری شروع کر دیتے تھے' یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا۔ بہت سے بہادر اس خاص طریقہ میں زیادہ ممتاز تھے اور ان کو فاتک یا فتاک کہتے تھے' تابط شرا' سلیک ابن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے۔

(۳) زندوں کو آگ میں جلا دیتے تھے۔ عمرو بن ہند (عرب کا ایک بادشاہ تھا) کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا تو اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا۔ چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا' وہ لوگ بھاگ گئے۔ صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمرا تھا' اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈال دیا' اتفاق یہ کہ یہ سوار جس کا نام عمار تھا آ نکلا' عمرو نے پوچھا تو کیوں آیا' اس نے کہا میں کئی دن کا بھوکا تھا' دھواں اٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہو گا' عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جریر نے اپنے شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے

و اخزاکم عمرو کما قدم خزیتھم   و ادرك عمارا شقیٌّ البراجم

(۴) بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے تھے' داحس اور غبراء کی لڑائیوں میں قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے تھے' حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا ان بچوں کو لے جا کر ایک وادی میں کھڑا کیا اور ان کو نشانہ بنا کر قدر اندازی کرتا تھا' اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرا تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاند ماری پھر شروع ہوتی [۲] تھی اور لوگ یہ تماشہ دیکھتے تھے۔

(۵) قتل کا ایک یہ طریقہ تھا کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ غطفان اور عامر کی لڑائی میں اسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا جیسا کہ عقد الفرید میں یہ تفصیل مذکور ہے۔

عرنیہ کے لوگ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بظاہر اسلام لا کر آنحضرت کے غلام کو پکڑ لے گئے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے' پھر ان کی آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ [۳]

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا' مردوں کے ہاتھ' پاؤں' کان اور ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے' ہند نے جنگ احد میں اسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضا

[۱] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران ص ۳۴۲

[۲] مجمع لامثال ص ۴۷۷

[۳] یہ واقعہ تمام کتب حدیث میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۶۷ سے ماخوذ ہے۔ مسلم میں صرف آنکھوں کا اندھا کرنا مذکور ہے۔

کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا تھا۔

(۷) منت مانتے تھے کہ دشمن پر قابو ہاتھ آئے گا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے۔ سلافہ کے دو بیٹے جنگ احد میں عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے اس بنا پر سلافہ نے منت مانی کہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پیے گی۔[1] یہ بھی معمول تھا کہ مقتول کا کلیجہ نکال کر کھا جاتے تھے' ہند نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ جو نکال کر چبالیا تھا اس کا حال اوپر گذر چکا ہے

(۸) حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر ڈالتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے

بقرنا الحبالی من شنئوة بعد ما   خبطن بفیف الرمح نهدا ه ختعما

غزواتِ نبوی کے اسباب اور انواع:[2]

تفصیل مذکورۂ بالا کے بعد اب ہم اِس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ غزواتِ نبوی کن اسباب سے وجود میں آئے اور شارع نے طریقۂ قدیم میں کیا اصلاحیں فرمائیں۔ مؤرخین نے ''غزوہ'' کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے دو چار آدمی بھی کہیں بھیج دیئے گئے تو اس کو بھی انہوں نے غزوہ میں شمار کرلیا۔ غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے یعنی ''سریہ'' غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم سے کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے' سریہ میں کوئی قید نہیں۔ ایک آدمی بھی کہیں لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیج دیا گیا تو یہ بھی سریہ ہے' بعضوں کے نزدیک غزوہ کے لئے یہ شرط ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس اس میں شرکت کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہیں وہ چند قسموں پر منقسم ہے

(۱) محکمۂ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل وحرکت کی خبر رسانی۔

(۲) دشمنوں کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیش قدمی کرنا۔

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہوکر مسلمانوں کو حج وعمرہ کی اجازت دیں۔

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوجیں بھیجنا۔

(۵) اشاعتِ اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کردی گئی، اس صورت میں تاکید کردی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے۔

غزوہ کی صرف دو صورتیں تھیں

(۱) دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کررہے ہیں اور پیش قدمی کی گئی۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۹ (سریہ مرثد بن ابی مرثد) ''س''

[2] یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ بحث تمام تر تاریخی حیثیت سے ہے' جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گی

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جولڑائیاں واقع ہوئیں یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے انہی مختلف اغراض سے تھے۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کرلیا کہ اسلام کو مٹا دیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف ان کے مذہب کو صدمہ پہنچے گا دوسری طرف تمام عرب میں ان کا جو تفوق اور اثر اور مرجعیت عام ہے سب جاتا رہے گا۔ اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں، دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہوگیا تو تمہاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہو جائے گی۔

بیعت عقبہ میں جب انصار آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے تو ایک انصاری نے کہا ''برادران من! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کررہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلان جنگ ہے۔'' اوپر ہم مسند دارمی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرآئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو تمام عرب مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہوگیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ میں مہاجرین اور انصار رات کو سوتے تو ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ اوپر گزر چکا ہے (بحوالہ ابوداؤد)[1] کہ قریش نے عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا تھا کہ ''محمد کو وہاں سے نکال دو ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا اور محمد دونوں کا فیصلہ کر دیں گے''

محکمۂ تفتیش:

ان واقعات کی بنا پر ضروری تھا کہ اسلام اور دارالاسلام کی حفاظت کے لئے ضروری تدبیریں اختیار کی جائیں، اس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے۔ چنانچہ ابتدا ہی سے آنحضرت ﷺ نے اس انتظام پر توجہ کی، وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے۔ یہ ٹکڑیاں گو محض خبر رسانی کے لئے جاتی تھیں، لیکن حفاظت کی غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت میں جاتی تھیں۔

یہی واقعات ہیں جن کو مؤرخین ''سرایا'' سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کا مقصد کسی قافلہ کا لوٹنا یا کسی جماعت پر بے خبری کی حالت میں جا پڑنا ہوتا تھا۔ ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ ان دستوں کے بھیجنے سے حملہ کرنا مقصود نہیں ہوتا تھا۔ یہ ہے کہ دستے اکثر دس دس بارہ بارہ آدمیوں سے زیادہ نہیں ہوتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لئے نہیں بھیجے جاسکتے تھے، مثلاً ۲ ھ میں [2] آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا اور ایک سربمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا۔ دو دن کے بعد انہوں نے کھولا تو اس میں یہ الفاظ تھے

﴿فَسِر حتّٰی تنزل نخل بین مکۃ و الطائف فترصد بھا قریشا و تعلم من اخبارھم﴾ (طبری صفحہ ۱۲۷۴)

برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ نخلہ میں جا کر ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور

---

[1] باب فی خبر النضیر

[2] سریہ ابن جحش

ان کی خبریں دریافت کرو۔

مدافعت:

اس انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیش دستی کر کے فوجیں بھیج دی جاتیں۔ اکثر سرایا اسی قسم کے تھے اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ تر قلم انداز کر آئے ہیں اس لئے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہیں اور قدمائے اہل سیر کی تصریحات سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ مہمات مدافعت کی غرض سے تھیں

سریۂ غطفان ۲ھ:

﴿و ذلك انه بلغ رسول اللّٰه ﷺ ان جمعاً من بنى ثعلبة و محارب بذى امرقد تجمعوا يريدون ان يصيبوا من اطراف رسول ﷺ جمعهم رجل منهم يقال له دعثور بن الحارث﴾ الخ (طبقات صفحہ ۲۳)

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو ثعلبہ اور محارب کی ایک فوج ذوامر میں اس غرض سے جمع ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف حملہ کرے' اس فوج کو ایک شخص نے فراہم کیا جس کا نام دعثور ہے۔

سریہ ابوسلمہؓ ۲ھ:

﴿و ذلك انّه بلغ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلّم ان طليحة و سلمة ابنى خويلد قد سارا فى قومهما و من اطاعهما يدعونهم الى حرب رسول الله الخ﴾ (ابن سعد صفحہ ۳۵)

اس سریہ کی یہ وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ طلیحہ اور سلمہ (پسرانِ خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیرووں کو لے کر آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔

سریۂ عبداللہ بن انیس بغرض قتل سفیان بن خالد ۳ھ:

﴿و ذلك انه بلغ رسول اللّٰه ﷺ ان سفيان بن خالد الهذلى ثم اللحيانى و كان ينزل عرفنه وما والاها فى ناس من قومه و غير هم قد جمع الجموع لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلّم﴾

ابن انیس اس لئے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ سفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لئے جمع کر رہے تھے۔

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ:

﴿فاخبر اصحاب رسول اللـه ﷺ ان انما و ثعلبة قد جمعو الهم الجموع .... فمضى﴾

ایک جاسوس نے آ کر صحابہؓ کو اطلاع کی کہ انمار اور ثعلبہ وغیرہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے فوجیں جمع کر رہے ہیں آپ چل کھڑے ہوئے۔

غزوۂ دومۃ الجندل ۵ھ:

﴿قالوا بلغ رسول الله ﷺ ان بدومة الجندل جمعا كثيرا . ... و انهم يريدون ان

یدنوا من المدینۃ﴾ (ابن سعد صفحہ ۴۴)

رواۃ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل میں ایک گروہ کثیر جمع ہے اور مدینہ پر بڑھنا چاہتا ہے

غزوۂ مریسیع ۵ ھ

﴿ انّ بنی المصطلق من خزاعۃ و ھو من حلفاء بنی مدلج و کان راسھم و سیدھم الحارث بن ابی ضرار فسار فی قومہ و من قدر علیہ من العرب فدعاھم الی حرب رسول اللہؐ فاجابوہ﴾ (ابن سعد صفحہ ۴۵)

قبیلہ بنو مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے اور یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہیں اور ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا' وہ اپنی قوم کو نیز اور لوگوں کو جو اس کے قابو تھے لے کر چلا اور لوگوں کو رسول اللہؐ سے لڑنے کی دعوت دی اور لوگوں نے منظور کی۔

سریۂ علیؓ بن ابی طالب' بطرف فدک ۶ ھ:

﴿ بلغ رسول اللہ ﷺ ان لھم جمعا یریدون ان یمدّوا یھود خیبر﴾

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد فدک میں یہود خیبر کی کمک کے لئے فوج جمع کر رہے ہیں۔

سریۂ بشیر بن سعد' شوال ۷ ھ:

﴿ بلغ رسول اللہ ﷺ ان جمعا من غطفان بالجناب قد واعد ھم عیینۃ بن حصن لیکون معھم لیز حفوا الی رسول اللہؐ﴾

آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہے اور ان سے عیینہ بن حصن نے وعدہ کیا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ پر حملہ آور ہوگا۔

سریۂ عمروؓ بن العاص ذات سلاسل ۸ ھ یہ مقام مدینہ سے ۸ منزل ہے

﴿ بلغ رسول اللہ ﷺ ان جمعا من قضاعۃ قد تجمعوا یرید ون ان ید نوا من اطراف رسول اللہ ﷺ﴾

آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ قضاعہ کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھے۔

قریش کی تجارت کی روک ٹوک:

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ (قریش اور مسلمانوں میں جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاریؓ سے کعبہ میں یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ محمد کو نکال نہ دو گے تو تم کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے۔''انہوں نے جواب دیا تھا کہ ''تم نے اگر ہم کو کعبہ میں آنے سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے'' (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا مدینہ اس کی راہ میں پڑتا تھا) کعبہ مسلمانوں کی خاص چیز تھی کیونکہ جس نے تعمیر کیا تھا مسلمان اسی کے دین (ابراہیمی) کے پیرو تھے باوجود اس کے قریش نے مسلمانوں کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کاروانِ تجارت روک دیا جائے کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دے دیں۔

بعض سرایا قبل حدیبیہ:

سرایا کے ذکر میں اکثر جگہ اہل سیر لکھتے ہیں کہ ''یتعرض لعیر قریش ''یعنی'' اس لئے فوجیں بھیجی گئیں یا خود آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے کہ کاروانِ قریش کی روک ٹوک کی جائے'' یہ تمام مہمات اسی غرض کے لئے تھیں چونکہ قریش تجارت کے لئے بھی ہتھیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے اس لئے روک ٹوک میں کبھی کبھی مقابلہ پیش آ جاتا تھا اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے تو مال تجارت غنیمت میں ہاتھ آتا تھا۔ اہل سیر غلطی سے ان واقعات کو اس پیرایہ میں لکھتے ہیں کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصلی مقصد تھا۔

یہی روک ٹوک جس کی بنا پر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کر لی جس کے رُو سے مسلمانوں کو چند خاص پابندیوں کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی' قریش پر کاروانِ تجارت کی روک ٹوک کا اس قدر اثر پڑتا تھا کہ (حضرت ابوذر غفاریؓ نے مکہ میں جب اپنے اسلام کا اعلان کیا اور قریش نے اس جرم میں ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا اور حضرت عباسؓ نے کہا کہ غفار کا قبیلہ تمہارا کاروانِ تجارت کے سرِ راہ واقع ہے' تمہاری اس حرکت سے برہم ہو کر وہ راستہ نہ روک دے' تو یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی اور انہوں نے ڈر کر حضرت ابوذرؓ کو چھوڑ دیا) صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش کے مطابق جب یہ طے ہوا کہ آنحضرت ﷺ مکہ کے نومسلموں کو واپس دے دیں گے' اور ان نومسلموں نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ میں اپنا ایک مستقر قائم کر لیا (اور قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کر دیا) تو قریش نے بالآخر اجازت دے دی کہ جو مسلمان چاہے مکہ سے مدینہ چلا جائے' ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی (پھر آئندہ سال انہوں نے مسلمانوں کو حج و عمرہ کی بھی اجازت دے دی' اس کے بعد پھر کبھی مسلمانوں نے قریش کے کاروان تجارت سے تعرض نہیں کیا' بلکہ خود اس کی حفاظت کے لئے فوج بھیجتے تھے۔) [1]

امن وامان قائم کرنا:

اوپر گذر چکا ہے کہ عرب میں اس سرے سے اس سرے تک مطلق امن وامان نہ تھا' تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے' یہاں تک کہ محترم مہینوں میں بھی بہانے نکال کر مہینوں کے نام بدل دیتے تھے اور لڑتے تھے' تجارت بالکل غیر محفوظ تھی' قافلوں کا لوٹ لینا عام بات تھی جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدو قافلوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے اس لئے بھیجا تھا کہ نہ صرف وعظ و پند بلکہ دست و بازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا میں امن وامان قائم کریں' کیونکہ خونریزی اور قتل سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو ناپسند نہیں۔

﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ (مائدہ۔۵)

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھ دیا تھا کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ (یا زمین میں فساد) کے قتل کر دیا' اس نے تمام عالم کو قتل کر دیا۔

---

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۲۔ [2] یہ صورتحال غالباً ۱۹۱۸ء میں تھی جب کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔

﴿ وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ (البقرۃ:۲۰۵)

اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے' اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ (مائدہ۔۵)

جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف کا پاؤں کاٹ ڈالا جائے یا جلاوطن کر دیئے جائیں

احادیث میں ہے کہ جب عدیؓ (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک شتر سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا یا بھیڑیئے کے سوا (کہ اس کی بکریاں نہ اٹھا لے جائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔'' [1] یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں' صحیح بخاری [2] میں ہے کہ ''اللہ اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک عورت حیرہ سے چلے گی اور آ کر کعبہ کی زیارت کرے گی اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا'' حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے حرم تک آتی ہے اور اس کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔

بہت سے واقعات ہیں جن کو اہل سیر سرایا میں شمار کرتے ہیں وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن وامان قائم کرنے کی غرض سے تھے۔ دو تین مثالیں ہم درج کرتے ہیں۔

سریۂ زیدؓ بن حارثہ:

۶ھ میں حضرت زیدؓ مال تجارت لے کر شام گئے۔ واپس آتے ہوئے جب وادی قریٰ کے قریب پہنچے تو بنو فزارہ کے لوگوں نے آ کر ان کو مارا پیٹا اور تمام مال و اسباب چھین لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے تدارک کے لئے تھوڑی سی فوج بھیجی جس نے ان لوگوں کو سزا دی۔ [3]

اسی سال میں اس سے پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ جن کو آنحضرت ﷺ نے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا تھا' شام سے واپس آ رہے تھے جب حسمی پہنچے تو ہنید نے چند آدمیوں کے ساتھ ان پر ڈاکہ ڈالا اور جو کچھ ان کے پاس تھا سب چھین لیا یہاں تک کہ بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیئے آنحضرت ﷺ نے اس کے تدارک کے لئے حضرت زیدؓ کو بھیجا۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری باب مالقی النبی ﷺ و اصحابہ من المشرکین بمکۃ 'س''

[2] باب علامات النبوۃ

[3] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۵' جلد غزوات۔

[4] ابن سعد صفحہ ۶۳۔

۶ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل میں جو مدینہ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے ایک بڑا گروہ جمع ہوگیا جو تاجروں کو ستاتا ہے۔اس کے تدارک کے لئے آپ خود تشریف لے گئے۔مجمع منتشر ہو چکا تھا لیکن آپ ﷺ نے چند روز تک وہاں قیام کیا اور انتظام کے لئے تمام اطراف میں فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکریاں بھیج دیں۔[1]

(یہ حالت کچھ مسلمان تاجروں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار قریش کے کاروانِ تجارت کی بھی اسی طرح حفاظت کی جاتی تھی)

سریہ خبط یا سیف البحر: ۸ھ میں قریش کا کاروان تجارت شام سے واپس آرہا تھا قبیلہ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی سرداری میں تین سو مسلمانوں کی جمعیت جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے مدینہ سے ۵ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا۔مسلمانوں نے اس فرض کو اس طرح انجام دیا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا تو ایک ایک چھوہارے پر تمام دن بھر گذارا دیا۔[2]

صحیح مسلم[3] میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویوں نے مختلف بیان کی ہے‘ اصل راوی حضرت جابرؓ ہیں جو اس واقعہ میں شریک تھے۔ایک روایت میں ہے کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی۔کتب مغازی میں بھی یہی مذکور ہے‘ دوسری روایتوں کے الفاظ یہ ہیں۔

(۱) نتلقی عیر قریش — قافلہ قریش سے ملنے کے لئے

(۲) نرصد عیر قریش — قافلہ قریش کی دیکھ بھال کے لئے

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قافلۂ قریش کے لوٹنے کے لئے‘ لیکن یہ صریح غلطی ہے کیونکہ یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا۔اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ مہم قافلۂ قریش کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق ہے۔[4]

غزوۂ غابہ:

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا اگرچہ ہر دفعہ ان کو سخت سے سخت سزائیں ملتی تھیں تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہیں آتے تھے۔یہاں تک کہ غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا ڈاکے ڈالتے تھے۔۴ھ میں قبیلہ فزارہ کی آبادی میں قحط پڑا‘ عیینہ بن حصن جو یہاں کا رئیس تھا آنحضرت ﷺ نے فرطِ کرم سے اس کو اجازت دی کہ اسلامی حدود میں جو سیراب تھے مویشی چرائے‘ لیکن ۶ھ میں اسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کی بیس اونٹنیاں لوٹ لیں‘ حضرت ابوذرؓ کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے ان کو قتل کر دیا‘ چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوۂ

---

[1] ایضاً صفحہ ۴۴ جلد غزوات

[2] ابن سعد جزء مغازی سریۂ خبط

[3] صحیح مسلم باب اصابۃ میتۃ البحر‘ صحیح بخاری باب غزوہ سیف البحر میں بھی یہ روایتیں ہیں

[4] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۶۱‘ ۶۲

غابہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہو گیا اور اخیر فتح مکہ تک کفار سے جو لڑائیاں جاری رہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی' قطاع الطریقی اور قتل و تاراج تھا اسلام ان چیزوں کو مٹاتا تھا' اس لئے عرب اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھ سکتے تھے۔

بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب:

عرب کے قبائل دو قسم کے تھے ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت رکھتے تھے' دوسرے وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے' ان کا کوئی خاص مستقر نہ تھا' جہاں چشمہ یا سبزہ زار دیکھا خیمے ڈال دیئے۔ جب وہاں بھی پانی نہ رہا تو خبر رساں کسی اور مقام کی خبر لائے اور وہاں چل دیئے۔ ان قبائل کو عربی میں اصحاب الوبر کہتے ہیں۔ زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے اسی قسم کے قبائل تھے' ان کا انتظام اور ان کی روک ٹوک سخت مشکل تھی۔ ان کی تعزیر کے لئے فوجیں جاتی تھیں تو یہ پہاڑوں پر بھاگ جاتے تھے اور قابو میں نہیں آتے تھے اس لئے مجبوراً جو فوجیں ان پر بھیجی جاتی تھیں غفلت میں بھیجی جاتی تھیں کہ وہ بھاگ نہ جانے پائیں۔

اکثر سرایا کے بیان میں اہل سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ فوجیں بھیجیں جو راتوں کو چلتی تھیں اور بے خبری کی حالت میں موقع پر پہنچ کر حملہ کرتی تھیں اور قبائل کو لوٹ لیتی تھیں۔ اس قسم کے واقعات تمام کتابوں میں کثرت سے منقول ہیں اور انہی واقعات سے یورپ کے لوگوں نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکہ ڈالنا اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے اسی بنا پر مارگولیوس نے یہ استدلال کیا ہے کہ "چونکہ بہت دنوں تک مسلمانوں کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ قبائل پر بے خبری میں حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لایا کرتے تھے"

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقراء اور کدو کاوش سے تمام واقعات بہم پہنچائے جائیں تو ثابت ہو گا کہ اچانک حملہ انہی قوموں پر کیا جاتا تھا جن کی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا کہ ان کو خبر ہو گی تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائیں گے چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ان لوگوں کو خبر ہوئی اور وہ کسی طرف چل دیئے۔ اس قسم کے چند واقعات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں ان میں سے بعض میں آپ خود تشریف لے گئے اور بعض میں کچھ دستے بھیج دیئے۔

غزوۂ بنو سلیم ۳ھ:

واغذّ السير . . . . . فوجد هم قد تفرقوا في ميا ههم فرجع (طبقات ابن سعد، صفحہ ۲۴)

اور بہت تیزی سے بگٹٹ گئے لیکن وہ لوگ اپنے چشموں کی طرف چل دیئے تھے (اس لئے لوٹ آئے)

غزوۂ ذات الرقاع ۴ھ:

و هربت الاعراب الى رؤس الجبال (طبقات ابن سعد، صفحہ ۲۴)

اوراعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے۔

سریہ عکاشہ ۶ ھ:

وجہ رسول اللہ ﷺ عکاشة بن محصن الی الغمر فی اربعین رجلا فخرج سریعا یغذّالسیر ..... فھربوا (ص ۶۱)

آنحضرت ﷺ نے عکاشہ بن محصن کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ بھیجا، وہ بگ ٹٹ گئے...... لیکن وہ لوگ بھاگ گئے۔

سریہ علیؓ ابن ابی طالب الی بنی سعد ۶ ھ:

﴿فبعث الیھم علی ابن ابی طالب فی مائة رجل فسار اللیل و کمن النھار حتی انتھی الی الھمج فاغاروا علیھم فاخذوا خمس مائة بعیر و الفی شاة وھربت بنو سعد بالظعن﴾ (طبقات ابن سعد)

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کوسو آدمیوں کے ساتھ بھیجا، وہ راتوں کو چلتے تھے اور دن کو چھپ رہتے تھے یہاں تک کہ مقام ہمج پہنچ گئے، پھران لوگوں پر حملہ کیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹیں اور بنوسعد مستورات کو لے کر بھاگ گئے۔

غزوۂ بنولحیان ۶ ھ:

فسمعت بھم بنو لحیان فھربوا فی رؤس الجبال (طبقات ابن سعد)

بنولحیان نے ان کی آمد کی خبر سنی تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے۔

سریۂ عمرؓ بن خطاب بطرف تربہ ۷ ھ:

فکان یسیر اللیل و یکمن النھار فاتی الخبر ھوازن فھربوا وجاء عمر بن الخطاب محالھم فلم یلق منھم احدا (طبقات ابن سعد)

راتوں کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے، ہوازن کو خبر لگ گئی تو وہ فرار ہو گئے، حضرت عمرؓ ان کے پڑاؤ پر پہنچے تو کسی کو نہ پایا۔

سریۂ کعب بن عمیر، ربیع الاول ۸ ھ:

اس سریہ کا یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پندرہ اشخاص کو شام کی طرف بھیجا، ذات اطلاح پہنچ کر ان لوگوں کو ایک بڑی جماعت نظر آئی، ان لوگوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے انکار کر دیا اور ان پر تیراندازی شروع کی، مجبور ہو کر یہ لوگ بھی لڑے اور بالآخر سب شہید ہوئے۔ صرف ایک صاحب بچے، انہوں نے آ کر خبر دی۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے انتقام لینا چاہا لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں

﴿وھم بالبعث الیھم فبلغه انھم قد ساروا الی موضع آخر﴾

ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ اور کہیں چلے گئے۔

اشاعت اسلام کے لئے سرایا:

ان اغراض کے علاوہ جو سرایا بھیجے گئے ان کی غرض اشاعت اسلام ہوتی تھی، لیکن چونکہ ملک میں امن و امان نہ تھا اور نیز دشمنوں نے اس سرے سے اس سرے تک آگ لگا رکھی تھی دعوت اسلام کے لئے جو سرایا جاتے تھے ان کی زندگی ہمیشہ معرضِ خطر میں رہتی تھی۔

سریۂ بیر معونہ:

صفر ۴ ھ میں ستر داعیانِ اسلام کی جماعت قبیلہ کلاب میں رئیس قبیلہ کی دعوت پر اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجی گئی لیکن بیر معونہ کے قریب قبائل رعل و ذکوان کے ہاتھ سے کل کی کل شہید ہوئی۔ صرف ایک صاحب بچ گئے تھے جنہوں نے مدینہ میں آ کر خبر کی۔

سریۂ مرثد:

اسی زمانہ میں یعنی صفر ۳ ھ میں قبیلہ عضل و قارہ نے تعلیم وارشاد کے لئے دعاۃِ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد وغیرہ دس صاحبوں کو اس غرض کے لئے روانہ فرمایا، مقام رجیع میں پہنچ کر بنولحیان نے ان پر حملہ کیا اور ایک کے سوا کل صاحب شہید کر دیئے گئے۔ (۶ ھ میں بنولحیان کی تعزیر کے لئے مہم گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ سن گن پا کر بھاگ گئے تھے)

سریۂ ابن ابی العوجاء:

۷ ھ میں آنحضرت ﷺ نے داعیوں کی ایک جماعت جس میں پچاس آدمی شامل تھے قبیلہ بنی سلیم کے پاس بھیجی۔ اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجاء تھے انہوں نے بنو سلیم کو دعوت دی لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور تیر اندازی شروع کی۔ یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی قبیلہ کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رئیس فوج یعنی ابن ابی العوجاء کے سوا سب شہید ہوئے۔

سریۂ کعب بن عمیر:

ربیع الاول ۸ ھ میں آنحضرت ﷺ نے کعبؓ بن عمیر غفاری کو پندرہ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے ذاتِ اطلاح کی طرف روانہ کیا، یہ مقام شام کے حدود میں وادی القریٰ سے اس طرف ہے، ان لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی لیکن جواب دہی تیغ و سنان تھا، یہاں تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہوئی۔ صرف ایک صاحب بچ گئے جنہوں نے آ کر مدینہ میں خبر کی۔

اس بنا پر اکثر دعوتِ اسلام کے لئے جو سرایا بھیجے جاتے تھے ان کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی لیکن اس صورت میں بہ تصریح افسروں کو کہہ دیا جاتا تھا کہ صرف اشاعت اسلام مقصود ہے لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں مثلاً فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا اور ۳۰

آدمیوں کی جمعیت ساتھ کردی تو صاف فرما دیا کہ صرف دعوتِ اسلام مقصود ہے لڑائی مقصود نہیں۔ چنانچہ ابن سعد لکھتے ہیں

بعثة الی بنی جذیمة داعیا الی الاسلام و لم یبعثة مقاتلا (صفحہ ۱۰۶)

آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا' دعوتِ اسلام کے لئے' نہ کہ لڑنے کے لئے۔

علامہ طبری اس موقع پر لکھتے ہیں:

قد کان رسول اللہ ﷺ بعث فیما حول مکہ السرایا تدعا الی اللہ عز و جل و لم یا مرهم بقتال

آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں سرایا بھیجے' دعوتِ اسلام کے لئے اور ان کو لڑائی کا حکم نہیں دیا۔

باوجود اس کے بھی حضرت خالدؓ نے تلوار سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ نے سنا تو آپ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر کہا ''اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں'' تین دفعہ اسی طرح یہ الفاظ فرمائے' پھر حضرت علیؓ کو بھیجا کہ جنہوں نے ایک ایک بچہ کا یہاں تک کہ کتوں کا خون بہا ادا کیا اور اس پر مزید رقم دی' [1] یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

اسی طرح ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو جب ۳۰۰ سواروں کے ساتھ یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا

﴿ فاذانزلت بسا حتهم فلا تقاتلهم حتی یقاتلوک ﴾ (ابن سعد مغازی صفحہ ۱۲۲)

جب تک وہاں پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا۔

اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لئے اطرافِ ملک میں روانہ کئے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بت خانے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تو بتوں کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعتاً نہ مٹ سکا۔ اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے تاہم ان کے دلوں پر ان اصنام کی وراثتاً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس سے یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیوں کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیں۔ جاہلوں کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھروں کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین پھٹ جائے گی' مصائب اور بلاؤں کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔

اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے گا اور جب آنحضرت ﷺ نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑیں گے۔ بعض اور نومسلم قبائل بھی اس ادائے فرض میں جھجکتے تھے' اس بنا پر ان مقامات میں چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ ان کی طرف سے اس فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ سریہ خالد بن ولیدؓ بت خانہ عزیٰ' سریہ عمرو بن العاص بت خانہ سواع' سریہ سعد بن زید اشہلی بت خانہ منات' سریۂ ابوسفیان و مغیرہ بن شعبہ' بت خانہ لات' سریۂ جریر بت خانہ ذی الخلصہ [1] سریہ طفیل بن عمرو دوسی بت خانہ ذی الکفین اور سریہ علیؓ ابن ابی طالب بت خانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے [2] گئے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۱'

[2] صحیح بخاری' غزوہ ذی الخلصہ''

جنگی اصلاحات:

جنگ افعالِ انسانی کا بدترین منظر ہے اور عرب کی جنگ تو ظلم' توحش' قساوت' سفا کی' بیدردی اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی۔ لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرضِ انسانی بن گئی۔ کسی ملک میں جب ہزاروں برس سے ظلم وغارت گری متوارث چلی آتی ہے تو شروع شروع میں مہذب سے مہذب حکومت کو بھی چند روز قدیم اصول اور طرزِ عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے جس کو طبی اصطلاح میں علاج بالمثل کہہ سکتے ہیں' آغازِ اسلام میں حملہ آور جنگ کے وقت بعض واقعات اس قسم کے ملتے ہیں جو پہلے سے رائج تھے مثلاً جاہلیت میں دستور تھا کہ دشمن پر بےخبری کی حالت میں جا پڑتے تھے اور قتل وقید کرتے تھے اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا لیکن ابتدا ہی میں اگر اس پر عمل کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دشمن ہمیشہ دفعۃً حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو قتل کیا کرتے اور مسلمان اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکتے یا کرتے تو پہلے ان کو خبر کرتے جس کے بعد وہ کہیں ٹل جاتے یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے لیکن جس قدر اسلام کو زور وقوت حاصل ہوتی گئی اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے' یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ ہو گیا۔ اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل میں آتے تھے ان کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ ان صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو اور اس کے مقابلہ میں دیکھو کہ اسلام نے کیا کیا اصلاحیں کیں؟ اس بات کو قطعاً روک دیا کہ عورتیں' بوڑھے' بچے' صغیر السن' نوکر' خادم لڑائیوں میں قتل کئے جائیں۔ آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردار فوج کو جو احکام دیئے جاتے ان میں ایک یہ لازمی حکم[1] بھی ہوتا۔ ابوداؤد میں یہ حکم ان الفاظ میں مذکور ہے

﴿ لا تقتلوا شیخاً فانیاً و لا طفلاً و لا صغیراً و لا امرأۃً ﴾ [2]

کسی کہن سال کو' بچے کو' کمسن کو' عورت کو قتل نہ کرو۔

غزوات میں بھی کسی عورت کی لاش آپ کی نظر سے گزرتی تو آپ نہایت سختی سے منع فرماتے' صحیح مسلم میں متعدد حدیثیں اس کے متعلق مذکور ہیں۔

اسلام سے پہلے معمول تھا کہ دشمنوں کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیروں کا نشانہ بناتے یا تلوار سے قتل کرتے' عربی میں اس طریقہ کو صبر کہتے تھے آنحضرت ﷺ نے نہایت سختی سے اس کو روک دیا۔

ایک دفعہ حضرت خالدؓ کے صاحبزادے (عبدالرحمٰن) نے ایک لڑائی میں چند آدمیوں کو گرفتار کر کے اسی طرح قتل کرایا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے سنا تو کہا "میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا وہ اس سے منع فرماتے تھے' خدا کی قسم میں مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہیں رکھتا۔" عبدالرحمٰن نے اسی وقت کفارۂ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کئے۔ [3]

لڑائیوں میں عہد کی کچھ پابندی نہ تھی۔ جنگ معونہ وغیرہ میں کفار نے مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا یعنی قول وقسم لے کر مسلمانوں کو ساتھ لے گئے اور گھر لے جا کر قتل کر ڈالا۔ قرآن مجید میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] اس باب میں تمام تر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہیں۔

[2] صحیح مسلم باب الجہاد۔

[3] کتاب الجہاد فی باب فی دعاء المشرکین' ابوداؤد میں یہ باب کتاب الجہاد میں مکرر ہے یہاں پہلا باب مراد ہے۔

﴿ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ ﴾ (توبہ۔۲)
کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ کسی قسم کا لحاظ رکھتے ہیں نہ ذمہ داری کا ان کی قسم قسم نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جائے ہر حال میں اس کی پابندی کی جائے۔قرآن مجید میں اس کے متعلق جابجا تاکیدی اور صاف احکام ہیں' عہدِ نبوت اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں پابندی عہد کی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے تو بہت سے صحابہ مجبوریوں کی وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے ان میں حذیفہؓ بن یمان اور ان کے والد بھی تھے' جنگ بدر کے موقعہ پر حذیفہ بن یمانؓ اور ان کے والد کہیں سے آ رہے تھے' کفار نے ان کو پکڑ لیا کہ تم مدینہ جا کر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤ گے' انہوں نے کہا ہمارا مقصد صرف مدینہ جانا ہے' کفار نے ان سے عہد لے کر چھوڑ دیا' یہ لوگ مقام بدر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ ﷺ کفار سے مصروف جنگ ہیں' خود بھی اس سعادت کی آرزو کی' لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا کہ تم معاہدہ کر چکے ہو۔

ابورافع کو قریش نے قاصد بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا بارگاہِ نبوت میں آ کر ان پر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہو گئے اور عرض کہ اب میں کافروں میں واپس نہ جاؤں گا' آپ نے فرمایا تم قاصد ہو اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے۔اس وقت واپس جاؤ پھر آ جانا۔[1]

صلح حدیبیہ میں جب حضرت ابو جندلؓ پابہ زنجیر آئے اور بدن کے داغ دکھائے کہ قریش مجھ کو قید کر کے اس طرح ستاتے ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لیکن قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا تو ہم قریش کے پاس بھیج دیں گے' اس پر حضرت ابو جندلؓ نے رو کر تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا' لوگ جوشِ رقت سے بے قرار ہو گئے اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائیں' حضرت عمرؓ بے تاب ہو گئے' حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بار بار جاتے تھے' یہ سب کچھ تھا لیکن پابندی عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ تھی' حضرت ابو جندلؓ کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

اسلام سے پہلے قاصدوں کا قتل کر دینا ممنوع نہ تھا۔صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت ﷺ نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا تھا قریش نے اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کر دینا چاہا لیکن باہر والوں نے بچا لیا۔

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کئے جائیں' مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا اور اس نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ ''قاصد کا قتل کرنا دستور نہیں ورنہ تو قتل کر دیا جاتا'' مؤرخین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ اس دن سے یہ ایک قاعدہ بن گیا کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تھے۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ عرب نہایت برا سلوک کرتے تھے اور تمام قوموں میں بھی یہی طریقہ جاری تھا۔جنگ صلیبی میں یورپین سلطنتیں جب مسلمانوں کو لڑائیوں میں گرفتار کرتی تھیں تو ان سے جانوروں کی طرح کام لیتی تھیں۔

---

[1] ابوداؤد جلد۲ صفحہ ۱۰ (باب قتل الاسیر بالنبل) ''س''

علامہ ابن جبیر جب حروبِ صلیبیہ کے زمانہ میں سسلی سے گذرے ہیں تو یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

﴿ و من الفجائع التی یعانیها من حل بلادهم اسری المسلمین یرسفون فی القیود یصرفون فی الخدمة الشاقة والا سیرات المسلمات کذلك فی اسوقهن خلاخیل حدید فتنفطر ولهم والافئده﴾ [1]

اور من جملہ ان دردانگیز حالات کے جوان شہروں میں نظر آتے ہیں اسیرانِ اسلام ہیں جو بیڑیاں پہنے نظر آتے ہیں اور جن سے سخت محنت شاقہ لی جاتی ہے اور اسی طرح مسلمان عورتیں پنڈلیوں میں لوہے کے کڑے پہنے سخت محنت شاقہ سے کام کرتی ہیں جن کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اسیرانِ جنگ کی نسبت تاکید کی کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے' اسیران بدر کو جب آپ ﷺ نے صحابہؓ کے حوالہ کیا تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے' چنانچہ صحابہؓ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے غزوۂ حنین میں چھ ہزار اسیر تھے سب چھوڑ دیئے گئے اور آپ نے ان کے پہننے کے لئے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے، چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے۔

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہو کر آئی تو آپ نے عزت و حرمت سے مسجد کے ایک گوشہ میں اس کو مقیم کیا اور فرمایا کہ کوئی تمہارے شہر کا آ جائے تو میں اس کے ساتھ تم کو رخصت کردوں۔ چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا سامان کر کے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوا دیا۔

قرآن مجید میں جہاں خدا نے بندگانِ خاص کے اوصاف بتائے ہیں' وہاں فرمایا ہے

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ (دہر۔۱)

اور یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکین کو' یتیم کو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہل فوج چاروں طرف دور دور پھیل جاتے' جس سے راستے بند ہو جاتے' گھروں میں آنا جانا مشکل ہو جاتا' راہ گیروں کا مال و متاع لٹ جاتا' یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا' ایک لڑائی میں قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتیں لوگوں سے سرزد ہوئیں، آپ نے منادی کرا دی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا جہاد جہاد نہیں۔

ابوداؤد میں (حضرت معاذؓ بن انس) سے روایت ہے:

﴿ غزوت مع نبی الله ﷺ غزوة کذا و کذا فضيّق النّاس المنازل و قطعوا الطریق فبعث نبی الله منادیا ینادی الناس انّ من ضیّق منزلاً و قطع طریقا فلا جهادله ﴾ [2]

میں فلاں غزوہ میں آپ کے ساتھ تھا لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جا کران کو تنگ کیا' لوٹا مارا' آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جو دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا جہاد قبول نہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ حکم دیا کہ لوگ ادھر ادھر پھیل نہ جایا کریں تو لوگ اس طرح

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳' (باب فی الامام یستجن به فی العهود) ''س''

[2] رحلہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۰۷۔

سمٹ کر پڑاؤ ڈالتے تھے کہ ایک چادر تان دی جاتی تو سب اس کے نیچے آ جاتے۔ [1]

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا' اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا۔ جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی' تعجب یہ ہے کہ اسلام میں کبھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے' ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا

﴿ رجل يريد الجهاد في سبيل الله و هو يبتغي عرضا من عرض الدنيا فقال النبي لا اجر له فاعظم ذالك الناس و قالو اللرجل عدلرسول الله ﷺ فلعلك لم تفهمه ﴾ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۳۴۲) (باب في من يغزوا و يلتمس الدنيا) ''س''

ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ امر لوگوں کو بہت عجب معلوم ہوا' اور لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھو' غالباً تم نے آنحضرت ﷺ کا مطلب نہیں سمجھا۔

بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہوگا' بالآخر جب آپؐ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ لا اجر له یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا' تب لوگوں کو یقین آیا۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا' ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے' قبیلہ والے روتے ہوئے آئے' انہوں نے کہا لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہو تو بچ جاؤ گے' لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حملہ سے بچ گئے' اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی کہ تم نے نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا' ابوداؤد میں صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے

﴿ فلامني اصحابي و قالوا احرمتنا الغنيمة ﴾ (ابوداؤد باب مایقول اذا صبح کتاب الادب)

مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔

جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے آ کر ان کی شکایت کی تو آپؐ نے اس کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیے گئے) کے بدلے اتنا اتنا ثواب ملے گا' (ابوداؤد)

قرآن مجید میں غنیمت کی نسبت ''متاع دنیوی'' کا لفظ آتا تھا اور اس کی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی۔ جنگ احد میں جب اس بنا پر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت میں مصروف ہو گئے تو یہ آیت اتری

﴿ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ﴾ (آل عمران۔۱۶)

تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے

جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کر دی' (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد اول صفحہ ۳۵۴' (باب ما يؤمر من انضمام العسكر ''س'')

﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾ (انفال۔۹)

تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے۔

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین میں جو ۸ ھ میں واقع ہوا تھا' اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے' صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے

﴿ فاقبل المسلمون على الغنائم و استقبلو نابا لسهام ﴾

تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا۔

اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت ﷺ اس مسئلہ کو زیادہ تصریح سے بیان فرماتے تھے' ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ''کوئی شخص غنیمت کے لئے' کوئی نام کے لئے' کوئی اظہارِ شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے' کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے گا؟'' آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

﴿ من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا ﴾ [1]

جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو

بالآخر آپ نے یہ فرما دیا کہ ''گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد مالِ غنیمت قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے' پورا ثواب اسی وقت ملتا ہے جب غنیمت کو مطلق ہاتھ نہ لگائے'' صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

﴿ مامن غازية تغزو فى سبيل الله فيصيبون الغنيمة الا تعجلو اثلثى اجرهم من الأخرة و يبقى لهم الثلث و ان لم يصيبوا غنيمة تم لهم اجرهم ﴾ [2]

جو غازی خدا کی راہ میں لڑتا ہے اور مالِ غنیمت لیتا ہے وہ آخرت کے ثواب کا دو ثلث یہیں لے لیتا ہے اور آخرت میں اس کا حصہ صرف ایک تہائی رہ جاتا ہے' البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے تو اس کو آخرت میں پورا اجر ملے گا۔

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی دلوں سے اُتر گئی اور جہاد صرف اعلائے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا' واقعہ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

حضرت واثلہؓ بن الاسقع ایک صحابی تھے' آنحضرت ﷺ جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوئے تو ان کے پاس سامان نہ تھا' مدینہ میں آواز دیتے پھرے کہ ''کوئی ہے جو ایسے شخص کو سواری دے کہ جو کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا اس میں برابر کا شریک ہوگا۔ ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی' اس مہم میں کئی اونٹ ہاتھ آئے' حضرت واثلہؓ واپس آ کر سب اونٹ انصاری کے پاس لے گئے اور کہا یہ وہ اونٹ ہیں جن کی نسبت میں نے شرط کی تھی کہ آپ بھی اس میں حصہ دار ہوں گے' انہوں نے کہا ''ان کو تم ہی لو' میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا'' (یعنی اونٹ میں نہیں' بلکہ جہاد کے ثواب

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد (باب مایؤمر من انضمام العکسر) ''س''

[2] بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا و صحیح مسلم کتاب الامارۃ ''س''

میں شرکت مقصود تھی) [۱]

دورانِ جنگ میں دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا' خصوصاً جب کہ رسد ٹھہر جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا تو ہر حال میں یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا' ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش ائی' اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا' سب ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی آپ موقع پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا اور ہانڈیاں اُبال کھا رہی تھیں' آپ کے ہاتھ میں کمان تھی' آپ نے اس سے ہانڈیاں الٹ دیں اور سارا گوشت خاک میں مل گیا' پھر فرمایا ''لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے''۔ [۲]

لڑائی عبادت بن گئی:

اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے اس قدر پاک اور منزہ کر دیا کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی' جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلوموں کو ظلم سے بچائے' جابر اور ظالم' کمزور آدمیوں پر دست ستم دراز نہ کرنے پائیں۔

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۥ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ﴾ (حج۔۶)

جن لوگوں سے لوگ لڑائی کرتے ہیں ان کو اس بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی کہ ان پر ظلم کیا گیا' اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے' وہ لوگ جو اپنے گھروں سے صرف اس بنا پر نکال دیئے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب ''خدا'' ہے۔

ملک میں جو ہمیشہ فتنہ وفساد برپا رہتا تھا اور لوگ امن وامان سے بسر نہیں کر سکتے تھے' جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کر دے۔

﴿ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ ﴾ (انفال)

اور ان سے لڑو تا کہ فتنہ نہ رہے۔

جو لوگ خدا پر اور جزا وسزا پر اعتقاد نہیں رکھتے اور اس وجہ سے ان کے نزدیک ہر قسم کے ظلم وستم جائز تھے اور ان کو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی' جہاد سے ان کا زیر کرنا اور ان لوگوں کو ان کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا۔

﴿ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ﴾ (توبہ۔۴)

ان لوگوں سے لڑو جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں نہ قیامت پر اور جن کاموں کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے۔

جہاد میں فتح پانے اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہیں قرار دیا گیا کہ فاتح مال ودولت اور حکومت کا لطف اٹھائیں بلکہ یہ غرض قرار دی گئی کہ لوگوں کو عبادت وریاضت اور فقرا کی دستگیری کی تلقین کریں اور اچھی باتیں پھیلائیں اور برے کاموں سے لوگوں کو روک دیں۔

[۱] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب بیان ثواب من غزا فغنم و ابو داؤد باب فی السریہ ''س''

[۲] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی باب الرجل یکری وامہ علی النصف او السھم ''س''

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ﴾ (حج۔۶)

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دیں تو وہ نماز کے پابند ہوں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔

کسی ملک کی فتح سے جو مال و دولت ہاتھ آتا تھا وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا جس کو وہ اپنے مصارفِ عیش میں استعمال کرتا تھا اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے لیکن اس کا مصرف یہ قرار دیا۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ (انفال۔۵)

اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں[1] حصہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا۔

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورتاً بھی عبادت بنا دیا گیا، مجاہدین کو تاکید تھی کہ عین جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہیں۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (انفال۔۶)

مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ تم کامیاب ہو گئے۔

نماز میں جس طرح اٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہیں جہاد میں بھی یہی حکم تھا، حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے، اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے، بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ جہاد پر جا رہے تھے، صحابہ زور زور سے تہلیل کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس قدر شور سے نہیں کہنا چاہئے کیونکہ خدا جس کو تم پکارتے ہو وہ بہرا[1] نہیں ہے، بعینہٖ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو نماز میں پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔

نکتہ:

ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جہاد میں دستور تھا کہ چڑھائیاں آتی تھیں تو تکبیر کہتے تھے اور اتار آتا تو تسبیح پڑھتے تھے، نماز بھی اسی اصول پر قائم کی گئی یعنی سر اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر اور سجدہ میں جاتے ہیں تو سبحان اللہ کہتے ہیں۔ اس روایت میں ادائے مطلب میں ذرا فرق آ گیا ہے، جہاد کے اصول پر نماز نہیں قائم کی گئی، بلکہ جہاد میں نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتدائے اسلام سے وجود میں آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہے، بہر حال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور جہاد دونوں میں ایسی مشابہت تھی

[1] اس پانچویں حصہ کے سوا باقی تمام مال غنیمت مجاہدین کا حق ہے۔

کہ ایک کو اصل اور دوسرے کو اس کی نقل سمجھتے تھے۔

غرض وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم وستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی۔اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلائے کلمۃ اللہ، قیامِ امن، رفع مفاسد، نصرتِ مظلوم اور تسبیح وتہلیل کی صورت میں بدل دیا۔ [۲]

فاتح اور پیغمبر کا امتیاز:

جہاد کے معرکوں میں آپؐ کے ہاتھ میں گو تیغ وسپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا۔ عین اس وقت جب کہ معرکہ کارزار گرم ہے، تیروں کا منہ برس رہا ہے، تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے، ہاتھ اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں، دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی آ رہی ہیں، عین اس حالت میں آنحضرت ﷺ کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزما ہیں اور سر مبارک سجدۂ نیاز میں ہے، معرکۂ بدر میں حضرت علیؓ عین شدت جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے، فوجیں تیروں کا مینہ برسا رہی ہیں اور لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوتا، فاتح بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھالیتا ہے اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے، دفعتاً فوجوں کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

حنین میں دشمن نے دفعتاً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔۱۲۰۰۰ ہزار آدمیوں میں سے ایک [۳] بھی پہلو میں نہیں۔ سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آ رہے ہیں لیکن مرکز حق اپنی جگہ پر قائم ہے اور ایک پر جلال آواز آ رہی ہے۔

﴿ انا النبی لا کذب ﴾

میں پیغمبر ہوں، اور جھوٹا پیغمبر نہیں ہوں۔

عین اس وقت جبکہ صفیں باہم معرکہ آرا ہیں، ہر طرف تلواریں برس رہی ہیں، ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہیں، موت کی تصویریں ہر طرف نظر آ رہی ہیں، اتفاق سے نماز کا وقت آ جاتا ہے، دفعتاً نماز کی صفیں قائم ہو جاتی ہیں، سپہ سالار امام نماز ہے، فوجیں صفوف نماز میں رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر رہی ہیں، جوش وخروش، تہور وجانبازی، غیظ وغضب، عجز ونیاز، تضرع وزاری اور خضوع وخشوع بن جاتا ہے، صفیں دو دو رکعت ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہیں، ان کے بجائے لڑنے والے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں، یہ دو رکعت ادا کر کے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہیں، اور مشغولین جنگ آ کر بقیہ نماز پوری کر لیتے ہیں، لیکن یہ تبدیلیاں فوجوں میں ہوتی ہیں، امام (رسول) اول سے آخر تک عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔

تعلیم وارشاد، ہدایت وتلقین، تہذیب وتزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے، عین فتح کے وقت جب کہ مجاہدین فتح کے

---

۱ کتاب الجہاد باب التکبیر عند الحرب

۲ ابوداؤد کتاب الجہاد (باب مایقول اذا سافر جلد اص ۲۵۷ مطبوعہ مجتبائی) اصل عبارت یہ ہے (وکان النبی ﷺ وجیوشہ اذا علو الثناء یا کبروا اذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلوۃ علی ذلک)

۳ چند خاص "س"

نشہ میں چور ہیں، مال غنیمت فروخت ہو رہا ہے، ایک ایک کو ہزاروں کی رقمیں وصول ہو رہی ہیں، ایک صحابی خوش خوش آتے ہیں اور جوشِ مسرت میں کہتے ہیں "یارسول اللہ! آج میں نے مال غنیمت سے جس قدر نفع اٹھایا، کبھی نہیں اٹھایا تھا، پورے تین سو اوقیہ ہاتھ آئے" (اوقیہ دس روپیہ کے برابر ہوتا ہے) آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ "میں اس سے بھی زیادہ نفع بتاؤں؟" وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہیں "کیا؟" ارشاد ہوتا ہے "نماز فرض کے بعد دو رکعتیں"۔ [1]

تَمَّ الْمُجَلَّدُ الْاَوَّلُ مِنَ السِّيْرَةِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ

[1] ابوداؤد باب التجارۃ فی الغزوہ۔

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

سیرت نبوی جلد دوم

سیرت نبویؐ مجلد اول ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) میں شائع ہوئی تھی۔اب مجلد دوم ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) کے اوسط میں شائع ہوتی ہے۔شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدیں شائع ہوتی رہیں' لیکن شاید اُن مشکلات کا اُن کو علم نہیں جو عالمگیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ میں پیدا کردی ہیں، گو ایک سال سے زیادہ ہوا کہ جنگ کا عملاً خاتمہ ہوگیا' لیکن بایں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ صلح کا آغاز نہیں ہوا، اور اس خاتمہ جنگ سے زندگی کے مشکلات میں ذرا کمی نہیں ہوئی۔جلد اول کے تکلیف دہ تجربہ کے بعد یہ طے کرلیا گیا تھا کہ دوسری جلد خود مطبع معارف میں چھپے گی لیکن مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی۔بڑی تلاش و جستجو سے مشین ہاتھ میں آئی تو کاغذ کا قحط نظر آیا۔جلد اول میں جن اصناف کے کاغذ لگ چکے تھے ان کا ملنا دشوار ہوگیا، دیسی کاغذ کے ۲۰۰ رم بھی بیک وقت نہ مل سکے۔یہ دقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (ٹائیٹل پیج) کے کاغذ کی مشکل پڑی، لکھنؤ سے لے کر کلکتہ اور بمبئی تک کے کارخانے چھان مارے گئے' مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا آخر جو بھی مل سکا اور جس طرح بھی بنا یہ جلد اختتام کو پہنچی ﴿والحمدُ للّٰہ علی ذٰلک﴾

پہلی جلد نبوت کے پُر آشوب عہد غزوات پر مشتمل تھی، اور دوسری جلد نبوت کی سہ سالہ امن کی زندگی کی تاریخ ہے' نبوت کی بست و سہ سالہ زندگی میں پہلی جلد بیس سال کے کارناموں کا مجموعہ تھی، اور یہ جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے اور اس کے بعد اخلاق و شمائل شریفہ اور ازدواجِ مطہرات و اولادِ کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے اس میں بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی لیکن مصنف کے مسودہ میں اضافہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی آخر کار مدت کے حیص بیص کے بعد میں نے طے کرلیا کہ اُن کو لکھنا ہی چاہیے' چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ میں لکھی تھی۔اس کا عنوان "یادداشت اخیر" تھا اس یادداشت کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو میں ضروری سمجھتا تھا مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت میں ان کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا جس کو فرشتہ غیب نے اُن کے دست و قلم سے میری تسلی کے لیے پہلے ہی لکھوا دیا تھا۔

ع حل ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکمیل کو نہیں پہنچایا تھا، بہت سے عنوانات سادہ تھے بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آئندہ اضافہ کے لئے ناتمام بصورت بیاض چھوڑ دیا تھا، جامع نے ان کو لکھ کر بطور تکملہ کتاب میں شامل کر دیا بہت سے ضروری حواشی بھی جا بجا بڑھائے گئے ہیں چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتیں ہلالین کے اندر کردی گئی ہیں' تا کہ مصنف اور جامع کی عبارتیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔

جامع

سید سلیمان ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کی امن کی زندگی

۹ھ ۱۰ھ اور ۱۱ھ

قیامِ امن، اشاعتِ اسلام، تاسیسِ خلافت، تکمیلِ شریعت

قیامِ امن

گزشتہ ابواب[1] پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاج بیان نہیں رہتی کہ اس وقت گوفطری صلاحیت واستعداد کی رُو سے عرب کا ذرہ ذرہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظام شمسی کے تابع نہ تھا۔ یوں تو تمام جزیرہ عرب ایک واحد ملک اور ایک متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کی ملکی وقومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جدا رئیس تھے، جنوبی عرب میں حمیری ازواء اور اقیال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں شمالی عرب میں بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم، جذام، بنو حنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس خزرج، ثقیف اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں، جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں بکر وتغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی ابھی خاتمہ ہوا تھا کندہ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس وخزرج لڑلڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے خاص حرم اور اشہر حرم میں بنوقیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔

پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل وغارت گری، سفاکی، خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا تمام قبائل غیر مختتم سلسلہ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، انتقام، ثار، اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی، ملک کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی، لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزرنا محال تھا۔ حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں اثر اور اقتدار رکھتے تھے تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں بآسانی پہنچ سکتا تھا۔ شہور حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے، بایں ہمہ لڑائیوں کے جواز کے لئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیئے جاتے تھے، ابوعلی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے۔

﴿ وذالك لانهم كانوا يكرهون ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لا تمكنهم الا غارة فيها لان معاشهم كان من الاغارة ﴾ (جلد اص۔۲)

یہ اس لئے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے متصل ان پر غارت گری کے بغیر گزر جائیں، کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعہ معاش کے لیے یہی موسم بہار تھا مکہ کے آس پاس اسلم وغفار وغیرہ قبائل

[1] (پورا باب اضافہ از صفحہ اتا ۱۰)

آباد تھے، جو حاجیوں کا اسباب چُرانے میں بدنام تھے[1] طے نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا، لیکن وزدان طے بھی اپنی شہرت میں اُن سے کم نہ تھے[2] سلیک ابن السلکہ اور تابط شراعرب کے مشہور شاعر تھے، لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے پُرفخر کارنامے تھے۔

ملک میں اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبدالقیس جو بحرین کا ایک طاقت ور قبیلہ تھا، ۵ھ تک مصری قبائل کے ڈر سے اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رُخ نہیں کر سکتا تھا۔[3] فتح مکہ کے بعد بھی جب ملک میں سکون شروع ہو چکا تھا، مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا اور اب بھی لوگ ڈاکے ڈالتے رہتے تھے۔[4] ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لئے جاتے تھے۔[5] یہاں تک کہ کبھی کبھی خود دارالاسلام کی چراگاہوں میں بھی چھاپے مارے جاتے تھے[6]۔ آنحضرت ﷺ جب لوگوں کو ملک کے امن وامان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب حیرہ سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی اور اللہ کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہوگا[7] تو لوگوں کو تعجب آتا تھا۔ ۹ھ میں ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے آپؐ نے فرمایا کہ "عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے گا۔"[8] اتنے بڑے ملک میں صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی جہاں لوگوں کو اطمینان میسر آسکتا تھا۔ خدا نے قرآن مجید میں اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے۔

﴿ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ ۝ وَّاٰمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ﴾ (ایلاف)

ان کو چاہیے کہ اُس گھر کے اس مالک کو پوجیں جس نے اُن کو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کر کے ان کو امن بخشا۔

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ (عنکبوت)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم ان کے لیے بنایا۔ اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اسکے چاروں طرف سے آدمی اچک لئے جاتے ہیں۔

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرت ﷺ عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے امان میں لے کر صرف اتنا موقعہ دلا دو کہ اللہ کی آواز لوگوں تک پہنچا سکوں لیکن کوئی حامی نہیں بھرتا تھا، تمام مسلمان عرب کی فضاء میں سانس تک نہیں لے سکتے تھے۔ تلاشِ امن کے لئے افریقہ وحبش کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ جو عرب میں رہ گئے وہ ہدفِ مظالم گوناگوں تھے قرآن مجید مسلمانوں کی اسی حالت کا ذکر ان

۱۔ صحیح بخاری ذکر اسلم وغفار۔
۲۔ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔
۳۔ صحیح بخاری کتاب الایمان
۴۔ ابوداؤد کتاب الادب باب الحذر
۵۔ طبقات ابن سعد جزو مغازی ص ۶۳، ۶۴، ۶۵
۶۔ دیکھو غزوہ سویق وغزوہ غابہ
۷۔ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ
۸۔ بخاری ص ۱۹۰

آیتوں میں کرتا ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾ (انفال)

یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے اور کمزور تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اُچک نہ لیں۔

اسی ملکی شورش اور بدامنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک میں کوئی تحریک بھی بغیر خود حفاظتی فوجی تدبیر کے کامیاب نہیں ہو سکتی تھی، سرور عالم ﷺ کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی اس کے لئے تیغ و خنجر اور فوج و لشکر کی حاجت نہ تھی، لیکن ایک طرف تو دشمن پر حملہ کرتے چلے آتے تھے، اور دوسری طرف ہر جگہ دعاۃ اسلام کی جانیں معرضِ خطر میں رہتی تھیں تجارت کے قافلے جن پر اصل میں ملک کی معاش کا دارومدار تھا غیر مامون تھے۔ چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزواتِ نبوی کے اسباب و انواع میں گزر چکے ہیں

بیرونی خطرات:

بہرحال یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے ملک کے تمام سرسبز و زرخیز صوبے روم فارس دو عظیم الشان طاقتوں کے پنجہ میں تھے تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی یمن عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے اور اُن کے زیرِ اقتدار برائے نام عرب رؤسا حکمران تھے۔ حدود عراق میں آل منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندرون ملک میں بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی حجاز میں اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود میں سمجھتے تھے چنانچہ ۶ھ میں شاہ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا کہ "میرے غلام کو جو حجاز میں مدعی نبوت بنا ہے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔"

رُومیوں نے حدودِ شام میں قبضہ کر لیا تھا آل غسان اور چھوٹے چھوٹے عرب رؤساء نے جنھوں نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اُن کی ماتحتی قبول کر لی تھی۔ ۸ھ کے بعد رومی ان عیسائی رؤسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے جس کا ظہور واقعہ تبوک اور موتہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔

یہودیوں کی قوت:

رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی اور وہ مجبوراً حدودِ شام سے قلب حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے، اور اپنے لئے مدینہ سے شام تک متصل قلعے قائم کر لیے تھے یہ مقامات اُن کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی۔ قریظہ نضیر، قینقاع [1]، خیبر فدک تیما، وادی القریٰ [2] وغیرہ اُن کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں قرآن مجید میں حسب ذیل آیات میں یہودیوں کے انہی قلعوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

﴿ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ﴾ (حشر)

وہ قلعہ بند آبادیوں میں یا دھس کے نیچے چھپے بغیر یوں مل کر مقابلہ نہیں کر سکتے۔

---

[1] معجم البلدان یاقوت میں ان کے حالات پڑھو۔

[2] کتب مغازی و سیر میں ان کے حالات دیکھو بخاری میں ابواب قتل کعب بن اشرف و رافع بن خدیج۔

﴿ وَاَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ ﴾ (احزاب)

اللہ نے ان یہودیوں کو جنھوں نے ان کی مدد کی تھی اُن کے قلعوں سے اتارا۔

زمانہ قدیم میں مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالک یورپ میں اُن کو جس طرح ملک کی پالیٹکس کا خطرناک عنصر بنادیا تھا بعینہٖ یہی حال اُن کا عرب میں بھی تھا۔ ان چند قلعوں کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو متعدد لڑائیاں صرف اُن کی شرارت سے لڑنی پڑیں۔ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخر یہ کہتے تھے ''بے چارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں؟ مسلمانوں کو ہمارے قلعوں سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو۔''

غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح وتدبیر کے لیے عام انسانی دست بازو بے کار تھے۔ خدا کا غیر مرئی ہاتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی آستین میں پوشیدہ تھا ﴿ وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششوں اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔ عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نااتفاقی اور باہمی جنگ وجدال میں مضمر تھا اور اس نااتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانوں اور نسلوں میں منقسم تھا۔ تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لئے ان میں کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ﴾ (حجرات) اور دفعتہً اس روحانی رشتہ نے خون، قرابت اور نسل کے تاروپود ادھیڑ دیئے اور صرف ایک کلمہ لا الہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ کی برقی رَو، اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے خدائے پاک نے قرآن مجید میں اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا۔

﴿ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ﴾ (آل عمران)

خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر اس کے لطف و محبت سے بھائی بھائی بن گئے۔

خدا نے خود آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ محمد! یہ تیرا کام نہ تھا، اس میں خود خداوند مقلب القلوب کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

﴿ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴾ (انفال۔۸)

وہ خدا ہی ہے جس نے محمد! اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تجھ کو قوت بخشی اور اسی نے مسلمانوں کے دل باہم جوڑ دیئے، اگر تم تمام دنیا کے خزانے بھی لوٹا دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا لیکن خدا نے ان کے دل باہم جوڑ دیئے۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان جو مواخاۃ اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا۔

قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات میں فتنہ و فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعل انسانی قرار دیا اور اس فعل کے مرتکب کے لئے سخت سزائیں مقرر کیں۔ چوری کے لئے قطع ید کی سزا متعین کی' رہزنی کے لئے قتل' پھانسی' قطع ید اور جلا وطنی کی تعزیریں جاری کیں۔ سورۂ مائدہ میں خون ریزی اور قتل و سفاکی کے انسداد کے لئے قصاص کا قانون نازل ہوا عملاً ملک میں قیام امن کے لئے آنحضرت ﷺ نے متعدد بار فوجیں بھیجیں' رہزن قبائل پر چھاپے مارے [1] حجاز میں جن قبائل کا پیشہ چوری تھا وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ [2] فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلے کے لئے قوانین وضع ہوئے اور جا بجا عمال کا تقرر رہا۔

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا وہ انسان کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی' ورنہ ایک پیغمبر کا فرض ایک مقنن اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بدرجہا بلند ہے۔ اسلام کے قانون تعزیرات نے جو کچھ کام کیا قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیاء ﷺ کا فیض تلقین اس سے پہلے فرد قرارداد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا۔ قانون وخوف تعزیر صرف بازاروں میں اور انسانوں کے عام مجمعوں میں جرائم سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوت اسلام کے فیض اثر نے دلوں کو بالکل خدا کے سامنے کر دیا، جورات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور مقفل دروازوں کی کھڑکیوں سے بھی جھانکتا تھا اور اب تک تمام ملک میں امن و امان تھا اور یہ عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق لوگ صنعاء سے حجاز تک تن تنہا سفر کرتے تھے اور خشیت الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ تھا۔ [3] ایک یورپین مؤرخ نے جس کے قلم نے پیغمبر اسلام ﷺ کی مدح کے لئے بہت کم جنبش کی ہے (مارگولیوس) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

> ,,محمد ﷺ کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا۔ آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپ ﷺ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔ [4]

بیرونی خطرات کے انسداد کے لئے خدا نے عجیب و غریب سامان پیدا کر دیئے قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیوں نے اسلام کو پامال کرنا چاہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور ہو گئے۔ ۳ھ سے لے کر ۷ھ تک متواتر لڑائیاں پیش آئیں اور آخر فتح خیبر پر ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ رومیوں نے اور حدود شام کے عیسائی عربوں نے اسلام کے استیصال کا بیڑہ اٹھایا عیسائی رؤسائے عرب میں سب سے زیادہ طاقت ور اور پر زور غسانی تھے جو رومیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کام کرتے تھے۔ بہراء' وائل' بکر' لخم' جذام اور عاملہ وغیرہا عرب قبائل ان کے ماتحت تھے۔

---

[1] دیکھو غزوات نبوی پر دوبارہ نظر۔
[2] صحیح بخاری ذکر غفار و اسلم۔
[3] صحیح بخاری۔
[4] لائف آف محمدؐ مارگولیوس ص ۴۷۱۔

ان کے علاوہ دومۃ الجندل‘ ایلہ‘ جرباء، اذرح‘ تبالہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے۔
غسانیوں کے حملہ کی ابتداء جس طرح ہوئی وہ اوپر گزر چکا ہے حارثؓ بن عمیر جو شاہ بصریٰ کے دربار میں دعوت اسلام کا خط لے کر گئے تھے ان کو غسانیوں نے راستہ میں قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے تین ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ تادیب وانتقام کے لئے روانہ فرمایا غسانی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر میدان میں آئے اور خبر تھی کہ رومی بھی اس قدر فوج لئے ہوئے موتہ سے قریب مواب میں پڑے ہیں۔ تاہم مٹھی بھر مسلمان آدمیوں کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانیں کھو کر فوج کو میدان جنگ سے ہٹا لائے۔ اس جنگ کا نام غزوۂ موتہ ہے۔

اس کے بعد ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ دم بدم خبریں آتی رہتی تھیں کہ رومی حملہ آوری کے لئے عیسائی عربوں کی ایک فوج گراں ترتیب دے رہے ہیں، اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہیں۔ یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی میں مصروف ہیں اور گھوڑوں کی نعل بندی بھی کرا رہے ہیں۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے تیس ہزار صحابہ کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور بیس دن تک دشمنوں کی آمد کا انتظار کرتے رہے لیکن کوئی مقابل نہ آیا تاہم اس پیش قدمی کا فائدہ یہ ہوا کہ غسانیوں کے علاوہ تمام روسا نے رومیوں کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کر لی [1] ۱۱ھ میں زمانہ مرض الموت میں آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زیدؓ کے زیر افسری رومیوں کے مقابلہ کے لئے پھر فوجیں روانہ فرمائیں لیکن اس مہم کا اختتام عہد صدیقی میں ہوا۔

ایرانیوں کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی۔ ۱۰ھ میں دعاۃ اسلام کے پہنچنے کے ساتھ ہی بے مقابلہ و جنگ یمن‘ عمان اور بحرین میں اُن کی قبائے حکومت کا تار تار الگ ہو گیا۔

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیہم کوششوں سے اور مافوق طاقت بشری تائیدات کے سبب سے اب تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا۔ قریش اور یہود کی سازشوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ قبائل کی خانہ جنگیاں مٹ گئیں۔ تمام رہزن اور ڈاکو جتھے رام ہو گئے۔ بیرونی خطرات کا انسداد ہو گیا۔ اب موقع ملا کہ صلح وآشتی کے ساتھ حسب فرمان الٰہی اصل مقصود کی طرف توجہ کی جائے۔

---

[1] اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے غزوہ موتہ اور تبوک کے ذکر میں گزر چکے ہیں۔
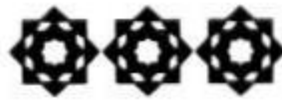
تبلیغ واشاعت اسلام

سرورکائنات ﷺ کا اصلی کام تمام عالم میں دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان، بلکہ ہرقسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقہ اسلام میں لانا تھا' اس کے لئے تیغ وخنجر اور فوج وعسکر کی ضرورت نہ تھی' بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوت حق کی صدا اطراف عالم میں پہنچ جانے پائے۔ لیکن مکہ میں تیرہ برس تک اعدائے اسلام اسی کے سدراہ رہے۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغام پہنچانے سے روکتے ہیں، تم اس کا موقع دلا دو اور خود دو، لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی حامی نہیں بھرتا تھا۔

تاہم آفتابِ حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطح قلوب پر پڑتی تھیں اور اکناف وحوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں۔ اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدائے اسلام نے انجام دیا جب حج کا زمانہ آتا تو رؤسائے قریش عام گزرگاہوں پر خیمے لگاتے، باہر کے لوگ ان سے ملنے آتے' اور چونکہ بعثت نبوی کا چرچا پھیل چکا تھا' لوگ اس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظ ماتقدم کے لئے ان سے کہتے کہ ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے یہاں تک کہ لات وعزیٰ تک کو برا کہتا ہے۔

بدعقیدہ کو عربی میں (صابی) کہتے ہیں' اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً نماز کی صورت صائبین کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں، قریش نے آنحضرت ﷺ کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب میں آپ ﷺ کا نام مشہور[1] ہوگیا۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ میں ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے۔[2]

ملک میں جب آپ ﷺ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپ ﷺ کی طرف رخ نہیں کیا لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگوں سے خالی نہیں ہوسکتا تھا جن کو یہ شوق پیدا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ عرب میں ایسے لوگوں کی خاصی جماعت پیدا ہوگئی تھی جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کے متجسس تھے۔ بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے جن کا تذکرہ آغازِ کتاب میں گزر چکا ہے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں متعدد ایسے صحابہ کا ذکر کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت ﷺ کی تحقیق حال کے لئے مکہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمنی (اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی) کے خاندان میں جو اسلام پھیلا اس کی ابتداء قیام مکہ ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔

طفیل بن عمرو کا اسلام:

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب میں شعراء کا اثر بہت تھا یعنی وہ قبیلہ کے قبیلہ کو جدھر

[1] صحیح بخاری کتاب التیمم۔

[2] کتاب المغازی ص ۶۱۵۔

چاہتے تھے ادھر کر دیتے تھے اس لئے قریش نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نہ پہنچنے پائے لیکن ایک دفعہ جب اس نے اتفاقیہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید پڑھتے سنا تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا[1] اور اس کے اسی زمانہ میں قبیلہ دوس میں بھی اسلام پھیلنے[2] لگا تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی، ان پر بددعا کیجئے آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ خدایا دوس کو ہدایت دے اور ان کو بھیج۔ اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[3]

عمروؓ بن عنبسہ کا اسلام:

عمروؓ بن عنبسہ سلمی بھی انہی بزرگوں میں ہیں جنھوں نے لوگوں کی زبانی یہ سن کر کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو بہت سی باتیں بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت قریش کے مظالم کی بناء پر چھپے رہتے تھے، عمروؓ بن عنبسہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی کہ آپ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ''میں پیغمبر ہوں۔'' انھوں نے کہا ''پیغمبر کس کو کہتے ہیں''؟ آپؐ نے فرمایا ''خدا نے مجھے بھیجا ہے۔'' انھوں نے پھر پوچھا کیا پیغام دے کر بھیجا ہے''؟ ارشاد فرمایا ''مجھے خدا نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے بت توڑ دیئے جائیں، اللہ کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے''۔ عمرو نے پوچھا ''اس مذہب کے کتنے پیرو ہیں''؟ آپؐ نے فرمایا ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ) عمرو نے کہا ''میں بھی پیروی کرتا ہوں۔'' ارشاد ہوا کہ ''ابھی تو یہ ممکن نہیں، تم دیکھتے ہو کہ میں کس حال میں ہوں اور لوگوں کا کیا حال ہے؟ میری کامیابی کا جب حال سنو تو میرے پاس آ جانا'' چنانچہ عمرو واپس گئے اور ہجرت کے بعد جب لوگوں کی زبانی آپؐ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے۔[4]

ضماد بن ثعلبہ کا اسلام:

ضمادؓ بن ثعلبہ قبیلہ از دشنوہ کے رئیس اور آپؐ کے زمانہ جاہلیت کے دوست تھے، وہ مکہ آئے تو سُنا کہ محمد کو جنون ہو گیا ہے۔ وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے وہ آپؐ کے پاس آئے کہ لاؤ میں تمھارا علاج کر دوں آپؐ نے فرمایا ﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و اشھدان محمدًا عبدہٗ ورسولہ﴾ ان فقروں نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا۔ عرض کی دوبارہ ارشاد فرمائیے۔ آپؐ نے پھر اعادہ فرمایا۔ ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا، اب وہ بالکل مسحور تھے۔ بولے کہ میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سُنا، یہ تو دریا کی تہہ تک میں بھی اُتر کر جائے گا، لائیے ہاتھ لائیے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں، آپؐ نے اُن سے بیعت لی۔

---

[1] زرقانی۔
[2] صحیح مسلم کتاب الایمان سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔
[3] صحیح بخاری باب قصہ دوس۔
[4] صحیح مسلم باب الاوقات النبی نہی عن الصلوٰۃ فیہا۔

قبیلہ ازد کا اسلام:

پھر فرمایا' اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرلو۔ چنانچہ انھوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کرلی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہوگیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا کہ کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے؟ ایک سپاہی نے کہا ایک لوٹا میرے پاس ہے۔ اس نے حکم دیا کہ واپس کردو۔

حضرت ابوذرؓ کا اسلام:

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قابل ہے۔

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا' جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے' انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر سے جواب سے تسکین نہیں ہوئی' خود گئے' زادِ سفر کے لئے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا۔ مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت ﷺ کا نام پوچھ نہیں سکتے تھے۔ حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے گھر پر لا کر مہمان رکھا لیکن تین دن تک اُن سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ "یہاں آنے کی کیا غرض ہے"؟ انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول وقرار لے لیا کہ کسی پر راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضرت علیؓ ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ ﷺ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ۔ پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا اس کی تعمیل کرنا' لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا' عرض کی کہ میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا۔ غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدًا رسول اللہ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور اُن کو مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ نے آ کر بچایا اور لوگوں سے کہا کہ تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گزرتا ہے اور یہ اسی قبیلہ کے آدمی ہیں۔ اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا' لیکن دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے حرم میں جا کر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا' آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آ گئے اور انہوں نے جان بچائی۔ [1]

قبیلہ غفار کا اسلام:

حضرت ابوذرؓ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک اسلام کا اظہار نہیں کریں گے جب آنحضرت ﷺ مدینہ آ جائیں گے۔ چنانچہ جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہوگئی۔ [2]

[1] یہ روایت بتمامہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے' صحیح مسلم میں یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس میں بہت سی باتیں اس سے زائد ہیں مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔

[2] صحیح مسلم اسلام ابی ذر۔

قبیلہ اسلم کا اسلام:

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے۔ غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا[1] (حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں بدنام تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے)

اوس وخزرج کا اسلام:

موسم حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ آپؐ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی معتد بہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔

قیام مدینہ میں اشاعتِ اسلام:

اس کے بعد جب حضرت مصعبؓ بن عمیر داعی اسلام بنا کر مدینہ منورہ بھیجے گئے تو اُن کے فیضِ تلقین سے چند ہی مہینوں میں دو گھرانوں کے سوابقیہ تمام گھرانے مسلمان ہو گئے۔ ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اوپر گزرا' غفار واسلم نے اسلام قبول کرلیا۔[2]

بدر کے بعض قریشیوں کا اسلام:

کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کو شکست ہوئی اور ستر اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے۔ ان قیدیوں کی رہائی کے لئے قریش نے مدینہ میں آمدورفت شروع کی۔ اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہو گئے۔

(ان میں) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ اُن کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز پڑ گئی اور باوجود سخت عداوت کے اُن کا دل پتھر سے موم بن گیا۔ جبیر بن مطعم بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے آئے تھے اور قیدیوں کے ساتھ اسیر تھے ایک دن آنحضرت ﷺ یہ آیتیں پڑھ رہے تھے۔

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ھُمُ الۡخَالِقُوۡنَ ۝ اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ۝ (طور۔۲)

کیا یہ یوں ہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے یا ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا' یا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ یہ بات ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔

جبیر بن مطعم کا اسلام:

جبیر بن مطعم نے یہ آیتیں سُن لیں تو ان کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا صحیح بخاری سورہ طور میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ذکر اسلم وغفارؓ۔

[2] بحوالہ سابق۔

(مکہ میں روم وفارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اتری اور قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیوں نے فارس پر فتح کلی پائی۔ اس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا)

پیشن گوئی روم کا اثر:

غرض اس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا ۵ھ میں قریش، کنانہ، غطفان، اسد اور دیگر قبائل نے متحد ہوکر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ اس معرکہ کا نام احزاب ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا اور وہ قبائل جو قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے ان کو اظہار اسلام کی ہمت نہیں ہوتی تھی، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وفود بھیجنے شروع کئے۔

قبیلہ مزینہ کا اسلام:

سب سے پہلی جو سفارت آئی وہ قبیلہ مزینہ کی تھی جس میں چارسو آدمی شریک تھے انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ میں آجائیں لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں رہو مہاجر ہو۔ [1]

قبیلہ اشجع کا اسلام:

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سفراء جن کی تعداد سوتھی، مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہوجائے آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔ [2]

قبیلہ جہینہ کا اسلام:

جہینہ بھی انہی قبائل کے آس پاس آباد تھے، آنحضرت ﷺ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات میں مسلمانوں کے شریکِ حال رہے [3] (غفار، اسلم، مزینہ، اشجع اور جہینہ کی یہی اطاعت اور مسابقتِ اسلام تھی جس کی بناء پر آپ ﷺ نے اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی) [4]

صلح حدیبیہ کا اثر:

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں، کفار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس لئے منکروں کو خلوت وجلوت میں مسلمانوں کی تلقینات کے سننے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ [5] یہ

---

[1] جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود جزاول قسم ثانی ص ۳۸۔

[2] جز طبقات ابن سعد مذکور ص ۴۸۔

[3] اصابہ تذکرہ بشیر بن عرفطہ۔

[4] صحیح بخاری ج اول ذکر غفار واسلم وجہینہ۔

[5] طبری میں امام زہری کا قول ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور محاربات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی' چنانچہ جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے سال ادائے عمرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف ڈیڑھ ہزار شخص ساتھ تھے۔ اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس ۱۰ ہزار مسلمانوں کا لشکر جرار ساتھ تھا۔

صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا' کیونکہ اس معاہدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے اس لئے جو لوگ براہ راست قریش کے زیر اثر یا اُن کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لئے آنحضرت ﷺ کو کچھ نہ کچھ فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں' تاہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا وہاں داعیان اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن چونکہ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمعیت بھی ہوتی تھی' اس لئے ارباب سیر ان تبلیغی جماعتوں کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے تھے۔

فتح مکہ کا اثر:

تمام عرب تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے۔ عمروؓ بن سلمہ ایک صحابی تھے جو مدینہ سے دور ایک گزرگاہِ عام پر رہتے تھے' اُن کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں منقول ہیں:

﴿ کانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فيقولون اتركوه وقومهٗ فانه ان ظهر عليهم فهو نبی صادق فلما كانت وقعة اهل الفتح بادر كل قوم باسلامهم ﴾[1]

عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو' اگر محمد ان پر غالب آ گئے تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے۔

﴿ وانما [2] كانت العرب تربص بالا سلام امر هذا الحی من قريش وامر رسول الله ﷺ وذلك ان قريشا كانوا امام الناس وهاديهم اهل البيت والحرم وصريح ولد اسمٰعيل بن ابراهيم عليهما السلام وقادة العرب لا ينكرون ذلك وكانت قريش هی التی نصبت لحرب رسول الله ﷺ وخلافه فلما افتتحت مكة ودانت له قريش ودخلها الاسلام عرفت العرب انه لا طاقة لهم بحرب رسول الله ﷺ ولا عداوة فدخلوا فی دين الله كما قال الله عزوجل ﴾ (الخ)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

فلمّا كانت الهدنة وضعت الحرب اوزارها وامن الناس كلهم بعضهم بعضًا فالتقوا وتفاوضوا فی الحديث والمنازعة فلم يكلم احدٌ بالاسلام يعقل شيئًا الادخل فيه فلقد دخل فی تينك السنين فی الاسلام مثل ماكان فی الاسلام واكثر (ص ۱۰۵۵)

''جب صلح ہوگئی اور جنگ موقوف ہوگئی' ایک دوسرے سے لوگ بے خوف ہوگئے' باہم ملے جلے' باتیں ہوئیں تو کوئی عقلمند ایسا نہیں تھا جس سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوئی اور اس نے قبول نہ کر لیا چنانچہ جتنے لوگ ابتداء سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے صرف ان دو برسوں میں انکے برابر بلکہ ان سے زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے''۔

[1] صحیح بخاری فتح مکہ۔

[2] سیرت ابن ہشام ذکر واقعات ۹ھ و وفود

اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ وحرم کے متولی اور حضرت اسماعیلؑ کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کے لئے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام مکہ میں چھا گیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی جنگ اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں کہا ہے یعنی ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے میں جو دیر لگی' وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی اب جبکہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی۔

فتح مکہ کے بعد اب اسلام کے لئے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جائیں بے دریغ قتل کر دیئے جائیں' اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے تمام اطراف عرب میں دعاۃ بھیج دیئے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل ومحاسن بتا کر اُن کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔ دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کئے گئے۔

(۱) حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغ اسلام کر سکیں حضرت خالدؓ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی' لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئیں۔ چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کے دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے حضرت خالدؓ سپہ سالار اور فاتح تھے' واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے' اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا' انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعۃً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعاۃ ہیں جن کو علامہ طبری نے ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

قد كان رسول الله ﷺ بعثت فيها حول مكة السرايا تدعوا الى الله عزوجل ولم يامرهم لقتال۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں کچھ ٹکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

حضرت خالدؓ کو قبیلہ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا لیکن جب انہوں نے کشت وخون کیا اور آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ خدایا! میں خالد کے فعل سے بری ہوں پھر حضرت علیؓ کو بھیجا' انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا' یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

(اشاعت اسلام کی غرض سے جو مسلح جماعت اطراف ملک میں بھیجی جاتی تھی' اس میں کبھی کبھی آپ ﷺ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے' ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتے تھے ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے' چنانچہ آپ ﷺ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی[1] تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا' ان

---

[1] اس روایت میں اگرچہ یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ فوج اشاعت اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی صرف یہ الفاظ ہیں:
بعث بعثا و هم ذو عدد یعنی آپ ﷺ نے ایک بہت بڑی جماعت بھیجی تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعت اسلام تھا کیونکہ اگر لڑائی مقصود ہوتی تو پھر حفظِ قرآن کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ آپ ﷺ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سنتے۔

لوگوں میں ایک کم سن نوجوان تھے آنحضرت ﷺ اُن کے پاس آئے، پوچھا تمہیں کیا یاد ہے؟ انہوں نے کہا مجھ کو سورہ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تو تم ہی اب سب کے امیر ہو (ترغیب وترہیب ج ا ص ۲۵۹ بروایت ترمذی)

(۲) جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوٰۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لئے عمال بھیجے جاتے تھے وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

نام	مقام	کیفیت
مہاجرؓ بن ابی اُمیہ	صنعاء یمن	حضرت ام سلمہؓ (زوجہ نبی) کے بھائی تھے۔
زیادؓ بن لبید	حضرموت	یہ اُن اصحاب میں ہیں جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔
خالدؓ بن سعید	صنعاء یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش میں ہیں۔ سب سے پہلے انہی نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا
عدیؓ بن حاتم	قبیلہ طے یمن	مشہور صحابی ہیں۔ حاتم طائی انہی کا باپ تھا۔
علاءؓ بن حضرمی	بحرین	
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	زبید وعدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے، مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذ بن جبل	جند	
جریرؓ بن عبداللہ بجلی	ذوالکلاع حمیری	جریر مشہور صحابی ہیں، ذوالکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔ جریرؓ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کئے۔

(۳) بعض[1] لوگ خاص اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے، تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ہیں۔

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علیؓ بن ابی طالب	قبیلہ ہمدان وجذیمہ مذحج	خالد بن ولیدؓ	اطراف مکہ
مغیرہؓ بن شعبہ	نجران	عمروؓ بن العاص	عمان
وبرؓ بن یحنس	ابنائے فارس	مہاجر بن ابواُمیہ	بطرف حارث بن عبدکلال شہزادۂ یمن
محیصہؓ بن مسعود	فدک		
احنف	قبیلہ سلیم (مندرج ۵ص۳۷۲)		

[1] اضافہ تاذکر اسلام ابنائے یمن۔

(۴) رؤسائے قبائل بارگاہ نبوت میں آ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے ان اشخاص کے نام یہ ہیں۔

نام	مقام	کیفیت
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلہ دوس	
عروہ بن مسعود	ثقیف	
عامر بن شہر	ہمدان	
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرین	
ثمامہ بن اثال	اطراف نجد	

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا فتح مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے دعاۃ اطراف مکہ میں بھیج دیئے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

﴿اِذَاجَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ o وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾

جب خدا کی فتح و نصرت آئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں۔

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج میں اعلان براءۃ ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بلا استثنا حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کر لیا۔[1]

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس میں صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان اِدھر اُدھر نظر آتے تھے' لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس میں ۸'۹' ۱۰ھ میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن' بحرین' یمامہ' عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سایہ تھیں تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح و امن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن:

ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت قدیم زمانے سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ ولادتِ نبوی سے تقریباً پچاس برس پہلے ۵۲۵ء میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادتِ نبوی کے چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ ان

[1] طبری واقعات ۹ھ۔

کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔ یمن میں اسلام کی تحریک کے لئے متعدد عوائق موجود تھے' مثلاً اختلافِ جنسیت کہ اہل یمن قحطانی تھے اور داعی اسلام اسماعیلی۔ اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے ان کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک میں جہاں کہیں باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی چنانچہ جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا تو آنحضرت ﷺ کو ایک عرب فرمانروا سمجھ کر رئیس وفد نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا آپ اور ہم' ہم خاندان نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں' نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔[1]

یمن میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہوسکتا تھا کہ وہ پولیٹیکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھے اور مذہباً باشندے علی العموم یہودی یا عیسائی تھے' لیکن قبول حق کے لئے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی یمن میں دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس طفیلؓ بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہوگیا اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لئے مکہ آیا تھا آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا۔[2] ۷ھ میں آنحضرت ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں منتقل ہوگیا یمن کا ایک مشہور قبیلہ اشعر تھا وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت میں اس زمانہ میں بلاتحریک خود بخود اسلام لایا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہوا۔ ابوہریرہؓ دوسی اور ابوموسیٰ اشعریؓ ان ہی قبائل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت ﷺ نے (۸ھ کے آخر میں) اُن کو دعوت اسلام دینے کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ خالدؓ چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے' لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا بالآخر آنحضرت ﷺ نے خالد کو بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بھیجا حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہ رسالت میں دی تو آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا السّلام علی ھمدان۔[3]

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اُس کے قبول کے لئے تیار ہیں اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے

[1] مسند ابن حنبل حدیث اشعث بن قیس و زاد المعاد جلد ا ص ۳۲ مصر۔

[2] ابن ہشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل۔

[3] زرقانی بہ سند صحیح از بیہقی۔ اصل واقعہ بخاری جزء غزوات میں موجود ہے' لیکن ہمدان کی اس میں تخصیص نہیں اور نہ ان کے اسلام کا اس میں ذکر ہے اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتیں ہیں لیکن وہ صحیح نہیں چنانچہ وہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے۔ ان روایتوں کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگوں نے حضرت علیؓ کے ڈر سے اسلام قبول کر لیا لیکن یہ راویوں کا حسن ظن ہے واقعہ نہیں ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کریں اور ان پر غارت گری کیا کریں لیکن حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے' ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے پاس طائف میں تھے' یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلوں کو دیا جا سکتا تھا۔

ساتھ ہیں۔ عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا تو اس کا دل نور اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔

یمن میں حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے ربیع الاول ۱۰ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت ﷺ نے پھر ان کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مال گزاری وصول کرنے کے لئے ادھر ادھر لوگوں کو متعین کیا۔ اسی اثناء میں قبیلہ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی حضرت علیؓ نے اُن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی' لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں کی زبان سے ملا یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا کہ اُن کا مقصود صرف مدافعت تھا' اس کے بعد رؤسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابۃً اسلام کا اعلان کیا۔ [1]

یمن میں فارس کے جو رؤسا قیام پذیر ہو گئے تھے ان کو ابناء کہتے تھے آنحضرت ﷺ نے ۱۰ھ میں وبرؓ بن نخیس کو اُن کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا' وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھر ان کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی' مرکبود' وہب ابن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے' سب نے اسلام قبول کیا صنعا میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطاء اور وہب بن منبہ تھے۔ [2]

عام یمن [3] میں تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ نے معاذؓ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو نامزد فرمایا دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے تھے۔ چلتے وقت آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سہولت سے کام کرنا' سخت گیری نہ کرنا لوگوں کو خوشخبری سنانا' نفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا، تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں، جب ان کے ہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے' جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی، دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کر لیں تو چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا' مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے پوچھا یا نبی اللہ ہمارے ملک یمن میں جو اور شہد کی شراب بنتی ہے' کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔ [4]

---

[1] حضرت علیؓ کی مہم یمن کا واقعہ تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہے۔

[2] طبری ص ۱۷۶۳

[3] اضافہ تابحرین

[4] یہ پورا واقعہ بخاری جزء غزوات میں مذکور ہے ہم نے بخاری کی مختلف روایتوں کو یکجا کر لیا ہے۔

نجران:

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مغیرہؓ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ ۶ھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے، دعوت اسلام کے لئے نجران بھیجا، عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کئے، یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے۔ [۱] اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کا ان کو خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو [۲] اہل نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی، ان میں ایک قبیلہ بنو حارث ابن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لئے عبدالمدان کے نام سے مشہور تھا ربیع الآخر ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے خالدؓ بن ولید کو وہاں دعوت اسلام کے لئے بھیجا، حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا حضرت خالدؓ نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی۔ [۳]

اہل یمن کا بغیر کسی ترہیب و ترغیب کے خلوص دل سے قبول اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جو خاص رحمت الٰہی کا مستوجب نہ ہو۔ جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ کل اہل یمن آتے ہیں جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔ [۴] جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا اور اُن کو سلامتی کی دُعا دی۔ حمیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا "تمیم بشارت قبول کرو بنو تمیم نے کہا کہ یارسول اللہ ہم نے بشارت تو قبول کر لی، کچھ عطا بھی فرمایئے" آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی تھی؟ [۶] پھر اہل یمن کی طرف رُخ کر کے فرمایا اے اہل یمن تمیم نے بشارت قبول نہ کی تم قبول کر لو۔ اہل یمن نے بے اختیار بول اُٹھے اے خدا کے رسول! ہم نے قبول کیا۔ [۷] پھر آپؐ نے عام طور سے فرمایا ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانائی یمن کی دانائی ہے۔

مبلغین یمن میں سے حضرت علیؓ اور ابو موسیٰؓ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نومسلم بھی حج و زیارت کو آئے۔

بحرین میں اسلام

بحرین ایران کی حدودِ حکومت میں داخل تھا، عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور اور باثر

---

۱ ترمذی تفسیر سورۂ مریم۔
۲ زرقانی بحوالہ بیہقی۔
۳ زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۔
۴ بخاری قدوم الاشعریین اہل الیمن۔
۵ زرقانی بحوالہ بیہقی۔
۶ بخاری کتاب بداء الخلق وقدوم الاشعریین۔

خاندان عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے ان میں سے عبدالقیس کے قبیلہ میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لئے نکلے راہ میں مدینہ پڑتا تھا، وہاں ٹھہرے، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور سورہ فاتحہ اور اقراء سیکھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن اُن کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی۔ انہوں نے منقذ سے دریافت کیا بحث مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لوگوں کو سنایا سب نے اسلام قبول کر لیا۔ [1]

صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) میں روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی میں واقع ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجی جس کے افسر منذر بن الحارث تھے ان کا قافلہ کاشانہ نبوت کے قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بے تاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ چومے لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا انہوں نے قیام گاہ پر جا کر کپڑے بدلے پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی۔ [2]

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرمیؓ کو تبلیغ اسلام کے لئے بحرین بھیجا اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساویٰ گورنر تھا اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔ [3]

بحرین کے علاقہ میں "ہجر" ایک مقام ہے یہاں ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کے نام بھی خط بھیجا اور اس نے بھی اسلام قبول کیا۔ [4]

عمان میں اسلام

اس شہر پر قبیلہ ازد کا قبضہ تھا اور عبید و جیفر یہاں کے رئیس تھے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ابوزید انصاریؓ کو جو حافظ قرآن تھے اور عمروؓ بن العاص کو دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے تمام عرب اُن کی ترغیب سے اسلام لائے۔ [5]

[1] زرقانی بحوالہ کرمانی قبیلہ عبدالقیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری میں ہے اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہے بخاری کی روایت سے بھی اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبدالقیس اس سفارت سے پہلے ایمان لا چکے تھے اصابہ میں ابن شاہین سے جو روایت ہے وہ گو زرقانی کی روایت سے مختلف ہے اور رئیس سفارت کے نام میں اختلاف ہے تاہم اس قدر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت ۶ھ سے پہلے کی ہے۔

[2] زرقانی بہ روایت بیہقی بہ سند جید

[3] فتوح البلدان۔

[4] ایضاً ذکر بحرین۔ [5] ایضاً ذکر فتح عمان۔

حدودِ شام میں اسلام

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے اُن میں متعدد ریاستیں تھیں ان میں سے معان اور اس کے اضلاع فروہ بن عمرو کے زیر حکومت تھے لیکن خود فروہؓ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے۔ انہوں نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا (عیسائی) رومیوں کو اُن کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو اُن کو گرفتار کر کے سُولی دے دی اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا۔ [1]

بلغ سراة المسلمین بانني مسلم لربی اعظمی ومقامی

(مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے)

(شام اور عرب کے درمیان عذرہ، بلی، جذام، وغیرہ قبائل آباد تھے قبیلہ بلی میں حضرت عمروؓ بن العاص کا ننہال تھا اس لئے ایک جماعت کے ساتھ وہ ان اطراف میں بھیجے گئے۔ جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو اُن کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربار نبوت میں اطلاع کی، وہاں سے حضرت ابوعبیدہؓ کی ماتحتی میں بغرض حفاظت کچھ فوج بھیج دی گئی اس کو اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ ذات السلاسل کہتے ہیں)

[1] ابن ہشام اسلام فروہؓ ذکر وفود۔

وفودِ عرب

جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہ نبوت میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا۔ ارباب سیر ''وفود'' کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں' اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے' ابن سعد میں ۷۰ وفود کا تذکرہ ہے دمیاطی' مغلطائی' زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں' لیکن مصنف سیرتِ شامی نے زیادہ استقصاء کیا ہے' اور ایک سو چار وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں' اگرچہ ان میں کہیں کہیں ضعیف روایتوں سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام مبہم ہیں' تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہیں زیادہ ہے۔ حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف ۳۴ وفود کی تفصیل کی ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلہ اخیر کا انتظار کر رہا تھا۔ مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا' اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دارالاسلام میں جا کر کوئی فیصلہ کرے' اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے' لیکن خیبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں' بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔

فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہو گئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انہوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا' بنو تمیم' بنو سعد' بنو حنیفہ' بنو اسد' کندہ' سلاطین حمیر' ہمدان' ازد اور طے تھے۔ ان تمام قبائل کی سفارتیں دربار نبوت میں آئیں۔ ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بہ حیثیت فاتح کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آ جائیں۔ یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ ھ و ۹ ھ اور ۱۰ ھ میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لیے اس سے پہلے کے چند وفود کا ذکر کرنا بھی موزوں ہوگا۔

مزینہ:

یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مصر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ نعمان بن مقرن مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزینہ کے علم بردار تھے' اسی قبیلہ سے تھے' اصفہان انہی نے فتح کیا تھا، ۵ ھ میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔ عراقی نے سیرت منظوم میں لکھا ہے۔ [1]

اول وفد المدینہ سنة خمس وفدوا مزینہ

سب سے پہلا وفد جو مدینہ میں آیا وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵ ھ میں آیا

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ترجمہ نعمان بن مقرن وابن سعد جز وفود صفحہ ۳۸

بنوتمیم:

بنوتمیم کے وفود بڑی شوکت وشان سے آئے' قبیلہ کے تمام بڑے بڑے روٴساء مثلاً اقرع بن حابس' زبرقان' عمرو بن الاہتم' نعیم بن یزید' سب اس سفارت میں شامل تھے۔ عیینہ بن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔ یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے' تاہم عربی فخر وغرور کا نشہ سر میں اب بھی باقی تھا۔ دربار نبوت یعنی مسجد نبوی میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف رکھتے تھے' آستانہ اقدس پر جا کر پکارے کہ محمد! باہر آؤ' آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے' تو بولے کہ محمد! ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں' آپ نے اجازت دی' عطارد ابن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیروان کے دربار سے حسن تقریر کے صلہ میں کمخواب کا خلعت [1] حاصل کیا تھا' اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پرزور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا۔

''خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج وتخت' خزانہ ہائے گراں بہا رکے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز ترین ہیں' ہماری برابری آج کون کر سکتا ہے' ہماری ہم مرتبی کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص اور اوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں''۔

عطارد خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرت ﷺ نے ثابتؓ بن قیس کو جواب دینے کا اشارہ کیا' انہوں نے جو تقریر کی، اس کا ماحصل یہ تھا۔

''اس کی تعریف جس نے زمین اور آسمان بنائے' اس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب' سب سے زیادہ راست گفتار' سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا' وہ تمام عالم کا انتخاب تھا' اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی' اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور اس کے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لبیک کہا' ہم لوگ انصار الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں''۔

تقریریں ہو چکیں تو اشعار کی باری آئی' سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے قصیدہ پڑھا

نحن الكرام فلاحي يعادلنا   منا الملوك و فينا تنصب البيع

ہم شرفائے قوم ہیں کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہو سکتا ہم میں تخت نشین ہیں اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آ کر خطبہ دیا تو اس کی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿إنّ من البيان لسحرا﴾ یعنی بعض بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے۔ اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کر چکے' آنحضرت ﷺ نے دربار رسالت کے شاعر یعنی حسان بن ثابتؓ کی طرف دیکھا' انہوں نے برجستہ کہا۔

ان الذّوائب من فهر واخوانهم   قدبيّنوا سنت للناس يتبّعوا

شرفائے قبیلہ فہر و برادران فہر نے لوگوں کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ

ارکان سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حاکم تھا' یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے' وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا' اس کا دعویٰ یہ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت میں آیا تو آنحضرت ﷺ سے کہا۔

﴿ان حمدی لزین وان ذمی لشین﴾

میں جس کی تعریف کردوں وہ چمک جاتا ہے اور جس کو برا کہہ دوں اس کو داغ لگ جاتا ہے

نظم ونثر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور شاعر دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا۔

بنوسعد:

بنوسعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا' وہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے دربار میں آئے اور جس طریقے سے سفارت ادا کی اس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزادروی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے' ایک شخص ناقہ پر سوار آیا اور صحن مسجد میں آکر ناقہ سے اترا پھر حاضرین سے پوچھا ''محمد کس کا نام ہے؟'' لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں'' پاس آکر کہا ''اے عبدالمطلب کے بیٹے''! آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں جواب دے چکا'' بولا کہ ''میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا' لیکن سختی سے پوچھوں گا' اس پر ناراض نہ ہونا''! ارشاد ہوا کہ ''جو پوچھنا ہو پوچھو'' بولا کہ ''اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو' کیا تم کو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے'' آپ نے فرمایا ''ہاں'' پھر قسم دلا کر پوچھا کہ ''کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟'' اسی طرح زکوٰۃ' روزہ' حج کی نسبت پوچھا اور آپ برابر ''ہاں'' فرماتے جاتے تھے' جب سب احکام سن لیے تو کہا کہ ''میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے' میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم''۔ وہ جاچکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی''۔ [1]

ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ ''لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں'' لوگوں نے کہا ''کیا کہتے ہو' تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے'' انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر' میں تو خدا اور محمد پر ایمان لاتا ہوں'' ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن ومرد بچے سب مسلمان تھے۔ [2]

اشعریین ۷ھ:

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا' اسی قافلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی

[1] یہ روایت صحیح بخاری میں مختلف ابواب میں منقول ہے۔
[2] ابن ہشام۔

تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے' لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا' وہاں حضرت جعفر طیارؓ موجود تھے' وہ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں خیبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ یہیں تشریف فرما تھے' چنانچہ یہیں لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین) کی روایت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اشعریوں کا وفد آیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے ہاں یمن کے لوگ آتے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے۔

غدا نلقی الا حبة محمدا و حزبه

کل ہم دوستوں سے ملیں گے یعنی محمد اور پیروانِ محمد سے

(بارگاہ نبوت میں پہنچے تو عرض کی' "یارسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں' اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں آپ نے فرمایا "پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا' اس کا تخت پانی پر تھا۔)[1]

دوس ۷ھ:

دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے' حضرت ابو ہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے' وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نہ جائیں' لیکن اتفاق سے ایک دفعہ یہ حرم میں گئے' آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں' آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں' وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے' وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی' لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے' اس لیے لوگوں نے تامل کیا طفیلؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر یہ حقیقت بیان کی' آپ نے دعا فرمائی کہ "خدایا! دوس کو ہدایت دے"۔ پھر طفیلؓ سے ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو' غرض (دعائے نبوی کی برکت اور) طفیلؓ کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا' اور اسی خاندان جن میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔[2]

بنو حارث بن کعب ۹ھ:

یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا' آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا' یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا' چنانچہ قیس بن الحصین و یزید بن عبدالمدان وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' چونکہ اکثر معرکوں میں قبائل عرب پر غالب رہے تھے' آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے غلبہ کے کیا اسباب تھے' بولے کہ ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے'

[1] صحیح بخاری باب بدء الخلق"۔

[2] اصابہ اور زاد المعاد (اور ابن سعد جز وفود)

اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے' آپ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کیا۔ [1]

قبیلہ طے ۹ھ:

یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا- اس قبیلہ کے رؤساء زید الخیل وعدی بن حاتم طائی تھے اور ان کے حدود حکومت الگ تھے۔ زید زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر' خطیب' خوش جمال' فیاض' بہادر تھے- ۹ھ میں یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی' انہوں نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا- شہسواری کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے- آنحضرت ﷺ نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا۔ [2]

عدی بن حاتم ۹ھ:

عدی' مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے۔ سلاطین عرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا' جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں' یہ بھاگ کر شام چلے گئے' ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں- آنحضرت ﷺ نے ان کو بڑی عزت وحرمت سے رخصت کیا- وہ اپنے بھائی کے پاس چلی گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو- وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے- غرض عدی مدینہ آئے' آنحضرت ﷺ مسجد میں تھے- عدی نے مسجد میں جا کر سلام کیا- آپ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا' پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے' اسی اثنا میں ایک بڑھیا آ گئی' اس نے آپ کو روک لیا' اور دیر تک آپ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی' عدی خود رئیس تھے' شام میں رومیوں کا دربار دیکھا تھا' ان کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے' اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے- آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے' چمڑے کا ایک گدا تھا- اس کو عدی کی طرف بڑھایا' یہ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے' پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کیوں عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے' لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) میں جائز نہیں ہے۔ [3] پھر فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ بولے کہ نہیں! پھر پوچھا کہ خدا سے کوئی بڑا ہے؟ بولے کہ نہیں' آپ نے فرمایا کہ "یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے' اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں"۔ [4]

غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردہ کے زمانہ میں بھی ان پر کچھ اثر نہیں پڑا باپ کی سخاوت کا اثر ان پر بھی تھا' ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو روپے طلب کئے' بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو' بخدا ہرگز نہ دوں گا۔ [5]

---

[1] اصابہ وزاد المعاد۔

[2] ایضاً۔

[3] ابن ہشام اسلام عدی بن حاتم۔

[4] مسند امام احمد حدیث عدیؓ ترمذی تفسیر فاتحہ۔

[5] اصابہ فی احوال الصحابہ، ذکر عدی۔

وفد ثقیف:

یاد ہوگا کہ جب آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہؓ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق میں بد دعا فرمائیں، آپ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی تھی یہ تھی

﴿ اللّٰھم اھد ثقیفًا و ائتِ بِھِم ﴾

اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔

(یہ دعا کرشمۂ ربانی کا ایک اعجاز تھا کہ وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہو سکا تھا دفعتہً جلال نبوت نے آستانہ اسلام پر اس کی گردن جھکا دی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا)

طائف دو رئیسوں کے قبضہ میں تھا، جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے۔ جن کی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الٰہی مکہ میں اترتا تو ان پر اترتا۔ عروہ اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن مادہ قابل رکھتے تھے۔ حدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرت ﷺ مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر واپس گئے۔ واپس جا کر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی، لوگوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا۔ صبح کو جب اپنے بالا خانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینہ برسا، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں انہی کے پہلو میں دفن کیے جائیں۔

(عروہ کا خون رائگاں نہیں جا سکتا تھا، صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سن کر کہ آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں، کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ ﷺ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے، صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طائف آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول نہ کر لیں گے، میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا، آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ صخر نے خدمت نبوی میں اطلاع کی تو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا، اور احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی [1] چندروز کے بعد اہل طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا، اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجے جائیں۔

ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہؓ دوڑے کہ آنحضرت ﷺ کو جا کر خبر کریں، راہ میں حضرت ابوبکرؓ مل گئے ان کو معلوم ہوا تو مغیرہؓ کو قسم دلائی کہ یہ خوش خبری مجھ کو پہنچانے۔ دو مغیرہ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا، لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجالائے۔

عبد یالیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد

---

[1] ابوداؤد باب اقطاع الارضین۔

نبوی میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محویت واستغراق کو دیکھ کر متاثر ہو) [1] یہ لوگ صحن مسجد میں خیمے نصب کرا کر ٹھہرائے گئے۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے' گو خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ خطبوں میں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں' لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ "میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادۂ الٰہی ہوں"۔

جماعت سفراء میں عثمانؓ بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے۔ سفراء دربار نبوی میں آتے تو ان کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے۔ عثمان گو کمسن تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل بہ تحقیق تھے' ان کا معمول تھا کہ جب سفراء دن کو قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے' یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لیے۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے (نماز عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے۔ زیادہ تر مکہ میں قریش کے ہاتھ سے جو اذیتیں اٹھائی تھیں ان کو بیان فرماتے۔ [2] مدینہ میں آکر جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا بھی تذکرہ فرماتے) بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی' لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

۱۔ زنا ہمارے لیے جائز رکھا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر مجرد رہتے ہیں اور اس لیے ان کو اس سے چارہ نہیں۔

۲۔ ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود ہے اس لیے سودخواری جائز رکھی جائے۔

۳۔ شراب سے نہ روکا جائے' ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے' اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں' بالآخر ان لوگوں نے کہا اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں' لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت' جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے گا' یہ سن کر ان کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص ان کے خدائے اعظم کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے! بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا' حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا' بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو' منات صرف ایک پتھر ہے' ان لوگوں نے کہا' عمر! ہم تمہارے پاس نہیں آئے' یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے' آپ جو چاہیں کریں' لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے' آپ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ [3]

ان لوگوں نے نماز' زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی' وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے! لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے' اور جہاد فرض کفایہ ہے' ہر شخص

---

[1] ابوداؤد باب ماجاء فی خبر الطائف۔

[2] ابوداؤد باب تحزیب القرآن۔

[3] زادالمعاد بحوالہ مغازی موسیٰ بن عقبہ۔

پر واجب نہیں ہے اور واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں، روز کا کام نہیں' اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آ جائے گی حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لا چکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے [1] (چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو) [2]

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔ مغیرہ نے طائف پہنچ کر بت کدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔ [3]

الا ابکین دفاع اسلمها الرضاع لم یحسنوا المصاع

لوگوں پر رو، کہ پست ہمتوں نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے سپرد کر دیا اور معرکہ آرائی نہ کر سکے

(عربوں میں کثیر الازدواجی کی عام عادت تھی' قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن سلمہ کی دس بیویاں تھیں' جب وہ مسلمان ہوا تو احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اُس کو مفارقت کرنی پڑی)۔ [4]

وفد نجران ۹ھ:

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر وسیع ضلع کا نام ہے' جہاں عیسائی عرب آباد تھے' یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے' اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے' جن کا لقب سید اور عاقب تھا' عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا' اعشیٰ اسی کی شان میں کہتا ہے

و کعبة نجران حتم علیك حتی تناخی بابوابها

تزور یزید او عبدالمسیح وقیساهم خیرا ربابها

یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا' جو شخص اس کے حدود میں آ جاتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا۔ اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔ [5]

آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو مسجد میں اتارا' تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی' صحابہ نے روکا' لیکن آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو' چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب ما جاء فی خبر الطائف۔
[2] اصابہ ترجمہ جبیر بن حیہ ثقفی۔
[3] تاریخ طبری۔
[4] جامع ترمذی وابوداؤد کتاب النکاح۔
[5] یہ تمام تفصیل معجم البلدان میں ہے۔ پہلا فقرہ فتح الباری سے ماخوذ ہے جہاں وفد نجران کا ذکر ہے۔

کی۔ ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا' نہایت محترم اور فاضل شخص تھا' قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ [1]

ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے مختلف مذہبی مسائل پوچھے اور آپ نے وحی کی رُو سے ان کا جواب دیا۔ ان کے زمانہ قیام میں سورۂ آل عمران کی ابتدا کی اسی آیتیں اتریں۔ ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا۔ جس آیت میں دعوت اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے۔

﴿ قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران)

کہہ دے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کو مان لیں جو ہم تم دونوں میں مشترک ہے' وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ قرار دے' پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب اُن کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو' عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیونکر مسلمان ہو سکتے ہو؟ جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مباہلہ کرو' یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل وعیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ط ﴾ (آل عمران)

تو جو شخص تجھ سے علم آئے پیچھے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہہ دے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو بلائیں' پھر مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو' اس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ زہراؓ اور امام حسنؓ و حسینؓ کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے' اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے' غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

بنو اسد ۹ھ:

یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست و بازو تھا۔ طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا' اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ھ میں یہ لوگ بھی اسلام لائے' اور سفارت بھیجی لیکن اب تک ان کے دماغ میں فخر کا نشہ باقی تھا۔ سفراء دربار رسالت میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی

---

[1] زاد المعاد ابن قیم۔

﴿ یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ (سورہ حجرات)

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے' کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو' بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت کی' اگر تم سچے ہو۔

بنوفزارہ ۹ھ:

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا' عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے اسی قبیلہ نے رمضان ۹ھ میں جب آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا [۱]

کندہ ۱۰ھ:

یہ حضر موت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا- یہاں کندی خاندان کی سلطنت تھی اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے- یہ ۱۰ھ میں اسی سواروں کے ساتھ بڑی شان وشوکت سے حیرہ کی چادریں جن کے سنجاف حریر کے تھے کاندھوں پر ڈالے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے' یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے' آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ''کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟'' بولے ''ہاں'' آپ نے فرمایا کہ ''پھر یہ حریر کیسا؟'' ان لوگوں نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔ [۲]

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن (امّ فروہ) سے ان کی شادی کر دی تھی' نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہنچے اور جو اونٹ سامنے آیا تلوار سے اس کی کوچیں اڑا دیں' تھوڑی دیر میں بیسیوں اونٹ زمین پر پڑے تھے' لوگوں کو حیرت ہوئی' انہوں نے کہا میں اپنی دارالریاست میں ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا' یہ کہہ کر اونٹوں کے دام دے دیئے' اور لوگوں سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے۔ [۳] یہ جنگ قادسیہ و یرموک میں شریک تھے اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

عبدالقیس:

یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گزر چکا' بحرین کا باشندہ تھا' یہاں اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا' سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی ۵ھ میں یا اس سے آگے پیچھے زمانہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے- آنحضرت ﷺ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ عرض کی' یارسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہیں' فرمایا ''مرحبا لاخزایا و لاندامی'' پھر ان لوگوں نے عرض کیا' یارسول اللہ! ہمارا ملک بہت دور ہے (بحرین) اور بیچ میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں' ہم اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آ سکتے' چند ایسی باتیں تلقین فرمایئے جن پر ہمیشہ عمل کریں' اور اپنے اہل وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں' ارشاد ہوا کہ میں تم

---

[۱] زرقانی۔
[۲] ابن ہشام وفد کندہ۔
[۳] اصابہ۔

کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں- خدا کو ایک جانو' نماز پڑھو' روزہ رکھو اور خمس دو' اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں' دباء' حنتم' نقیر' مزفت۔

دباء' حنتم' نقیر' مزفت یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے' جن میں رکھ کر شراب بنائی جاتی تھی' آنحضرت ﷺ کی عادت شریف یہ تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے' ان کے پندو موعظت میں انہیں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے' لوگوں کو تعجب تھا کہ حضور ﷺ نے ان ظروف کا کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا' چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ ''یارسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟'' ارشاد فرمایا'' ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کر تم اس میں پانی ڈالتے ہو جب ابال کم ہو جاتا ہے تو اُس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو؟ اتفاق یہ کہ وفد میں ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گزرا تھا' اُن کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا' اور اس کو وہ شرم سے چھپاتے تھے۔[1]

بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا تھا[2] کہ یارسول اللہ! ہم کو کیا پینا چاہیے؟ اس کے جواب میں آپ نے ان چاروں چیزوں کا ذکر فرمایا۔[3]

بنو عامر بن صعصعہ ۹ھ:

(بنو عامر[4] کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا' بنو عامر میں اس وقت تین رئیس تھے' عامر بن طفیل' اربد بن قیس اور جبار بن سلمیٰ۔ عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہاں تھے' یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنوں کا باعث ہو چکا تھا اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا' جبار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ خلوص قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

عامر مدینہ پہنچ کر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا' جبار اور مشہور صحابی کعب بن مالکؓ میں پہلے کے مراسم تھے' اس لئے وہ تیرہ آدمیوں کے ساتھ انہیں کے گھر مہمان اُترے اور اسی تقریب سے کعبؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلہ کلام میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے کہا'' ﴿اَنْتَ سَیِّدُنَا﴾ ''حضور ﷺ ہمارے آقا ہیں' آپ نے فرمایا'' السید اللّٰہ '' آقا خدا ہے' انہوں نے پھر عرض کی' حضور ﷺ ہم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں' ارشاد ہوا' بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو ہنکا نہ لے جائے یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الایمان۔

[2] صحیح مسلم باب الایمان۔

[3] مسلم اور دیگر کتب صحاح میں عبدالقیس کے اسی وفد کا ذکر ہے' ابن مندہ و دولابی وغیرہ نے اس قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جس میں ۴۰ آدمی شریک تھے اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیئے ہیں پہلا تقریباً ۵ھ میں اور دوسرا ۱۰ھ میں۔ حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی میں بعینہٖ یہی تحقیق کی ہے لیکن کتاب الایمان کی شرح میں دونوں روایتوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

[4] اضافہ۔

عامر بن طفیل نے کہا'' محمد! تین باتیں ہیں' اہل بادیہ پر تم حکومت کرو اور شہر میرے قبضہ میں ہوں' اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ' اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میں غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا''۔ عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ میں ادھر محمد ﷺ کو باتوں میں لگاؤں گا' ادھر تم ان کا کام تمام کر دینا' اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی' نبوت کے غیر مرئی جاہ و جلال نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں' دونوں اٹھ کر چلے آئے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''خدایا ان کے شر سے بچانا'' عامر کو طاعون ہو گیا۔ عرب میں صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی' عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو' گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑا۔ جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دار السلام سے واپس آئے۔ [۲]

حمیر وغیرہ کی سفارت:

حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی' سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں' اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عربی میں ان کا لقب قیل تھا' یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اسی زمانہ میں بہرا' بنو بکا وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔
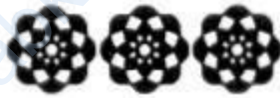
۱ مشکوۃ باب المفاخرہ بحوالہ ابوداؤد۔

۲ عام واقعات ابن اسحاق و زرقانی سے ماخوذ ہیں' عامر کی تقریر اور اس کی موت کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

تاسیس حکومت الٰہی

استخلاف فی الارض

﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾

(تیرہ[1] وتار راتوں کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔ گھنگھور گھٹائیں جب چھٹ جاتی ہیں تو خورشید تاباں ضیا گستری کرتا ہے۔ دنیا گناہ گاریوں اور ظلم وستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتاً صبح سعادت نے ظہور کیا' اور حق و صداقت کا آفتاب پرتو افگن ہوا' عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔ خدائے پاک نے وعدہ فرمایا تھا۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ؕ ﴾ (نور)

خدا نے تم میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے گا جس طرح کہ گذشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی' اور ان کے اس مذہب کو جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے' یقیناً قوت بخشے گا اور ان کی بے امنی کو امن سے بدل دے گا' کہ مجھ کو پوجیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔

حکومت الٰہی و استخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہیں' لیکن جب دعوت الٰہی سیاست ملکی کی دیواروں سے آ کر ٹکراتی ہے' یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی و انتشار حال کے کانٹوں میں الجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیم[2] و موسیٰؑ کے قالب میں آگے بڑھتا ہے اور قوم و ملک کو نمارِدہ و فراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔ پیغمبروں میں عیسیٰؑ اور یحییٰؑ بھی گزرے ہیں جن کو حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا اور موسیٰؑ اور داؤدؑ و سلیمانؑ بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک تھے' لیکن محمد رسول اللہ، عیسیٰ و یحییٰ بھی تھے اور موسیٰ و داؤد بھی۔ عرب کے خزانے دست تصرف میں تھے لیکن کاشانہ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا' نہ غذائے لطیف' نہ جسم مبارک پر خلعت شاہانہ تھا، نہ جیب و آستیں میں درہم و دینار' عین اس وقت جب اس پر کسریٰ و قیصر کا دھوکا ہوتا تھا وہ گلیم پوش' مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

اسلام کی حکومت کی غرض و غایت جس کو خدا نے خود اپنے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے، یہ تھی

﴿ اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرُ الَّذِينَ اُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

---

[1] یہ پورا باب اضافہ ہے۔

[2] حضرت ابراہیمؑ اپنے قبیلہ کے شیخ تھے۔ چار سو غلاموں کی فوج ساتھ رہتی تھی۔ شام و اطراف بابل کے کئی بادشاہوں سے ان کو لڑنا پڑا' اور خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ ان کی اولاد کو ارض مقدس کی حکومت عطا کرے گا (۔ توراۃ سفر تکوین)

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿ (سورۃ الحج)

مسلمان جن سے (بلاسبب) جنگ کی جاتی ہے اب ان کو بھی جنگ کی اجازت دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے، وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے سوا اس کے ان کا اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ہی ہمارا خدا ہے۔ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں' کلیسے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے' برباد کردی جائیں' جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ خدا طاقتور اور غالب ہے (مسلمان وہ ہیں) جن کو اگر خدا زمین میں قوت عطا کرے تو عبادت الٰہی کریں' مستحقین کی مالی اعانت کریں' (زکوۃ دیں) لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں' برائیوں سے روکیں' انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ان آیتوں میں بالاجمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں غزوات کی ابتداء کیوں اور کیونکر ہوئی؟ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض و مقاصد تھے' اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہیں؟ اور دنیا کی عام حکومتوں سے وہ کن امور میں ممتاز ہے؟ ان مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا۔ یہاں عرب کے نظم ونسق کے متعلق عام اور جزئی باتیں بیان کرنی مقصود ہیں۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن وامان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے ملک کے ہر گوشہ میں دعاۃ اسلام پھیلے ہوئے ہیں' قبائل دور دراز صوبوں سے بارگاہ نبوت کا رخ کر رہے ہیں فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا' جو رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے' اسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قبائل میں محصلین زکوۃ کا تقرر فرمایا لیکن اصل خلافت الٰہی کے تمام اجزاء اواخر ۱۰ھ میں زمانہ حجۃ الوداع کے قریب مکمل پائے۔

یورپ کی ناآشنا نگاہ میں اگرچہ آپ ﷺ کی زندگی کا یہ دور جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز مظہر تھا لیکن آشنایان حقیقت کو شہنشاہ عرب پھٹے پرانے کپڑوں میں' مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکینوں کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے' وہ تاج وتخت سے بے نیاز قصر وایوان سے مستغنی' حاجب ودربان سے بے پرواہ مال وزر سے خالی' خدم وحشم کے بغیر دلوں پر حکومت کر رہا تھا' نہ اس کی حکومت میں پولیس تھی' نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر' نہ کثیر التعداد ارباب مناصب' نہ وزرائے شوریٰ' نہ امرائے سیاست' نہ الگ الگ حکام وقضاۃ' وہ ایک ہی ذات تھی جو ہر فرض وخدمت کی خود ذمہ دار تھی لیکن بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا [1] اس کے عدل و انصاف کے آگے فاطمہؓ جگر گوشہ نبوت اور عام مجرم برابر تھے۔ [2]

آنحضرت ﷺ کی اصل بعثت کا مقصد دعوت مذہب' اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا' اس کے علاوہ اور تمام

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ القاعد۔

[2] صحیح بخاری کتاب الحدود۔

فرائض محض ضمنی تھے۔ اس بنا پر انتظامات ملکی آپ نے اسی حد تک قائم کیے جہاں تک ملکی بدامنی کے باعث دعوت توحید کے لیے عوائق پیش آتے تھے' تاہم یہ کام بھی کچھ کم اہم نہ تھا۔

انتظام ملکی:

(عمر شریف اس وقت ساٹھ برس کی تھی' اس عمر میں بھی اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے' ولاۃ اور عمال کا تقرر، مؤذنین اور ائمہ کا تعین' محصلین زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی' غیر قوموں سے مصالحت' مسلمان قبائل میں جائدادوں کی تقسیم' فوجوں کی آراستگی' مقدمات کا فیصلہ' قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد' وفود کے لیے تعین وظائف' اجرائے فرامین' نومسلموں کے انتظامات' مسائل شرعیہ میں افتاء' جرائم کے لیے اجرائے تعزیر' ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات' عہدہ داروں کی خبر گیری اور احتساب' دور کے صوبوں میں متعدد صحابہؓ گورنر اور والی بنا کر بھیج دیے گئے تھے' لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے۔

خلافت الٰہی کے ان فرائض و اعمال نے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر جو بار عظیم ڈالا' اس نے آپ کے نظام جسمانی کو چور چور کر دیا۔ عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جو ضعف جسمانی کا اقتضا تھا لیکن یہ ضعف جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا' اس کا جواب حضرت عائشہؓ کی زبان سے سننا چاہیے جن سے بڑھ کر آپ ﷺ کے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہو سکتا۔

﴿ عن عبد الله بن شقيق قال سالت عائشة افكان يصلى قاعداً قالت حين حطمه الناس[1] ﴾

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپ کو چور چور کر دیا تھا۔

امیر العسکری:

(چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا کے امیر الجیش اگرچہ اکابر صحابہؓ ہوتے تھے لیکن جو بڑے بڑے معرکے پیش آتے تھے ان کی قیادت خود آپ ﷺ بہ نفس نفیس فرماتے تھے' چنانچہ بدر' احد' خیبر' فتح مکہ' تبوک میں خود آپ ﷺ ہی امیر العسکر تھے۔ اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا اور آخری فتح و ظفر حاصل کرنا نہ تھا بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا' چنانچہ آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کی جن جزئی جزئی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے وہ احادیث میں بہ تصریح مذکور ہیں اور اسلام کا قانون جنگ اسی دار و گیر کے ذریعہ سے وجود میں آیا ہے)

افتاء:

(آپ کے عہد مبارک میں اگرچہ متعدد صحابہؓ بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپ ﷺ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے۔ فتویٰ دینے کے لیے آپ ﷺ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' غرض جس وقت لوگ آپ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے آپ ان کا جواب دیتے تھے۔ چنانچہ امام

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ القاعد۔

بخاری نے کتاب العلم میں ان فتاوی کو اس قسم کے متعدد ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ خلافت کا یہی فرض تھا جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا)

فصل قضایا :

(اگرچہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں عہدۂ قضاءت قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو آپ ﷺ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اس کے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ فرماتے تھے۔ اس کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

﴿باب ماذکر ان النبی ﷺ لم یکن له بوّاب﴾

یعنی آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر دربان نہ تھا۔

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپ ﷺ اطمینان و سکون کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ عورتوں کے معاملات عموماً زنان خانہ ہی میں پیش ہوتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں آپ کے فیصلوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر ان کا استقصاء کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔ عموماً احادیث کی کتاب البیوع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ میں فوجداری کے مقدمات مذکور ہیں۔)

توقیعات و فرامین:

(یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک میں اگرچہ اور صیغوں کا کوئی مستقل دفتر نہیں قائم ہوا تھا تاہم توقیعات و فرامین کے لیے اس کی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی، چنانچہ اس خدمت پر حضرت زید بن ثابتؓ اور آخر میں حضرت معاویہؓ بھی مامور ہوئے ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہؓ بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیتے تھے آپ نے سلاطین و ملوک کو دعوت اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے، غیر قوموں کے ساتھ جو معاہدے کیے، مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے، عمال و محصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کیے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہؓ کو جو حدیثیں لکھوائیں، وہ سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔ زرقانی وغیرہ نے آپ کے احکام و فرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے)۔

مہمان داری:

(منصب نبوت کے بعد آپ ﷺ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہو گئی تھی اس لیے آپ ﷺ کی خدمت میں جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان کا تعلق بھی خلافت الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا اور آپ ﷺ اسی حیثیت سے ان کی مہمان داری فرماتے تھے۔ مہمانوں کی زیادہ تر تعداد قبول اسلام کے لیے آتی تھی جن کی مہمان داری کے لیے آپ ﷺ نے ابتدائے نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلالؓ کو مامور فرما دیا تھا چنانچہ جب کوئی تنگ دست مسلمان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ ﷺ اس کو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض لے کر اس کے کھانے اور کپڑے کا

انتظام کرتے جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعے سے وہ قرض ادا کیا جاتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ میں صرف کیا جاتا [۱] کبھی کبھی اس غرض کے لیے آپ تمام صحابہ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے اور جو رقم وصول ہوتی وہ ان مفلوک الحال مہاجرین کی اعانت میں صرف ہوتی۔ چنانچہ ایک بار مہاجرین کی ایک برہنہ پا و برہنہ سر جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے میں ایک تلوار حمائل تھی۔ آپ ﷺ نے ان کی پریشان حالی کو دیکھا تو چہرے کا رنگ بدل گیا' فوراً حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا' نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ میں تمام صحابہؓ کو ان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی' اس کا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری اٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ ان سے بہ مشکل اٹھ سکتا تھا' لا کر آپ کے آگے ڈال دیا۔ اس سے تمام لوگوں میں اور بھی جوش پیدا ہوا اور تھوڑی دیر میں ان بے سروسامان مہاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا۔ [۲]

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے۔ آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان کی خاطر مدارت کرتے تھے اور ان کے لیے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے' قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ آپ ﷺ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت آپ نے جو آخری وصیتیں فرمائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی۔

﴿ اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم [۳] ﴾

جس طرح میں وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسی طرح دیا کرو۔

وفود کے حالات آگے آتے ہیں۔

عیادتِ مرضیٰ:

(مریضوں کی عیادت اور ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اس کی ابتدا بھی ہوئی چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ عام دستور ہو گیا کہ دم نزع' میت کے اعزہ آپ کو اطلاع دیتے۔ آپ ﷺ ان کے پاس آ کر اُن کے لیے دعائے مغفرت کرتے [۴] لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہو گیا تھا کیونکہ بعض صحابہ اس حالت میں اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے اور آنحضرت ﷺ اس موقع پر ان کا صحیح طریقہ بتاتے تھے۔ جن لوگوں پر قرض آتا تھا آپ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوتے تھے اس لیے اُن کے ورثہ یا دوسرے صحابہ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا۔ اور اس طرح بعض معاملات و نزاعات کا فیصلہ ہو جاتا تھا' چنانچہ

---

۱ ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

۲ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۵۸۔

۳ صحیح بخاری جلد اول باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب۔

۴ مسند جلد ۳ صفحہ ۲۶۔

احادیث میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔)

احتساب:

(تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق و عادات' بیع وشراء اور معاملات دادوستد کی نگرانی کرتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہ محکمہ قائم نہیں ہوا تھا' بلکہ خود ہی آپ اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔ ہر شخص کے جزئیات اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق آپ وقتاً فوقتاً دارو گیر فرماتے رہتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی اور مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی آپ نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا' لیکن تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا چنانچہ آپ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے ان پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب البیوع میں ہے۔

﴿لقد رأیت الناس فی عهد النبی ﷺ یبتاعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یبیعوه فی مکانهم حتی یؤووه الی رحالهم۔﴾

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالیں جہاں اس کو خریدا تھا۔

کبھی کبھی تحقیق حال کے لیے آپ ﷺ خود بازار تشریف لے جاتے' ایک بار آپ بازار سے گزرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی۔ دوکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ''پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے؟ جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں'' [1]

فرائض احتساب میں آپ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا۔ یعنی جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا۔ وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیتاً ملا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا'' اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک عام خطبہ دیا' جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ [2]

اصلاح بین الناس:

(اسلام تمام دنیا کے تفرقوں کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیے آیا تھا اس بنا پر آنحضرت

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳ کتاب الایمان۔

[2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ کتاب الاحکام۔

ﷺ نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا اور جب آپ ﷺ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی تو آپ ﷺ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے' چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی' آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہؓ کے ساتھ ان میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے- آپ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا' حضرت بلالؓ نے اذان دی' لیکن اذان کے بعد بھی آپ ﷺ تشریف نہیں لائے۔ تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی آپ ﷺ اسی حالت میں تشریف لائے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کھڑے ہوئے' حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہیں- آپ ﷺ نے اگرچہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہیں لیکن آپ ﷺ کی موجودگی میں انہوں نے امامت کرنا سوءِ ادب خیال کیا اس لیے پیچھے ہٹ آئے' اور آنحضرت ﷺ آگے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔[1]

ایک بار اہل قبا کے درمیان نزاع قائم ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے باہم سنگ اندازی کی- آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے[2] (یہ دونوں واقعات گو امام بخاری نے الگ لکھے ہیں' لیکن شراح حدیث کی تحقیق میں یہ ایک ہی واقعہ کے دو حصے ہیں) بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی دور پیدل گئے تھے۔

ابن ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالکؓ کا کچھ قرض تھا' انہوں نے مسجد میں تقاضا کیا' ابن ابی حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرانا چاہتے تھے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے' بات زیادہ بڑھی اور شور و غل ہوا تو آپ ﷺ گھر کے اندر سے نکل آئے اور کعبؓ کو پکارا، کعبؓ نے لبیک کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نصف معاف کر دو''- وہ راضی ہو گئے تو آپ ﷺ نے ابن ابی حدرد سے کہا کہ ''جاؤ اور بقیہ حصہ ادا کر دو''۔

اس قسم کے سینکڑوں جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

مدینہ میں اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیے اکابر صحابہؓ اور ارباب استعداد کو مختلف عہدوں پر نصب فرمایا- کتابت وحی' نامہ و پیام' اجرائے احکام و فرامین کے لیے سب سے پہلی ضرورت عہدۂ انشا اور کتابت کی تھی' اسلام سے پہلے عرب میں عام طور پر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن اسلام عرب کے لیے رحمتوں کا جو خزانہ لایا تھا' اس میں ایک یہ شے بھی تھی۔ اسیران بدر میں نادار لوگوں کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں- حضرت زید بن ثابتؓ نے جن کے متعلق کتابت وحی کی مقدس خدمت تھی' اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی- ابوداؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا ایک جز کتابت کی تعلیم بھی تھی)

کتاب:

(عہدۂ قضاء گویا آنحضرت ﷺ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی- اس لیے مختلف اوقات میں بڑے بڑے

---

[1] بخاری جلد ا صفحہ ۳۷ کتاب الصلح۔

[2] بخاری کتاب الصلح۔

صحابہ اس خدمت پر مامور کئے گئے۔ جن میں شرحبیل بن حسنہ کندیؓ سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے۔ یہ نہایت قدیم الاسلام تھے' مکہ میں انہی نے سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دیا۔ قریش میں سب سے پہلے کاتب عبداللہؓ بن ابی سرح تھے، مدینہ میں اس کی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعبؓ کو حاصل ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ' حضرت عمروؓ بن العاص' حضرت عبداللہؓ بن ارقم' حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس' حضرت حنظلہؓ بن الربیع الاسدی' حضرت مغیرہؓ بن شعبہ' حضرت عبداللہؓ بن رواحہ' حضرت خالدؓ بن ولید' حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص' حضرت علاءؓ بن حضرمی' حضرت حذیفہؓ بن الیمان' حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان' حضرت زیدؓ بن ثابت مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔

اگرچہ تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی' چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا' امراء اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامرؓ بن فہیرہ لکھتے تھے اور امرائے عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابیؓ بن کعب کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابتؓ بن قیس نے لکھا تھا لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زیدؓ بن ثابت کے متعلق تھی' اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے۔[1]

حضرت زیدؓ بن ثابت نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ان تمام بزرگوں پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی جس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا جن کی مذہبی زبان عبرانی تھی۔ اس بنا پر آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا' اور انہوں نے پندرہ دن میں اس میں مہارت حاصل کر لی۔

حکام اور ولاۃ:

(فصل قضایا' اقامت عدل' بسط امن' رفع نزاع کے لیے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی' اس غرض سے آپ ﷺ نے متعدد صحابہؓ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرما دیا' چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نام	تفصیل
باذانؓ بن ساسان	بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کا والی مقرر فرما دیا۔
شہر بن باذانؓ	باذان بن ساسانؓ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا۔
خالد بن سعیدؓ بن العاصؓ	شہر بن باذانؓ مارے گئے تو ان کے بعد آپ ﷺ نے ان کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا۔
مہاجر بن امیہؓ المخزومی	آپ نے ان کو کندہ و صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاریؓ	حضر موت کے والی تھے۔
ابوموسیٰ اشعریؓ	زبید' عدن' رمعہ وغیرہ کے والی تھے۔

[1] ان بزرگوں کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۷۳ میں مذکور ہیں۔

معاذ بن جبلؓ	والی جند۔
عمرو بن حزمؓ	والی نجران۔
یزید بن ابی سفیانؓ	والی تیماء۔
عتاب بن اسیدؓ	والی مکہ۔
علی بن ابی طالبؓ	متولی اخماس یمن۔
عمرو بن العاصؓ	والی عمان۔
علاء بن حضرمیؓ	والی بحرین۔

ان ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا' آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے۔ خالد بن سعیدؓ کو صنعاء پر' مہاجرؓ بن ابی امیہ کو کندہ پر' زیادؓ بن لبید کو حضر موت پر' معاذؓ بن جبل کو جند پر' ابوموسیٰ اشعریؓ کو زبید' زمعہ' عدن اور سواحل پر۔ [1]

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے۔ [2]

ملکی انتظام' فصل مقدمات اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کے سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ استیعاب' تذکرہ معاذ بن جبلؓ میں ہے۔

﴿و بعثه رسول الله ﷺ قاضيا الى الجند من اليمن يعلم الناس القرآن و شرائع الاسلام و يقضى بينهم و جعل اليه قبض الصدقات من العمال الذين باليمن۔﴾

آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور جو عمال یمن میں تھے ان کے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے متعلق تھی۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت ﷺ ان فرائض کی تعیین فرما دیتے تھے۔ معاذ بن جبلؓ کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی۔

﴿انك تاتى قوما من اهل الكتاب فادعهم الى شهادة ان لا اله الا لله وانى رسول الله فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوت فى كل يوم و ليلة فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم توخذ من اغنياء هم و ترد الى فقرائهم فان هم اطاعوا لذلك فاياك و كرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها

---

[1] استیعاب تذکرۂ معاذ بن جبل۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۸۶۔

و بين الله حجاب ﴾

تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دو، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غرباء پر تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیوں کہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تبحر علمی، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی، اس بنا پر آپ ان لوگوں کے تبحر علمی اور طرز عمل کا امتحان لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت معاذؓ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمالیا۔ ترمذی میں ہے۔

﴿ قال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل حين وجهه الى اليمن بم تقضى قال بما فى كتاب الله قال فان لم تجد فى كتاب الله قال بما فى سنة رسول الله قال فان لم تجد فى سنة رسول الله قال اجتهد رائى فقال رسول الله ﷺ الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يحب رسول الله ﴾

رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا قرآن مجید سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے؟ انہوں نے کہا احادیث سے۔ پھر آپ نے فرمایا اگر احادیث میں بھی اس کے متعلق ہدایت نہ ملے؟ تو انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ نے فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے۔

لیکن اہل عرب کے دلوں کے مسخر کرنے کے لیے ان تمام چیزوں سے زیادہ رفق و ملاطفت، نرمی اور خوش خوئی کی ضرورت تھی جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ گورنروں کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے چنانچہ جب معاذ بن جبلؓ کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی۔

﴿ يسرا و لا تعسرا و بشرا و لا تنفرا و تطاوعا و لا تختلفا ﴾ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۶۳ کتاب الایمان)

آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا، لوگوں کو بشارت دینا اور ان کو وحشت زدہ نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبلؓ جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے

﴿ احسن خلقك للناس ﴾ (ابن سعد تذکرہ معاذ بن جبلؓ)

لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا۔

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحمدل کیوں نہ ہو لیکن ابتدا میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لاتی ہے تو سرکش لوگوں کے مطیع کرنے کے لیے اس کو مجبوراً سختیاں کرنی پڑتی ہیں، تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق

تھا' لیکن آنحضرت ﷺ کی اسی مقدس تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی ولاۃ کے مظالم کے سنگ گراں سے نہ دبا- یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب صحابہؓ عمال حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت استعجاب ہوتا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی تلقینات کے ذریعہ سے ان کو روکتے تھے چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان لوگوں کے ساتھ یہ سختی کی جا رہی ہے- انہوں نے یہ سن کر کہا۔

﴿ اشهد لسمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله يعذب الذين يعذبون الناس في الدنيا [1] ﴾

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

محصلین زکوٰۃ و جزیہ:

(عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگرچہ خود اُن کو صدقہ و زکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ ﷺ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا' لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کے لیے یہ طریقہ کافی نہ تھا اس لیے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم ۹ھ کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ و زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے۔ عموماً خود روٴسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہرحال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں میں متعین فرمایا۔ [2]

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتمؓ	طے و بنی اسد	ابوجہم بن حذیفہؓ	بنولیث
صفوان بن صفوانؓ [3]	بنی عمرو	ایک ہذیمیؓ	بنوہذیم
مالک بن نویرہؓ	بنوحنظلہ	عمر فاروقؓ	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمیؓ	غفار و اسلم	ابوعبیدہؓ بن جراح	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلیؓ	سلیم و مزینہ	عبداللہؓ بن رواحہ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنیؓ	جہینہ	زیاد بن لبیدؓ	حضرموت

---

[1] صحیح مسلم باب الوعد الشدید لمن عذب الناس بغیر حق۔

[2] اس فہرست کے نام اکثر ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۱۱۵ میں مذکور ہیں- عمر فاروقؓ، محمہ اور عبیدہؓ بن جراح کا ذکر بخاری کتاب الصدقات اور بعض کا ابوداؤد کتاب الخراج میں ہے بقیہ کے لیے زاد المعاد ذکر مصدقین و امرائے نبوی اور فتوح البلدان بلاذری دیکھو

[3] اصابہ، باب صفوان۔

زبرقان بن بدرؓ	بنوسعد	ابوموسیٰؓ اشعری	صوبہ یمن
قیس بن عاصمؓ	بنوسعد	خالدؓ	صوبہ یمن
عمرو بن عاصؓ	بنوفزارہ	ابان بن سعیدؓ	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابیؓ	بنوکلاب	محمہ بن جزءالاسدیؓ	تحصیل خمس
بسر بن سفیان الکعبیؓ	بنوکعب	عمرو بن سعید بن العاصؓ	تیماء
عبداللہ بن اللتبیہؓ	بنوذبیان	عیینہ بن حصن فزاریؓ	بنوتمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ ﷺ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

(۱) ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے؟ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ایاك و کرائم اموالھم یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سرمو تجاوز جائز نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ سوید بن غفلہؓ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کا محصل آیا' میں جا کر اس کے پاس بیٹھا تو اس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان میں اجازت نہ تھی' چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لے کر حاضر ہوا' اور اس کی خدمت میں پیش کی لیکن اس نے انکار کر دیا[۱] اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اس نے کہا کہ مجھ کو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔[۲]

(۲) عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی' جو جنگلوں میں' بیابانوں میں' پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتوں کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لا کر محصلین کے سامنے پیش کرتے' محصلوں کو خود ان دروں میں جا کر زکوٰۃ وصول نہ کرنا پڑتا تھا۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں' یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے آئے ہیں۔ میں نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی لیکن انہوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہوں نے اس کو اپنے اونٹ پر لا دلیا اور چلتے ہوئے۔[۳]

(۳) اگرچہ صحابہؓ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال کے لینے سے خود احتراز کرتے تھے' چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی

---

۱ نسائی صفحہ ۳۹۰

۲ نسائی صفحہ ۳۹۳

۳ نسائی صفحہ ۳۹۳

نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں تو انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو" [1] لیکن بایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ ﷺ خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا' جب وہ واپس آئے اور آپ نے ان کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیتاً ملا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔ اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ [2]

(۴) چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان پر صدقہ وزکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا اس لیے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔ ایک بار عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے' آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہمارا سن نکاح کے قابل ہو گیا ہے تمام لوگوں کی طرح ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے تا کہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لیے سرمایہ مہیا کریں' لیکن آپ نے فرمایا کہ صدقہ آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے' وہ لوگوں کا میل ہے۔ [3]

(۵) عمال کا انتخاب خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے۔ ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بننے کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم کیا کہتے ہو" انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں' آپ ﷺ نے ان دونوں کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل مقرر نہیں کرتے' لیکن اسی وقت حضرت ابوموسیٰ کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ [4]

(۶) عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپ نے عام منادی فرما دی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے' مقدار ضرورت کی تصریح خود آپ نے فرما دی تھی۔ [5]

﴿من كان لنا عاملا فليكتسب زوجة فان لم يكن له خادم فليكتسب خادما وان لم يكن له مسكن فَلْيَكْتَسِبْ مسكنًا ومن اتخذ غير ذلك فهو غال﴾

جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے۔ اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا' اگر مکان نہ ہو تو گھر کا' لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملتا تھا' چنانچہ ان کے عہد خلافت میں جب

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۱۔
[2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۔
[3] صحاح کتاب الصدقات۔
[4] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۔
[5] ابوداؤد جلد ۲ باب ارزاق العمال میں دونوں حدیثیں ہیں۔

صحابہ نے زہد و تقدس کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اسی طرز عمل سے استدلال کیا۔

قضاۃ:

(ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے مثلاً فصل مقدمات کا کام اگرچہ زیادہ تر آپ خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے' حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف' ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبل)۔

پولیس:

اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا اور اس کی ابتدا بنوامیہ کی سلطنت میں ہوئی [1] تاہم آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا تھا چنانچہ آپ کے عہد مبارک میں قیسؓ بن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ [2]

جلاد:

(مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، مقداد بن الاسود' محمدؓ بن مسلمہ' عاصمؓ بن ثابت' ضحاکؓ بن سفیان کلابی کے سپرد تھی) [3]

غیر قوموں سے معاہدے:

عرب میں اب کفر اور شرک کا بالکل وجود نہ تھا' کہیں کہیں صرف مجوس' نصاریٰ اور یہود کی آبادیاں تھیں' ان میں سے معتدبہ افراد نے گو نور ایمان سے قلوب کو روشن کر لیا تھا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی میں تھے۔ تاہم خلافت الٰہی کی ہمہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کر سکے۔ حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی۔ اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان و مال' عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی' اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع عاقل بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی' اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھا بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی چیز جزیہ قرار پائی۔ [4]

غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ۷ ھ میں خیبر' فدک' وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔ اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا' اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۰۔
[2] بخاری کتاب الاحکام۔
[3] زادالمعاد ابن قیم۔
[4] زادالمعاد ابن قیم جلد اول فصل جزیہ۔
[5] زادالمعاد ابن قیم جلد اول۔

تھے۔ وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے [۵] اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔[۱]

۹ ہجری میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے۔ نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آ کر مصالحت کی درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ شرائط صلح یہ تھے کہ ''وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قسط میں یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب میں ادا کریں گے' اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریۃً تیس زرہیں' تیس گھوڑے' تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے' اور مسلمان ان کی واپسی کے ضامن ہونگے' اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے نہ ان کے گرجے ڈھائے جائیں گے' نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے' نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا'' [۲]

حدود شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے۔ رجب ۹ ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل' ایلہ' مقنا' جرباء' اذرح' تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہیں لائے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا اور مسلمان جب ادھر سے گزریں تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی [۳] ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں [۳] بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔[۴]

اصناف محاصل ومخارج:

مختلف اغراض و مصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غنیمت، فیٔ' زکوٰۃ' جزیہ، خراج' اول و دوم کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔ غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا' عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا' جس کو اصطلاح میں مرباع کہتے تھے' اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لے لیتا تھا' تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔ غزوہ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا' جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح و اغراض کے لیے مخصوص فرمایا۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (انفال)

اے پیغمبر لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے بلکہ مصالح کی بنا پر صاحب خلافت جس طرح مناسب سمجھے اس کو صرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

---

۱ بخاری و مسلم و ابوداؤد ذکر خیبر و فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک و وادی القریٰ و تیماء۔

۲ ابوداؤد کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ۔

۳ فتوح البلدان' بلاذری۔

۴ ابوداؤد باب اخذ الجزیہ۔

وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ﴾ (انفال)

مسلمانو! جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا' رسول' اہل قرابت اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس میں آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلموں کو عنایت فرمایا' ہمیشہ آپ کا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حبہ سپاہیوں پر برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے' سواروں کو تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے [1] خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا' آیت بالا میں جن ارباب استحقاق کا ذکر ہے زیادہ تر ان ہی پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ:

صرف مسلمانوں پر فرض تھی' اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی۔ نقد روپیہ' پھل اور پیداوار' مویشی' (بجز گھوڑا) اسباب تجارت [2] دوسو درہم چاندی' بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وسق (۳۰۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) یا پانچ وسق سے زیادہ ہو۔ سونا اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا' مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمیں کی گئیں، ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے [3] اس قسم کی اراضی کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا' اور جس کو آب پاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا' اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ [4] سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی۔ [5]

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی تھی' فقراء' مساکین' نومسلم، غلام اور جن کو خرید کر آزاد کرانا ہے' مقروض' مسافر' محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ' دیگر کار خیر عموماً جہاں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی' وہیں کے مستحقین پر صرف کی جاتی تھی۔ صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام میں بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو زیاد نے اُن سے رقم کا مطالبہ کیا' انہوں نے جواب میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا۔ [6] معاذؓ بن جبل جب عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تو زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ﴿وصدقة توخذ من اغنیائهم و ترد علی فقرائهم﴾

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا اس کی مقدار متعین نہ

---

[1] ابوداؤد اخذ الجزیہ من المجوس و تاریخ بلاذری ذکر بحرین۔

[2] ابوداؤد حکم ارض خیبر' بروایت مجمع۔

[3] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجار۔

[4] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۰۱۔

[5] ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔

[6] ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔

تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا' بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھیں۔ ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی۔ عہد نبوی میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول کی جاتی تھی۔

خراج غیر مسلم کاشت کاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہو گیا ہو اس کا نام خراج ہے۔ خیبر' فدک' وادی القریٰ' تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا' پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا آنحضرت ﷺ کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے' وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے رفع اشتباہ کیلئے تخمینہ میں سے ثلث کم کر دیا جاتا تھا [1] بقیہ پر حسب شرائط خراج وصول کیا جاتا۔ خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔ جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی۔ تمام صحابہؓ ضرورت کے وقت والنٹیئر سپاہی تھے' جو کچھ وصول ہو کر آتا' آنحضرت ﷺ سب کو اسی وقت تقسیم فرما دیتے' اول آپ ﷺ ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام رہ چکے تھے۔ ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوتے تھے' اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے جو لوگ صاحب اہل وعیال ہوتے تھے ان کو دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔ [2]

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی:

ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستانی' پتھریلا' شور اور بنجر تھا۔ جو سرسبز قطعات تھے' ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔ مدینہ اور طائف میں البتہ کاشتکاری ہوتی تھی' بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے۔ اس بنا پر قیام امن کے لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے۔ حجاز یمن میں غیر قوموں کے انخلاء کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہو گئی تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔

آنحضرت ﷺ نے عام طور پر صحابہؓ کو اس کی ترغیب دی۔

﴿ من احیا ارضا مَیْتَةً فھی له من احاط حائطا علی ارض فھی له ﴾

جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا وہ اسکی ملک ہے' جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے۔ بنو نضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک قرار پائے۔ اور آپ ﷺ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرما دیا۔ خیبر کی زمین کچھ خالصہ رہی' اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار میں تقسیم فرما دی جو حدیبیہ میں شریک تھے لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا۔ پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے' اور جو زمینیں آباد تھیں ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا' چنانچہ عک' ذوخیوان اور ایلہ' اذرح' نجران وغیرہ میں اسی طرح معاملات طے

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ تحمل من بلدالی بلد۔

[2] بحوالہ مذکور باب فی الخرص۔

پائے۔ افتادہ زمینیں بھی صحابہؓ کو بطور جاگیر عطا فرما دیں۔ حضرت وائلؓ کو حضر موت میں ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا' بلالؓ بن حارث مزنی کو قابل زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانیں مرحمت فرمائیں' حضرت زبیرؓ کو مدینہ کے پاس اور حضرت عمرؓ کو خیبر میں جاگیریں عطا کیں۔ بنو رفاعہ کو دومۃ الجندل کے پاس زمین عنایت کی۔

یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر میں داخل ہو گی' چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا۔ جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر رک گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا اور وہ جس نقطے پر گرا وہی ان کی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔ عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشم ہائے آب کی تھی' چنانچہ ایک بار جب آپ نے حکم عام دیا۔ من سبق الی ماء لم یسبقه الیه مسلم فهو له "یعنی" جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کر لے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اس کا ہے"۔ تو تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کے حدود مقرر کر لیے۔ [1]

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دور دور سے آ کر آنحضرت ﷺ سے جاگیروں کی درخواست کرنا شروع کی' ابیض بن حمال یمن سے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جس کو آپ ﷺ نے منظور فرما لیا' لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے ان کو جو کچھ جاگیر میں عطا فرمایا ہے وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے' چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی اس بنا پر آپ ﷺ نے اس کو واپس لے لیا۔

یہ تمام فیاضیاں صرف انہیں چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا لیکن جو چیزیں رفاہ عام کے کام میں آ سکتیں تھیں ان کو آپ ﷺ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہیں متعین کر لیتے تھے' جن کو حمی کہتے تھے' عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی' لیکن ابیضؓ بن حمال نے جب اس کو اپنے حمی میں داخل کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا لا حمی فی الاراک عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لیے رؤساء اور ارباب اقتدار اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی اس لے اس طریقہ کو بھی روک دیا۔ [2]

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے جس کے ایک طرف بکرؓ بن وائل کا قبیلہ تھا اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے۔ حریث بن حسانؓ نے بکر بن وائلؓ کے لیے اس زمین کی درخواست کی۔ آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا' اتفاق سے اس وقت ایک تمیمیہ موجود تھی۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا' اس نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے' اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "بے چاری سچ کہتی ہے' فرمان نہ لکھو' ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے' ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہو سکتا ہے"۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفئی

[2] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الخراج کے مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔

مذہبی انتظامات

(ملک میں امن وامان قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری ملکی انتظامات سرانجام پائے تھے‘ان سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا- یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا-اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تھا- عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا- ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں‘ دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص‘ مخصوص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی‘ بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہو سکتا تھا-)

دعاۃ اور مبلغین اسلام:

ایک مشہور مغربی مورخ نے لکھا ہے کہ ”مدینہ میں آ کر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بن گیا تھا اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے کہ خدا پر ایمان لایا جائے‘ یہ رہ گئے تھے کہ محمد کی حکومت تسلیم کر لی جائے“[1] اسلام کا مقصد وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے-

﴿ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ﴾ (حج)

وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اگر طاقت دیں تو نماز قائم کریں‘ زکوۃ دیں‘ اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں-

اس بنا پر ہر مسلمان واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی‘ داعی بھی اور ماہر شریعت بھی‘ یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب میں اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ شرفا میں لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا یا ایک ایک گھر فقہ‘ حدیث اور تفسیر کا دارالعلم بن گیا- تاہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہیں مل سکتا تھا‘ اس لیے یہ ضروری قرار پایا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود رہیں جو تعلیم وارشاد کا فرض انجام دے سکیں‘ اسی بنا پر قرآن مجید میں حکم آیا-

﴿ وَ مَا کَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِیَنۡفِرُوۡا کَآفَّۃً ؕ فَلَوۡ لَا نَفَرَ مِنۡ کُلِّ فِرۡقَۃٍ مِّنۡہُمۡ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّہُوۡا فِی الدِّیۡنِ وَ لِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَہُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَحۡذَرُوۡنَ ﴾ (توبہ-رکوع آخر)

اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے (مدینہ) نہیں آ سکتے‘ اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے تا کہ وہ شریعت میں تفقہ حاصل کریں اور تا کہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید لوگ بری باتوں سے بچیں-

ان کی تعلیم وتربیت:

چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر ونواہی سے واقف ہو بلکہ

[1] دیکھو ولہوسن صاحب کا آرٹیکل اسلام پر انسائیکلو پیڈیا

شب و روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے جس کی گفتار، کردار، بات چیت، نشست برخاست، قول وعمل ایک ایک چیز تعلیم نبوی کے پرتو سے منور ہو جائے، تاکہ وہ تمام ملک کے لیے اسوہ حسنہ اور نمونہ عمل بن سکے، اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی، اور آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

﴿ كان ينطلق من كل حى من العرب عصابة فياتون النبى ﷺ فيسالونه عما يريدون من امردينهم ويتفقهوا فى دينهم ﴾[1]

عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے پاس جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔

داعیان اسلام جو اطراف عرب میں بھیجے جاتے تھے ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ آ جائیں، اور یہیں بود و باش اختیار کریں، اس کا نام ہجرت تھا، اس بنا پر بیعت کی دو قسمیں کر دی گئی تھیں، بیعت اعرابی اور بیعت ہجرت۔ بیعت اعرابی صرف ان بدوؤں کے لیے تھی جن کو کچھ دنوں مدینہ منورہ میں رکھ کر تعلیم دینا مقصود تھا۔ مختصر مشکل الآثار میں روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ بیعت اعرابی کرتے ہو یا بیعت ہجرت؟ اس کے بعد مصنف لکھتا ہے۔

﴿ ان البيعة من المهاجر توجب الاقامة عنده ﷺ ليصرف فيما يصرفه فيه من امور الاسلام بخلاف البيعت الاعرابية ﴾

ہجرت کی بیعت کرنے سے لازم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قیام کرے تاکہ آنحضرت ﷺ ان کو اسلامی امور میں لگائیں اور بیعت اعرابی میں یہ ضروری نہیں۔

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری آئے تو اسی شخصوں کو لے کر آئے، اور مدینہ میں آباد ہوئے۔ خلاصۃ الوفاء سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جہنیہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدیں تھیں۔ یہ وہی قبائل تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور چونکہ مسجد نبوی سب کے لیے کافی نہ تھی اس لیے الگ الگ مسجدیں بن گئی تھیں۔

تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔

ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن الحویرثؓ جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن تک قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ ارجعوا الى اهليكم فعلموهم ومروهم وصلوا كما رايتمونى اصلى ﴾ (بخاری باب رحمۃ البہائم)

---

[1] تفسیر خازن سورہ توبہ آیت وما كان المومنون لينفروا كافة

اپنے خاندان میں واپس جاؤ ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے ان کے لیے صفہ خاص درس گاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔

مشکوٰۃ کتاب العلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے۔ حلقہ ذکر اور حلقہ درس' آنحضرت ﷺ حلقہ درس میں جا کر بیٹھ گئے۔

اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبان علم کو قراء کہتے تھے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہر جگہ یہی نام آتا ہے۔ عرنیہ میں جو لوگ تعلیم وارشاد کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید[1] کر دیا تھا وہ اسی درسگاہ کے تربیت یافتہ تھے اور کتب حدیث میں ان کا نام اسی لقب (قراء) کے ساتھ آیا ہے۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل جاتا تھا' اور ان کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔

اصحاب صفہ اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا' تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے اور آدھا اخوان طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے معلمین میں سے حضرت عبادہ بن الصامتؓ بھی تھے۔ جو مشہور صاحب علم تھے اور جن کو حضرت عمرؓ نے زمانہ خلافت میں تعلیم فقہ و قرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا۔ ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے روایت ہے۔

﴿علمت ناسا من اهل الصفة القرآن و الكتاب فاهدى الى رجل منهم قوسا﴾ (صفحہ ۱۲۹ جلد دوم)

میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی اس کے صلہ میں مجھ کو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ میں دی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبادہؓ کو اس تحفہ کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام ابن حنبل میں ہے۔

﴿عن انس كانوا سبعين فكانوا اذا جنهم الليل انطلقوا الى معلم لهم بالمدينة فيدرسون الليل حتى يصبحوا﴾ (مسند جلد ۳ صفحہ ۳۷۷)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری غزوہ بیر معونہ۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی' اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اسیران جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ ابوداؤد کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی داخل تھا' چنانچہ حضرت عبادہؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر:

(آنحضرت ﷺ [1] اگرچہ ترقی و جاہ پرستی سے طبعاً نفور تھے اور اس لیے اینٹ اور مٹی پر صرف زر ناپسند فرماتے تھے تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح و تقدیس الٰہی تھا' اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدیں صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام اہل قریہ یا اہل محلّہ کو دن رات میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں' اس لیے آپ ﷺ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلّہ تھا اور ہر محلّہ میں ایک ایک مسجد تھی۔

ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ کے زمانہ میں ۹ مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں' ان کے نام یہ ہیں۔ مسجد بنی عمروؓ مسجد بنی ساعدہ' مسجد بنی عبید' مسجد بنی سلمہ' مسجد بنی رائح' مسجد بنی زریق' مسجد غفار' مسجد اسلم' مسجد جہینہ۔ ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے' مسجد بنی حدرہ' مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیاضہ' مسجد بنی الحبلی' مسجد بنی عصیہ' مسجد ابی فیصلی' مسجد بنی دینار' مسجد ابی بن کعب' مسجد النابغہ' مسجد ابن عدی' مسجد حارث بن خزرج' مسجد بنی حطمہ' مسجد الفضیخ' مسجد بنی حارثہ' مسجد بنی ظفر' مسجد بنی عبدالاشہل' مسجد واقم' مسجد بنی معاویہ' مسجد عاتکہ' مسجد بنی قریظہ' مسجد بنی وایل' مسجد الشجرۃ۔ [2]

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غزوات میں معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے' صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ ﷺ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ تو فطری شہادت ہے'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کی آواز سنی تو فرمایا ''آگ سے نجات ہوگی'' صحابہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے۔ تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا' چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی۔

---

[1] اضافہ تا ختم باب ''مؤذنین''۔

[2] یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۲۸ سے ماخوذ ہے۔

﴿ اذا رایتم مسجدا او سمعتم صوتا فلا تقتلوا احدا [1] ﴾
اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرنا۔

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہد نبوت میں اشاعت اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پنج وقتہ غلغلہ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھی وہ ایک زمانہ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔ [2]

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی، چنانچہ اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ بخاری کتاب الجمعہ میں ہے۔

﴿ عن ابن عباسؓ انه قال ان اوّل جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین ﴾
حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں پڑھا گیا جو بحرین کے ایک گاؤں میں جواثی نامی میں واقع تھی۔

اہل طائف جب اسلام لائے تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائیں جہاں ان کا بت نصب تھا [3] حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بنا لو۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی۔ [4]

اس قسم کی مسجدیں اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ میں تعمیر ہوئی ہوں گی لیکن عموماً احادیث کی کتابوں سے صرف ان مسجدوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے جو مدینہ اور عوالی مدینہ میں تعمیر ہوئیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ عوالی مدینہ میں انصار کے جو گاؤں آباد تھے، عاشوراء کے دن آنحضرت ﷺ نے ایک دن ان میں منادی کرا دی کہ جو لوگ روزہ دار ہیں وہ اپنے روزے کو پورا کر لیں اور جو لوگ افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن روزہ رکھیں۔ اس اعلان کے بعد صحابہؓ نے اس پر اس شدت

---

[1] صحیح مسلم جلد اول کتاب الاذان باب الامساك عن الاغارة قوم فی دار اللكفر اذا سمع فیهم الاذان
[2] ابوداؤد کتاب الجہاد فی دعاء المشرکین۔
[3] نسائی کتاب المساجد صفحہ ۱۱۸۔
[4] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۴۸۵، بروایت ابوداؤد والطیالسی۔
[5] سنن نسائی، کتاب المساجد ص ۱۱۸۔

کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچوں سے روزے رکھواتے تھے' یہاں تک کہ ان کو گھر سے باہر مسجد میں لے جا کر رکھتے تھے اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تھے تو اُن کو اُن کے بنے ہوئے کھلونوں سے بہلاتے تھے۔ [1]

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے کہ ''مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟'' اور اس باب کے تحت میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلّہ میں آتے تھے۔ یہاں لوگ مسجد میں منتظر رہتے تھے۔ وہ آ کر کہتے تھے کہ مسجد نبوی میں نماز ہو چکی تب لوگ یہاں نماز پڑھتے تھے۔ [2] ان روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدیں الگ الگ تھیں۔ صحاح کی روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جماعت ہوتے تھے اور پھر اپنے محلّہ کی مسجد میں جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا اسی پر عمل تھا۔ مدینہ میں جو قبائل آباد تھے ان کے علاوہ جو قبائل ہجرت کر کے آئے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کر لیتے تھے' چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے۔

﴿ ولجهينة مسجد بالمدينة [3] ﴾

مدینہ میں جہینہ کی ایک مسجد ہے۔

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں مستقل باب باندھا ہے' جس کا عنوان یہ ہے باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها النبی صلی الله علیه وسلم۔ یعنی وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں اور ان مقامات میں واقع ہیں جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے' اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہیں۔

مسجد قباء' مسجد الفضیخ' مسجد بنی قریظہ' مشربہ ام ابراہیم' مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ' مسجد بنی معاویہ' مسجد فتح' مسجد قبلتین' حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے [4] کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو مسجدیں منقش پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں ان سب میں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے' کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی۔ [5]

آئمہ نماز کا تقرر:

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لیے الگ الگ امام مقرر کر دیئے جائیں عموماً عادت شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کر دیا جاتا

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام' باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیت یومہ

[2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۳۲

[3] طبقات ابن سعد جزء رابع صفحہ ۱۷

[4] فتح الباری جلد اول صفحہ ۴۷۱ [5] ایضاً

اور اس شرف میں چھوٹے بڑے' غلام آقا سب برابر تھے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آچکے تھے ان کے امام حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ تھے۔ جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمرو بن سلمہ جرمی اس وقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچے تھے لیکن چونکہ اپنے قبیلہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لیے وہی امام قرار پائے۔

امامت کے انتخاب کے لیے آنحضرت ﷺ نے چند اصول مقرر فرمادیئے تھے۔

﴿عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یوم القوم اقراھم للکتاب اللّٰہ فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا﴾ (مسلم)

ابومسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہوا گر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہوا گر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے سب سے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ حافظ قرآن کون ہے؟ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے' چنانچہ اہل طائف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا' تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے۔ مالک بن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا۔

مدینہ میں' مدینہ سے باہر اطراف میں' عرب کے مختلف صوبوں میں، جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے۔ جن قبائل میں عمال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے تھے [1] بڑے بڑے مقامات میں یہ دونوں عہدے الگ الگ ہوتے تھے۔ عمان میں حضرت عمرو بن العاصؓ عامل تھے اور ابوزید انصاری امام' [2] لیکن افسوس ہے کہ احادیث وسیر کی کتابوں میں نام بنام ان کی یکجا تفصیل مذکور نہیں۔ ضمنی واقعات میں جہاں تک اس کا سراغ لگ سکا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعب بن عمیرؓ	مدینہ منورہ	ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ)
سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	"	آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے۔ (بخاری وابوداؤد)

[1] فتح الباری جلد اول۔

[2] مسند ابن حنبل' جلد ۴ صفحہ ۲۱۸۔

ابن ام مکتومؓ	مدینہ منورہ	جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر غزوات میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہؓ بھی ہمرکاب ہوتے لیکن چونکہ یہ آنکھوں سے معذور تھے اس لئے مدینہ ہی میں رہتے تھے اس سبب سے اس موقع پر انہی کو آپ امام مقرر فرما جاتے (ابوداؤد)
ابوبکرؓ صدیق	"	آنحضرت ﷺ کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی میں امام ہوتے تھے (صحیح بخاری)
عتبانؓ بن مالک	بنوسالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد ونسائی)
معاذؓ بن جبل	بنوسلمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری وغیرہ)
ایک انصاریؓ	مسجد قباء	اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری)
عمروؓ بن سلمہ	بنوجرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد' نسائی)
اسیدؓ بن حضیر	بنوجرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد)
انسؓ بن مالک یا کوئی	بنونجار	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔امام کا نام مشکوک ہے۔
دوسرے صحابیؓ	=	اپنے قبیلے کے امام تھے۔(مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)
مالکؓ بن حویرث	=	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔(ابوداؤد)
عتابؓ بن اسید	مکہ معظمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے (نسائی)
عثمانؓ بن ابی العاص	طائف	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ذکر وفد طائف)
ابوزید انصاریؓ	عمان	اپنے قبیلہ کے امام تھے (بلاذری ذکر عمان)

موذنین:

عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپ نے قائم فرمایا تھا' چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرت ﷺ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا۔

نام	مقام	مسجد
بلالؓ بن رباح	مدینہ منورہ	موذن مسجد نبوی
عمروؓ بن ام مکتوم قرشی	مدینہ منورہ	موذن مسجد نبوی
سعد القرظؓ	عوالی مدینہ	موذن مسجد قباء
ابومحذورہ جمحی قرشیؓ	مکہ مکرمہ	موذن مسجد حرام

تاسیس و تکمیل شریعت

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

(آج ہم نے تمہارا مذہب کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے مذہب پسند کیا)۔

یہ تمام انتظامات اور نظم و نسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا بلکہ جیسا کہ بہ تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یہ اس لیے تھا کہ ملک میں امن و امان پیدا ہو اور ایک منظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو تا کہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے۔

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾

ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب تمام تر خدا کے لیے ہو جائے۔

انہوں نے فرمایا کہ ''یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھا جب اسلام کم تھا۔ آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا، لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا'' [1]

ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمام تر (انہیں فتنوں کی دارو گیر، مخالفین کی شورشوں اور ہنگاموں کی مدافعت اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں گزرا) اسی لیے آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سینکڑوں صفحات میں ہے، لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دو دو چار چار سطروں سے زیادہ واقعات نہیں ہیں، وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھ دیتے ہیں کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتیں دو سے چار ہو گئیں۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدانخواستہ ارباب سیر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزاوت کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے ان کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی جس کے لیل و نہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باراں کے روکنے میں بسر ہو گئے۔

جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا، خالص مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اسی زمانہ میں نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے ان کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے۔ سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا بتا دینا نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کار بند بنا دینا تھا اس لیے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی نکتہ کو حضرت عائشہؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ ''پہلے عذاب و ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہو گئی تو احکام نازل ہوئے ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو،

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۷۰ تفسیر سورہ انفال۔

تو کون مانتا؟'' [1]

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا' مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا' مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی رات دن کی معرکہ آرائیوں سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے اس وقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے۔ اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل بتدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی۔ ۵ ہجری تک نماز میں بات چیت کرنا جائز تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں متعدد روایتیں مذکور ہیں۔ [2]

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا' اور تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظام شریعت کی تکمیل کا موقع آیا۔ احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ' حج' حرمت رباء' وغیرہ۔ بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قائم ہو گئے تھے لیکن تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری باب تالیف القرآن۔

[2] ابوداؤد باب رد السلام فی الصلوٰۃ۔

[3] اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اول کے واقعات متفرقہ کے تحت میں بھی ضمناً گزر چکی ہے' ناظرین ایک دو جگہ احکام کی تاریخ اور سنین میں یہاں سے اختلاف پائیں گے' اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول میں عام مورخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہاں احادیث اور کتب شان نزول سے استقراء کر کے جو امر محقق نظر آیا ہے اس کی تفصیل کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہ احکام کے سنین اور تاریخیں کتب حدیث میں بالتصریح مذکور نہیں ہیں۔ محدثین اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات ہیں اور اسی بنا پر باہم ان میں اختلافات ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح اور معتبر دلائل کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کریں (والعصمۃ بید اللہ) ''س''

عقائد اور اسلام کے اصول اولین

(اسلام کے فرائض اولین عقائد ہیں یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر وغیرہ پر ایمان لانا۔ آنحضرت ﷺ پر اول جو وحی نازل ہوئی یعنی ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ اس میں خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی۔ [۲]

﴿یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ o وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ o وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (مدثر۔۱)

اے چادر اوڑھنے والے اٹھ، لوگوں کو ڈرا، اپنے پروردگار کی بڑائی کر، اور بتوں کو چھوڑ دے۔

اس کے بعد مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھیں، شرک اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سماں اور جنت و دوزخ کا پراثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل، مکہ میں تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے [۳] غرض عقائد کے تمام اجزا اگرچہ آغاز اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن مکی آیتوں کے استقصاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان الگ الگ ہوتا تھا۔ عقائد کا مسلسل بیان سورہ بقرہ اور سورہ نساء میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر زور توحید، قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے، لیکن مدینہ آ کر اسلام کے تمام عقائد اور اصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ایمان اور اسلام کے اولین اصول کے متعلق سورہ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ﴾

جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، نماز کھڑی کرتے ہیں، ہم نے جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں اور جو ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے محمد) تجھ پر اتاری گئیں اور جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں اور ان کو آخرت پر بھی یقین ہے۔

وسط سورہ میں یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہیں۔

﴿لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ﴾

لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہیں۔ یہ آیتیں تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ ا ہجری میں نازل ہوئیں۔ اسی کی تفصیل سورۃ کے آخر میں کی گئی ہے یہ آیتیں ہجرت کے چند سال بعد غالباً نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی روایتوں سے ثابت ہے۔

۱۔ اضافہ تا ختم باب "تیمم"۔

۲۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ مدثر۔

۳۔ صحیح بخاری باب تالیف القرآن۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾
پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر، اس کے رب کی طرف سے اترا اور تمام مسلمان خدا پر' خدا کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اور اس کے پیغمبروں پر سب پر ایمان لائے۔

سورۂ نساء کی آیت یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ان کے کیا عقائد ہونے چاہئیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ (پ۵ع۱۷)
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو ایمان لاؤ خدا پر، اس کے رسول پر' اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔

احادیث کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں' جن میں لوگوں نے آپ ﷺ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیے ہیں' اور آپ ﷺ نے سائل کی یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لڑوں جب تک لوگ یہ گواہی نہ دیں کہ خدا ایک ہے' محمد خدا کا پیغمبر ہے' نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں"۔

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے تین چیزیں بتائیں رات دن میں پانچ وقت کی نماز' رمضان کے روزے اور زکوٰۃ" عبدالقیس کے وفد نے ۵ھ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم دشمنوں کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہیں حاضر ہو سکتے اس لئے ایسے احکام بتا دیئے جائیں جو ان لوگوں کو بھی سنا دیئے جائیں جو شرف حضوری حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا۔

﴿ شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وصيام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس﴾
اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہے' محمد خدا کے پیغمبر ہیں' نماز پڑھنا' زکوٰۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینا۔

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس اثناء میں ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ خدا پر' فرشتوں پر' خدا کی ملاقات پر' اس کے پیغمبروں پر' اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو۔ اس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا "اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ' نماز پڑھو' فرض زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو' اس نے پھر دریافت کیا کہ "احسان کس کو کہتے ہیں؟" ارشاد ہوا کہ "خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو' کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے"۔

یہ اصول اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے، غالباً یہ سوال و جواب فتح مکہ یعنی ۸ ھ سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیل عبادت کے لیے خضوع و خشوع کی قید بھی اضافہ کی جا سکے، اصول اسلام کا آخری اعلان یہ ہے۔

﴿ بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و اقام الصلوة و ایتاء الزکوة و الحج و صوم رمضان﴾

اسلام کی بنا پانچ باتوں پر ہے، اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں، محمد اس کا پیغمبر ہے، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں، جن میں ایک شاخ حیا ہے''۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ''بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے'' ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ ''بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو'' یہ بھی فرمایا کہ ''اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو'' [1]

غرض اسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچتی گئی اور آخر ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا۔ [2]

﴿ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ ﴾

آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

عبادات

اوپر یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ ان میں سے توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ عبادات میں داخل ہیں۔ ان میں سب سے اول شے نماز ہے۔ نماز کی صحت کے لیے متعدد شرطیں ہیں، سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہے۔

طہارت:

طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو۔ طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۙ وَرَبَّکَ فَکَبِّرۡ ۙ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرۡ ۙ وَالرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡ ﴾(مدثر۔۱)

اے چادر اوڑھنے والے! اٹھ اور ڈرا، اور اپنے پروردگار کی بڑائی کر، اور اپنے کپڑے پاک کر اور ناپاکی کو چھوڑ دے۔

---

[1] یہ تمام حدیثیں صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہیں۔

[2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور

اگرچہ مفسرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے ''دل کی طہارت'' اور ''ناپاکی'' سے ''بت پرستی'' مراد لی ہے تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے۔ نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔ اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ و سیر اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی میں حضرت جبریلؑ نے آپ کو سکھایا تھا[1] حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے بھی وضو فرماتے تھے[2] لیکن قرآن میں وضو کا حکم باتفاق محدثین مدینہ میں نازل ہوا

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُوا۟ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ﴾

مسلمانو! جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو اور گھٹنوں تک پاؤں دھولو۔

یہ آیت سورۂ مائدہ میں ہے اور اس سورۃ کی اکثر آیتیں ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہیں۔ اس آیت کے متعلق بخاری میں تصریح یہ ہے کہ وہ آیت تیمم کے ساتھ اتری ہے۔ آیت تیمم ۵ھ میں نازل ہوئی اسی بنا پر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو پر عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن میں اس کی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابتداً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے کچھ حصہ بھیگتا تھا کچھ نہیں بھیگتا تھا، ۶ھ میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپ ﷺ مکہ سے واپس آرہے تھے کچھ لوگ جھپٹ کر تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو لیا۔ ایڑیاں کچھ بھیگیں کچھ خشک رہیں۔ آپ نے فرمایا۔[3]

﴿ویل للاعقاب من النّار اسبغوا الوضوء﴾

ان ایڑیوں پر دوزخ کی پھٹکار ہے، وضو کو کامل کرو۔

اس وقت سے ''اسباغ وضو'' یعنی سکون وطمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار پا گیا۔ اسباغ وضو کے تمام فضائل آپ ﷺ نے بیان فرمائے۔ ابتداً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے، لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری نہ رہا[4] اور اس کا اعلان آپ ﷺ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا۔[5]

تیمّم:

وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہے لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنا مشکل ہے، نیز بیماری کی حالت میں پانی کا استعمال کبھی مضر ہے اس لیے ۵ھ میں تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

---

[1] ابن ہشام و فتح الباری بحوالہ مغازی ابن الھیعہ و امام احمد جلد۴ ص ۱۶۱ و ابن ماجہ۔

[2] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ و طبرانی فی الاوسط۔

[3] صحیح مسلم باب وجوب غسل الرجلین۔

[4] فتح الباری بحوالہ ابوداؤد و احمد۔

[5] صحیح مسلم۔

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (مائدہ۔۲)

اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پانی میسر نہ آئے تو طاہر مٹی لے کر اس سے تیمم یعنی منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لو اللہ تم پر کسی طرح تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک وصاف کر دے اور اپنا احسان تم پر پورا کر دے تا کہ تم شکرگزار بنو۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق (۵ھ) سے آپ واپس آ رہے تھے ام المومنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں۔ مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنینؓ کا ہار کہیں گر گیا' سارا قافلہ وہیں اتر پڑا' نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا' تمام صحابہ پریشان خاطر تھے' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی' اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی' مسلمانوں کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی' اسیدؓ بن حضیر ایک صحابی نے کہا ''اے آل ابی بکر! تم لوگوں کے لیے سرمایہ برکت ہو''

نماز:

نماز آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی' [1] چنانچہ دوسری ہی وحی میں حکم ہوا۔

﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾ (مدثر)

اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر۔

اس تکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا' اس لیے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا' دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی' چنانچہ سورہ مزمل میں جو ابتدائی سورتوں میں سے ہے، یہ حکم بتصریح مذکور ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ٥ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ٥ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ٥ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ٥ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ٥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ٥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ٥ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴾ (مزمل۔۱)

اے کملی اوڑھ کر سونے والے! رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ' ہم تجھ پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں' رات کا

---

[1] نماز کے بیان تاریخ میں محدثین مختلف الرائے ہیں' ابن حجر نے فتح الباری (جلد اول صفحہ ۳۹۳) میں جو خلاصہ مباحث نقل کیا ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے ''ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی' حربی کی رائے ہے کہ صبح وشام دو دو رکعتیں فرض تھیں' امام شافعی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض تھی بعد ازیں فاقرءوا ما تیسر من القران کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی اس کے بعد نماز پنج گانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا'' ہم نے نماز کی تاریخ بیان کی ہے وہ انہی چند سطروں کی تفصیل ہے جس کی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتوں سے کر دی گئی ہے۔ اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید میں اوقات نماز کے مختلف بیانات کیوں ہیں۔ ''س''

اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور یہ وقت دعا کے لیے مناسب بھی زیادہ ہے دن کو تجھ کو زیادہ شغل رہتا ہے، اپنے پروردگار کا نام لے سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہورہ۔

اس کے بعد صبح و شام کی دو دو رکعتیں اور فرض ہوئیں۔

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴾ (دہر)

صبح و شام خدا کا نام لیا کر اور رات کے وقت دیر تک اللہ کے آگے سجدہ کیا کر اور اس کی تسبیح بیان کر۔

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا' چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا اور اکثر صحابہؓ کا ایک سال تک اسی پر عمل رہا۔ نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہوگئی [1] اور حکم ہوا۔

﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ط وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾

تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ' خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے تم پر اس نے مہربانی کی' اب جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن نماز میں پڑھو' اس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے مسافر بھی ہوں گے جو خدا کی روزی ڈھونڈنے کو سفر کریں گے اور لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو۔

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد فجر' مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ﴾ (ہود-۱۰)

دن کے دونوں (ابتدائی اور انتہائی) کناروں میں (یعنی فجر و مغرب) اور تھوڑی رات گزرنے کے بعد نماز پڑھا کرو

معراج میں جو نبوت کے پانچویں سال ہوئی [2] پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں [3] اور سورہ اسراء میں جو معراج کے بیان پر مشتمل ہے یہ آیت اتری۔

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾

نماز کے اوقات زوال آفتاب سے لے کر ظلمت شب تک ہیں (ظہر' عصر' مغرب' عشاء) اور صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور رات کو تہجد پڑھ، یہ تیرے لیے مزید ہے۔

---

[1] ابوداؤد باب فی صلوٰۃ اللیل و مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۵۴۔

[2] ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے نویں سال ہوئی "س"

[3] فتح الباری مصر جلد ۷ صفحہ ۱۵۵۔

لیکن رکعتیں دو ہی رہیں، مدینہ منورہ میں آ کر جب نسبتاً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہو گئیں۔ [1]

بایں ہمہ نماز میں خضوع و خشوع اور تمکین و وقار کے جو ارکان ضروری ہیں ان کے لیے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا، اس لیے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی، پہلے لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے، بالآخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

﴿ ما بال اقوام یرفعون البصرالی السماء فی صلواتھم ﴾ [2]

یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آ جاتا تو کسی سے کہہ دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے، پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے، جب مہاجرین حبش ۶ھ میں واپس آ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے، معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا، لیکن جواب نہیں ملا، نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو،" [3] اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہو گیا۔

معاویہؓ بن حکم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، ایک صاحب کو چھینک آئی میں نے یرحمك الله کہا، لوگوں نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا، میں نے کہا "آپ لوگ کیا دیکھتے ہیں؟" لوگوں نے زانو پر ہاتھ مارے، اس وقت میں سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہیں، میں چپ ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر (خلق احمدی سے) مجھ کو نہ سزا دی نہ ڈانٹا نہ برا کہا، صرف یہ فرمایا کہ "نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت کا نام ہے۔اس میں بات چیت جائز نہیں"۔ [4]

تشہد کا جو طریقہ اب ہے، پہلے نہ تھا، بلکہ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے السلام علی فلان و فلان، بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اب نماز میں معمول بہا ہیں۔ [5]

حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ چھوٹے بچوں کو نماز میں کندھے پر چڑھا لیتے، سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے، دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے، حضرت عائشہؓ باہر سے آتیں اور دروازہ کھٹکھٹاتیں، آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے ہوئے عین اسی حالت میں جا کر دروازہ کھول دیتے [6] ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے فقہا

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔

[2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ۔

[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ۔

[4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ۔

[5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشہد۔

[6] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ۔

کی یہ رائے ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل میں جائز ہیں۔ نفل کی تخصیص اس لیے کہ جن نمازوں میں آنحضرت ﷺ نے افعال کیے وہ فرض نہ تھیں بلکہ نفل تھیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں۔ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ امامہ بنت ابو العاص کو کندھے پر چڑھائے مسجد میں آئے اور نماز ادا کی۔ [1] ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں اس زمانہ کی ہیں جب کہ نماز میں بات چیت اور اس قسم کے حرکات ممنوع نہیں قرار پائے تھے۔ رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کہ وہ تمام تر خضوع و خشوع و مراقبہ و محویت بن گئی۔

قرآن مجید میں آیت اتری ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾ یعنی ”فلاح پانے والے مسلمان، وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں“ اس بنا پر نماز میں ادھر ادھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع و خشوع کے خلاف کرنا منع ہو گیا۔ نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے سامنے نماز ادا کی، اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہیں ادا کئے تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”تم نے نماز نہیں پڑھی، جا کر پھر پڑھو“ اس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نماز نہیں ہوئی“ تیسری دفعہ اس نے پوچھا کہ کیوں کر پڑھوں، آپ ﷺ نے رکوع، سجدہ، قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کئے جائیں، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ [2] میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا۔ بارہ آدمیوں کے سوا جس قدر لوگ نماز میں شریک تھے، اٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ [3]

﴿ وَاِذَا رَاَوْ تِجَارَةً اَوْلَهْوَاِ انْفَضُّوْآ اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ﴾ (جمعہ۔۲)

اور جب لوگ تجارت یا کھیل تماشا دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے۔

اور یا آنحضرت ﷺ کی تربیت و تعلیم سے یہ حالت ہوئی (کہ ایک انصاری نماز کی حالت میں تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہیں، لیکن نماز نہیں توڑتے کہ جو سورۃ انہوں نے شروع کی تھی، اس کی لذت معنوی اس درد زخم سے زیادہ تھی، اس سے بڑھ کر یہ) کہ حضرت عمر فاروقؓ نماز میں زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہیں، یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہیں دیکھتا کیونکہ خشیت الٰہی اور محویت کا عالم جو دلوں پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

نماز جمعہ اور عیدین:

مکہ میں چار شخصوں کا یکجا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا، اس لیے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ) جمعہ کی پہلی شرط

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ۔

[2] صحیح بخاری باب امر النبی ﷺ من لا یتم الصلوٰۃ بالاعادۃ۔

[3] صحیح بخاری کتاب البیوع و تفسیر آیت مذکور۔

جماعت ہے، لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی، اور کوئی شخص ادائے نماز میں خلل انداز نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آ چکے تھے، اسعدؓ بن زرارہ کی تحریک سے بنی بیاضہ کے محلّہ میں انہوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا کی [1] مصعبؓ بن عمیر امام تھے (ابن اسحاق) اور کل چالیس مسلمان نمازی تھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں قیام فرمایا، یہاں سے روانگی کے لیے آپ ﷺ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا۔ بنی سالم کے محلّہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی یہ اواخر ربیع الاول ۱ھ کا واقعہ ہے [2] مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی یکجا تعداد سب سے زیادہ جواثی میں تھی، جو بحرین میں واقع تھا، حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں قائم ہوئی۔ [3] لیکن بظاہر نماز جمعہ کا اہتمام مسلمانوں میں پہلے اتنا نہ تھا جتنا کہ ہونا چاہیے۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیوپاری آ گئے، سب لوگ اٹھ کر ادھر چلے گئے، جماعت میں صرف بارہ آدمی اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی [4] رہ گئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ (جمعہ)

ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے پکارا جائے تو یاد الٰہی کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کو علم ہو، جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زمین میں چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو، تاکہ فلاح پاؤ، جب لوگ تجارت اور کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں، اور تجھ کو اے پیغمبر! کھڑا چھوڑ دیتے ہیں کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی ان کے آگے ہیچ ہو گیا۔ خدا نے ان کی مدح فرمائی۔

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (نور-۱)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں آ کر قائم ہوئی، لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہیں ہوئی

---

[1] ابوداؤد و ابن ماجہ و دار قطنی کتاب الجمعہ، نیز عبدالرزاق و احمد و ابن خزیمہ حسب حوالہ فتح الباری۔

[2] طبری صفحہ ۱۲۵۶۔

[3] صحیح بخاری باب الجمعہ۔

[4] دار قطنی کتاب الجمعہ۔

بلکہ ۲ھ میں مسنون ہوئی [1] جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز روزہ رمضان کے تابع ہے' اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔

صلوٰۃ خوف:

نماز کسی حالت میں قضا نہیں کی جا سکتی' خوف کی حالت میں مثلاً جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں' پہلے ایک جماعت تمام ہتھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو' اور قصر نماز ادا کرے' پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ میں تھی' وہ پیچھے ہٹے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے' امام اپنی جگہ پر قیام کرے' روایتوں میں ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے' یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت میں فرض ہے' ابو داؤد نے صلوٰۃ الخوف کی تمام صورتیں بروایت صحابہ الگ الگ لکھ دی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے' یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہے' امام جس وقت جو مناسب سمجھے' کرائے' اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا۔ سورہ نساء میں صلوٰۃ الخوف کی صورت بتفصیل مذکور ہے صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوہ ذات الرقاع ۵ھ میں نازل ہوا' اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوہ نجد بتایا ہے' ابو داؤد میں ابو عباس زرقی کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام عسفان میں نازل ہوئی یعنی ۶ھ میں' لیکن زیادہ تر رواۃ حدیث اور اہل سیر غزوہ ذات الرقاع ہی کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ [2]

روزہ:

اسلام سے پہلے قریش عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے (اس دن خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا [3] آنحضرت ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور عجب نہیں کہ آپ ﷺ کی تبعیت میں دوسرے صحابہؓ بھی روزہ رکھتے ہوں۔ ۵ نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفرؓ نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے وہ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا' اس کے بعد) جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں' آپ نے لوگوں سے وجہ پوچھی' لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ نے اسی روز فرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہم کو حضرت موسیٰؑ کی تقلید کا زیادہ حق ہے'' چنانچہ آپ (یہاں بھی) عاشورا کا روزہ رکھا' (اور صحابہ کو رکھنے کا حکم دیا) پھر ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ مستحب ہو گیا' یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھتا تھا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا تھا' [4] لیکن آپ ﷺ نے بہ نفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا۔ ۱۱ھ میں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہود تو اس دن کی

[1] طبری صفحہ ۱۲۸۱' یورپ۔
[2] دیکھو کتب احادیث صلوٰۃ الخوف اور طبری جلد ۳ صفحہ ۴۵ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۳
[3] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۴۴ (معجم کبیر طبرانی)
[4] ابو داؤد کتاب الصوم۔

بڑی عزت کرتے ہیں' فرمایا کہ آئندہ سال ۱۰ھ کے بجائے ۹ھ کو روزہ رکھوں گا لیکن افسوس کہ آپ ﷺ نے اسی سال وفات پائی۔ [1]

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشاء کے بعد پھر نہیں کھاتے تھے اور اس کو حرام سمجھتے تھے' عورت کے ساتھ ہم بستری بھی منع تھی۔ [2] ابتدائے سلام میں مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے اسلام کے تمام احکام میں سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے۔

﴿ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (بقرہ)

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے' سختی نہیں چاہتا۔

﴿ لاصرورۃ فی الاسلام ﴾ (ابوداؤد واحمد)

اسلام میں جوگی پن نہیں ہے۔

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ (بقرہ۔۲۳)

روزے کی راتوں میں تمہارے لیے عورتوں سے لطف اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے' جب تک صبح کی سپید لکیر (رات کی) سیاہ لکیر سے الگ نہ ہو جائے تم کھاتے پیتے رہو۔

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے۔ اول اول روزہ ان پر شاق ہوا' [3] اس لیے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی۔ اول اول آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا' پھر روزے میں فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری۔

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ [3]

جو رمضان کا مہینہ پائے' وہ ضرور روزہ رکھے۔

اب بالیقین روزہ فرض ہو گیا' اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ چھوڑ دے' اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے چونکہ اور تمام قوموں میں خصوصاً عیسائیوں میں رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی' اس لیے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے وہ روزہ میں زیادہ سختی برداشت کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سفر میں تھے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے' [4] سبب پوچھا' معلوم ہوا سخت گرمی میں اس شخص نے

[1] یہ تمام واقعات صحیح بخاری' صحیح مسلم اور ابوداؤد کتاب الصوم میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

[2] ابوداؤد کتاب الصوم' باب مبدء فرض الصیام واسباب النزول للسیوطی صفحہ ۲۷

[3] صحیح بخاری میں ہے: نزل رمضان فشق علیهم [4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان۔

روزہ رکھا ہے' آپ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہیں [۱] بعض لوگوں نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھیں بیچ میں افطار نہ کریں، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

روزہ کا مقصد عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ثواب کی بات ہے' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ہر طرح کی آسانیوں کا حکم دیا' سفر میں اور بیماری میں روزہ رکھنا فرض نہ تھا۔ راتوں کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی' سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھایا جائے تا کہ دن بھر قوت باقی رہے۔

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کف نفس تھا اور روزہ اس کا معین تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہیں" [۲]

زکوٰۃ:

خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام میں ابتدا ہی سے معمول بہ تھی۔ مکہ میں جو سورتیں اتریں ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے اور خیرات نہ دینے والے پر نہایت عتاب ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِo فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ o وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (ماعون)

تم نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے' یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں کرتا۔

مدینہ منورہ میں زیادہ تاکیدی آیتیں نازل ہوئیں۔ ۲ھ میں عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار پایا [۳] ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے۔ حدیثوں میں صحابہ کے فقر و تنگ دستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں' اسی زمانہ کے ہیں' اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیے' ورنہ عذاب ہوگا' چنانچہ خاص آیت نازل ہوئی۔ [۴]

﴿وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (توبہ)

جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خیرات نہیں کرتے۔

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے۔

﴿یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (بقرہ)

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات دیں، کہہ دو کہ جو کچھ مصارف ضروری سے بچ رہے۔

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے بے کار یا ردی چیزیں خیرات میں دیتے تھے اس

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الصوم۔

[۲] ایضاً بحوالہ بالا۔

[۳] طبری مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۲۸۱۔

[۴] صحیح بخاری مقولہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

پر حکم ہوا

﴿ یَآیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ﴾ (بقرہ)

مسلمانو! اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کی' اچھا حصہ خیرات دو

مزید تاکید کے لیے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا اس کو ثواب نہ ملے گا۔

﴿ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ﴾ (آل عمران)

تم لوگ ثواب نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیز خیرات نہ کرو جو تم کو عزیز ہے۔

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لیے بازار میں جا کر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھ لاد کر لوگوں کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں۔[1]

بایں ہمہ ۸ھ تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کیے گئے اور آنحضرت ﷺ نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے (محرم ۹ میں) محصلین مقرر کئے[2] زکوٰۃ کے مصارف حسب ذیل تھے۔

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِی الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِیۡنَ وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ فَرِیۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴾ (توبہ)

زکوٰۃ ان مصارف کے لیے ہے' فقراء' مساکین' زکوٰۃ کے وصول کرنے والے' مولفۃ القلوب' غلام' جن کو آزاد کرانا ہے' مقروض' مسافر' اور خدا کی راہ میں' یہ خدا کا فرض ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامین نبوی میں منقول ہے فقہ میں کتاب الزکوٰۃ انہیں فرامین سے ماخوذ ہے

حج:

دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنائی اور تمام دنیا کو یہاں آ کر عبادت کرنے کی دعوت دی۔

﴿ وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا وَّطَهِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡقَآئِمِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ۝ وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ۝ لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَیَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ ﴾ (حج)

اور جب کہ ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھ اور حج کی منادی کر دے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئیں گے' کچھ پیدل اور کچھ اونٹنیوں پر سوار' تا کہ فائدہ اٹھائیں اور تا کہ ایام مقررہ میں خدا کا ذکر کریں۔

---

[1] بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

[2] طبری مطبوعہ یورپ جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۲ (ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۱۱۵)

حضرت ابراہیمؑ کی دعوت عام پر دنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا' وہ تین سو ساٹھ بتوں کا تماشا گاہ بن گیا' دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا' اور پورے آٹھ برس تک ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔ بالآخر ظہور حق کا وقت آیا' مکہ فتح ہوا اور جانشین ابراہیمؑ اور ان کے متبعین کو موقع ملا کہ شعار ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے' چنانچہ ۹ھ میں حج فرض ہوا[1] تاہم آنحضرت ﷺ نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہیں فرما سکتے تھے' اس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایام حج میں روانہ کیے گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ آئندہ سے کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔[2]

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسئی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذوقعدہ میں آ گیا تھا' چنانچہ ۹ھ کا حج اسی مہینہ میں ادا ہوا' لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آ گیا[3]

حج کی اصلاحات:

حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم رکھی تھی لیکن اس کی صورت بالکل بدل دی تھی اور اس میں اس قدر بدعات اضافہ کر دی تھیں کہ وہ ثواب کے بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا۔ سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے لیکن اہل عرب جب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے اس بنا پر یہ آیت اتری۔

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾[4] (بقرہ۔۲)

پھر جب حج کے ارکان پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو' جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے' بلکہ اس سے بڑھ کر۔

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ منات جو بت تھا' اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے حالانکہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفا و مروہ کا طواف اسی عہد کی یادگار ہے' اسی بنا پر یہ آیت اتری۔

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ

---

[1] (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۸۰)

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب لا یحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان۔

[3] آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ فرمائے تھے الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذو القعدہ و ذو الحجۃ والمحرم و رجب مضر الذی بین جمادی و شعبان" اس سے اسی طرف اشارہ تھا۔

[4] اسباب النزول للواحدی۔

بِهِمَا﴾ (بقرہ۔۱۹)

صفا اور مروہ خدا کی یادگار ہیں اس لیے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونوں مقاموں کا بھی طواف کرنا چاہیے [1]

ایک طریقہ یہ جاری ہو گیا تھا کہ اکثر لوگ (آج کل کی طرح) جن کے پاس زادسفر نہیں ہوتا تھا یوں ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں ان لوگوں کو اکثر راہ میں گداگری اور دوستوں کی دستگیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى [2] ﴾ (بقرہ)

اور گھر سے زادسفر لے کر چلو کیونکہ اچھا زادسفر تقویٰ ہے۔

احرام حج میں سر کے بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس میں اہل جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی یہاں تک کہ بعض صاحبوں کے بالوں میں اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہو گیا' تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے۔ اسلام میں چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اس کی عبادات اور احکام تکلیف مالا یطاق نہ بن جائیں اس لیے یہ حکم ہوا۔

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ﴾

تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈالے) تو فدیہ ادا کر دے یعنی یا روزہ یا خیرات یا قربانی۔

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لے کر کعبہ کے درودیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [3]

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾ (حج)

خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

اس آیت میں صرف اس فعل سے نہیں روکا گیا بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ قربانی خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ اصل چیز جس کو خدا قبول کرتا ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

رسوم حج میں ایک بڑی چیز جو قریش نے اصول اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی' یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا' نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں ہم حدود حرم سے باہر نہیں جا سکتے' یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے' اس لئے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے' باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منیٰ میں آتے تھے چونکہ اسلام کا اصول اصلی مساوات عامہ ہے اور عبادت میں سب یکساں ہیں اس لیے حکم آیا

---

[1] قرآن مجید میں جناح کا جو لفظ ہے اس کا عام ترجمہ "ہرج" یا "نقصان" ہے اس بنا پر ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کچھ ہرج نہیں لیکن لا جناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنوں میں بھی آیا ہے۔

[2] بخاری کتاب الحج باب "تزودوا فان خیر الزاد التقوی"

[3] تفسیر بیضاوی (یہ رسم یہودیوں سے آئی تھی' لاویین ۱۷۔۶۔ تاریخ دوم ۲۹۔۲۲)

کہ [1]

﴿ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (بقرہ)

پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو، جس طریقہ سے اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے بیشک تم گمراہ تھے، پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو، وہ غفور اور رحیم ہے۔

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے اس لیے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے۔ یہ رسم اسلام کیا نے تک قائم رہی، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو سفر حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''سوار ہو لو'' بولے ''یہ قربانی کے اونٹ ہیں'' آپ نے دوبارہ فرمایا، انہوں نے دوبارہ وہی عذر کیا' آپ ﷺ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ ''بیٹھ لو'' [2]

ایک قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا جس کو حج مصمت کہتے تھے یعنی جو شخص حج کرتا تھا وہ آغاز حج سے اخیر تک منہ سے کچھ بولتا نہ تھا' اسلام نے اس تکلیف مالا یطاق سے منع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے احمس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا' دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی' دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مصمت کی نیت کی ہے' حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ''یہ جائز نہیں' یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے''۔ [3]

سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حمس) کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے۔ حدود حرم میں آ کر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے' اور عاریتاً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے' اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے۔ عورتیں بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں۔

اليوم يبدوا بعضه او كله ۔۔۔ وما بدا منه فلا اُحِله

آج کچھ حصہ اس کا یا پورا کھلے گا ۔۔۔ اور جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [4]

﴿ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (اعراف)

اے آدم کے بیٹو! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو۔

(اس بنا پر ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھیجا' انہوں نے عین موسم حج میں اعلان کیا

---

[1] صحیح بخاری جلد ا کتاب الحج صفحہ ۲۲۶۔

[2] بخاری کتاب الحج۔

[3] بخاری جلد ا' صفحہ ۵۴۱۔

[4] یہ پورا واقعہ اور شان نزول نسائی' کتاب مناسک الحج میں ہے۔

کہ آئندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا۔)[1]

معاملات

شریعت کی تکمیل میں جو تدریج ملحوظ رہی' اس کے لحاظ سے وارثت' نکاح وطلاق وقصاص وتعزیرات (وغیرہ) کے احکام بعثت سے بہت بعد آئے (سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجرا کے لیے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی جو اب تک اسلام کو حاصل نہیں ہوئی تھی' غزوہ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشو ونما شروع ہوا) ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں جو احکام نازل ہوئے وہ تحویل قبلہ' فرضیت روزہ' زکوۃ فطر' نماز عید اور قربانی تھی' تیسرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریث کا قانون قرآن مجید میں نازل ہوا۔

وراثت:

(مسلمان جب ابتداً مدینہ آئے ہیں تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے اس حالت میں اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہوسکتا تھا' اس لیے) آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ (برادری) قائم کردی جس کے رو سے یہ قاعدہ مقرر ہوگیا کہ کوئی انصاری مرتا تو اس کی وراثت مہاجرین کو ملتی[2] عرب میں پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عہد کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے' ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا لیکن ۳ھ میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کردیا۔

﴿ اُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ﴾ (انفال)

قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔

اس کے رو سے مواخاۃ کی بنا پر وراثت موقوف ہوگئی' اور خاندان اور ذوی الارحام میں وراثت محدود ہوگئی۔

(آیت توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا' یعنی مرنے والا اپنے مال و جائیداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے) مرنے کے بعد اسی طریقہ سے اس کی جائیداد تقسیم کردی جاتی' مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (بقرہ)

مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے بطریق مناسب وصیت کر جائے' متقی لوگوں پر یہ فرض ہے۔

---

[1] صحیح مسلم و صحیح بخاری اور تمام حدیث کی کتابوں میں باب لا یطوف بالبیت عریان میں مذکور ہے۔

[2] یہ مفسرین کا بیان ہے لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے منسوخ ہوا وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ (نساء) دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

جو لوگ حالت مسافرت میں مر جاتے‘ ان کے لیے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن میں مقرر کیا گیا۔ گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا‘ چنانچہ سورہ بقرہ اور مائدہ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ غزوہ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہوتی گئی‘ خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے‘ اس لیے وراثت کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی‘ پھر وصیت کے قاعدہ میں بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائیداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا‘ مثلاً جہاد میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے، اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہوگی اس حالت میں وصیت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائیداد پر قبضہ کر لیتا‘ چنانچہ غزوہ احد میں یہی موقع پیش آیا۔ سعدؓ بن الربیع جو بہت دولت مند صحابی تھے (اس جنگ میں) شہید ہوئے ان کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں کہ سعدؓ آپ کی خدمت میں شہید ہوئے‘ انہوں نے دو لڑکیاں چھوڑیں ہیں‘ لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا‘ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”خدا فیصلہ کرے گا“ پھر (غالباً ۴ھ میں) یہ آیت نازل ہوئی [1] جس میں وراثت کے تمام احکام مذکور ہیں۔

﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ﴾ (نساء)

خدا تم کو تمہاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے (آخر تک)

آنحضرت ﷺ نے سعد کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعدؓ کے متروکہ میں سے دو تہائی ان کی بیٹیوں اور آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو دو‘ اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمہارا حق ہے۔

اہل عرب عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے، دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی یہی دستور تھا یہ پہلا دن ہے کہ اس صنف ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

وصیت:

احکام وراثت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقین وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا‘ اس لیے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی۔ ۱۰ھ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بیمار ہوئے‘ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو گئے‘ انہوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے‘ چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال خیرات کر دوں‘ آنحضرت ﷺ نے اجازت نہیں دی‘ انہوں نے کہا تو نصف‘ آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا‘ انہوں نے کہا

---

[1] آیت میراث کے شان نزول میں احادیث میں تین واقعے مروی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت جابرؓ ۱۰ھ میں بیمار پڑے تو آیت اتری یہ روایت تمام صحاح ستہ میں ہے‘ لیکن درحقیقت اس روایت میں راویوں سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے کیونکہ وراثت ۱۰ھ سے پہلے جاری ہو چکی تھی اور دوسرے یہ کہ حضرت جابرؓ اس وقت تک لاولد تھے اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت یعنی (کلالہ) سے متعلق ہے جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتوں میں (کتاب الفرائض) اس کی تصریح ہے دوسرا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسانؓ کے بھائی عبدالرحمن کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کجہ کی فریاد پر یہ آیت اتری‘ یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیع کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آئے ہوں تیسرا شان نزول یہی سعد بن ربیع کا واقعہ ہے جو ابوداؤد‘ ترمذی‘ حاکم اور مسند احمد میں مذکور ہے ”س“

ایک تہائی' آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی بہت ہے وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں [۱] تاہم یہ مقدار آپ ﷺ نے جائز رکھی اس وقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی۔

وقف:

وقف شریعت کا بہت بڑا مسئلہ ہے' اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقہ وقف کا موجد ہے۔ اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے' آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد نبوی کی بنیاد جس زمین میں رکھی تھی وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی' آپ ﷺ نے قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا:

﴿ لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ﴾

نہیں ہم خدا کی قسم! قیمت نہ لیں گے ہم اس کی قیمت خدا ہی سے لیں گے۔

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا' اور نہایت سادہ صورت میں تھا' چنانچہ امام بخاری اس حدیث کو وقف مشاع (مشترکہ جائیداد کا وقف) کے ثبوت میں لائے ہیں' اس کے بعد ۴ھ یا ۵ھ میں جب یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

تم نیکی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک وہ خدا کی راہ میں نہ دے دو جو تم کو سب سے محبوب ہے۔

تو ابو طلحہؓ صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی "یا رسول اللہ! بیرحا [۲] مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے' میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں' آپ جس مصرف میں چاہیں اس کو رکھیں"۔ چنانچہ آپ کے مشورہ سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔

اب تک وقف کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ صرف یہ تھے کہ "وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا"' لیکن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد اس کی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی۔ خیبر میں حضرت عمرؓ کو ایک زمین ملی تھی' حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کرنا چاہا' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے فرمایا:

﴿ ان شئت حبست اصلھا و تصدقت بھا﴾

اگر چاہو اصل جائیداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کرو۔

چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائیداد وقف ہوئی۔ [۳]

﴿انہ لا یباع اصلھا و لا یوھب و لا یورث﴾

اصل جائیداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں بانٹی جائے۔

---

[۱] بخاری جلد ا کتاب الوصایا۔

[۲] ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ میں واقع تھی۔

[۳] یہ تمام حدیثیں بخاری باب الوقف میں ہیں۔

نکاح وطلاق:

نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے ان کی تفصیلات اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی' یہاں صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقہ جاری تھے' جن میں سے ایک کے سوا سب زنا کے مشابہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا۔ متعہ [1] جو زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا' بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۷ھ غزوہ خیبر میں قطعاً حرام ہو گیا اگرچہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منبر پر کہا کہ ''میں متعہ کو حرام کرتا ہوں''، یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہیں ہو سکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں۔

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرمات شرعی کا بیان، منہ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا' کثرت ازدواج کی تحدید' تعداد طلاق کی تعیین' زمانہ عدت کا بیان' مہر کا ضروری ہونا' ظہار یعنی ایک طریقہ طلاق جس میں اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے' اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغ گوئی کا دعویٰ کرنا' یہ تمام تفصیلیں اصلاحات کے تحت میں آئیں گی' یہاں صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں' اور ان کے نزول کا زمانہ ۴ھ اور ۵ھ ہجری ہے۔

حدود وتعزیرات:

دنیا [2] کے مادی خزانہ میں انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی میں اتر چکا تھا۔ معراج کے سلسلہ میں جو اخلاقی احکام بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل)

خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق نہ مارو' اور جو ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا، چاہیے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے' اس کی مدد کی جائے۔

عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل وقصاص کے کچھ قوانین موجود تھے۔ یہود جو اس ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے' تورات کے حدود وتعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی' اس لیے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصل مقدمات کے لیے بارگاہ نبوت کی طرف رجوع کیا۔ آپ ان کے مقدمات عموماً تورات کے احکام کے مطابق فیصل کر دیتے تھے۔

عرب میں ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا' اس لیے غزوہ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آ چلا تھا قصاص کا حکم نازل ہوا۔ یاد ہوگا کہ اطراف مدینہ میں بنوقریظہ اور بنونضیر دو یہودی

[1] محدود الوقت نکاح۔

[2] اضافہ تا ختم باب حلال وحرام۔

قبائل رہتے تھے۔ ان دونوں میں بنونضیر معزز سمجھے جاتے تھے اس لیے کوئی قرظی اگر کسی نضیری کو قتل کر ڈالتا تو اس کو بنونضیر مار ڈالتے تھے اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قرظی قتل ہو جاتا تو چھوہاروں کے سو وسق خون بہا دے دیتے۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا' لوگوں نے اس کا مرافعہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' اس پر سورہ مائدہ کی چند آیتیں اتریں' ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔ [1]

﴿ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ﴾ (المائدہ)

ہم نے ان کو تورات میں حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔

یہ حکم گو یہودیوں کے لیے تھا لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ﴾ (بقرہ)

مسلمانو! تم پر مقتولین میں مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلے کو دنیا میں ہمیشہ کے لیے برابر کر دیا۔

یہودیوں میں خون بہا (دیت) کا قانون نہ تھا [2] لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا۔

﴿ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾ (بقرہ)

اس کے بھائی (یعنی اولیائے مقتول) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اس کی پابندی خوبی کے ساتھ کرنا اور بطور احسن اس کو ادا کر دینا چاہیے۔

اب تک قتل عمد اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی۔ ۶ھ میں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا' ایک اور مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا' آنحضرت ﷺ نے مقتول کے بھائی کو خون بہا دے کر راضی کر لیا' اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا' اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا۔ ان واقعات کی بنا پر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے۔

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

[1] ابوداؤد کتاب الدیات۔

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ کتب علیکم القصاص۔

عَظِيمًا﴾ (نساء)

کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالے لیکن غلطی سے اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خون بہا اس کے وارثوں کو ادا کرنا چاہیے لیکن یہ کہ وہ معاف کریں تو خیر اگر مقتول خود مسلمان ہو اور ہو کسی دشمن قوم سے تو صرف ایک غلام آزاد کرو اور اگر ایسی قوم سے ہو جس سے تم نے معاہدہ کیا ہو تو خون بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا چاہیے اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں کہ خدا اس کی طرف رجوع ہو خدا علم اور حکمت والا ہے اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا خدا اس پر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا اور اس کے لیے بڑا عذاب اس نے مہیا کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ قصاص وقتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم ہے۔ حفاظت جان کا اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''زمانہ جاہلیت کے تمام خون میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں''۔ اس کے بعد قتل خطا مشابہ بہ قتل عمد کے خون بہا کی تحدید فرمائی [1] قتل خطا کا خون بہا اہل قریہ کے لیے ۴۰۰ دینار مقرر کیا۔ [2]

۶ھ تک رہزنوں کے لیے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ۶ھ میں عکل وعرینہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آ کر مسلمان ہوئے یہاں کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی آنحضرت ﷺ نے شہر سے باہر چراگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی۔ ایک دن موقع پا کر مسلمان چرواہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا اور مویشی لوٹ کر لے گئے وہ گرفتار ہو کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا گو یہ برابر کا انتقام تھا تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی اس لیے خدائے پاک کی طرف سے عتاب ہوا اور ڈاکوؤں کے لیے علیحدہ احکام نازل ہوئے۔ [3]

﴿اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ (مائدہ)

ان لوگوں کی سزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں، یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے ادھر کے ہاتھ اور ادھر کے پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے الگ کر دیئے جائیں (یعنی قید ہوں یا جلاوطن کئے جائیں)

جان کے بعد مال کا درجہ ہے اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لیے قطع ید کی سزا جاری تھی اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ ۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی اس لیے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا حضرت اسامہ بن زیدؓ آنحضرت ﷺ کے بہت چہیتے تھے ان سے سفارش کرائی گئی آپ ﷺ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ ''تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام جاری

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات باب فی دیۃ الخطا شبہ العمد۔

[2] ابوداؤد دیات الاعضاء۔

[3] ابوداؤد کتاب الحدود المحاربہ۔

کرتے لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگزر کرتے' خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا'' اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چون و چرا اس حکم کی تعمیل کی۔[1]

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی' یہودیوں میں تورات کی رو سے زانی کی سزا ''رجم'' یعنی (سنگسار کرنا) مقرر تھی لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس قانون کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ اطراف مدینہ میں جو یہودی آباد تھے' رجم کے بجائے انہوں نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ میں کالک لگا کر کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' غالباً یہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے اپنا رواج بتایا' آپ ﷺ نے تورات منگوا کر ان سے پڑھوایا' انہوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپا دی' آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی' آپ ﷺ نے فرمایا ''خداوندا! یہ تیرا حکم ہے جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا ہے میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا [2] چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کیا گیا۔

۵ھ میں سورۂ نور نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا سو درے قرار دی گئی۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن نے باقی رکھی تھی اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی [3] بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے سو درے اور بیاہوں کے لیے رجم کا حکم ہے۔ [4] چنانچہ ۷ھ میں ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور گو لوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب پر اس نے ترجیح دی اور مجمع عام میں آ کر بارگاہ نبوت میں عرض پرداز ہوا کہ ''یارسول اللہ! میں گناہ گار ہوں، مجھے پاک کیجئے''۔ آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم دیا۔ [5]

شراب ۵ھ میں حرام ہوئی' آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شراب خوری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی' چالیس درے تک لوگوں کو اس جرم میں مارے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اسی درے کر دیئے تھے۔ [6] قذف یعنی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا ۵ھ میں نازل ہوئی۔ [7]

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ﴾ (نور)

---

[1] صحیح بخاری غزوہ الفتح۔

[2] ابوداؤد باب فی رجم الیہودیین۔

[3] صحیح بخاری رجم المحصن۔

[4] تمام کتب حدیث میں یہ مذکور ہے۔

[5] ۷ھ کی تحدید میں کہیں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے یہ سنہ اس قیاس سے شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوہریرہؓ مدینہ میں موجود تھے اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بہ زمانہ فتح خیبر مدینہ میں آئے تھے۔

[6] ابوداؤد باب اذا تتابع فی الخمر۔

[7] واقعہ افک اسی سال ہوا تھا اور یہ آیت اسی تعلق سے نازل ہوئی ہے اس لیے اس کے لیے ۵ھ کا زمانہ متعین کیا گیا۔

جولوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی درے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو

دنیا میں تین چیزیں ہیں، جان، مال اور آبرو، جن حدود و تعزیرات کا اوپر ذکر ہوا، وہ انہی تین چیزوں کے تحفظ کے لیے ہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ان قوانین کے نزول کے بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہ حرام کی تاریخوں میں فرمایا:

''مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابل حرمت ہے جس طرح اس محترم شہر میں اس احاطہ حرم کے اندر یہ مقدس دن قابل حرمت ہے''

حلال و حرام

ماکولات میں حلال و حرام:

عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی، مردار اور حشرات الارض تک کھاتے تھے البتہ بعض بعض جانور جن کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں، اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد و عورت دونوں کھا سکتے ہیں اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائیں، اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھیں سورہ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے، اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ میں اترے لیکن ماکولات کی حلت و حرمت کے احکام مکہ ہی میں اترنے شروع ہو چکے تھے، چنانچہ سورہ انعام میں مشرکین کی ان رسوم کی تردید کے بعد یہ حکم آیا:

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (انعام)

کہہ دے کہ مجھ پر جو وحی اتری ہے اس میں کسی کھانے والے پر کوئی شے حرام نہیں ہے ہاں اگر حرام ہے تو مردار یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ یہ چیزیں ناپاک ہیں یا وہ گناہ (کا جانور) جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے لیکن جو بھوک سے لاچار ہو کر نافرمانی اور گناہ کے ارادہ سے نہیں، ان میں سے کچھ کھا لے تو تیرا پروردگار معاف کرنے والا اور رحم والا ہے۔

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوا کہ جو آپ سے مر جائے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس کو خود اپنے ہاتھ سے ماریں اس کو حلال جانتے ہیں حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (انعام)

جو جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ، اگر تم اس کے احکام پر یقین رکھتے ہو۔ جو خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا وہ نہ کھاؤ، خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے اس کو تو وہ بیان ہی کر چکا۔

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی میں سورہ نحل کی آیت ﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ نازل ہوئی جس میں اسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا' اور یہی چار چیزیں مردار' خون' سور اور بتوں پر چڑھاوے حرام بیان کی گئیں- مدینہ طیبہ آ کر پہلے سورہ بقرہ میں ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کیے گئے- عرب میں حلال وحرام کی تمیز کم تھی' وحشت و جہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب عام غربت اور افلاس تھی' اس لیے مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی' لوگ عموماً مردار اسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مر جائے' اس لیے اگر اور کسی سبب سے جانور مر جاتا تو اس کو حرام نہ سمجھتے' ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورہ مائدہ میں مردار (میتة) کی تفصیل بیان کی گئی' یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو والمنخنقة یا گردن ٹوٹنے سے مرا ہو الموقوذة یا اوپر سے گر کے مرا ہو والمتردیۃ یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر گیا ہو' والنطیحة- یا کسی جانور نے اس کو پھاڑا ہو' وما اکل السبع 'صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا الا ما ذکیتم-

۷ھ میں جب مسلمانوں کو خیبر کی فتوحات اور جاگیریں ہاتھ آئیں تو جانوروں میں بھی حلال وحرام کی تفریق کی گئی' اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا' درندہ جانور اور پنجہ دار پرند حرام ہیں- ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا' اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے' یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے- اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہیں' انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا' اس پر یہ آیت اتری-

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا' کہہ دے کہ تمام ستھری چیزیں-

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے۔ [1]

شراب کی حرمت:

مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً تعدد ازدواج وغیرہ) نفس پرستی کے موید تھے اس لیے عرب کو اس کے قبول کرنے میں کوئی ایثار درکار نہ تھا' بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے' اس بحث کی تحقیق آگے آئے گی' یہاں صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے-

عرب کو شراب سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی' تمام ملک اس مرض میں مبتلا تھا' عرب کی شاعری کا موضوع اعظم شراب ہے' مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہیں' اس لیے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی-

مدینہ میں شراب خوری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا' بڑے بڑے شرفاء علانیہ شراب پیتے تھے عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے جنہوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتقاء سمجھتے تھے ابھی تک اسلام نے اس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا- لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے' حضرت عمرؓ نے کہا-

[1] حوالوں کے لیے ان آیتوں کے شان نزول تفسیروں میں دیکھو-

﴿اللّٰھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا﴾

اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیان کر دے۔

اس پر یہ آیت اتری۔

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا﴾ (بقرہ-۳۶)

لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لیکن فائدہ سے گناہ بڑھ کر ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی، کھانے کے بعد مغرب کا وقت آ گیا' اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے (حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی کہ خدایا شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے) اس پر یہ آیت اتری۔

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ﴾ (نساء)

نشہ کی حالت میں تم نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ جو تم کہو اس کو سمجھ بھی سکو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ "کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے" [۱] لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا' اس لیے نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی دعا کی۔ اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس میں مار پیٹ تک نوبت [۲] پہنچ گئی' اس پر یہ آیت اتری۔ [۳]

﴿یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ﴾ (مائدہ)

مسلمانو! بے شبہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو بولو! تم باز آتے ہو؟

(ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی' اسی وقت آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی گلی کوچوں میں منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے' لیکن بایں ہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی' ۸ھ میں یہ بھی حرام

۱۔ یہ پورا واقعہ ابوداؤد کتاب الاشربہ میں مذکور ہے۔

۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۸ ذکر سعد بن ابی وقاصؓ۔

۳۔ ابوداؤد میں پوری آیتیں نہیں مذکور ہیں بلکہ چند لفظ نقل کر کے پوری آیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

ہوگئی۔ آپ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے اس کا اسی وقت اعلان کیا[1] اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے علی الاعلان ان چیزوں کی تجارت کی ممانعت فرمائی جن کا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے، آپ نے فرمایا۔

﴿ ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام [2] ﴾

خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی۔

غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلان عام کے ساتھ عمل میں آئی، بایں ہمہ ابھی تک یہ نہیں متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے۔ محدثین اور ارباب روایت اس امر میں نہایت مختلف آراء ہیں [3]

حافظ ابن حجر فتح الباری، کتاب التفسیر سورہ مائدہ باب لیس علی الذین امنوا میں لکھتے ہیں۔

﴿ والذی یظھر ان تحریمھا کان عام الفتح سنۃ ثمان کماروی احمد من طریق عبدالرحمن بن وعلۃ قال سالت ابن عباس عن بیع الخمر فقال کان لرسول اللہ ﷺ صدیق من ثقیف اودوس فلقیہ یوم الفتح براویۃ خمر یھدیھا الیہ فقال یا فلان اما علمت ان اللہ حرمھا ﴾ (الخ)

اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح مکہ کے زمانہ ۸ھ میں ہوئی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد نے عبدالرحمٰن بن وعلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے ایک دوست تھے جو ثقیف یا دوس کے قبیلہ سے تھے وہ آنحضرت ﷺ سے فتح مکہ میں ملے اور ایک مشک شراب تحفہ پیش کی آپ نے فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے۔

ہماری رائے میں حافظ ابن حجر کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہیں، اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہیں معلوم ہوا تھا۔ [4] یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی، بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد ہوئی۔

علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی یہ کسی

---

[1] صحیح بخاری (تفسیر آیت الربٰو) وصحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اواخر سورہ بقرہ کے نزول کے بعد جس میں حرمت الربٰو کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا، یہ آیتیں ۸ھ میں نازل ہوئی ہیں'' س''

[2] صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والاصنام۔

[3] سیرت النبی ﷺ جلد اول میں حرمت شراب کی دو تاریخیں دو مختلف مقامات پر لکھی گئی ہیں، صفحہ ۲۸۸ میں ۴ھ اور صفحہ ۳۹۷ میں ۸ھ لکھا گیا ہے، پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے دوسرا علامہ ابن حجر کی تحقیق ہے لیکن مصنفین سیرت النبی ﷺ کی اصلی تحقیق یہاں مذکور ہوتی ہے اور وہ اس باب میں عام محدثین کے ساتھ ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا'' س''

[4] مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے، ثقیف کا قبیلہ ۸ھ میں مسلمان ہوا اور دوس گو بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے، اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جس کی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہیں کی ہے وہ یہ ہے جیسا کہ ہم متن میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ شراب کا پینا گو ۴ھ میں حرام ہو چکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہیں ہوئی تھی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸ھ تک حلال رہتی اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی' حقیقت میں شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہو چکی تھی۔ [1]

سودخواری کی حرمت:

سودخواری [2] بھی ان اخلاق ذمیمہ میں سے ہے جو اہل عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے تھے اسی لیے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اترے۔ قریش عموماً تجارت پیشہ تھے، ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے وہ غریبوں اور کاشتکاروں کو بھی شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا اصل سرمایہ کو

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے' شراب کی خرید و فروخت ممانعت ربا کی حرمت کے ساتھ عمل میں آئی ہے اور ربا کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے یعنی ۸ھ میں' شراب فروشی کی ممانعت مدینہ میں اسی وقت کردی گئی لیکن اس کا عام اعلان آپ نے فتح مکہ کے زمانہ میں فرمایا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت ربا و باب بیع المیتۃ والاصنام اور صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر) حافظ ابن حجر جو اس بات کے قائل ہیں کہ شراب کی حرمت ۸ھ میں نازل ہوئی وہ خود جلد اول صفحہ ۱۴۱ میں قاضی عیاض کے جواب میں لکھتے ہیں قلت و یحتمل ان یکون تحریم التجارہ فیھا تاخر عن وقت تحریمھا واللہ اعلم یعنی ممکن ہے کہ شراب پینے کی حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو۔ صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے (باب تحریم بیع الخمر) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے اور اس کی خرید و فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی لیکن اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور جابر بن عبداللہؓ سے جو روایتیں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں ابوسعید خدری یا ان کے بعد کے راویوں سے کسی قدر تسامح ہوا ہے وھذا ھو الحق علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے امام احمد کی جس حدیث سے فتح مکہ میں شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحریم بیع الخمر) میں بھی ہے لیکن اس میں فتح مکہ کی تعیین نہیں)

[1] سب سے بڑی دلیل اس کی یہ ہے کہ "جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ احد میں شریک ہوئے اور اسی حالت میں مارے گئے ان کا کیا حال ہوگا' اس پر یہ آیت لیس علی الذین امنوا نازل ہوئی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے بالکل متصل تھا اور جنگ احد کا زمانہ یہی ہے' بخاری تفسیر آیت مذکور میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔

صبح اناس غداۃ احد الخمر فقتلوا من یومھم جمیعا شھداء و ذالک قبل تحریمھا۔

غزوہ احد کی صبح کو کچھ لوگوں نے شراب پی اور یہ سب اسی دن شہید ہوئے یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا۔

اس روایت کے ساتھ حضرت انسؓ کی اس روایت کو ملاؤ جو اس کے بعد ہی واقع ہے۔

فقال بعض القوم قتل قوم وھی فی بطنھم قال فانزل اللہ ولیس علی الذین امنوا الخ

حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں مارے گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی اس پر یہ آیت اتری کہ مومنوں پر کچھ حرج نہیں "س"

[2] اضافہ تا ختم سود۔

ہر سال بڑھاتے جاتے [۱] خود آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے [۲] آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجروں کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا' سب سے پہلے آپ نے چاندی اور سونے کے ادھار خرید و فروخت کو سود قرار دیا [۳] پھر دوگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اتری۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (آل عمران)

مسلمانو! دگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو اور خدا سے ڈرا کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کر مبادلہ منع فرمایا [۴] ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے [۵] سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ میں نازل ہوئے۔ آل عمران کے بعد سورہ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت اتری۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَاسَلَفَ ﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھو کر مخبوط بنا دیتا ہے اس لیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے، خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا' پس جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا چاہیے جو پہلے دیا۔

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے' جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے؟ اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گا یہاں صرف سود کی تاریخ حرمت سے بحث ہے' بہرحال اس آیت میں بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِىَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ (بقرہ)

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم سچے مومن ہو' اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ' اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

---

۱ موطا امام مالک باب الربوا۔

۲ ابن جریر تفسیر آیت رباء۔

۳ صحیح مسلم باب الصرف۔

۴ صحاح کتاب البیوع۔

۵ صحیح مسلم باب بیع القلادۃ فیہا خرز۔

یہ آیت جب اتری تو آپ ﷺ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا [۱] ۹ھ میں اہل نجران سے جو معاہدات صلح ہوئے ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ سود نہ لیں گے [۲] ذی الحجہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب میں جس قدر سودی معاملات تھے آپ ﷺ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلہ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔ [۳]

❀❀❀

---

۱ صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر

۲ ابوداؤد باب اخذ الجزیہ

۳ صحیح بخاری تفسیر آیت و اتقو ایوماً (بقرہ)

سال اخیر‘ حجۃ الوداع‘ اختتام فرض نبوت

ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق فروری ۶۳۲ء

﴿ اِذَا جَـآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُo وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا o فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴾ (نصر)

جب خدا کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں‘ تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا ہے

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیے تھی‘ تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اسی بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے اس آیت کے معنی پوچھے‘ لوگوں نے مختلف معنی بتائے‘ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا‘ وہ کمسن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے‘ حضرت عمرؓ نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے کہا کہ ”یہ آیت آنحضرت ﷺ کے قرب وفات کا اعلان ہے“[1] کہ استغفار موت کے لیے مخصوص ہے“۔

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا[2] کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لیے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت[3] کے زمانہ سے اب تک فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سد راہ رہے‘ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا‘ لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔

بہر حال[4] ذی قعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت ﷺ حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ اذا جاء

[2] واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ سورہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے دو برس پہلے اتری لیکن ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ۱۰ھ میں اور عین ایام تشریق میں اتری (یہ دوسری روایت اصل میں بیہقی کی ہے ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اس لئے واحدی کی روایت صحیح ہے۔ سیوطی نے بھی اسباب النزول میں مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہے کہ یہ سورہ فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی‘ تصریحات ائمہ اور اشارات حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کے طرز بیان نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہے۔ یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو پونے دو برس پہلے، جن روایتوں میں وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے وہ روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ضعیف ہیں)”س“

[3] سنن ابن ماجہ میں ہے (باب حجۃ النبی ﷺ) کہ ہجرت سے پہلے آپ ﷺ نے دو حج فرمائے بعض حدیثوں میں جو یہ ہے کہ آپ نے ایک ہی حج کیا تھا (ترمذی باب کم حج النبی ﷺ اور ابوداؤد وقت الاحرام) اس سے مقصود بعد ہجرت ہے۔”س“

[4] ابوداؤد اور صحیح مسلم میں حجۃ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقر نے حضرت جابرؓ سے جب وہ نابینا ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ کے حج کا حال پوچھا‘ حضرت جابرؓ نے آل رسول کی محبت سے امام باقر کے گریبان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

دفعتاً پھیل گئی اور شرف ہمرکابی کے لیے تمام عرب اُمنڈ آیا (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ ﷺ نے غسل فرمایا[۱] اور چادر اور تہمد باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے، یہاں پہنچ کر شب بھر اقامت فرمائی اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپ کے جسم مبارک میں عطر ملا[۲] اس کے بعد آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔

﴿لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك﴾

اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے، اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا (کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے)۔ آنحضرت ﷺ جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں، آنحضرت ﷺ ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ سرف پہنچ کر غسل فرمایا، دوسرے دن (اتوار کے روز ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت) مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپ ﷺ نے فرط محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا[۳] کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے" پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی۔

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ (بقرہ)

اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔

صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

کے تکمے کھولے اور ان کے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا بھتیجے! پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ پھر نہایت تفصیل سے حج نبوی کے تمام حالات بیان کئے (اوقات کی تعیین بھی بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ، انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں ہے اور امام نسائی نے کتاب المناسک میں آنحضرت ﷺ کے اوقات و تاریخ کے لیے خاص باب باندھا ہے۔ باب الوقت الذی خرج فیه النبی ﷺ۔" س"

[۱] صحیح بخاری و مسلم۔

[۲] غسل کا ذکر طبقات ابن سعد ذکر حجۃ الوداع میں ہے (ص ۱۲۴) (کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے)

[۳] (نسائی باب استقبال الحج)

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾

صفااور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔

(یہاں سے) کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے۔

﴿ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شئی قدیر لا الہ الا اللّٰہ وحدہ انجز وعدہ نصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ ﴾ (ابوداؤد)

خدا کے سوا کوئی خدا نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' اس کے لیے سلطنت اور ملک اور حمد ہے' وہ مارتا اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے' کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی

صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لائے یہاں بھی دعاو تہلیل کی۔ اہل عرب ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے' صفاو مروہ کے طواف وسعی سے فارغ ہو کر آپ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے' عمرہ تمام کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا' بعض صحابہ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری میں معذرت کی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔'' حضرت علیؓ کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے' اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لیے انہوں نے احرام نہیں اتارا' جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا' دوسرے دن نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا' ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کیے تو ان کی شان یکتائی میں فرق آ جائے گا لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی' اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اس لیے (خدا نے حکم دیا) ﴿ثم افیضوا من حیث افاض الناس﴾ آپ ﷺ (بھی عام مسلمانوں کے ساتھ) عرفات میں آئے [1] اور یہ اعلان کرا دیا۔ [2]

﴿ قفوا علی مشاعر کم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم ﴾

اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت ہو۔

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے اور انہیں نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیے متعین کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے وہاں آپ ﷺ نے ایک) کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا' دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواء تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔

(آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا' اور جاہلیت کی تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا' اس

---

[1] صحیح بخاری باب الوقوف بعرفہ۔

[2] ابوداؤد موضع الوقوف بعرفہ۔

لیے آپ نے فرمایا)

﴿الا کل شئی من امر الجاھلیة تحت قدمی موضوع﴾ (صحیح مسلم وابوداؤد) [1]

ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا جو دنیا کی تمام قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا' سلاطین سایۂ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی' آئمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا' شرفاء رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی' غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام فرقے' یہ تمام امتیازات' یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔

﴿ایھا الناس! الاان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی﴾ [2] (مسند احمد)

لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر' عجمی کو عربی پر' سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں' مگر تقویٰ کے سبب سے۔

﴿ان کل مسلم اخو المسلم و ان المسلمین اخوة﴾ (مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۹۳ وطبری وابن اسحاق)

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان باہم بھائی ہیں۔

---

[1] یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی جملے آنحضرت ﷺ کے خطبہ کے ٹکڑے ہیں (یہ جملے کسی حدیث میں یکجا بیان نہیں ہوئے ہیں اس لیے ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کرنا پڑا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم (باب حجة النبی ﷺ وباب الدیات) اور ابوداؤد (باب الاشہر الحرم و حجة النبی ﷺ) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوامامہؓ باہلی' حضرت جابرؓ، حضرت ابوبکرہؓ وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے مذکور ہے ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں مثلاً ان دماء کم واموالکم حرام علیکم کحرمة الخ اور بعض باتیں الگ ہیں' مغازی وسیر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں' اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا' ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اسی کی اس نے روایت کر دی' اس بنا پر مختلف ماخذوں سے ان ٹکڑوں کو جمع کر لیا گیا ہے اور اس کے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں' خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دیئے ہیں' روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے' حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابوبکرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں' بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے ابن ماجہ' ترمذی اور مسند احمد میں خطبہ حجة الوداع کے چند فقرے منقول ہیں جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا بہرحال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو ۱۰ ذی الحجہ کو' اور تیسرا خطبہ ایام التشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو' ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں' یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لیے آپ نے اپنی تقریر کے بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے)''س''

[2] امام احمد نے مسند میں ابونضرہ تابعی کے واسطہ سے اور تابعی مذکور نے ایک صحابی سے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو حجة الوداع کا خطبہ دیتے سنا تھا یہ فقرہ نقل کیا ہے' (بحوالہ منتقی الاخبار ابن تیمیہ مع نیل الاوطار)

﴿ ارقاء کم ارقاء کم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مماتلبسون ﴾(ابن سعد بسند)

تمہارے غلام! تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا' یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم' عرب کا سب سے مقدم فخر' خاندان کا پر فخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے)

﴿ ودماء الجاھلیة موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعة [1] بن الحارث ﴾
(صحیح مسلم وابوداؤد' بروایت جابر)

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کر دیتا ہوں۔

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا' اور ہمیشہ کیلئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے' آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے' اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

﴿ وربا الجاھلیة موضوع واوّل رباا ضع ربانا من ربا عباس بن عبدالمطلب ﴾(صحیح مسلم وابوداؤد)

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود' عباس [2] بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں' جو قمار بازیوں میں داؤں پر چڑھا دی جا سکتی تھیں' آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم' یہ صنف لطیف' یہ جوہر نازک' قدر دانی کا تاج پہنتا ہے۔

﴿ فاتقوا اللّٰه فی النساء ﴾ (صحیح مسلم وابوداؤد) [3]

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔

﴿ ان لکم علی نسائکم حقاولھن علیکم حقا ﴾ (طبری وابن ہشام وغیرہ)

تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا' اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا (آج

---

[1] ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کے طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا (ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور بعض روایتوں میں خود ان کے قتل کا ذکر ہے لیکن یہ صحیح نہیں' ربیعہ خلافت فاروقی تک زندہ رہے اور ۲۳ھ میں وفات پائی' صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا وہ قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا' دیکھو ابوداؤد و صحیح مسلم باب حجۃ النبی ﷺ اور زرقانی جلد ۸ صفحہ ۲۰۱)''س''

[2] (آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے' بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا' دیکھو تفسیر آیات رباء)''س''

[3] (اس کے بعد آپ نے زن و شوہر کے فرائض کی تفصیل فرمائی)

امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے)۔

﴿ ان دمائکم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا الی یوم تلقون ربکم [1] ﴾

تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی' ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں' بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی' ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔

﴿ وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به کتاب الله ﴾ (صحاح)

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے' وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ!

اس کے بعد آپ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا۔ [2]

﴿ ان الله عزوجل قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث ﴾

خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا، اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

﴿ الولد للفراش وللعاهر الحجر و حسابهم علی الله ﴾

لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا' زنا کار کے لیے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

﴿ من ادعی الی غیر ابیه وانتمی الی غیر موالیه فعلیه لعنة الله ﴾

جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

﴿ الا لا یحل لا مرأة ان تعطی من مال زوجها شیئا الا باذنه الدین مقضی والعاریة موداة والمنحة مردودة و الزعیم غارم ﴾

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں' قرض ادا کیا جائے' عاریت واپس کی جائے عطیہ لوٹایا جائے ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا۔

﴿ انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون ﴾ (صحیح مسلم وابوداؤد)

تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟

صحابہؓ نے عرض کی ''ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا' اور اپنا فرض ادا کر دیا''۔ آپ نے آسمان کی

---

[1] (صحیح بخاری و مسلم وابوداؤد وغیرہ) ''س''

[2] (سنن ابن ماجہ باب الوصایا و مسند ابوداؤد طیالسی بروایت ابی امامۃ الباہلی' ابوداؤد کتاب الوصایا میں مختصراً ہے' ابن سعد اور ابن اسحاق نے بھی اس کی بسند روایت کی ہے کہ یہ عرفہ کے خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا)

طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا۔

﴿اللھم اشھد﴾ (صحیح مسلم وابوداؤد)

اے خدا تو گواہ رہنا!

عین اس وقت جب آپ ﷺ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے یہ آیت اتری۔ [1]

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا' اس کے تخت شہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ [2]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا' اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی' پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف رہے' جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ ﷺ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی، حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا' آپ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے' یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آ کر لگتی تھی' لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا' لوگوں کو دست راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپ ﷺ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ''آہستہ آہستہ'' اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے۔

﴿السکینة یا ایھا الناس السکینة یا ایھا الناس﴾ [3]

لوگو! سکون کے ساتھ' لوگو! سکون کے ساتھ۔

اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی' اسامہؓ نے کہا یا رسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے' فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے' یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی' اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریوں کو بٹھایا' ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی عشاء کی تکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لیے بیدار نہ ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپ ﷺ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی' صبح سویرے اٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ کفار قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی' اس وقت باآواز بلند کہتے تھے ''کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا'' آنحضرت ﷺ نے اس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ فرمایا [4] یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ

---

[1] صحیح بخاری وصحیح مسلم وابوداؤد وغیرہ' ابن سعد میں تصریح خاص ہے۔

[2] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲۷ (کتاب الشمائل للترمذی وابن ماجہ)

[3] صحیح بخاری ومسلم وابوداؤد۔

[4] صحیح بخاری وابوداؤد

اور سنیچر کا دن تھا۔

فضلؓ بن عباس آپ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے۔ اہل حاجت داہنے بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آ رہے تھے' آپ ﷺ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے[1] وادی محسر کے راستہ سے آپ جمرہ کے پاس آئے۔ ابن عباسؓ سے جو اس وقت کمسن تھے، فرمایا مجھے کنکریاں چن کر دو۔ آپ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔[2]

﴿ ایاکم و الغلو فی الدین فانما اھلك قبلکم الغلو فی الدین ﴾ (ابن ماجہ ونسائی)

مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔

اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے۔

لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ (مسلم وابوداؤد)

حج کے مسائل سیکھ لو' میں نہیں جانتا' شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے اور داہنے بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے داہنے' انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ ناقہ پر سوار تھے' حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی' حضرت اسامہؓ بن زید پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آپ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوان قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبان حق محمد رسول اللہ ﷺ کے کام و دہن میں زمزمہ پرداز ہوئی۔

اب ایک نئی شریعت ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا:

﴿ ان الزمان قد استدار کھیئة یوم خلق اللّٰہ السموات و الارض ﴾ (بروایت ابوبکر)

ابتدا میں خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا' زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر آ گیا۔

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا' اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی۔[3] اس لیے عربوں کے خون آشام جذبات حیلہ جنگ کے لیے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے

[1] ابوداؤد۔ [2] نسائی۔

[3] حج کے ان مہینوں کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب میں نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں سب برابر ان کی عزت کرتے تھے' ان مہینوں میں جنگ وجدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے' قدیم اشعار عرب میں اس کا بیان نہایت کثرت سے ہے' رومیوں کی تاریخ میں بھی عربوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ ۵۴۱ء میں رومیوں کو شام اور فلسطین میں کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی اور ساتھ ہی عربوں کے حملہ کا خوف لگا تھا' سپہ سالار روم جو عربوں کے اندرونی حالات سے واقف تھا' اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں عربوں سے کوئی خوف نہیں کیونکہ عنقریب وہ دو مہینے آ رہے ہیں جن میں اہل عرب عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لگاتے نتائج الافہام محمود پاشا فلکی صفحہ ۳۵ بحوالہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جنرل اپریل ۱۸۴۳ء ''س''

تھے- آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے اشہر حرم کی تعیین کردی جائے' آپ نے فرمایا۔

﴿ السنة اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم ثلاثة متواليات ذو القعدة و ذو الحجة و محرم و رجب شهر مضر الذی بين جمادی و شعبان ﴾ (بروایت ابوبکرہ)

سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں' تین تو متواتر مہینے ہیں' ذوقعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں' جان' مال اور آبرو۔ آنحضرت ﷺ کل کے خطبہ میں گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی' آج آپ نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔ لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا ''کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے دیر تک چپ رہے لوگ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے' دیر تک سکوت کے بعد فرمایا ''کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟'' لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے پھر ارشاد ہوا ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا' آپ ﷺ نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا ''کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟'' لوگوں نے کہا ''ہاں بے شک ہے''۔ پھر پوچھا ''یہ کون سا شہر ہے؟'' لوگوں نے بدستور جواب دیا' آپ ﷺ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا ''کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟'' لوگوں نے عرض کی ''ہاں بے شک ہے'' جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی' مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس دن میں' اس مقام میں جنگ اور خونریزی جائز نہیں' تب فرمایا۔

﴿ فان دمائكم و اموالكم و اعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فی شهركم هذا فی بلدكم هذا ﴾ (بروایت ابوبکرہ)

تو تمہارا خون' تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ وجدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اس نے اپنے پیرووں سے باآواز بلند کہا۔

﴿ الا لا ترجعوا بعدی ضلالا يضرب بعضكم رقاب بعض و ستلقون ربكم فليسئلكم عن اعمالكم ﴾ (بروایت ابوبکرہ)

ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا' اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا' باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی' اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا

پڑتا تھا' یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا میں حکمران تھا' اگرچہ قرآن مجید نے لا تزر وازرۃ وزر اخری کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی تھی لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا' اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا' آپ نے فرمایا۔

﴿ الا لا یجنی جان الا علی نفسه الا لا یجنی جان علی ولده ولا مولود علی والده ﴾ (ابن ماجہ وترمذی)

ہاں! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے' ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا' اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا' ارشاد ہوا۔

﴿ ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب الله فاسمعوا له واطیعوا ﴾ (صحیح مسلم)

اگر کوئی حبشی بنی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لیے ملت ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا' اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہو چکیں تھیں' اس بنا پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلدکم هذا ابدا ولکن ستکون له طاعة فیما تحقرون من اعمالکم فیرضی به ﴾ (ابن ماجہ وترمذی)

ہاں' شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی' لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

سب سے آخر میں آپ ﷺ نے اسلام کے فرائض اولین یاد دلائے۔

﴿ اعبدوا ربکم فصلوا خمسکم و صوموا شهرکم واطیعوا اذا آمرکم تدخلوا جنة ربکم ﴾ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۱ ومستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۹' ۳۹۸' ۴۷۳)

اپنے پروردگار کو پوجو' پانچوں وقت کی نماز پڑھو' مہینہ کے روزے رکھا کرو' اور میرے احکام کی اطاعت کرو' خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔

﴿ الا هل بلغت ﴾

کیوں میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟

سب بول اٹھے ہاں' فرمایا:

﴿ اللهم اشهد ﴾

اے خدا تو گواہ رہنا۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿فلیبلغ الشاهد الغائب﴾

جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔

(خطبہ [1] کے اختتام پر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع [2] کہا)

اس کے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے' اور فرمایا کہ ''قربانی کے لیے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے''۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے' کچھ تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں' اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو' سب خیرات کر دیا جائے' یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے' الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے معمرؓ بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابوطلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی ام سلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس [3] بیٹھے تھے' عنایت فرمائے اور باقی ابوطلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے' خانہ کعبہ کا طواف کیا اس سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب سے متعلق تھی' چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے' آپ نے فرمایا ''یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا''۔

حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا' آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔ [4]

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک آپ ﷺ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی' ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ ابوداؤد (باب الخطبۃ منیٰ) میں ایک حدیث ہے جس سے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا۔ صحیح مسلم (حج) میں روایت ہے کہ قال قولاً کثیراً' آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں۔ صحیح بخاری (حجۃ الوداع) میں ہے کہ آپ نے اس میں دجال کا بھی ذکر فرمایا تھا لیکن یہ تعیین نہیں کہ کس دن کے خطبہ میں یہ فرمایا۔

[2] صحیح بخاری باب الخطبۃ ایام منیٰ۔

[3] صحیح مسلم و ابوداؤد

[4] حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن بھی منیٰ میں پڑھی لیکن حضرت جابرؓ کی جو طویل حدیث قصہ حجۃ الوداع میں ہے اس میں تعیین ہے کہ آپ نے مکہ میں نماز ظہر پڑھی' حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اس بنا پر محدثین میں ان دونوں قولوں کی باہمی ترجیح اور وجوہ ترجیح میں اختلاف ہے' علامہ ابن حزم نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں پہلے قول کو مرجح ثابت کیا ہے' فریقین کے موازنہ دلائل کے بعد ہم نے ابن قیم کا فیصلہ قبول کیا ہے ''س''

معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ ذی الحجہ کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا' جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبوں میں گزر چکے ہیں۔ ۱۳ ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب [1] میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا' پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی' اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا' اور آپ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی' راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے' یہاں ایک تالاب ہے عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے' آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔

﴿ اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر یوشك ان یاتی رسول ربی فاجیب و انا تارك فیکم الثقلین اولھما کتاب اللّٰہ فیہ الھدی و النور فخذوا کتاب اللّٰہ و استمسکوا بہ و اھل بیتی اذ کرکم اللّٰہ فی اھل بیتی ﴾

حمد و ثنا کے بعد' اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں' ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے' خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا' یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علیؓ) کی روایت ہے۔ نسائی، مسند امام احمد' ترمذی' طبرانی' طبری' حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔

﴿ من کنت مولاہ فعلی مولاہ' اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ ﴾

جس کو میں محبوب ہوں علیؓ بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے' الٰہی جو علیؓ سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ' اور جو علیؓ سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے تھے' جہاں سے واپس آ کر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا' ان میں سے ایک صاحب نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی' آپ ﷺ نے فرمایا ''علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا'' [2] عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی' صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا' اور دوسری طرف کوکبہ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا' سواد مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے۔

﴿ اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد و ھو علی کل شیئ قدیر' ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون' صدق اللّٰہ وعدہ و نصر عبدہ و ھزم

[1] اسی کا دوسرا نام ابطح اور خیف بن کنانہ ہے۔
[2] صحیح بخاری بعث علی الی الیمن و ترمذی مناقب حضرت علیؓ۔

الاحزاب وحدہ[1]

خدا بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لیے مدح اور ستایش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرمانبردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ کر، اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مصروف ہو کر، خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی نصرت کی، اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔

[1] حجۃ الوداع کے واقعات تمام تر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی سے لیے گئے ہیں، ہر واقعہ کے لیے ان کتابوں میں کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو۔

وفات ربیع الاوّل ۱۱ھ مطابق مئی ۶۳۲ء

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ (زمر)

روح قدسی کو عالم جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیہ نفوس کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ حجۃ الوداع میں یہ فرض اہم ادا ہو چکا' توحید کامل اور مکارمِ اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ ﴾

آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔

سورہ نصر کا نزول خاص خاص صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ کے قرب وفات کی اطلاع دے چکا تھا'[1] اور آپ ﷺ حکم ربانی ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ﴾ (نصر) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح وتہلیل میں بسر فرماتے تھے'[2] آپ عموماً ہر سال رمضان مبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ ﷺ پورا قرآن ناموس اکبر کی زبانی سنتے تھے لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا[3] حجۃ الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ ''مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں'' بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں ''شاید میں اس کے بعد حج نہ کر سکوں''۔[4] غدیر خم کے خطبہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے۔

غزوہ اُحد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ شہدائے احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی' تمام غزوات میں صرف غزوہ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بے کسی کے ساتھ جان دی' اس لیے ان کی یاد آپ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا' اور ان کو حسرت کے ساتھ الوداع کیا۔ شہدائے اُحد جو بَلْ (هُمْ) اَحْيَآءٌ کے مژدہ جاں فزا سے فیض یاب تھے' آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا' چنانچہ اسی زمانہ میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو الوداع کیا کہ جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے۔[5] اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا ''میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں' اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک'

---

[1] صحیح بخاری تفسیر اذا جاء۔
[2] اس قسم کی روایتیں گو طبری' ابن خزیمہ اور ابن مردویہ میں ہیں لیکن مختصراً صحیح بخاری تفسیر اذا جاء میں بھی مذکور ہیں۔
[3] صحیح بخاری باب الاعتکاف و باب تالیف القرآن۔ ''س''
[4] صحیح مسلم وابوداؤد ونسائی کتاب الحج۔
[5] صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم باب اثبات الحوض

مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت و خون نہ کرو، تو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں"۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

غزوات میں گزر چکا ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کر ڈالا تھا، آنحضرت ﷺ ان سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے، آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپ ﷺ نے اسامہؓ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔[۱] (۱۸ یا ۱۹) صفر ۱۱ھ [۲] میں آدھی رات کو آپ ﷺ جنت

---

[۱] واقدی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی جانے کا حکم دیا تھا لیکن یہ روایتیں بے سند ہیں اس لیے علامہ ابن تیمیہ نے اس سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے، حضرت عمرؓ کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا لیکن حضرت ابوبکرؓ کو آپ نے ایام علالت میں امام نماز مقرر فرمایا اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے ابوبکرؓ کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپ نے ان کو مستثنیٰ کر لیا۔

[۲] (آنحضرت ﷺ کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ امر مختلف فیہ سے پہلے ان امور کو بتا دینا چاہیے جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر گویا محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے اور وہ یہ ہیں (۱) سال وفات ۱۱ھ ہے (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی (۴) دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار رہے اس بنا پر اگر یہ تحقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپ نے کس تاریخ کو وفات فرمائی تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے گھر بروایت صحیح ۸ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے دوشنبہ تک) بیمار رہے اور یہیں وفات فرمائی اس لیے ایام علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے عام روایات کے رو سے پانچ دن اور چاہئیں اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے ۱۳ دن مدت علالت صحیح ہے۔ علالت کے ۵ دن آپ نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے۔ اس حساب سے علالت کا آغاز چہارشنبہ سے ہوتا ہے

تاریخ وفات کی تعیین میں راویوں کا اختلاف ہے، کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی مجھ کو کوئی روایت احادیث میں نہیں مل سکی، ارباب سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں، یکم ربیع الاول، دوئم ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول۔ ان تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کے لیے اصول روایت و درایت دونوں سے کام لینا ہے اور روایتاً دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کے واسطہ سے مروی ہے (۔ طبری صفحہ ۱۵-۱۸) اس روایت کو گو اکثر قدیم مورخوں (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں مشہور دروغ گو اور غیر معتبر ہیں، یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد و طبری نے نقل کی ہے (جزء وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہے البتہ بیہقی نے دلائل میں بسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے (نور النبراس ابن سید الناس وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (فتح الباری وفات) امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے روایتاً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں، روز وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا (صحاح قصہ حجۃ الوداع صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا' یہ حضرت میمونہ[1] کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ تھا' پانچ دن تک آپ ﷺ اس حالت میں بھی از راہ عدل وکرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے' دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں۔ خلق عمیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہیں طلب کی' بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کا تھا ازواج مطہرات نے مرضی اقدس

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

ذی الحجہ تک حساب لگاؤ' ذی الحجہ' محرم' صفر' ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹-۲۹ خواہ ۳۰-۳۰-۳۰۔ خواہ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا۔ اس لئے درایتاً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے دوم ربیع الاول کے حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑ سکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں۔ جب دو پہلی صورتیں صحیح نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیا جائے' اس حالت میں یکم ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ اگر ۹ ذی الحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول میں اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہوسکتا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ' محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں۔	۶	۱۳	
۲	ذی الحجہ' محرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں۔	۲	۹	۱۶
۳	ذی الحجہ ۲۹' محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو۔	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ ۳۰' محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۱	۸	۱۵
۵	ذی الحجہ ۲۹' محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۱	۸	۱۵
۶	ذی الحجہ ۳۰' محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو۔	۷	۱۴	
۷	ذی الحجہ ۳۰' محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۷	۱۴	
۸	ذی الحجہ ۲۹ اور محرم وصفر ۳۰ کے ہوں۔	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶-۷-۸-۱۳-۹-۱۴-۱۵ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں' رہ گئیں یکم اور دوم تاریخیں تو دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے جو خلاف اصول ہے یکم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہوسکتی ہے اور تینوں کثیر الوقوع ہیں اور روایت ثقات ان کی تائید میں ہیں اس لئے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہے اس روایت میں فقط رویت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینوں کی بنیاد ہے اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہوسکتے ہوں۔ کتب تفسیر میں تحت آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم'' حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری) سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہیں (دیکھو ابن جریر و ابن کثیر و بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ سے لے کر یکم ربیع الاول تک دو ۲۹ اور ایک مہینہ ۳۰ لے کر جو ہماری مفروضہ صورت ہے پورے ۸۱ دن ہوتے ہیں۔ ابونعیم نے بھی دلائل میں بسند یکم ربیع الاول تک تاریخ وفات نقل کی ہے صفحہ ۱۴۶)'' ''س''

[1] ابن سعد و عبدالرزاق بسند صحیح و صحیح مسلم باب الامامہ

سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں [۱] ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا' حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے۔

(آمدورفت کی قوت جب تک رہی آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے' سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ مغرب [۲] کی نماز تھی' سر میں درد تھا' اس لیے سر میں رومال باندھ کر آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ والمرسلات عرفاقرأت فرمائی) عشاء [۳] کی نماز کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضور کا انتظار ہے' لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا' پھر اٹھنا چاہا تو غش آ گیا' افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا آپ ﷺ نے پھر غسل فرمایا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا' افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا' تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں (حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ! ابوبکر نہایت رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا' آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں) چنانچہ کئی دن [۴] تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

---

[۱] صحیح بخاری (ذکر وفات) ابن سعد نے بروایات صحیحہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ زہرا نے اجازت طلب کی تھی۔

[۲] یہ حدیث بخاری و مسلم' ابوداؤد' ترمذی اور نسائی باب القرأۃ میں مذکور ہے' آئندہ حضرت عائشہؓ کی روایت آئے گی' جس میں مذکور ہو گا کہ آخری نماز مسجد میں ظہر کی آپ ﷺ نے پڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ مغرب کا واقعہ اندرون حجرۂ نبوی کا واقعہ ہے جیسا کہ نسائی میں ہے (جلد۲ص۱۴۵) لیکن آگے چل کر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی جس میں مذکور ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے باہر نکل کر نماز پڑھائی'' اس کی تاویل ان کو یہ کرنی پڑی کہ ''اس سے مقصود ہے کہ خوابگاہ سے باہر آ کر'' (جلد۴صفحہ۲۰۴) لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں کہ اولاً حجرۂ نبوی میں اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہو سکے دوسرے یہ کہ خوابگاہ کے علاوہ حجرۂ نبوی میں اور جگہ کہاں تھی علاوہ ازیں احادیث میں صلی بنا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے امام بن کر نماز پڑھائی' گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہیں آتا۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ نماز مسجد نبوی میں پڑھی گئی جیسا کہ عام روایات کا اشارہ ہے۔ آخری نماز مغرب تھی یا ظہر' اس کی تطبیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کی نماز مذکورہ پر ہوا جیسا کہ آگے عشاء کی نماز کے ذکر میں آئے گا۔ ظہر کی نماز جو آنحضرت ﷺ نے مسجد میں آ کر ادا فرمائی وہ اتفاقی تھی اصل میں امام پہلے سے حضرت ابوبکرؓ تھے' آنحضرت ﷺ آ کر بعد کو شریک ہو گئے تھے' یہ نماز مسجد میں آپ کی آخری نماز تھی۔ بعض صحابہؓ سے یہ مذکور ہے کہ آخری نماز صبح تھی' یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہے یعنی ان کو آخری بار یہی موقع ملا) س

[۳] صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہؓ یہ تخصیص ہے (دیکھو کتاب الصلوٰۃ اور وفات)

[۴] بخاری باب الامامہ (جلد اول ص۹۴) میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرت ﷺ نے نماز نہیں پڑھائی اور حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی قائم مقامی کی' اس قائم مقامی کا آغاز شب جمعہ کی نماز عشاء سے ہے (بخاری و مسلم کتاب الصلوٰۃ) اور اختتام دوشنبہ کی صبح کی نماز پر ہوا (بخاری باب من رجع القهقرى فى الصلوۃ ص۶۰) کل یہ ۳ دن میں ۱۷ وقت کی نمازیں ہوئیں ابن سعد نے واقدی سے بعینہٖ یہی روایتیں کی ہیں' ایک میں ہے کہ ۳ دن امامت کی۔ دوسری میں ہے کہ ۱۷ وقت کی'' س''

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ[1] میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے' بعض صحابہؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن مجید موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے" اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا' بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے' بعض کچھ اور کہتے تھے' اختلاف اور شور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا "اھجر استفھموہ" "خود آپ سے دریافت کر لو' لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا" مجھے چھوڑ دو میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو"

(اس کے بعد آپ ﷺ نے تین) وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے' دوسری یہ کہ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ ﷺ کے زمانہ میں دستور تھا' تیسری وصیت راوی کو یاد

---

[1] یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے (صحیح مسلم کتاب الوصیہ میں یہ روایتیں یکجا ہیں) جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں (مثلاً صحیح مسلم) بہ تصریح حضرت عمرؓ کا نام ہے۔ صحیح مسلم میں (ان کے) یہ الفاظ ہیں:

قد غلب علیه الوجع و عند کم القران و حسبنا کتاب اللّٰه

آپ ﷺ کو مرض کی شدت ہے ہمارے پاس قرآن موجود ہے خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے

(صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں)

(۱) فقالوا ان رسول اللّٰه ﷺ یھجر۔

تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بے حواسی (ہجر) کی باتیں کرتے ہیں۔

(۲) فقالوا اھجرا استفھموہ۔

تو لوگوں نے کہا کیا آپ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں' آپ سے خود پوچھو تو۔

اس بنا پر یہ روایت شیعہ و سنی کا بڑا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے' شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا خود قرآن مجید میں آیت الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت ﷺ کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے' اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے۔ اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے' بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ عبداللہ بن ابی بکرؓ کو بلا کر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ "خود خدا اور اہل اسلام ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے" اس اختلاف کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں، جو ضروری بات آپ ﷺ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے)

"س" مجھ کو احتیاط کرنی چاہیے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آ جائے تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں۔

نہیں رہی۔[۱] (اسی دن [۲] ظہر کی نماز کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی) آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے، آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی، یعنی آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے)۔

(نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ دیا جو آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا

''خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے، یا خدا کے پاس (آخرت میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں''۔

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے، لوگوں نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ ﷺ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، یہ رونے کی کون سی بات ہے لیکن راز دار نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا

''سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں، وہ ابوبکرؓ ہیں، [۳] اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو میں ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا! میں منع کرتا ہوں''

زمانہ علالت میں انصار آپ ﷺ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر ہوا، انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انہوں نے بیان کی کہ ''حضور ﷺ کی صحبتیں یاد آتی ہیں''۔ ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آج اس کی تلافی کا موقع تھا، اس لیے اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا **ایها الناس!** میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے (جسم میں بمنزلہ)

---

۱ صحیح بخاری ذکر وفات (وصحیح مسلم کتاب الوصیہ)

۲ روایتوں میں بالتصریح یہ مذکور نہیں ہے کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ہے لیکن صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علی القبور میں حضرت جندبؓ کی روایت ہے کہ ''حضرت ابوبکرؓ کی شان میں جو الفاظ آپ ﷺ نے فرمائے تھے جن کا بیان آگے آتا ہے وہ وفات سے پانچ روز پیشتر فرمائے تھے''، اور چونکہ مرض الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے اس لیے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا، حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہ فیصلہ کیا ہے''س''

۳ صحیح بخاری و مسلم مناقب ابی بکر، اخیر ٹکڑا صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علی القبور میں ہے۔

معدہ کے ہیں، جو تمہارے نفع ونقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکو کار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو ان کو معاف کرے"۔ [1]

اوپر گزر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت ﷺ نے تجویز کیا تھا اس کی سرداری اسامہؓ بن زید کو تفویض فرمائی تھی اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا۔

"اگر اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زیدؓ) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے"۔ [2]

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے، پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الٰہی کو اپنے قول وعمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچا دے، چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک وکفر تک منجر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر تھے اس لیے ارشاد فرمایا۔

"حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے"۔

انسان کی جزا وسزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اپنے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا"۔ [3]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ حجرہ عائشہؓ میں واپس تشریف لائے)

آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ زہراؓ سے بے حد محبت تھی (اثنائے علالت میں) ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں، وہ رونے لگیں پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا "پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سے پہلے تمہیں مجھ سے آ کر ملو گی تو ہنسنے لگی"۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری مناقب انصار۔

[2] (صحیح بخاری بعث اسامہ ومناقب زیدؓ بن حارثہ) "س"

[3] یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ کتاب الام امام شافعی اور ابن سعد جزء الوفات میں بسند حسن مروی ہے لیکن ان روایتوں میں مذکور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے یہ فرمایا لیکن بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز میں شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد خطبہ دیا تھا، دوسری غلطی مسند اور ابن سعد کی روایتوں میں یہ ہے کہ وہ دوشنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ اس کو بیان کرتے ہیں حالانکہ بروایات صحیح ثابت ہے کہ دوشنبہ کی صبح کو آپ ﷺ نے صرف پردہ اٹھا کر جھانکا تھا، نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز میں شرکت فرمائی "س"

[4] صحیح بخاری ذکر وفات۔

یہود و نصاریٰ نے انبیاء کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا' اس لیے حالت مرض میں جو چیز سب سے زیادہ آپ کے پیش نظر تھی یہی تھی (اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھیں، اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں [1] کا اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا' آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی [2] مر جاتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں' قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق [3] ہوں گے۔ عین کرب کی شدت میں جبکہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے حضرت عائشہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے۔

﴿لعنة الله على اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجدا﴾ [4]

یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

(اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ دریافت فرمایا کہ ''عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ [5] میں خیرات کر دو''۔)

(وفات سے ایک دن [6] پہلے اتوار کو) لوگوں نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارا نہ تھی آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی' لوگوں نے منہ کھول کر پلا دی' افاقہ کے بعد آپ ﷺ کو احساس ہوا تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے' معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے اس لیے وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے۔ [7] محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضاء تھا' یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آ جاتی ہے آپ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا' لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہیں بلکہ لطف طبع تھا۔

مرض میں اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی جس دن وفات ہوئی یعنی (دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ حجرہ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا' آپ نے (صبح کے وقت) پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز میں مشغول تھے' دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپ ﷺ باہر آنا چاہتے ہیں فرط مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں (حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے' چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں) آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے [8] (صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ

---

1. کوئی رومن کیتھولک گرجا ہوگا جس میں حضرت عیسیٰؑ حضرت مریمؑ اور ولیوں اور شہیدوں کے مجسمے اور تصویریں ہوتی ہیں۔
2. جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہیں۔
3. صحیح بخاری و صحیح مسلم باب النھی عن بناء المساجد علی القبور۔
4. صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم باب مذکور سابق۔
5. مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ و ابن سعد جزء الوفات بروایت متعددہ۔
6. ابن سعد وفات۔
7. صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم (التداوی بالدواء)
8. صحیح بخاری ذکر وفات و کتب صحاح' کتاب الصلوٰۃ۔

ﷺ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے۔[1] یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمال اقدس کی زیارت کی۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق[2] ہے یعنی سپید ہو گیا تھا۔)

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ ﷺ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی' اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا حضرت فاطمہ زہراؓ یہ دیکھ کر بولیں واکرب اباہ ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا'' تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہو گا'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں' اس حالت میں اکثر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے

﴿ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾

ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔

اور کبھی یہ فرماتے:

﴿ اَللّٰهُمَّ فِى الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى ﴾

خداوند! بڑے رفیق ہیں۔

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ خدمت اقدس میں آئے آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے۔ عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک تھی' مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا' حضرت عائشہ سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں' عبدالرحمٰنؓ سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی' آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا' سہ پہر[3] تھی' سینہ میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی' اتنے میں لب مبارک ملے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے۔[4]

﴿ الصلوة وما ملكت ايمانكم ﴾ نماز اور غلام۔

پاس پانی کی لگن تھی' اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے (چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے

---

۱ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۶۷

۲ صحیح مسلم باب الصلوٰۃ حضرت انسؓ بن مالک کی روایت میں جو صحیح مسلم (کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۶۷) میں ہے' بیان ہے کہ تین دن کے بعد آپ اس وقت صبح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے لیکن جماعت میں شریک نہ ہو سکے اور واپس گئے۔ امام شافعی نے کتاب الام میں اور ابن سعد نے جزء الوفات میں ابن ابی سبرہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ اس نماز میں شریک جماعت ہوئے لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آپ ﷺ شریک جماعت نہ ہو سکے اور واپس گئے' راوی کو گذشتہ نماز ظہر کی شرکت کا التباس ہوا' تین دن کے بعد سے مراد جمعرات کے روز جس دن آپ ﷺ نے خطبہ دیا تھا اس کے بعد سے جمعہ سنیچر اور اتوار کے دن ہیں

۳ ابن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی لیکن حضرت انسؓ بن مالک سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی۔ حافظ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں اسی طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی اور سہ پہر کا وقت تھا

۴ ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۴۳ مصر' سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا اور ابن سعد جزء الوفات بسند صحیح۔

تھے اتنے میں) ہاتھ اٹھا کر (انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ) فرمایا۔

﴿ بل الرفيق الاعلىٰ ﴾

اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔

﴿ اللهم صل عليه وعلى اله واصحابه صلوٰةً كثيراً كثيراً ﴾

تجہیز و تکفین:

(تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ تین ربیع الاول کو شروع ہوا' اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے۔

(۱) عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس دنیا کو الوداع کہا' چنانچہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی' اس کا سر اڑا دوں گا۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے تمام صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور ﷺ کا اس جہان سے تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔

(۲) اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔

(۳) قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا' اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔[۱]

(۴) جس حجرہ میں آپ نے وفات پائی تھی، وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لیے بھی بڑی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی۔[۲]

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی۔ فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ انھی نے پردہ بھی کیا تھا چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اندر سے کواڑ بند کر لیے تھے انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے' رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری میں ہمارا بھی حصہ ہے' حضرت ابوبکرؓ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میں کسی کا حق نہیں ہے' اس لیے اگر سب کو اجازت دے دی گئی تو کام رہ جائے گا لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علیؓ نے اوسؓ بن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر میں تھے اندر بلا لیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے' حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا' حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے قثمؓ اور فضلؓ جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زیدؓ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔[۳]

۱؎ یہ تمام واقعات صحیح بخاری ذکر وفات کے مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔

۲؎ ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ چہار شنبہ کو تدفین ہوئی لیکن یہ تمام تر کذب اور جھوٹ ہے' خود ابن سعد میں صحیح روایتیں یہ ہیں کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی البتہ چہار شنبہ کی شام شروع ہو گئی تھی' ابن ماجہ کی روایت ہے (کتاب الجنائز) فلما فرغوا من جهازه يوم الثلثاء جب سہ شنبہ کے دن تجہیز و تکفین سے فرصت ہوئی۔''س''

۳؎ طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ و ۶۳ جزء الوفات طبری (مختصراً ابوداؤد کتاب الجنائز میں بھی ان صاحبوں کے نام ہیں نیز ابن ماجہ کتاب الجنائز)

کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اتار لی گئی،[۱] اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن میں دیئے گئے، ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔[۲]

غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے حضرت ابوبکرؓ نے کہا نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے چنانچہ نعش مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرہ عائشہؓ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا۔[۳] حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ ﷺ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں، میدان میں اس کی دار و گیر مشکل تھی[۴] اس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ابوطلحہؓ (حضرت ابوعبیدہؓ اہل مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔ لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہیں دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے[۵] جو پہلے آجائے۔ لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق یہ کہ حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے، ابوطلحہؓ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی، جو لحدی یعنی بغلی تھی، زمین چونکہ نم تھی اس لیے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے (جنازہ حجرہ کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے) پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا۔[۶]

جسم مبارک کو حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ (اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف) نے قبر میں اتارا۔[۷]

---

۱. صحیح مسلم صفحہ ۲۰ کتاب الجنائز۔
۲. صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الجنائز۔
۳. ابن سعد جزء الوفات بروایت صحیح و ابن ماجہ کتاب الجنائز ذکر وفات نبوی۔
۴. صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب الوفات۔
۵. ابن ماجہ کتاب الجنائز۔
۶. ابن سعد بروایت صحیح جزء الوفات۔
۷. ابوداؤد کتاب الجنائز، ابن ماجہ اور ابن سعد میں اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بجائے قثمؓ بن عباس اور شقران (غلام خاص) کے نام ہیں، ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دو روایتوں میں ترجیح کس کو ہو سکتی ہے۔

متروکات

آنحضرت ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات و جائیداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے۔

﴿لا نورث ماترکنا صدقة﴾ [1]

ہم (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے''۔ یعنی نہ ہوگی نہ پائیں گے' چنانچہ یاد ہوگا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عائشہؓ کے پاس امانت تھے' آپ نے اسی وقت نکلوا کر خیرات کرا دیئے۔

عمروؓ بن حویرث سے جو ام المؤمنین جویریہؓ کے بھائی تھے' بخاری میں روایت ہے۔

﴿ما ترک رسول الله ﷺ عند موته درهماً ولا ديناراً ولا عبداً ولا امة ولا شيئاً الا بغلة البيضاء وسلاحه وارضاً جعلها صدقة﴾ [2]

آنحضرت ﷺ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا' نہ درہم' نہ دینار' نہ غلام' نہ لونڈی اور نہ اور کچھ، صرف اپنا خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔

ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔

﴿ماترك رسول الله ﷺ ديناراً ولا درهماً ولا بعيراً ولا شاةً﴾

آنحضرت ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔

بہرحال متروکات میں اگر تھیں تو یہی تین چیزیں تھیں کچھ زمین، سواری کے جانور اور ہتھیار۔

زمین:

(حضرت عمرو بن حویرثؓ نے جس زمین کا ذکر کیا ہے وہ مدینہ' خیبر اور فدک کے چند باغ تھے۔ مدینہ کی جائیداد سے بنونضیر کی جائیداد مراد ہے۔ یا مخیریق نام ایک یہودی نے ۳ھ میں (غزوہ احد کے موقع پر) آنحضرت ﷺ کو چند باغ وصیۃً ہبہ کیے تھے' وہ مراد ہیں لیکن صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ باغ اسی وقت مستحقین کو تقسیم کر دیئے تھے۔ [3]

---

[1] یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابوں میں متعدد مقامات میں ہے' کتاب الوصایا' کتاب الفرائض باب فرض الخمس۔

[2] صحیح بخاری کتاب الوصایا۔

[3] بخاری باب فرض الخمس میں ہے وصدقة بالمدينة یہ انہیں باغوں کے متعلق ہے تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۰ دیکھو' نیز صحیح بخاری میں کتاب المغازی ذکر بنی نضیر۔

فدک اور خیبر کی نسبت ابتدا ہی سے شیعہ اور اہلسنت میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی ذاتی جائیداد تھی اور وراثت کے طور پر اہل بیت میں تقسیم ہونی چاہیے تھی' اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ بطور ولایت اسلامی آپ کے قبضے میں تھی اور ذاتی ہو بھی تو آپ ﷺ نے خود فرما دیا تھا کہ "ہمارا جو ترکہ ہو وہ صدقہ ہے۔"

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت میں پیدا ہو چکا تھا' حضرت عباسؓ (آپ کے چچا) حضرت فاطمہؓ (صاحبزادی) اور اکثر ازواج مطہرات[1] مدعی تھیں کہ اس جائیداد کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے' آنحضرت ﷺ خود اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف کرتے تھے' اس میں تغیر نہ ہوگا[2] آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ حیات میں ان تینوں جائیدادوں کی آمدنی مختلف مدوں میں متعین کر دی تھی۔ بنونضیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی' فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی' خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے، دو حصے عام مسلمانوں کے لیے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا اس میں سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت میں کام آتا[3] آخر میں حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائیداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ خیبر اور فدک بدستور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ میں رہے۔[4]

جانور:

ارباب سیر نے آپ ﷺ کے اسپ خاصہ اور مویشی اور دواب کی تفصیل اس طرح لکھی ہے جس سے ایک والی ملک کے اصطبل اور دواب خانہ کا دھوکا ہوتا ہے۔

طبری نے ان تمام جانوروں کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہیں' اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت میں نہایت دلچسپ تھے لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتیں ہیں سب بلا استثناء واقدی سے ماخوذ ہیں۔ پچھلے مصنفین جن میں بڑے بڑے محدثین ہیں مثلاً یعمری' مغلطائی' حافظ عراقی وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہے اور چونکہ یہ مصنفین اکثر سلسلہ سند نہیں لکھتے اس لیے اکثر لوگ ان کے مستند ہونے کی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں لیکن جب تفتیش کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں کا سلسلہ سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے۔

﴿ماترك رسول الله ﷺ دينارًا ولا درهمًا ولا بعيرًا ولا شاةً﴾

آنحضرت ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔

---

[1] (صحیح بخاری کتاب الفرائض)

[2] (یہ مکالمہ بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے۔ دیکھو کتاب الفرائض)

[3] سنن ابی داؤد باب صفایا رسول اللہ ﷺ

[4] حوالہ مذکورہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دے دیا تھا۔

صحیح بخاری (باب الجہاد) میں عمرو بن حویرث (ام المومنین جویریہؓ کے بھائی) سے روایت ہے۔

﴿ ماترك النبی ﷺ الا بغلة البيضاء و سلاحه و ارضا تركها صدقة﴾

آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں چھوڑا' بجز اپنے سفید خچر اور ہتھیار اور ایک زمین کے جو وقف عام ہو گئی۔

ان روایتوں سے معلوم ہو گا کہ متروکات خاصہ میں صرف ایک جانور تھا' ان صحیح اور مسلم روایات کے ہوتے آنحضرت ﷺ کے اسباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدار سلطنت کے شایان حال ہے کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے۔

احادیث صحیحہ کے استقراء سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عمروؓ بن حویرث کی مختصر فہرست سے زائد چیزیں بھی آپ ﷺ کے قبضہ میں آئیں لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہیں پڑ سکتا' کیونکہ عمرو صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہ چیزیں وفات سے پہلے آپ نے حسب عادت ہبہ یا خیرات کر دی ہوں' بہرحال (از روئے روایت صحیح مختلف اوقات میں) حسب ذیل جانور آپ کے دائرۂ ملک میں آئے۔

لحیف: ایک گھوڑا تھا جو ابی بن عباس کے باغ میں بندھتا تھا' بخاری نے کتاب الجہاد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عفیر: ایک گدھا تھا۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا (بخاری کتاب الجہاد)

عضباء و قصواء: نہایت تیز اونٹنی تھی۔ قصواء بھی اسی کا نام ہے (طبری صفحہ ۱۷۸۴ میں ہے کہ اسی کو آپ ﷺ نے ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ سے خریدا تھا' اور اسی پر سوار ہو کر آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی' اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابوایوبؓ کے مکان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی [۱] حجۃ الوداع کا خطبہ بھی آپ ﷺ نے اسی کی پشت پر دیا تھا) [۲] یہ ہر معرکہ میں بازی لے جاتی تھی ایک دفعہ ایک بدو باہر سے آیا' اس کی سواری میں ایک اونٹ تھا جو ابھی جوان بھی نہیں ہوا تھا۔ عضباء کا اس سے مقابلہ ہوا اور وہ آگے نکل گیا۔ صحابہ کو ملال ہوا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ خدا کا فرض ہے کہ دنیا کی کوئی چیز جب سر اٹھائے تو اس کو پست کر دے'' (بخاری کتاب الجہاد)

تنبیہ: دلدل جس کا ذکر اکثر روایتوں میں ہے اسی خچر کا نام ہے جس کا ذکر عمرو بن حویرثؓ کی روایت میں ہے چنانچہ بخاری کے شارحین نے تصریح کی ہے یہ خچر مقوقس مصری نے آپ کو تحفہ میں بھیجا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن العلماء (رئیس ایلہ) نے بھی آپ ﷺ کو ایک سفید خچر (غزوہ تبوک کے موقع پر [۳] تحفۃً بھیجا تھا) غزوہ حنین میں جس سپید خچر پر آپ ﷺ سوار تھے وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیتاً بھیجا تھا ارباب سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہے لیکن یہ غلط ہے [۴] صحیح مسلم میں اس کی تصریح موجود ہے۔ [۵]

---

[۱] صحیح بخاری ذکر ہجرت۔

[۲] صحیح مسلم و ابوداؤد ذکر حجۃ الوداع۔

[۳] کتاب الجہاد باب بغلۃ النبی ﷺ۔

[۴] فتح الباری ذکر غزوۂ حنین جلد ۸ صفحہ ۲۴۔

[۵] باب غزوہ حنین۔

اسلحہ:

اس زہد و قناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانہ مبارک میں حسب ذیل سامان تھا: نو عدد تلواریں تھیں جن کے یہ نام ہیں: ماثور، عصب، ذوالفقار، قلعی، بتار، حتف، مخذم، قضیب۔

ماثور والد ماجد سے میراث میں ملی تھی، ذوالفقار بدر میں ہاتھ آئی تھی، تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔ فتح مکہ میں جو تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی اس کا قبضہ زریں تھا، سات زرہیں تھیں: ذات الفضول، ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضہ، تبرا، خرنق۔ ذات الفضول وہی زرہ تھی جو تیس صاع پر ایک یہودی کے ہاں سال بھر کے لیے آپ ﷺ نے رہن[1] رکھی تھی۔ زرہیں سب لوہے کی تھیں اگرچہ عرب میں چمڑے کی زرہیں بھی ہوتی تھیں۔

چھ کمانیں تھیں: زوراء، روحاء، صفرا، بیضاء، کتوم، شداد۔ کتوم وہ کمان تھی جو غزوہ احد میں ٹوٹ گئی تھی اور آپ ﷺ نے قتادہؓ کو دے دی تھی ایک ترکش تھا جس کو کافور کہتے تھے، چمڑے کی ایک پیٹی تھی جس میں چاندی کے تین حلقے تھے لیکن ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث سے مجھ کو یہ نہیں پتہ لگا کہ آپ ﷺ نے کبھی پیٹی لگائی بھی تھی، ایک ڈھال تھی جس کا نام زلوق تھا۔ پانچ برچھیاں تھیں لوہے کا ایک مغفر تھا جس کا نام موشح تھا، ایک اور مغفر تھا جس کو سبوغ کہتے تھے۔

تین جبے تھے جن کو آپ ﷺ لڑائی میں پہنتے تھے، کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک دیبائے سبز کا تھا، ایک سیاہ علم تھا جس کا نام عقاب تھا اور بھی زرد و سفید علم تھے۔

آثار متبرکہ:

ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں جو لوگوں نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑی تھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے عقیدت مندوں کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے، جو زیادہ تر حضرت ابوطلحہؓ انصاری کے ہاتھ آئے تھے۔[2] حضرت انسؓ بن مالک کے پاس بھی موئے مبارک تھے،[3] اُن کے پاس دو چیزیں اور تھیں، نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ، جو چاندی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا تھا۔ ذوالفقار جو حضرت علیؓ کے پاس تھی ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار رہی۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسینؓ کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آکر ان کی خدمت میں عرض کی کہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں یہ یادگار آپ سے چھن نہ جائے اگر ہمیں عنایت ہو تو یہ ہماری جان کے ساتھ رہے لیکن انہوں نے یہ ایثار گوارا نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ کے پاس آپ ﷺ کے وہ کپڑے تھے جن میں آپ ﷺ نے انتقال فرمایا تھا۔[4] استحقاق خلافت کی بنا پر خاتم (مہر) اور عصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر ہے پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت

---

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع و کتاب الرہن۔
[2] صحیح مسلم حجۃ الوداع۔
[3] صحیح بخاری کتاب الطہارت۔
[4] ان تمام آثار مذکورۂ بالا کا ذکر صحیح بخاری کتاب الخمس میں ہے۔

عثمانؓ کے قبضہ میں آئے لیکن انہیں کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع گئیں۔ انگوٹھی تو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں گر گئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاری [1] نے توڑ ڈالا۔ (امام بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے۔)

مسکن مبارک:

آنحضرت ﷺ کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنے دادا اور چچا کے گھروں میں پرورش پائی اور یہیں سن رشد کو پہنچے۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کی، یہ متعین طور پر نہیں معلوم کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے، لیکن آپ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ میں موجود تھا، جس پر عقیلؓ نے جو آنحضرت ﷺ کے چچازاد اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، قبضہ کر لیا تھا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ کیا اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا عقیل نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑا؟ [2]

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت ﷺ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر قیام فرما رہے۔ اس اثنا میں آپ ﷺ تنہا تھے اہل وعیال مکہ ہی میں تھے جب آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے، اور اس وقت آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا اور ان ہی حجروں میں اتارا [3]

آخر ایام میں آنحضرت ﷺ کی نو بیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں جن میں نہ صحن تھا نہ دالان تھے نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گیا تھا اور ان سے اندر دھوپ آتی تھی، چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھائی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمبل لپیٹ دیئے جاتے تھے بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔ [4]

آنحضرت ﷺ ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے میں بسر فرماتے تھے، دن کو عموماً اصحابؓ کی مجلس میں مسجد میں تشریف رکھتے جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گاہ تھی۔

ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا جس کو احادیث میں ''مشربہ'' کہا گیا ہے، ۹ھ میں جب آپ

[1] خاتم کا ذکر کتاب الخمس کے علاوہ بخاری کتاب اللباس میں ہے، عصائے مبارک کا حال فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۸ سے ماخوذ ہے ''س''

[2] بخاری فتح مکہ۔

[3] ابن سعد۔

[4] یہ پوری تفصیل ادب المفرد بخاری باب التطاول فی البنیان و باب البناء میں ہے۔

ﷺ نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی تھی تو ایک مہینہ اسی پر اقامت فرمائی تھی [۱] اس بالا خانہ پر سامان آرائش کیا تھا ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ادھر ادھر چند کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ [۲]

کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا تاہم اس میں رات کو چراغ تک نہیں ہوتا تھا۔[۳] گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرائش بھی پسند خاطر نہ تھی ایک بار حضرت عائشہؓ نے دیواروں پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیے مال نہیں دیا گیا ہے۔ [۴]

یہ حجرہ ہائے مبارک آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے قبضہ میں رہے۔ ان میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت میں چلا جاتا۔ جن سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اکثر حجروں کو خرید لیا تھا۔ [۵]

حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر لیے گئے، تاہم ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے۔ ۸۸ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ کے والی تھے، تمام حجرے بجز حجرہ عائشہؓ کے کہ وہ مدفن نبوی ہے، توڑ کر مسجد نبوی میں ملا دیئے گئے۔ جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہیں تمام مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا، کہ حضور انور ﷺ کی ایک اور یادگار مٹ گئی۔ [۶]

دایہ:

آنحضرت ﷺ کو جو ترکہ والد سے ملا تھا اس میں ایک حبشیہ کنیز بھی تھیں جن کا نام ام ایمنؓ تھا، آنحضرت ﷺ کی اصلی انا یا دایہ [۷] وہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات تک زندہ رہیں۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کو ماں کہہ کر پکارتے تھے، اور جب ان کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ "اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں"۔ جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے عقد کیا تو اُن کو آزاد کر کے حضرت زیدؓ سے جو آپ کے متبنیٰ اور محبوب خاص اور حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے شادی کر دی۔ اسامہؓ انہی کے بطن سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا مزاح کا یہ واقعہ جو کتابوں میں منقول ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے ایک اونٹ مانگا آپ نے فرمایا میں اونٹ کا بچہ دوں گا، بولی کہ بچہ لے کر میں کیا کروں گی، آپ نے فرمایا کہ "جتنے اونٹ ہیں اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہیں" انہی کا واقعہ ہے۔

یہ اکثر غزوات میں شریک رہیں۔ جنگ احد میں سپاہیوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، جنگ خیبر

---

[۱] ابوداؤد باب امامۃ القاعد۔
[۲] صحیح بخاری صفحہ ۸۶۹ باب ما کان رسول اللہ ﷺ یتجوز من اللباس والبسط۔
[۳] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۷۳۔ باب التطوع خلف المرأۃ۔
[۴] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ کتاب اللباس باب فی الصور۔
[۵] ابن سعد جزء نساء۔
[۶] ابن سعد جزء ازواج النبی ﷺ۔
[۷] صحیح مسلم باب رد المہاجرین الی الانصار منائحہم۔

میں بھی شریک تھیں۔[1]

خدام خاص:

صحابہؓ میں سے بعض عقیدت مند ایسے تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور خاص خاص کام انجام دیتے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی ہیں، فقہ حنفی کے بانی اوّل گویا وہی ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کا سلسلہ انہی کی روایت اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہے۔ مکہ معظمہ میں قرآن مجید کی اشاعت آنحضرت ﷺ کے ابتدائی زمانے میں ان ہی نے کی۔ ستر سورتیں خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔

یہ آنحضرت ﷺ کے راز دار بھی تھے، اور جب آنحضرت ﷺ سفر میں جاتے تو خواب گاہ، وضو اور مسواک کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا جب آپ ﷺ مجلس سے اٹھتے تو جوتیاں پہناتے راہ میں آگے آگے عصا لے کر چلتے جب آپ ﷺ کہیں کسی مجلس میں جا کر بیٹھتے تو نعلین مبارک اتار کر بغل میں رکھ لیتے پھر اٹھنے کے وقت سامنے لا کر رکھ دیتے، جلوت و خلوت میں ساتھ رہتے تھے، آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن گئے تھے[2]

۲۔ حضرت بلالؓ دنیا ان کو موذن کے لقب سے جانتی ہے (یہ حبشی نژاد غلام تھے مکہ میں ایمان لائے تھے اور جس جوش و خروش سے ایمان لائے تھے، اس کا مختصر ذکر آغاز کتاب میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کرا دیا تھا، اس وقت سے برابر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے) آپ ﷺ کا خانگی انتظام انہی کے سپرد تھا، بازار سے سودا سلف لانا، قرض وغیرہ لینا، پھر ادا کرنا، مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا یہ تمام باتیں ان ہی سے متعلق تھیں۔[3]

۳۔ حضرت انسؓ بن مالک بھی آپ ﷺ کے خادم خاص تھے، آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کمسن تھے ان کی ماں خدمت اقدس میں ان کو لائیں اور عرض کی ''یارسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے، لائی ہوں کہ خدمت گزاری کرے'' [4]

حضرت انسؓ نے دس برس تک آپ ﷺ کی خدمت کی۔ لوگوں کے پاس آنا جانا، چھوٹے چھوٹے کام کرنا، وضو کا پانی لانا، ان کے فرائض تھے چونکہ ابھی کمسن تھے ان سے کام بن نہیں آتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ان سے کبھی باز پرس نہ فرمائی۔[5]

---

[1] یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جزء ثامن تذکرۂ ام یمن سے ماخوذ ہیں۔
[2] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے (مجملاً صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ میں بھی یہ مذکور ہے)
[3] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷۲ باب قبول ہدایا المشرکین۔
[4] صحیح مسلم فضائل انس۔
[5] ابوداؤد کتاب الادب۔

شمائل

شکل ولباس وطعام ومذاق طبیعت

حلیہ اقدس:

آپ ﷺ میانہ قد اور موزوں اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے، بینی مبارک درازی مائل تھی، چہرہ ہلکا یعنی بہت پر گوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ اور فراخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ وسرمگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں، شانے پر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی، شانوں اور کلائیوں پر بال تھے، ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں، پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔ [1]

صحابہؓ پر آپ ﷺ کے حسن وخوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا، حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہے تو بولے "خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں" [2] جابرؓ بن سمرہ ایک صحابی ہیں ان سے کسی نے پوچھا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟ بولے "نہیں ماہ وخورشید کی طرح" [3]۔ یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا، میں کبھی آپ کو دیکھتا تھا کبھی چاند کو دیکھتا تھا تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے۔ [4] حضرت براءؓ صحابی کہتے ہیں، میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ [5]

آپ ﷺ کے پسینہ میں ایک قسم کی خوشبو تھی [6] چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے، [7] جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ نہایت کھلتا تھا آپ ﷺ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے دیبا اور حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک وعنبر میں آپ ﷺ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی۔ [8]

(عام طور سے مشہور ہے کہ آپ کے سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔)

---

[1] (یہ حلیہ بہ تفصیل شمائل ترمذی ومسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷ میں اور مختصراً بخاری ومسلم باب صفۃ النبی ﷺ میں بھی ہے)۔

[2] (ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۹)

[3] مشکوۃ باب صفۃ النبی ﷺ بحوالہ مسلم

[4] (مشکوۃ باب مذکور بحوالہ ترمذی ودارمی) "س"

[5] (صحیح مسلم باب مذکور)

[6] (صحیح مسلم باب مذکور)

[7] بخاری واقعہ افک [8] (مشکوۃ باب مذکور بحوالہ بخاری ومسلم)

مہر نبوت:

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی، یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم اور شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے۔

﴿ رایت الخاتم بین کتفی رسول اللّٰہ ﷺ غدّة حمراء مثل بیضة الحمامة ﴾

میں نے آنحضرت ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔

لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانہ کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی، اسی کو مہر نبوت کہتے تھے [1] تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا جس پر تل تھے اور بال اگے ہوئے تھے۔

موئے مبارک:

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے، فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں پر چار گیسو پڑے تھے۔ مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ کفار کے مقابلہ میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے ابتدا میں آپ ﷺ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے پھر مانگ نکالنے لگے یہ شمائل ترمذی کی روایت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا۔ اخیر زمانہ میں مانگ نکالنے لگے (بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے ریش مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے)

رفتار

رفتار بہت تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اُتر رہے ہیں ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا، لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

گفتگو اور خندہ و تبسم:

گفتگو نہایت شیریں اور دلآویز تھی بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا۔ معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے، جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے، حالت

---

[1] صحیح مسلم (باب اثبات النبوۃ) مشہور ہے کہ پشت پر جو خاتم نبوت تھی اس میں گویا قدرتی طور پر کلمہ طیبہ تحریر تھا۔ یہ بالکل بے سند بات ہے، احادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے بعض روایتیں باطل اور بعض بہت ہی ضعیف ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں لم یثبت منها شیئ (زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۱۸۴) البتہ کلمہ اس نقرئی خاتم میں منقوش تھا جو انگشت مبارک میں خطوط پر مہر کرنے کی غرض سے آپ ﷺ پہنا کرتے تھے لوگوں نے غلطی سے اس کو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔ ''س''

گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی' آواز بلند تھی حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کعبہ میں قرآن مجید پڑھتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں پلنگوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے۔ [1]

حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ہند تھا وہ نہایت خوش تقریر تھے جس چیز کا بیان کرتے اس کی تصویر کھینچ دیتے' حضرت امام حسنؓ نے ان سے پوچھا ''آنحضرت ﷺ کیونکر تقریر فرماتے تھے'' انہوں نے کہا ''آپ ﷺ ہمیشہ متفکر رہتے تھے' اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا' ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے' کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رخ پلٹ دیتے' تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے' بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں، ہنستے بہت کم تھے' ہنسی آتی تو مسکرا دیتے' اور یہی آپ ﷺ کی ہنسی تھی'' [2] جریر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیا ہو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی جب آپ ﷺ کو زیادہ ہنسی آتی تو ڈاڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے لیکن ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرز ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپ ﷺ اس زور سے نہیں ہنسے کہ نواجذ نظر آئیں۔

لباس:

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا' عام لباس چادر' قمیص' اور تہمد تھی' پاجامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہو گا۔ موزوں کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے آپ ﷺ نے استعمال فرمائے۔ بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے۔ عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا' کبھی تحت الحنک کے طور لپیٹ لیتے تھے، عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا' عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی (۔ عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا' فرماتے تھے کہ ہم میں اور مشرکین میں یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں) [3]

چادر:

لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادریں [4] پسند تھیں جن کو عربی میں حبرہ کہتے ہیں۔

عبا:

بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے جس کی آستین اس قدر تنگ تھی کہ جب وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی' اور ہاتھ کو آستین سے نکالنا پڑا۔ نوشیروانی قبا بھی جس کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف تھی استعمال کی ہے۔

---

[1] ابن ماجہ باب ماجاء فی القراۃ فی صلوۃ اللیل۔

[2] شمائل ترمذی۔ [3] ابوداؤد کتاب اللباس۔

[4] صحیح بخاری، باب اللباس

کمبل:

جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہمد نکال کر دکھائی کہ انہی کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔

حلہ حمراء:

روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے حلۂ حمرا بھی استعمال کیا ہے حمرا کے معنی سرخ کے ہیں اس لیے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لیے ہیں لیکن ابن القیم نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ سرخ لباس آپ ﷺ نے کبھی نہیں پہنا اور نہ آپ ﷺ مردوں کے لیے اس کو جائز رکھتے تھے' حلۂ حمرا ایک قسم کی یمنی چادر تھی' جس میں سرخ دھاریاں بھی ہوتی تھیں اس بنا پر اس کو حمرا کہتے تھے اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے عام محدثین کہتے ہیں کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں' زرقانی میں یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ مختلف روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیاہ' سرخ' سبز' زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب تھا[1] (بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی) [2] نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں' یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی' جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔

انگوٹھی:

جب آپ ﷺ نے نجاشی اور قیصر روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے عرض کی کہ سلاطین مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے' اس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں اوپر تلے تین سطروں میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا' بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے' اور داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔

خود وزرہ:

لڑائیوں میں زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے۔ اُحد کے معرکہ میں جسم مبارک پر دو دو زرہیں تھیں۔ تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا۔

غذا اور طریقہ طعام:

اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پرتکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے' یہاں تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے) تمام عمر آپ ﷺ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی' تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۷

[2] ابوداؤد جلد ۲ کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر۔

مرغوب تھے' سرکہ' شہد' حلوا' روغن زیتون' کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے' ایک دفعہ حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے' بولیں کہ سرکہ ہے' فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو اس کو نادار نہیں کہہ سکتے۔ عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جس کو حیس کہتے ہیں' یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے آپ کو یہ بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ اور عبداللہ بن عباسؓ حضرت سلمٰی کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت ﷺ کو بہت مرغوب تھا بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا، اوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں' پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کی محبوب ترین غذا تھی۔

گوشت کے اقسام میں سے آپ ﷺ نے دنبہ' مرغ' بٹیر (حباری) اونٹ' بکری' بھیڑ' گورخر' خرگوش' مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت بہت پسند تھا شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہ آپ ﷺ کو چنداں مرغوب نہ تھا' بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا اس لیے جب کبھی مل جاتا تو آپ ﷺ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اس لیے آپ ﷺ اسی کی فرمائش کرتے لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپ ﷺ کو یہ گوشت پسند تھا۔

حضرت صفیہؓ کے نکاح میں جب آپ ﷺ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تو صرف کھجور اور ستو تھا' تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، پتلی ککڑیاں پسند تھیں' ایک دفعہ معوذ بن عفراءؓ کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیاں خدمت میں پیش کیں (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)

پانی' دودھ' شربت:

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا' دودھ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اس میں پانی ملا دیتے' کشمش' کھجور' انگور پانی میں بھگو دیا جاتا' کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جان فرماتے' کھانے کے ظروف میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا' روایت میں اسی قدر ہے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہوگا اس لیے تاروں سے جوڑ دیا ہوگا۔

معمولاتِ طعام:

دسترخوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے لیکن اس کو برا نہ کہتے' جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے' کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے۔ میز یا خوان پر کبھی نہیں کھایا۔ خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی عجم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی یعنی امراء اور اہل جاہ کے ساتھ مخصوص تھی اس لیے آپ ﷺ نے اس پر کھانا پسند

نہیں فرمایا۔ کھانا صرف تین انگلیوں سے کھاتے [1] گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ [2] ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ اہل عجم کا شعار ہے لیکن ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابومعشر نجیح ہیں جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور انہی منکرات میں حدیث مذکور بھی ہے۔ [3]

خوش لباسی:

گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ ﷺ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حروریہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے۔ حروریہ نے کہا کیوں ابن عباس! یہ کیا لباس ہے؟ بولے کہ تم اس پر معترض ہو' میں نے آنحضرت ﷺ کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے۔ [4]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت متقشف تھے، ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا' گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سرخ دھاریاں تھیں' جا کر واپس کر آئے' کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماءؓ (حضرت عائشہؓ کی بہن) سے کہا' انہوں نے آنحضرت ﷺ کا جبہ منگوا کر لوگوں کو دکھایا جس کی جیبوں اور آستینوں اور دامن پر دیبا کی سنجاف تھی۔ [5] (بعض امراء و سلاطین نے آنحضرت ﷺ کو بیش قیمت کپڑے ہدیۃً بھیجے' آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور کبھی کبھی زیب تن کیے)

مرغوب رنگ:

رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا۔ حدیثوں میں ہے کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے [6] (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا' فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے)

نامرغوب رنگ:

سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ عبداللہ بن عمروؓ سرخ کپڑے پہن کر آئے تو فرمایا یہ کیا لباس ہے' عبداللہؓ نے جا کر آگ میں ڈال دیا' آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دے دیا ہوتا۔ [7]

---

[1] غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی اور زادالمعاد ابن قیم سے ماخوذ ہیں۔
[2] کتاب الاطعمہ باب القطع بالسکین۔
[3] قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۵۲ مصر۔
[4] ابوداؤد کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر۔
[5] ابوداؤد باب الرخصہ فی العلم وخط الحریر۔
[6] ابوداؤد باب فی المصبوغ۔
[7] ابوداؤد فی الحمرۃ۔

عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی تھی جس کو مغرہ کہتے ہیں اس سے کپڑے رنگا کرتے تھے' یہ رنگ آپ ﷺ کو نہایت ناپسند تھا ایک دفعہ حضرت زنیبؓ اس سے کپڑے رنگ رہی تھیں' آپ ﷺ گھر میں آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے' حضرت زنیبؓ سمجھ گئیں' کپڑے دھوڈالے' آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہیں تب گھر میں قدم رکھا۔ [1]

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہن کر آیا تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ ایک دفعہ صحابہ نے سواری کے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈال دی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے ،فوراً صحابہ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار کر پھینک دیں۔ [2]

خوشبو کا استعمال:

خوشبو آپ ﷺ کو بہت پسند تھی' کوئی شخص خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہے جس کو سکہ کہتے ہیں' یہ ہمیشہ آپ ﷺ کے استعمال میں رہتا تھا' صحابہ کہتے ہیں کہ جس گلی کوچہ سے آپ ﷺ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا' اکثر فرمایا کرتے کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے۔ [3]

لطافت اور نفاست:

مزاج میں لطافت تھی' ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔ [4] ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا' آپ ﷺ نے پوچھا تم کو کچھ مقدور ہے؟ بولا ہاں۔ ارشاد ہوا کہ خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے۔ [5] عرب تہذیب و تمدن سے کم آشنا تھے' مسجد میں آتے تو عین نماز میں دیواروں پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے' آپ ﷺ اس کو نہایت ناپسند فرماتے' دیواروں پر تھوک کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے۔ ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا' ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لا کر ملی' آپ ﷺ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تحسین کی۔ [6]

کبھی کبھی مجلس عالی میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا [7] ایک دفعہ ایک

---

[1] ابوداؤد۔
[2] یہ تمام روایتیں ابوداؤد کتاب اللباس میں ہیں۔
[3] شمائل ترمذی۔
[4] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی غسل الثوب۔
[5] ابوداؤد کتاب اللباس۔
[6] نسائی کتاب المساجد۔
[7] نسائی صفحہ ۷۶۴ مطبوعہ نظامی باب البخور۔

عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ بولیں کچھ مضائقہ نہیں لیکن میں اس لیے ناپسند کرتی ہوں کہ میرے حبیب (رسول اللہ ﷺ) کو حنا کی بو ناگوار تھی۔[۱]

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ بالوں کو درست کر لے [۲] ایک دفعہ اون کی چادر اوڑھی' پسینہ آیا تو اتار کر رکھ دی۔ [۳] ایک دن لوگ مسجد نبوی میں آئے چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑوں میں چلے آتے تھے' پسینہ آیا تو تمام مسجد میں بو پھیل گئی' آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر آتے تو اچھا ہوتا[۴]۔ اسی دن سے غسل جمعہ ایک شرعی حکم بن گیا۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے کا التزام تھا' ام محجن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ مساجد میں بچے اور مجنوں نہ جانے پائیں' اور خرید و فروخت نہ ہونے پائے' یہ بھی حکم دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جلائیں۔ اہل عرب بدویت کے اثر سے لطافت اور صفائی کا نام نہیں جانتے تھے' اس بنا پر اس خاص باب میں آپ کو نہایت اہتمام کرنا پڑا تھا۔

عرب کی عادت تھی (اور آج بھی بدویوں میں عموماً پائی جاتی ہے) کہ راستہ میں بول و براز کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ احادیث میں کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو راستہ میں یا درختوں کے سایہ میں بول و براز کرتے ہیں۔ امراء کا دستور ہے کہ کاہلی کی وجہ سے کسی برتن میں پیشاب کر لیا کرتے ہیں' اس سے بھی منع فرماتے تھے۔ [۵]

عرب میں پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب سے کپڑوں کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا' آپ ایک دفعہ راہ میں جا رہے تھے دو قبریں نظر آئیں' فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔ [۶]

ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے ' دیواروں پر جا بجا تھوک کے دھبے تھے' آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آ کر تمہارے منہ پر تھوک دے؟ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اس کے داہنی جانب ہوتے ہیں اس لیے انسان کو سامنے یا دائیں جانب تھوکنا نہیں چاہیے۔ [۷]

---

[۱] نسائی صفحہ ۷۵۹ باب کراہیۃ ریح الحنا

[۲] ابوداؤد کتاب اللباس۔

[۳] ابوداؤد کتاب اللباس۔

[۴] اس مضمون کی متعدد حدیثیں بخاری شریف (غسل جمعہ) میں بہ اختلاف الفاظ و واقعات مذکور ہیں۔

[۵] ترغیب و ترہیب کتاب الطہارۃ۔

[۶] صحیح بخاری عذاب القبر۔

[۷] ترغیب و ترہیب۔

ایک صحابی نے عین نماز میں (جبکہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا' آنحضرت ﷺ دیکھ رہے تھے' فرمایا کہ یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے- نماز کے بعد یہ صاحب خدمت اقدس میں آئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں تم نے خدا اور پیغمبر کو اذیت دی-[1]

بودار چیزوں مثلاً پیاز' لہسن اور مولی سے نفرت تھی' حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں- بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص پیاز لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے' اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے- اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں کہا کہ تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو حالانکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں کھا کر مسجد میں آتا تو آپ حکم دیتے کہ مسجد سے نکال کر بقیع پہنچا دیا جائے-[2]

سواری کا شوق:

گھوڑے کی سواری آپ ﷺ کو نہایت مرغوب تھی (آپ ﷺ فرمایا کرتے ﴿الخیل معقود فی نواصیھا الخیر[3]﴾ گھوڑوں کے علاوہ گدھے' خچر' اونٹ پر آپ ﷺ نے سواری فرمائی ہے- آپ ﷺ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لحیف تھا- گدھے کا نام عفیر اور خچر کا نام دُلدُل اور یہ اور اونٹنیوں کا نام قصواء اور عضباء تھا-

اسپ دوانی:

مدینہ سے باہر ایک میدان تھا جس کی سرحد حصباء سے ثنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی' یہاں گھڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی- گھوڑے جو مشق کے لیے تیار کرائے جاتے تھے ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانہ گھانس کھلاتے تھے' جب وہ موٹے تازے ہو جاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر میں باندھ کر چار جامہ کستے- پسینہ آتا اور خشک ہوتا- روزانہ یہ عمل جاری رہتا- رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا خشک ہو کر ہلکا پھلکا چھریرا بدن نکل آتا یہ مشق چالیس دن میں ختم ہوتی-

آنحضرت ﷺ کی سواری کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام سنجہ تھا' ایک دفعہ اس کو آپ ﷺ نے بازی میں دوڑایا' اس نے بازی جیتی تو آپ ﷺ کو خاص مسرت ہوئی-[4]

گھوڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علیؓ کے سپرد تھا' انہوں نے اپنی طرف سے سراقہؓ بن مالک کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کیے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے-[5]

۱- گھوڑوں کی صفیں قائم کی جائیں اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی یا بچہ کو ساتھ رکھنا یا زین

---

[1] ترغیب وترہیب باب البصاق فی المسجد-

[2] مسلم ونسائی وابن ماجہ-

[3] نسائی صفحہ ۵۶۷ باب حب الخیل-

[4] دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۵۵۲ کتاب السبق بین الخیل، مسند احمد اور بیہقی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے-

[5] یہ پوری تفصیل دار قطنی صفحہ ۵۵۳ و ۵۵۴ و کتاب السبق بین الخیل میں ہے لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہے-

الگ کر دینی ہو الگ کر لے۔

۲- جب کوئی آواز نہ دے تو تین دفعہ تکبیریں کہی جائیں، تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان میں ڈال دیئے جائیں۔

۳- گھوڑے کے کان آگے نکل جائیں تو سمجھ لیا جائے گا کہ وہ آگے نکل گیا۔

حضرت علیؓ خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیوں کو دونوں کناروں پر کھڑا کر دیتے۔ گھوڑے انہی دونوں کے درمیان سے ہو کر نکلتے۔

اونٹوں کی دوڑ بھی ہوتی۔ آنحضرت ﷺ کی خاص سواری کا ناقہ عضباء ہمیشہ بازی لے جاتا۔ ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر سوار آیا اور مسابقت میں عضباء سے آگے نکل گیا۔ تمام مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز گردن اٹھائے اس کو نیچا دکھائے''۔[1]

رنگوں میں صندلی، مشکی اور کمیت بہت پسند تھا[2] گھوڑوں کی دم کاٹنے سے منع فرمایا، کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل ہے۔[3]

❀❀❀

---

[1] صحیح بخاری و نسائی و دار قطنی و مسند احمد عن انس باب الرہان والسبق۔

[2] نسائی مطبوعہ نظامی صفحہ ۵۶۷ باب مایستحب من شیۃ الخیل۔

[3] کتب سنن کتاب الادب۔

معمولات

(ترمذی نے شمائل میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیئے تھے' ایک عبادت الٰہی کے لیے' دوسرا عام خلق کے لیے، اور تیسرا اپنی ذات کے لیے۔

صبح سے شام تک کے معمولات:

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا[1] (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا۔ لوگ پاس آ کر بیٹھتے اور آپ ﷺ ان کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے)[2]

اکثر صحابہؓ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے' کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے آپ ﷺ اس کی تعبیر بیان فرماتے'[3] کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے'[4] اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے' شعر پڑھتے' ہنسی خوشی کی باتیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ صرف مسکرا دیتے'[5] اکثر اسی وقت مال غنیمت اور وظائف و خراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے۔[6]

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار' کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے۔ گھر جا کر گھر کے دھندے میں مشغول رہتے' پھٹے کپڑوں کو سیتے' جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے' دودھ دوہتے۔[7]

نماز عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے' پھر جس کی باری ہوتی وہیں رات بسر فرماتے۔ تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں۔ عشاء تک صحبت رہتی[8] پھر نماز عشاء کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آ کر سو رہتے، ازواج رخصت ہو جاتیں' نماز عشاء کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے۔[9]

خواب:

عام معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ اول وقت نماز عشاء پڑھ کر آرام فرماتے تھے۔ سوتے وقت التزاماً قرآن مجید کی

---

[1] صحیح مسلم باب تبسمہ ﷺ و ابوداؤد صفحہ ۳۱۸۔
[2] جامع ترمذی۔
[3] صحیح مسلم کتاب التعبیر۔
[4] صحیح بخاری کتاب التعبیر۔
[5] نسائی باب قعود الامام فی مصلاہ۔
[6] بخاری اور حدیث کی کتابوں میں متعدد جزئی واقعات مذکور ہیں۔
[7] صحیح بخاری باب ما یکون الرجل فی مہنۃ اہلہ مسند ابن حنبل و مسند عائشہ۔
[8] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات۔
[9] بخاری صلوۃ العشاء۔

کوئی سورہ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صف، تغابن، جمعہ) پڑھ کر سوتے۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے۔

﴿اللھم باسمك اموت و احییٰ﴾

خدایا تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔

جاگتے تو فرماتے:

﴿الحمدللّٰہ الذی احیا نابعد ماامات نا و الیہ النشور﴾

اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا، اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے، مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی، اٹھ کر پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے، آپ ﷺ کی سجدہ گاہ [1] آپ کے سرہانے ہوتی تھی۔ ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اونچا کرکے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آ جائے، نیند میں کسی قدر خراٹے کی آواز آتی تھی۔

بچھونے میں کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔ [2]

عبادتِ شبانہ:

آنحضرت ﷺ کے خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہؓ کے برابر کوئی واقف نہ تھا۔ ان سے مروی ہے کہ جب سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آ گیا، بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیام لیل جواب تک فرض تھا نفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے پھر ایک اور رکعت پڑھتے اور اس میں بھی جلسہ کرتے پھر دو رکعتیں اور ادا کرتے۔ اس طرح گیارہ رکعتیں ہو جاتیں۔ لیکن جب عمر زیادہ ہوگئی اور جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتیں پڑھتے، جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے، کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ [3]

ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

''عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر چلے آتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت فرماتے، وضو کا پانی اور مسواک سرھانے رکھ دی جاتی، سو کر اٹھتے پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آ کر آٹھ رکعتیں ادا کرتے''

---

[1] یعنی سجدہ کا مقام جہاں بحالت نماز آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے ''س''

[2] یہ پوری تفصیل زرقانی میں حدیث کی متعدد کتابوں کے حوالے سے مذکور ہے۔

[3] سنن ابوداؤد باب صلوٰۃ اللیل۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں' زمین پر فرش بچھا ہوا تھا آپ نے اس پر آرام فرمایا' میں سامنے آڑا سویا' قریباً رات ڈھلے آپ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ آل عمران کی اخیر دس آیتیں پڑھیں' پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی' اس سے وضو کیا' پھر نماز شروع کی' میں بھی وضو کر کے بائیں پہلو میں کھڑا ہو گیا' آپ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی جانب پھیر دیا۔ ۱۳ رکعتیں پڑھ کر آپ سو رہے' یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی' صبح ہوتے حضرت بلالؓ نے اذان دی' آپ اٹھے فجر کی سنتیں ادا کیں' پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔

معمولات نماز:

ابتدا میں آپ ﷺ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے لیکن جب یہ گراں گزرنے لگا تو صرف پنج وقتہ مسواک رہ گئی۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں [1] تاہم عادتاً آپ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ وضو میں عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے' اس کے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے' سر کا مسح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے [2] بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے۔ [3]

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے' اذان صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے' یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے سورہ فاتحہ پڑھی یا نہیں' [4] لیکن فرض کی دو رکعتوں میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن سائبؓ سے مروی ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے مکہ میں نماز فجر میں سورہ مومنون پڑھی، اسی طرح کبھی والیل اذا یغشی اور کبھی سورہ ق پڑھتے۔ صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

ظہر و عصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے تاہم ابتدا کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور وہاں اپنا کام کرتا تھا پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت میں جا کر شامل ہو جاتا تھا۔ صحابہؓ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اول دو رکعتوں میں آپ ﷺ اس قدر قیام فرماتے ہیں جس میں ﴿الم تنزیل السجدہ﴾ کے برابر سورہ پڑھی جا سکتی ہے۔ اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور

---

[1] صحیح مسلم و مسند ج ۵ ص ۲۲۵۔

[2] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ باب صفۃ الوضوء و اکمالہ۔

[3] مسلم ج ص ۱۱۰ باب آخر فی صفۃ الوضو۔

[4] مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ باب رکعتی سنۃ الفجر و الحث علیہا۔

دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اس کے نصف کے برابر اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے۔

جابرؓ بن سمرہ کہتے ہیں کہ ظہر میں آپ ﷺ ﴿سبح اسم ربك الا علی﴾ پڑھتے تھے

مغرب کی نماز میں والمرسلات اور سورہ طور پڑھتے تھے۔[1]

عشاء کی نماز میں ﴿وَالتِّيْـنِ وَالـزَّيْتُـوْنِ﴾ اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے۔ تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے' مثلاً سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران اور نساء۔

جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ ﴿يُسَبِّـحُ لِـلّٰـهِ مَـا فِـى السَّـمٰـوٰت﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿اِذا جآءك المنفقون﴾ اور کبھی ﴿سبح اسم ربك الا علی اورهل اتاك حديث الغاشية﴾ عیدین میں بھی دو پچھلی سورتیں یعنی ﴿سبح اسم ربك الا علی اور هل اتاك﴾ پڑھتے تھے اور اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑ جاتا تو دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھا کرتے تھے جمعہ کے دن کی نماز صبح میں ﴿الٓمّٓ تنزيل السجده اور هل اتى على الانسان حين من الدهر﴾ پڑھنے کا معمول تھا۔[2]

معمولات خطبہ:

وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیے آپ ﷺ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے' بالخصوص جمعہ کے لیے تو خطبہ لازمی تھا' جمعہ کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے، مسجد میں داخل ہوتے تو لوگوں کو سلام کرتے پھر منبر پر تشریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیتے' پہلے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا۔ خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا' فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے' جمعہ کے خطبہ میں عموماً سورۃ ''ق'' پڑھتے تھے[3] اس میں قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے' اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آ جاتا تو منبر سے اتر کر اس کو کر لیتے' پھر منبر پر جا کر خطبہ کو پورا فرماتے۔ ایک بار آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے' اسی حالت میں ایک آدمی نے آ کر کہا ''یا رسول اللہ! میں مسافر آدمی ہوں اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہوں اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں'' آپ ﷺ منبر سے اتر آئے' ایک کرسی رکھ دی گئی' اس پر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی' پھر جا کر خطبہ کو پورا کیا[4] ایک بار آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے' حضرت امام حسینؓ سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آ گئے' چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے' آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو ضبط نہ ہو سکا' منبر سے اتر آئے اور گود میں اٹھا لیا اور یہ آیت پڑھی[5] ﴿اِنَّمَا

---

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۷ باب القراءۃ فی الظہر والعصر وغیرھما۔

[2] یہ تمام روایتیں صحیح مسلم کتاب الصلوۃ کتاب الجمعہ والعیدین میں مذکور ہیں۔

[3] صحیح مسلم۔

[4] ادب المفرد مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۸ باب الجلوس علی السریر۔

[5] جامع ترمذی مناقب حسنینؓ۔

اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ﴾

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، چنانچہ عین خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا "اٹھو اور پڑھو" [۱]

میدان جہاد میں جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ ہاتھ میں تلوار لے کر کھڑے ہوتے تھے لیکن ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ کی حالت میں کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی۔ [۲] وعظ و ارشاد کے لیے عموماً ناغہ دے کر خطبہ دیا کرتے تھے، تاکہ لوگ گھبرا نہ جائیں۔ [۳]

معمولات سفر:

حج، عمرہ اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ ﷺ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہم سفر ہوتیں [۴] جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے، اور صبح تڑکے روانہ ہو جاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے [۵] جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے، اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے اس کے بعد یہ آیت پڑھتے۔

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَo وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ [۶]

سب تعریف اس خدا کی جس نے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کر سکتے تھے، اور ہم اپنے خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

پھر یہ دعا فرماتے:

﴿اللھم انا نسئلك فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ماترضی، اللّٰھم ھون علینا سفرنا واطوعنا بعدہ، اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل، اللّٰھم انی اعوذبك من وعثاء السفر وکابۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال﴾

خداوندا! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی، پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں، خداوندا! ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کر دے۔ خداوندا! سفر میں تو رفیق ہے، بال بچوں کے لیے تو ہمارا قائم مقام

---

[۱] بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۷ باب اذا رای الامام رجلا جاء وھو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین۔

[۲] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۲۱ فصل فی ہدیہ فی خطبہ۔

[۳] بخاری جلد ا صفحہ ۱۶ باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم بالموعظۃ۔

[۴] بخاری جلد ۲ باب حدیث الافک و کتاب المغازی۔

[۵] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای یوم یستحب السفر و باب فی الابتکار فی السفر۔

[۶] ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ سوار ہو جانے کے بعد تین تین بار تکبیر و تحمید کرتے، پھر یہ دعا پڑھتے سبحانك انی ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت (ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا رکب)

ہے۔ خداوندا! میں سفر اور واپسی کے آلام و مصائب اور گھربار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

جب واپس ہوتے تو اس میں اس قدر اضافہ کردیتے ﴿ ائبون، تائبون، عابدون لربنا حامدون ﴾ راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترنم ریز تسبیح ہوتے، صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہو کر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے۔[1]

﴿ یا ارض ربی و ربك اللّٰه اعوذ باللّٰه من شرك و شرما فیك و شر ماخلق فیك و شر مایدب علیك و اعوذ بك من اسد و اسود و من الحیة والعقرب و من ساکنی البلد و من والد و ماولد[2] ﴾

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے، میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں، خداوندا! تجھ سے شیر، سانپ، بچھو اور اس گاؤں کے رہنے والوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے۔

﴿ اللھم رب السمٰوات السبع وما اظللن ورب الا رضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسئلك خیر ھذہ القریة و خیر اھلھا و اعوذبك من شرھا و شر اھلھا و شرما فیھا ﴾ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا نزل المنزل)

خداوندا! اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ افگن ہیں، اے ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں، اے شیاطین اور ان تمام نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں، اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے[3] پھر مکان کے اندر تشریف لے جاتے۔ تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں تاکہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کر لیں۔[4]

معمولاتِ جہاد:

جہاد میں معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے رفقاء کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے، پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے۔

﴿ اغزوا باسم اللّٰه فی سبیل اللّٰه قاتلوا من کفر باللّٰه اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا سافر۔

[2] زادالمعاد فصل فی ہدیہ فی السفر۔

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی اعطاء البشیر۔

[4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق۔

تمثلوا ولا تقتلوا وليدا﴾

خدا کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو، خیانت اور بدعہدی نہ کرنا' مردوں کے ناک کان نہ کاٹنا، بچوں کو قتل نہ کرنا۔

اس کے بعد شرائط جہاد کی تلقین کرتے۔[۱]

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے۔

﴿استودع الله دينكم وأمانتكم وخواتيم اعمالكم[۲]﴾

میں تمہارے قرض کو، امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے، صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے'[۳] اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دو پہر ڈھلے حملہ کرتے[۴] جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو اقامت عدل و انصاف کے لیے وہاں تین دن تک قیام فرماتے[۵] جب فتح وظفر کی خبر آتی تو سجدہ شکرانہ بجالاتے۔[۶] جب میدان جہاد میں شریک کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے۔

﴿اللهم انت عضدى و نصيرى بك احول وبك اصول وبك اقاتل[۷]﴾

خداوندا! تو میرا دست و بازو ہے' تو میرا مددگار ہے تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں' حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔

معمولاتِ عیادت وعزاء:

(بیماروں کی عیادت وغم خواری آپ ﷺ ضرور فرماتے تھے اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے۔[۸] ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آ جاتا تو صحابہؓ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دیتے آپ ﷺ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے' اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے' یہاں تک دم واپسیں کے انتظار میں آپ ﷺ کو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپ ﷺ کو تکلیف ہونے لگتی۔ صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب ان کا یہ معمول ہو گیا کہ جب کوئی شخص مر چکتا تو آپ ﷺ کو اس کی موت کی خبر دیتے' آپ ﷺ اس کے مکان پر تشریف لے جاتے اس کے لیے استغفار فرماتے'

---

۱ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیۃ ایاہم بآداب الغزو وغیرہا۔

۲ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الدعا عند الوداع۔

۳ بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر۔

۴ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای وقت یستحب اللقاء۔

۵ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عند الظہور علی العدو بار ضہم۔

۶ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔

۷ ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایدعیٰ عند اللقاء۔

۸ صحیح بخاری باب وجوب عیادۃ المریض۔

جنازہ کی نماز پڑھتے اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے لیکن صحابہؓ کو آخر آپ ﷺ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی اس لیے خود جنازہ آپ ﷺ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہو گیا۔[1]

عیادت کے لیے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسکین دیتے، پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے[2] اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے[3] اور کہتے انشاء اللّٰہ طھور خدا نے چاہا تو خیریت ہے، کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے۔ ایک بار ایک اعرابی مدینہ میں آ کر بیمار پڑ گیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تسکین ادا فرمائے اس نے کہا "تم نے خیریت کہا، شدید تپ ہے جو قبر ہی میں ملا کر چھوڑے گی"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں اب یہی ہو"۔[4]

معمولاتِ ملاقات:

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے، کوئی شخص اگر جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔[5]

جو شخص حاضر ہونا چاہتا دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے "السلام علیکم" کہتا پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ (خود بھی آپ ﷺ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقے کے خلاف کرتا تو آپ ﷺ اس کو واپس کر دیتے، ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جا کر اس کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو"۔ یعنی پہلے سلام کر لے تب اجازت مانگے۔

ایک دفعہ صفوان بن اُمیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں، کلدہ یوں ہی بے اجازت چلے آئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔[6]

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ بولے "میں" آپ ﷺ نے فرمایا "میں میں"، یعنی یہ کیا طریقہ ہے نام بتانا چاہیے۔

جب آپ ﷺ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور السلام علیکم کہہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۶۶۔

[2] صحیح بخاری باب وضع الید علی المریض۔

[3] صحیح بخاری باب دعا العائد للمریض۔

[4] صحیح بخاری باب عیادت الاعراب۔

[5] ابوداؤد و ترمذی۔

[6] یہ دونوں روایتیں ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ میں ہیں۔

کر اذن طلب فرماتے (راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے' چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سعدؓ بن عبادہ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذان طلبی کے لیے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا، سعد نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں سنا- حضرت سعدؓ کے فرزند قیس بن سعدؓ نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟ حضرت سعدؓ نے کہا چپ رہو! رسول اللہ ﷺ بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لیے برکت کا سبب ہوگا- آنحضرت ﷺ نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعدؓ نے پھر اسی طرح جواب دیا- آنحضرت ﷺ نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے- حضرت سعدؓ نے جب آپ ﷺ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا کہ آپ ﷺ بار بار سلام فرماویں) [1]

کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے' ایک بار آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لیے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا' لیکن آپ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا آنحضرت ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے درمیان آ گیا۔ [2]

معمولات عامہ:

(تیمن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ ﷺ کو محبوب تھا' جوتا پہلے داہنے پاؤں میں پہنتے مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھتے' مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے' اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے)

❁❁❁

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب۔

[2] ادب المفرد صفحہ ۲۱۹۔

مجالس نبوی ﷺ

دربار نبوت:

شہنشاہ کونین کا دربار نقیب و چاؤش اور خیل و حشم کا دربار نہ تھا' دروازہ پر دربان بھی نہیں ہوتے تھے' تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکر تصویر نظر آتا تھا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں' یعنی کوئی شخص ذرا جنبش بھی نہیں کرتا تھا گفتگو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا لیکن یہ امتیاز مراتب نسب و نام یا دولت و مال کی بنا پر نہیں بلکہ فضل و استحقاق کی بنا پر ہوتا تھا سب سے پہلے آپ ﷺ اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے معروضات کو سن کر ان کی حاجت برآری فرماتے۔

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے خود بھی آپ ﷺ مودب ہو کر بیٹھتے' جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا' کوئی شخص بولتا تو جب تک وہ چپ نہ ہو جائے دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا' اہل حاجت عرض مدعا میں ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپ ﷺ کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے۔

آپ ﷺ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے' کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ ﷺ بھی اس میں شامل ہو جاتے' ہنسی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے خود بھی مذاقیہ باتیں فرماتے۔ کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آ جاتا تو حسب مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے اور فرماتے ﴿اکرموا کریم کل قوم﴾ مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے' یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔

ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آ جاتا تھا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤساء اور امراء جب دربار جماتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے آپ ﷺ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ "جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں' اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈھنی چاہیے" [1] البتہ جوش محبت میں آپ کسی کسی کے لیے کھڑے ہو جاتے' چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؓ جب کبھی آ جاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی چومتے (حضرت حلیمہ سعدیہ کے لیے بھی آپ ﷺ نے اٹھ کر چادر بچھا دی تھی' اسی طرح ایک دفعہ آپ کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا [2])

ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی' کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہ آنے پاتا کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے' جب کوئی شخص اچھی بات کہتا تو آپ ﷺ تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اس کو مطلع فرما

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل۔

[2] ابوداؤد کتاب الادب بر الوالدین۔

دیتے۔ [۱]

ایک دفعہ دو شخص مجلس اقدس میں حاضر تھے' ان میں ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا' معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن انہوں نے اسلامی شعائر کے موافق الحمد للہ نہیں کہا' دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا آنحضرت ﷺ نے حسب معمول یرحمک اللہ کہا' معزز صاحب نے شکایت کی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے خدا کو یاد کیا تو میں نے بھی کیا' تم نے خدا کو بھلا دیا تو میں نے بھی تم کو بھلا دیا۔ [۲]

صحابہ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپ ﷺ تک نہ پہنچائیں' آپ ﷺ فرماتے تھے کہ "میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے صاف جاؤں"۔ [۳]

مجالسِ ارشاد:

آنحضرت ﷺ [۴] کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر' حضر' جلوت' خلوت' نشست' برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے اس بنا پر آپ ﷺ نے تعلیم و ارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کر دیئے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفادہ منظور ہو وہ آ سکیں۔

یہ صحبتیں عموماً مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں' مسجد نبوی میں ایک چھوٹا سا صحن تھا' کبھی آپ ﷺ وہاں نشست فرماتے' ابتداً آنحضرت ﷺ کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی' باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ ﷺ کو پہچاننے میں دقت ہوتی' صحابہ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا۔ آپ ﷺ اس پر تشریف رکھتے' باقی دونوں طرف صحابہ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ [۵]

آدابِ مجلس:

ان مجالس میں آنے والوں کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی' عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے۔

خلق نبوی کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا آپ ﷺ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں' صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں' ایک شخص آتا ہے اور اس کو آنحضرت ﷺ میں اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔ لوگوں سے پوچھتا ہے "محمد کون ہے؟" صحابہؓ بتاتے ہیں کہ "یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں" وہ کہتا ہے "اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا خفا نہ

[۱] یہ تمام تفصیل شمائل ترمذی کی دو مفصل روایتوں سے ماخوذ ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔

[۲] ادب المفرد امام بخاری۔

[۳] ابوداؤد کتاب الادب۔

[۴] اضافہ تا صفحہ ۲۳۲۔

[۵] ابوداؤد باب القدر۔

ہونا'' آپ ﷺ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔[1]

بایں ہمہ سادگی وتواضع' یہ مجالس رعب ووقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وتلقینات کا دائرہ' اخلاق' مذہب اور تزکیہ نفوس تک محدود تھا' اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں' لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے' مثلاً یارسول اللہ! میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے وہ کہاں ہے؟ آپ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کئے گئے تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا کہ ''جو پوچھنا ہو پوچھو' میں سب کا جواب دوں گا''۔ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا۔[2] رضیت الخ

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا' اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔ بعض اوقات آپ ﷺ گفتگو کرتے ہوتے کوئی صحرانشین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا' دفعتاً آ جاتا اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا آپ ﷺ سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے' ایک دفعہ آپ تقریر فرما رہے تھے ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئیگی؟ آپ ﷺ تقریر کرتے رہے' حاضرین سمجھے کہ آپ ﷺ نے نہیں سنا کسی کسی نے کہا ''سنا'' لیکن آپ ﷺ کو ناگوار ہوا' آپ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ بدو نے کہا ''میں یہ حاضر ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے''۔ بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ فرمایا ''جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا''۔[3]

اوقاتِ مجلس:

اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا' نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے اور فیوض روحانی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی' چنانچہ کعب بن مالکؓ پر جب غزوہ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انہی مجالس میں آ کر آنحضرت ﷺ کی خوشنودی مزاج کا پتہ لگاتے' خود ان کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿ واتی رسول اللہ ﷺ فاسلم علیہ وھو فی مجلسہ بعد الصلوٰۃ فاقول فی نفسی ھل حرك شفتیہ بردالسلام ام لا ﴾[4]

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا تھا اور آپ بعد نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپ نے جواب سلام میں اپنے لب ہلائے یا نہیں۔

---

[1] بخاری جلد ا صفحہ ۱۵ کتاب الایمان۔

[2] بخاری کتاب العلم۔

[3] صحیح بخاری کتاب العلم صفحہ ۱۴۔

[4] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۵ حدیث کعب بن مالک۔

صبح کی مجلسوں میں کبھی کبھی آپ ﷺ وعظ فرماتے۔ ترمذی اور ابوداؤد میں عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے۔

﴿وعظنا رسول اللّٰه ﷺ یوما بعد صلوٰة الغداة موعظةً بلیغة ذرفت منها العیون ووجلت منها القلوب﴾ [1]

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کہا جس سے آنکھیں اشک ریز ہوگئیں اور دل کانپ اٹھے۔

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی اس میں وعظ ونصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی، لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ ﷺ خاص طور پر حقائق ومعارف کے اظہار کے لیے مجالس منعقد فرماتے تھے، یہی مجالس ہیں جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

﴿کان یومًا بارزًا للناس﴾ [2]

آنحضرت ﷺ ایک دن عام طور پر لوگوں کے لیے باہر نکلے تھے۔

چونکہ افادہ عام ہوتا تھا، اس لیے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے، اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آکر واپس چلے جاتے ان پر آپ ﷺ نہایت ناراض ہوتے، آپ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے، ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی، وہیں بیٹھ گئے، دوسرے صاحب کو درمیان میں موقع نہیں ملا، اس لیے سب کے پیچھے بیٹھے، لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے، آنحضرت ﷺ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے بھی اس کو پناہ دی، ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمایا، ایک نے خدا سے منہ پھیرا، خدا نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ [3]

پند ونصائح کتنے ہی موثر طریقہ سے بیان کیے جائیں لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے، اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ وعظ ونصائح کی مجالس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے۔ بخاری میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔

﴿کان النبی ﷺ یتخولنا بالموعظة فی الایام کراهة السآمة علینا﴾

آنحضرت ﷺ ہم لوگوں کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔

عورتوں کے لیے مخصوص مجلس:

ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا، اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور ان کے وعظ وارشاد کے لیے

---

[1] ترمذی صفحہ ۴۴۰۔

[2] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲۔

[3] بخاری جلد ا صفحہ ۲۰ کتاب العلم۔

ایک خاص دن مقرر ہوگیا۔ [1]

اگرچہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں جو خاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے ہیں تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا سے آپ ﷺ کو ناگوار ہوتا۔

اس قسم کے پردے کی بات مرد بھی مجمع عام میں پوچھتے تو آپ ﷺ کو تکدر ہوتا' ایک دفعہ ایک انصاری نے (جن کا نام عاصم تھا) مجلس عام میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کو ملامت کی۔ [2]

طریقہ ارشاد:

کبھی کبھی آپ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے اس سے لوگوں کی جودتِ فکر اور اصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے پوچھا وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں' اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے؟" لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا' میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا' لیکن میں کمسن تھا اس لیے جرأت نہ کرسکا' بالآخر لوگوں نے عرض کی حضور بتائیں' ارشاد فرمایا "کھجور" عبداللہ بن عمرؓ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کرکے اپنا خیال ظاہر کردیا ہوتا۔ [3]

ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے' صحابہؓ کے دو حلقے قائم تھے' ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہورہی تھی' آپ ﷺ نے فرمایا دونوں عمل خیر کررہے ہیں' لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بناکر مبعوث کیا ہے۔ یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔ [4]

ان مجالس میں دقیق مباحث کو جن کی تہہ تک عوام نہیں پہنچ سکتے ناپسند فرماتے تھے' چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس میں مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہورہی تھی آپ ﷺ نے سنا تو حجرے سے نکل آئے' آپ کا چہرہ اس قدر سرخ ہوگیا تھا گویا عارض مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟ قرآن کو باہم ٹکرا رہے ہو' گذشتہ امتیں انہی باتوں سے برباد ہوئیں۔ [5]

ان مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہؓ جن مسائل میں باہم اختلاف کرتے آنحضرت ﷺ ان کا صحیح فیصلہ کردیتے' مثلاً شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوصِ عمل کے منافی سمجھی جاتی ہے' اور خود صحابہ کے زمانہ میں بھی سمجھی جاتی تھی' چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں دو شخصوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی' ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور ایک شخص

---

[1] بخاری کتاب العلم۔

[2] ایضاً۔

[3] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۱ باب فضل العلماء۔

[4] سنن ابن ماجہ صفحہ ۹ باب القدر۔

[5] ایضاً۔

نے فخر یہ یہ کہہ کے نیزہ مارا کہ میرا وار لینا میں غفاری جوان ہوں تو اس میں تمھاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا میری رائے میں کچھ ثواب نہ ملے گا' تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سن کر کہا میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں' اس پر دونوں میں اختلاف ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی گفتگو سنی تو فرمایا ''ثواب اور شہرت دونوں میں کوئی مخالفت نہیں''۔ [1]

عام خیال یہ تھا کہ قوائے عملیہ کے بیکار کر دینے کا نام تقدیر ہے' تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوگا اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہیں سکتی لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک مجلس میں جو اتفاقاً منعقد ہو گئی تھی' اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہیں' انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی اس کا نوشتہ تقدیر ہیں' اس لیے توکل قوت عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہیں چنانچہ صحابہ ایک جنازہ میں شریک تھے' آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور صحابہؓ جمع ہو گئے' آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی' اس سے زمین کریدنے لگے' پھر فرمایا تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی جگہ جنت یا دوزخ میں لکھی نہ جا چکی ہو' ایک شخص نے کہا تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں' جو شخص سعادت مند ہوگا وہ خود بخود سعادت مندوں میں داخل ہو جائے گا' اور جو شخص بدبخت ہوگا وہ بدبختوں سے مل جائے گا' آپ ﷺ نے فرمایا سعادت مند وہ لوگ ہیں جن کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے' اور بدبخت وہ ہیں جن کے لیے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔ [2]

مجالس میں شگفتہ مزاجی:

باوجود اس کے کہ ان مجالس میں صرف ہدایت ارشاد' اخلاق اور تزکیہ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے ﴿کان الطیر فوق رؤسھم﴾ تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں ایک دن آپ ﷺ نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی' خدا نے کہا کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی ہے؟ اس نے کہا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیار ہو جائے' چنانچہ اس نے بیج ڈالے فوراً دانہ اگا بڑھا اور کٹنے کے قابل ہو گیا۔ ایک بدو بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی جو زراعت پیشہ ہیں لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہیں' آپ ﷺ ہنس پڑے۔ [3]

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں تباہ ہو گیا' ارشاد ہوا کیوں؟ بولے میں نے رمضان میں بیوی سے ہم بستری کی' آپ ﷺ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو' بولے غریب ہوں' غلام کہاں سے لاؤں؟ ارشاد ہوا دو مہینے کے روزے رکھو' بولے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا' فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ' بولے اتنا مقدور نہیں' اتفاق سے کہیں سے زنبیل بھر کر کھجوریں آ گئیں' آپ ﷺ نے فرمایا لو غریبوں کو خیرات کر آؤ' عرض کی اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو پیغمبر بنایا سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں' آپ ﷺ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا اچھا تم

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۔

[2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۸ تفسیر وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی۔

[3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۱ باب کلام الرب مع اہل الجنۃ۔

خود ہی کھالو۔[1]

فیضِ صحبت:

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کی کہ ہم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے[2]۔

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ خدمت اقدس میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! ﷺ میں منافق ہو گیا ہوں، میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ ﷺ دوزخ و جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں لیکن بال بچوں میں آ کر سب بھول جاتا ہوں ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔[3]

---

[1] بخاری صفحہ ۸۰۸ باب نفقۃ المعسر علی اہلہ۔

[2] ترمذی شریف باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ ونعیمہا۔ امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قوی نہیں۔

[3] ترمذی ابواب الزہد و صحیح مسلم کتاب التوبہ۔

خطابتِ نبوی ﷺ

خطابت [۱] اور تقریر نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تو ان کو یہ دعا مانگنی پڑی۔

﴿ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ٥ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ ﴾

خداوند میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

لیکن سید الانبیا ﷺ کو خود بارگاہ الٰہی سے یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا' چنانچہ آپ ﷺ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا۔

﴿ انا افصح العرب بعثت بجوا مع الکلم ﴾

میں فصیح ترین عرب ہوں' میں کلمات جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا' تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے' قریش اور بنو ہوازن' قریش خود آنحضرت ﷺ کا قبیلہ تھا اور بنو ہوازن کے قبیلہ میں آپ نے پرورش پائی تھی' اس لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿ انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر ﴾ [۲]

میں تم میں فصیح تر ہوں' قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔ [۳]

طرزِ بیان:

آنحضرت ﷺ نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے' آپ ﷺ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لیے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپ ﷺ کے ساتھ چاؤش ہوتے تھے نہ آپ ﷺ خطباء کا لباس پہنتے تھے' ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے [۴] ابن ماجہ میں ہے کہ مسجد میں جب آپ ﷺ خطبہ دیتے تو دست مبارک میں عصا ہوتا تھا اور میدان جنگ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے۔ جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا' لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جب ضرورت پیش آتی آپ ﷺ فی البدیہہ خطبہ کے لیے تیار ہو جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے زمین پر' منبر پر' اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے خطبہ دیا ہے' ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپ ﷺ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا تاہم آپ ﷺ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے۔

عام نصائح اور پند کی باتیں گو آپ ﷺ اخباری فقروں میں بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر موثر بنانا

---

[۱] اضافہ تا ختم باب۔
[۲] طبقات ابن سعد اصفحہ ۷۱۔
[۳] بنو سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے۔
[۴] ابوداؤد جلد اول کتاب الصلوۃ ابواب الجمعہ والخطبہ علی قوس۔

ہوتا تھا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع فرماتے تھے' غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اول سے آخر تک سوال و جواب ہے' حجۃ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات میں جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ جوش بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی' غصہ بڑھ جاتا تھا' انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں' گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کسی فوج کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں [1] جوش بیان میں جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا' [2] ہاتھوں کو حرکت دینے سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی [3] کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے کبھی کھول دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس قسم کی پر جوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

﴿سمعت رسول الله ﷺ على المنبر يقول ياخذ الجبار سمٰوٰته و ارضه بيده و قبض يده فجعل يقبضها و يبسطها .... قال و يتمائل رسول الله ﷺ عن يمينه و عن شماله حتى نظرت الى المنبر يتحرك من اسفل شئى منه حتى انى لا قول اساقط هو برسول الله ﷺ﴾ (ابن ماجہ ذکر المبعث)

آنحضرت ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، فرما رہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا' یہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے...... آپ ﷺ کا جسم مبارک کبھی دائیں' کبھی بائیں جھکتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔

آنحضرت ﷺ کے خطبات کی نوعیت:

احادیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے خطبات اور ان کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کر دیئے گئے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کی مختلف حیثیتیں تھیں اور اس کا اثر آپ ﷺ کے طرز بیان پر پڑتا تھا۔ آپ ﷺ داعی مذہب تھے' فاتح تھے' واعظ تھے' امیر الجیش تھے' قاضی تھے' پیغمبر تھے' اس اختلاف حیثیت نے آپ ﷺ کے خطابت اور زور بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے اور بلاغت کا اقتضا بھی یہی ہے آپ ﷺ بحیثیت داعی مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت آپ ﷺ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی' چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔

اپنے اقربا کو ڈراؤ۔

تو آپ ﷺ نے تمام قریش کو جمع کر کے ایک خطبہ دینا چاہا ابولہب کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو پورا نہیں ہونے دیا تاہم آپ ﷺ کی زبان سے اس موقع پر جو چند جملے نکل گئے اس سے آپ ﷺ کے زور بیان کا اندازہ ہو

---

[1] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ صفحہ ۳۱۹ جلد اول۔

[2] ابن ماجہ ذکر المبعث۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۰۲۔

سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے صفا پر چڑھ کر پہلے پکارا ''یا صباحاہ '' یہ وہ لفظ ہے جو عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر دفعتاً غارت گری کے لیے ٹوٹ پڑتا ہے تمام لوگ یہ لفظ سن کر چونک اٹھے اور آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ ارائیتم ان اخبر تکم ان خیلا تخرج من سفح هذا الجبل اکنتم مصدقی ؟﴾

بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

سب نے جواب دیا' اب تک آپ کی نسبت ہم کو کسی قسم کی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں ہوا ہے' جب آپ نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا۔

﴿ اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴾

میں تمہیں ایک ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا ''کیا ہم سبھوں کو اسی لیے جمع کیا تھا'' یہ کہہ کر چل کھڑا ہوا۔ [1]

غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے تمام مال غنیمت مؤلفة القلوب کو دیدیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوانوں کو یہ نہایت ناگوار ہوا' اور انہوں نے کہا ''خدا پیغمبر کی مغفرت کرے' قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے' حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے'' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی لوگوں نے کہا چند نوجوانوں نے یہ کہا ہے' لیکن ہم میں جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہیں' انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا'' اب آپ ﷺ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا۔

﴿ یا معشر الانصار الم اجد کم ضلالا فهداکم اللّٰه بی و کنتم متفرقین فالفکم اللّٰه بی و عالة فاغناکم اللّٰه بی ﴾

اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی' تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو مجتمع کر دیا تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے'' خدا اور اس کا رسول بہت امین ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا'' یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمد! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے ہم نے تمہاری تصدیق کی' تمہارا کوئی مددگار نہ تھا ہم نے تمہاری مدد کی' تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہم نے تم کو گھر دیا' تم محتاج تھے ہم نے تمہاری غم خواری کی''۔ اس کے بعد آپ نے اصل اعتراض کا جواب دیا۔

﴿ اترضون ان یذهب الناس بالشاة و البعیر و تذهبون بالنبی الی رحالکم فو اللّٰه لما تنقلبون به خیر مما ینقلبون ﴾

کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ' خدا کی قسم تم لوگ جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس کو تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۳ تفسیر سورہ تبت۔

اس پر تمام انصار پکار اٹھے "رضینا" یعنی ہم سب راضی ہیں۔[1] اس خطبہ کے وجوہ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ فاتحانہ حیثیت سے آپ ﷺ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں' مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا' حرم ایک دارالامان تھا' جس میں کبھی خونریزی نہیں ہو سکتی تھی فتح مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامن عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا' اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا اس لیے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے۔ آنحضرت ﷺ کو انہی دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا' چنانچہ آپ نے بہ ترتیب ان ہی کی طرف توجہ کی' سب سے پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

﴿ان اللّٰہ حرّم مکۃ یوم خلق السموات والارض فھی حرام بحرام اللّٰہ الی یوم القیمۃ لم تحل لاحد قبلی ولا تحل لاحد بعدی ولم تحلل لی قط الا ساعۃ من الدھر لا ینفر صیدھا ولا یعضد شوکھا ولا یختلی خلاھا ولا تحل لقطتھا الا لمنشد﴾

خدا نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام کر دیا' پس وہ بحرمت خدا حرام ہے وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال ہوا اور نہ میرے بعد حلال ہوگا اور میرے لیے بھی بجز چند گھنٹوں کے ہرگز حلال نہیں ہوا' نہ اس کے شکاروں کو بدکایا جا سکتا ہے نہ اس کا کانٹا کاٹا جا سکتا ہے' نہ اس کی گھاس کاٹی جا سکتی ہے' نہ اس کی گم شدہ چیز حلال ہو سکتی ہے بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈھ رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں دیا تھا۔ یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہے جس کو قدرتاً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے تاہم سلاست' روانی اور شستگی الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبوں سے کم نہیں' آپ نے حمد و نعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی۔

﴿ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا فی شھر کم ھذا فی بلد کم ھذا﴾

لوگو! سنو! کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ "غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہے" لیکن اس تفصیل اور اس پیرایہ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زوردار بنا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی عزت' آبرو' جان و مال سب مسلمانوں پر حرام ہے۔ اس مطلب کو اس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے۔

﴿اتدرون ای یوم ھذا؟ قالوا اللّٰہ و رسولہ اعلم قال فان ھذا یوم حرام افتدرون ای بلد ھذا؟ قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شھر ھذا؟ قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال شھر حرام﴾

کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے' آپ ﷺ نے فرمایا یہ یوم الحرام

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین۔

ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا بلد الحرام ہے، کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شہر حرام ہے۔

اس طرح جب لوگوں کے دل میں اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا۔

﴿ ان اللّٰہ حرم علیکم دماء کم و اموالکم و اعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض ﴾

خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، تم پر اس مہینہ میں، اس شہر میں، اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن مارے۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی ہے۔

﴿ ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم من ادم و ادم من تراب ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم ﴾

تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی کے تھے، خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عرب کا عام ذریعہ معاش غارت گری تھی، لیکن شہر حرم کے چار مہینے تک وہ لوگ بیکار نہیں رہ سکتے تھے اس لیے ان مہینوں کو ادل بدل لیا کرتے تھے جس کو نسئی کہتے ہیں، قرآن مجید نے اس کی ممانعت کی۔

﴿ اِنَّمَا النَّسِیْءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ ﴾

نسئی کفر میں اضافہ کرتا ہے۔

آپ نے اپنے خطبہ میں اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا۔

﴿ ان الزمان قد استدار کهیئة یوم خلق اللّٰه السموات و الارض ﴾

زمانہ ہیر پھیر کے پھر اسی مرکز پر آ گیا جیسا کہ اس دن تھا جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔

ان حیثیتوں کے علاوہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی، آپ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں وہ اگرچہ نہایت سادہ ہیں تاہم ان میں بھی بلاغت کا اسلوب موجود ہے ایک اخلاقی واعظ کے لیے پیچیدہ ترکیب، شاندار الفاظ اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں وہ تمام تر اسی قسم کے ہیں، مدینہ آ کر سب سے پہلا فقرہ جو زبان مبارک سے نکلا، یہ تھا۔

﴿ یاایها الناس، افشوا السلام، واطعموا الطعام، وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام ﴾

لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو جب اور لوگ سوتے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

مدینہ میں جو سب سے پہلا جمعہ آپ ﷺ نے پڑھا ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد وثنا کے بعد اس میں آپ نے یہ خطبہ دیا تھا۔

﴿ امابعد ایها الناس فقدموا لا نفسکم تعلمن واللّٰه لیصعقن احدکم ثم لیدعن غنمه لیس لها راع ثم لیقولن له ربه لیس له ترجمان ولا حاجب یحجبه دونه الم یاتك رسولی فبلغك واتیتك مالا فافضلت علیك فما قدمت لنفسك، فلینظرن یمیناً وشمالاً فلا یری شیئاً ثم لینظرن قدامه فلا یری غیر جهنم فمن استطاع ان یتقی بوجهه من النار ولو بشق من تمرة فلیفعل ومن لم یجد فبکلمة طیبة فانها تجزی الحسنة بعشر امثالها الی سبعة مائة ضعف والسلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته ﴾ (صحیح مسلم بروایت صحیح)

حمد وثنا کے بعد اے لوگو! اپنے لیے پہلے سے سامان کرلو، تم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی قسم تم میں سے ایک جب اپنے ہوش وحواس کھو چکے گا اور اپنی بکریوں (مال ودولت) کو چھوڑ جائے گا جن کا کوئی نگہبان نہ ہوگا، پھر خدا اور اس کے بیچ میں نہ کوئی ترجمان ہے نہ دربان ہے جو روکے گا، اس سے کہے گا کہ کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا، اور میرا پیغام نہیں پہنچایا اور میں نے تجھ کو دولت نہیں دی، اور حاجت سے زیادہ نہیں عطا کیا، تو تو نے اپنے لیے پہلے سے کیا سامان کیا، اس وقت وہ بندہ داہنے بائیں دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا، اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پس جس کو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے گو چھوہارے کے ایک ٹکڑا ہی سے کیوں نہ ہو، کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی سے کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ سات سو گنا دیا جائے گا، تم پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت وبرکت نازل ہو۔

اس کے بعد دوسری دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ الحمد للّٰه احمده واستعینه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یهد اللّٰه فلا مضل له ومن یضلل فلا هادی له واشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریك له ان احسن الحدیث کتاب اللّٰه قد افلح من زینة اللّٰه فی قلبه وادخله فی الاسلام بعد الکفر فاختاره علی ماسواه من احادیث الناس انه احسن الحدیث وابلغه احبوا ما احب اللّٰه احبوا اللّٰه من کل قلوبکم ولا تملوا کلام اللّٰه وذکره ولا نفس عنه قلوبکم فاعبدوا اللّٰه ولا تشرکوا به شیئاً واتقوه حق تقاته وصدقوا اللّٰه صالح ماتقولون بافواهکم وتحابوا بروح اللّٰه بینکم ان اللّٰه یغضب ان ینکث عهده والسلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته ﴾

خدا کی حمد ہو، میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس کے دامن میں اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ ہدایت نہ کرے اس کی کوئی رہنمائی کرنے

والانہیں' میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہی تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں' بہترین کلام خدا کی کتاب ہے' کامیاب ہوا وہ جس کے دل کو خدا نے اس سے آراستہ کیا اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا' انسانوں کی باتوں کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا' کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پراثر ہے جس کو خدا دوست رکھتا ہے تم بھی دوست رکھو' اور خدا کو دل سے پیار کرو اور اس کے کلام و ذکر سے کبھی نہ تھکو اور تمہارے دل اس کی طرف سے سخت نہ ہوں پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ' اور اس سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور خدا سے سچی بات کہو اور آپس میں ایک دوسرے کو ذات الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو خدا اس سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے' تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکت نازل ہو۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان کیں۔

﴿ان اللّٰہ لا ینام و لا ینبغی له ان ینام یخفض القسط و یرفعه یرفع الیه عمل اللیل قبل عمل النهار' و عمل النهار قبل عمل اللیل' حجابه النور﴾ (صحیح مسلم رؤیۃ اللہ تعالی)

ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایان شان ہے' وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں' اور دن کے اعمال رات سے پہلے' خدا کا پردہ نور ہے۔

جمعہ کے خطبہ میں عموماً زہد و رقاق' حسن اخلاق' خوف قیامت' عذاب قبر' توحید و صفات الٰہی بیان کرتے تھے۔ ہفتہ میں کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے متعلق ہدایات فرماتے تھے اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کے بجائے قرآن مجید کی کوئی انہیں مضامین کی موثر سورت ق وغیرہ پڑھ دیا کرتے۔ یہ سورہ آپ جمعہ کے خطبہ میں اکثر و بیشتر پڑھا کرتے تھے۔ عید کے خطبہ میں ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ اتفاقی خطبے ضرورت کے موقعوں پر دیا کرتے تھے اور ان میں مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے ایک دفعہ آفتاب میں گہن لگا اتفاق سے اسی دن آپ کے کمسن فرزند حضرت ابراہیم نے وفات پائی تھی۔ مزعومات عرب کے مطابق لوگوں نے کہا کہ یہ گہن اسی لیے لگا ہے' آپ نے اس موقع پر حسب ذیل خطبہ دیا۔

﴿اما بعد یاایّھا الناس انما الشمس و القمر ایتان من ایات اللّٰہ و انهما لا ینکسفان لموت احد من الناس مامن شئی لم اکن رایته الا قد رایته فی مقامی هذا حتی الجنة و النار و انه قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور مثل فتنة الدجال فیوتی احدکم فیقال ما علمك بهذا الرجل فاما الموقن فیقول هو محمد هو رسول اللّٰہ جاء بالبینات و الهدی فاجبنا و اطعنا' اما المرتاب فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلت انه عرض علی کل شئی تولجونه فعرضت علیّ الجنة حتی لوتنا ولت منها قطفا اخذته فقصرت یدی عنه و عرضت علی النار فرایت فیها امراة تعذب فی هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاکل من حشاش الارض ورایت ابا ثمامة عمرو بن مالك یجر قصبه فی النار و اتهم کانوا یقولون ان الشمس و القمر لا یخسفان الا لموت عظیم و انه ایتان من ایات

اللہ یریکموھما فاذا خسفا فصلوا حتی تنجلی﴾ [1]

حمد وثنا کے بعد' لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیاں ہیں' وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہیں ہوتے۔ جس چیز کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اس کو یہیں دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی' اور ہاں مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے جس طرح دجال سے آزمائے جاؤ گے تم میں سے ہر شخص کے پاس ایک آنے والا آئے گا اور پوچھے گا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت ﷺ) کی نسبت کیا جانتے ہو' یقین والے کہیں گے یہ محمد ہیں' یہ خدا کے رسول ہیں جو نشانیاں اور ہدایتیں لے کر آئے تو ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی اور متشکک کہیں گے میں نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے سنا وہ کہہ دیا۔ میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جن میں تم داخل ہو گے تا آنکہ اگر میں چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا لیکن میرے ہاتھ رک گئے دوزخ میرے سامنے رونما کی گئی میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جس کو صرف اس لیے سزا دی جا رہی تھی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی کوئی چیز کھائے' میں نے دوزخ میں ابوثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا' یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے حالانکہ وہ تو خدا کی دو نشانیاں ہیں' جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تا آنکہ وہ صاف ہو جائے۔

رد بدعت اور اعتصام بالسنۃ میں آپ ﷺ کا یہ مختصر خطبہ بتغیر الفاظ حدیث کی اکثر کتابوں میں منقول ہے۔

﴿انما ھما اثنتان الکلام والھدی فاحسن الکلام کلام اللہ فاحسن الھدی ھدی محمد الا وایاکم محدثات الامور فان شر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ الا لا یطولن علیکم الا مد فیقسوا قلوبکم الا ان ماھوات قریب وان البعید مالیس بات الا انما الشقی من شقی فی بطن امہ والسعید من وعظ بغیرہ الا ان قتال المؤمن کفر و سبابہ فسوق ولا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث الا وایاکم والکذب﴾ [2]

صرف دو باتیں ہیں قول اور عملی طریقہ' تو عمدہ کلام خدا کا کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمد کا طریقہ ہے' خبردار (مذہب میں) نئی باتوں سے بچو' نئی باتیں بدترین چیزیں ہیں' ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے' تم کو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں' جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے' دور وہ چیز ہے جو آنے والی نہیں ہے' بدبخت اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہوتا ہے' خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل کرے' خبردار مسلمان سے لڑنا کفر اور اس سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے' مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے' ہاں خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا۔

[1] صحیح مسلم بروایت مختلفہ۔

[2] ابن ماجہ باب اجتناب البدع

اثر انگیزی:

خطبات نبوی ﷺ تاثیر اور رقت انگیزی میں درحقیقت معجزہ الٰہی تھے' پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سن کر چند لمحوں میں موم ہو جاتے تھے' مکہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے سورہ والنجم کی آیتیں تلاوت کر کے سنائیں تو یہ اثر ہوا کہ آپ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان' بڑے بڑے کفار بھی سجدہ میں گر پڑے۔ [1]

آنحضرت ﷺ کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے یہ سن کر کہ نعوذ باللہ آپ کو جنون ہے بغرض علاج آئے' آپ ﷺ نے ان کے سامنے مختصر سی تقریر کی' انہوں نے کہا کہ محمد! ذرا اس کو پھر تو دہرانا' غرض آپ نے کئی بار تقریر دہرائی تو اخیر میں انہوں نے کہا ''میں نے شاعروں کے قصیدے اور کاہنوں کے کلام سنے ہیں لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے'' [2]

ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کر کے مدینہ آیا آپ ﷺ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی' مسجد نبوی میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہیں یعنی

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ﴾

اے لوگو! اس خدا سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا۔

پھر سورہ حشر کی یہ آیت تلاوت کی

﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾

اس کے بعد فرمایا ''درہم' کپڑا' غلہ بلکہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا جو ہو' راہ خدا میں دو' مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت جیسی کچھ تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے لیکن بایں ہمہ آپ ﷺ کی رقت انگیز اور موثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہو گیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا اس نے سامنے رکھ دیا۔ بعضوں نے اپنے کپڑے اتار دیئے' کسی نے گھر کا غلہ لا کر دیدیا ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیوں کا ایک توڑا اٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل ان سے اٹھ سکتا تھا' راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور خوشی سے آپ ﷺ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔ [3]

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات میں آپ ﷺ کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کر کے جوش محبت کا دریا بہا دیتے تھے۔ اوس و خزرج کی سالہا سال کی عداوتیں اس اعجاز کی بدولت مبدل بہ محبت ہو گئیں۔ غزوہ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپ ﷺ سوار ہو کر نکلے۔ مسلمان اور منافقین یکجا بیٹھے ہوئے تھے' مسلمانوں نے تو ادب سے سلام کیا' لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا' یہ چنگاری تھی جس نے خرمن میں آگ لگا دی' قریب تھا کہ جنگ و جدل برپا ہو جائے لیکن آپ ﷺ کے چند فقروں نے آگ پر پانی ڈال دیا۔ [4]

---

[1] صحیح مسلم تفسیر سورۂ نجم۔

[2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ وقصر الخطبہ۔

[3] صحیح مسلم باب الصدقات۔

[4] صحیح بخاری السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر۔

غزوہ مصطلق سے واپسی میں ایک واقعہ پر بعض منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت ممکن تھا کہ مہاجرین و انصار باہم دست وگریبان ہو جائیں کہ عین وقت پر آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی' آپ ﷺ تشریف لائے تو اس طرح تقریر فرمائی کہ چند لمحوں میں مہاجرین وانصار[1] پھر شیر وشکر تھے۔ واقعہ افک میں اوس وخزرج میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبوی میں شاید تلواریں نیام سے نکل پڑتیں آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے' آپ نے سلسلہ تقریر کو جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہریں پھر جاری ہو گئیں۔[2]

غزوہ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم پر جب انصار میں آزردگی پیدا ہوگئی تھی' اس وقت آپ ﷺ نے جس بلیغانہ انداز میں تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر سا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور دل کا سارا غبار آب کوثر کے ان قطروں سے دفعتاً دھل گیا۔[3]

فتح مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپ ﷺ نے روسائے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان میں سے وہ لوگ جن کی آنکھوں میں خلق نبوی ﷺ کا جلوہ نہ تھا' معترض ہوئے کہ ''آخر آپ کو اپنے وطن وخاندان کی محبت آ ہی گئی'' آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے؟ عرض کی ہاں یارسول اللہ! فرمایا ''وطن وخاندان کی پاسداری میرے پیش نظر نہ تھی' میں خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں' میں نے اللہ کی طرف ہجرت کی اور تمہاری طرف' اب میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے۔'' یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہو گئی اور رونے لگے۔

وعظ ونصیحت میں جو خطبات آپ ارشاد فرماتے تھے' وہ بھی اسی قدر موثر ہوتے تھے۔ ایک صحابی موقع کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں

﴿ وعظنا رسول اللہ ﷺ یوما بعد الصلوة الغداة موعظة بلیغة ذرفت منها العیون و وجلت منها القلوب ﴾ (ترمذی وابوداؤد)

صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایسا موثر وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں۔

﴿ قام رسول اللہ ﷺ خطیبا فذکر فتنة القبر التی یفتتن بها المرء فلما ذکر ذلك ضبحة المسلمون ضبحة ﴾[4]

آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں فتنۂ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جائے گی'

---

[1] صحیح بخاری تفسیر منافقین وابن سعد غزوہ مذکور۔
[2] صحیح بخاری قصہ افک۔
[3] صحیح مسلم فتح مکہ۔
[4] صحیح بخاری باب ماجاء فی عذاب القبر۔

جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ﴿والذی نفسی بیدہ﴾ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے۔ لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی ہوش نہ رہا کہ آپ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں۔ [1]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس قدر موثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا۔ اثنائے تقریر میں آپ نے فرمایا ''اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ'' اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ منہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار رونے لگے۔ [2]

❁❁❁

[1] سنن نسائی کتاب الزکوۃ۔
[2] صحیح بخاری تفسیر سورہ مائدہ۔

عبادات نبوی ﷺ

﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ o وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴾

اے محمد! جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اپنے رب سے دل لگاؤ۔

دنیا[1] میں آنحضرت ﷺ کے سوا اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس کے متعلق صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ اس کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور اس کی عبادتوں کی نوعیت کیا تھی؟ گذشتہ انبیاء میں حضرت نوحؑ بلکہ آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جن کے حالات توراۃ میں مذکور ہیں ان کی زندگی کا یہ باب صحائف بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہیں کہیں صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیروؤں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی، جن پر دین و شریعت کا دارومدار ہے، وہ محفوظ نہیں رکھ سکے۔ پیروان اسلام کو یہ فخر ہے کہ انہوں نے اوّل سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقات عبادات، اس کے طریقے، اس کے انواع، اس کی کیفیات غرض اس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے۔

دعا اور نماز:

آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے بھی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور غار حرا میں جا کر مہینوں قیام اور مراقبہ کرتے تھے۔[2] نبوت کے ساتھ آپ ﷺ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا اس لیے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کا وقت جب آتا، کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے، ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے ابو طالب آ نکلے، انہوں نے دیکھا تو پوچھا "بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟" آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔[3]

چاشت کی نماز آپ ﷺ سب کے سامنے حرم ہی میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی[4]۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر اڑا رہے تھے ابوجہل نے کہا "کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا اور محمد جب سجدہ میں جاتے تو وہ ان کی گردن پر ڈال دیتا"۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا،[5] نماز میں جب آپ ﷺ جہر سے قرات

---

[1] اضافہ تاختم باب۔
[2] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔
[3] مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۹۵۔
[4] ابن اثیر۔
[5] صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوٰۃ۔

فرماتے تو کفار برا بھلا کہتے۔[1] ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے' بعض اشقیاء نے چاہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں'[2] ایک دفعہ ایک شقی نے گلے میں پھانسی ڈال دی[3] لیکن بایں ہمہ مزاحمت' لذت شناس یاد الٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔

راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ ﷺ نمازیں پڑھا کرتے تھے' اس عبادت شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ سے مختلف روایتیں ہیں- ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ رات بھر نماز میں کھڑے رہتے، ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے پھر سو جاتے پھر اٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی- ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپ ﷺ اٹھتے تھے اور ۱۳ رکعتیں ادا کرتے تھے' حضرت عائشہؓ کی روایت ۹ رکعت کی ہے' محدثین نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے' ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے[4] عام طور پر آخر میں آپ ﷺ کا طرز عمل وہی تھا جو حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبادت شبانہ کے عنوان میں گذر چکا ہے۔

فرائض پنج گانہ کے علاوہ آپ ﷺ کم از کم سنن و نوافل کی ۳۹ رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے۔ دو صبح' چار چاشت' چھ ظہر' چھ عصر' چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہؓ) دو مغرب، چھ عشاء' تیرہ تہجد و وتر' ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوابین، سنت تحیۃ مسجد وغیرہ الگ تھیں' تمام سنن میں سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتوں کے آپ ﷺ سختی سے پابند تھے[5] کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اس کی قضا پڑھتے' حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کے لئے نہیں، ایسا واقعہ حضر میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے' ظہر و عصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس میں باریاب ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے' نماز عصر کے بعد آپ ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے حجروں میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی' چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی اس لئے ازواج مطہرات نے استفسار کیا' آپ ﷺ نے واقعہ بیان فرمایا' عام امت کے لئے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن چونکہ آپ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اس کو ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا۔[6]

رمضان کا مہینہ آپ ﷺ کی عبادتوں کے لئے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا' حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ "آپ ﷺ فیاض تو تھے ہی لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبریل قرآن سنانے آتے تو آپ ﷺ کی فیاضی

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ بنی اسرائیل۔
[2] ابن ہشام ذکر قبل ہجرت۔
[3] صحیح بخاری باب لقی النبی بمکہ۔
[4] اس بحث کو زرقانی نے شرح مواہب میں بہ تفصیل لکھا ہے جلد ۷ صفحہ ۴۵۵۔
[5] صحیح بخاری ابواب نوافل وسنن۔
[6] مسند احمد وابوداؤد و صحیح مسلم الرکعتان بعد العصر۔

کی کوئی حد نہ رہتی، آپ ﷺ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی'' [۱] رمضان کے آخری عشرہ میں آپ ﷺ اور زیادہ عبادت گزار ہو جاتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ ﷺ رات رات بھر بیدار رہتے تھے، ازواج سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہل بیت کو نماز کے لئے جگاتے تھے، [۲] اس اخیر عشرہ میں آپ ﷺ عموماً اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یاد الٰہی اور عبادت گذاری میں مصروف رہتے تھے۔ [۳]

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نماز عشاء کے بعد تھا۔ [۴] روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی اسی تعداد کے موافق آپ ﷺ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ رمضان میں پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے [۵] پچھلی رات کو اٹھ کر کوئی موثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ ایک دفعہ رات کو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پچھلے پہر بیدار ہوئے، آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے، رات کے سناٹے میں تارے جھلملا رہے تھے، آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتیں پڑھیں۔ [۶]

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ o الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ o رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ o رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَامَعَ الْاَبْرَارِ o رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ o فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ (آل عمران)

آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے انقلاب میں ان دانش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین میں غور کرتے ہیں کہ خدایا تو نے یہ (نظام عالم) بے نتیجہ نہیں پیدا کیا، تو پاک ہے پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، خدایا جس کو تو دوزخ میں داخل کرے اس کو تو نے رسوا کر دیا، گناہ گاروں کا کوئی مددگار نہیں، خداوندا! ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے، خداوندا! تو ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیوں پر پردہ ڈال اور نیکوں کے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الصوم۔

[۲] ابوداؤد باب الصوم۔

[۳] صحیح بخاری باب الاعتکاف۔

[۴] ابوداؤد ابواب شہر رمضان۔

[۵] صحیح بخاری بدء الوحی۔

[۶] صحیح بخاری و صحیح مسلم صلوۃ اللیل۔

ساتھ دنیا سے اٹھا' خداوندا! تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہم کو عنایت کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا' تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کر لی کہ میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے سے ہو' جنہوں نے ہجرت کی یا اپنے گھروں سے نکالے اور میری راہ میں ستائے گئے ہیں اور وہ لڑے ہیں اور مارے گئے ہیں میں ان سب کے گناہوں کو مٹا دوں گا اور ان کو جنت میں جگہ دوں گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' اللہ کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی' اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔

اسی موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سرتاپا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

﴿اللهم لك الحمد انت نور السموت والارض ولك الحمد انت قيام السموت والارض ولك الحمد انت رب السموت والارض ومن فيهن انت الحق ووعدك الحق وقولك الحق ولقاءك الحق والجنة حق والنار حق والساعة حق' اللهم لك اسلمت وبك امنت وعليك توكلت واليك انبت وبك خاصمت و اليك حاكمت' فاغفرلي ماقدمت و اخرت واسررت واعلنت انت الٰهي لآ اله الا انت﴾

خداوندا تیری حمد ہو' تو آسمان وزمین کا نور ہے' تیری حمد ہو، تو آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے' تیری بات حق ہے' تجھے ملنا حق ہے' جنت حق ہے، دوزخ حق ہے' خداوندا! میں نے تیرے ہی آستانے پر سر جھکایا ہے' تجھی پر ایمان لایا ہوں' تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے' تیرے ہی زور سے جھگڑتا ہوں' تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں' تو میرا اگلا اور پچھلا' کھلا اور چھپا ہر ایک گناہ معاف کر' تو ہی میرا معبود ہے' تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ (صحیح مسلم باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل)

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے آپ ﷺ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ ﷺ کو بستر پر نہ پایا، سمجھی کہ آپ ﷺ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اندھیرے میں ہاتھ سے ادھر ادھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے' اور آپ ﷺ سربسجود دعا میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو اپنے شبہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا' سبحان اللہ! ہم کس خیال میں ہیں' اور آپ کس عالم میں۔[1] کبھی کبھی راتوں کو اٹھ کر آپ تن تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور دعا وزاری کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گئیں تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور دعا مانگی۔[2]

دعا اور نماز کے بعد آپ ﷺ سو جاتے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعتاً سپیدہ صبح نمودار ہوتا' آپ بیدار ہوتے' صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبان مبارک پر ہوتے۔

﴿اللّٰهم اجعل فی قلبی نورًا وّفی لسانی نوراً وّاجعل فی سمعی نوراً وّاجعل فی بصری

---

[1] سنن نسائی باب الغیرہ۔

[2] سنن نسائی باب الاستغفار للمؤمنین۔

نوراً وّاجعل فی خلفی نوراً وّمن امامی نوراً وّاجعل من فوقی نوراً وّتحتی نوراً وّاعطنی نوراً﴾ (صحیح مسلم باب الدعاء فی صلوۃ اللیل)

خدایا میرے دل میں نور پیدا کر' اور میری زبان میں اور میری قوت سامعہ میں نور پیدا کر' آنکھوں میں نور پیدا کر اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر' میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر' اور مجھے نور عطا کر۔

ارکان نماز میں سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام میں ہوتا ہے لیکن حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے بعد اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے آپ ﷺ سجدہ میں جانا بھول گئے۔[1] جو چیز نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے' ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس میں دونوں طرف حاشیے تھے' نماز میں اتفاق سے حاشیوں پر نظر پڑ گئی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ یہ لے جا کر فلاں شخص (ابوجہم) کو دے آؤ اور ان سے انبجانی مانگ لاؤ' حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔[2]

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا' نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کو ہٹا دو' اس کے نقش و نگار حضور قلب میں خلل انداز ہوئے۔[3]

روزہ :

انبیاء اور داعیان مذہب نے تکمیل روحانیت کے لیے تقلیل غذا بلکہ ترک غذا (روزہ) کو اسباب ضروری میں شمار کیا ہے' ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیان مذاہب تو اس راہ میں حد افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں لیکن داعی اسلام کا طرز عمل اس باب میں افراط اور تفریط کے بیچ میں تھا۔ اسلام سے پہلے اہل عرب عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے' آنحضرت ﷺ بھی معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے' بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں آپ ﷺ متواتر کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے لیکن مدینہ آ کر اس معمول میں فرق آ گیا' مدینہ میں یہود بھی عاشورا کا روزہ رکھتے تھے آپ ﷺ نے بھی رکھا بلکہ تمام مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ نفل رہ گیا۔

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ میں آپ ﷺ نے کبھی نہیں رکھا' صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے' اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ ﷺ روزہ سے رہتے' اس طرح سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گذرتے تھے' سال کے بقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی روزہ نہ توڑیں گے' پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے' مہینہ کے نصف اول میں جن کو ایام بیض کہتے ہیں آپ ﷺ اکثر روزوں سے رہتے تھے' مہینہ میں تین دن دو دو شنبہ اور ایک جمعرات کو آپ ﷺ معمولاً روزے رکھا کرتے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات میں سے تھا ان کے علاوہ محرم کے

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۷۱۔

[2] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۴ کتاب الصلوٰۃ انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے۔

[3] صحیح بخاری کتاب اللباس والصلوٰۃ۔

دس دن یکم سے عاشورہ تک اور شوال کے آغاز میں چھ دن دوسری سے ساتویں تک آپ ﷺ روزوں میں گذارتے تھے۔[۱]

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے' آپ ﷺ کبھی گھر میں تشریف لا کر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ فرماتے تو میں آج روزہ سے ہوں[۲] کبھی کبھی آپ ﷺ صوم وصال بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا برائے نام کچھ کھا لیتے تھے لیکن جب صحابہؓ نے اس میں آپ ﷺ کی تقلید کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے منع فرمایا' بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ ﷺ حکماً نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں' اس لئے اس ممانعت کے باوجود آپ ﷺ کے ساتھ انہوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کئے' آپ ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا تیسرے دن اتفاق سے چاند ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا "اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا" صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! پھر حضور کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟ ارشاد ہوا تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں تم میں مجھ جیسا کون ہے میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔[۳]

عام مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ اس قسم کی مذہبی سختیوں کو ناپسند فرماتے تھے اور عام طور پر خود بھی ان چیزوں سے احتراز کرتے تھے تفصیلی واقعات آگے آتے ہیں۔

زکوٰۃ:

آنحضرت ﷺ اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرات کیا کرتے تھے' جیسا کہ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہؓ نے شہادت دی ہے۔[۴] اسلام کے بعد آپ ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقدا اپنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے لیکن بایں ہمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک مطلق صدقہ وخیرات اور اس باب میں جو آپ ﷺ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو' ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے۔ یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپ ﷺ پر فرض ہی نہیں ہوئی۔ کاشانہ نبوت میں کوئی قابل زکوٰۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزر جائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آ گئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی' آپ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا' اور کاشانہ اقدس میں اس وقت

---

[۱] روزہ کے متعلق یہ حدیثیں تمام کتب حدیث میں ہیں۔ اس وقت ابوداؤد اور صحیح مسلم کتاب الصوم پیش نظر ہیں۔

[۲] ابوداؤد باب النیۃ فی الصیام۔

[۳] صوم وصال کی یہ حدیثیں صحیح مسلم سے لی گئی ہیں۔

[۴] صحیح بخاری بدء الوحی۔

تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلالؓ نے آ کر یہ اطلاع نہ دی کہ یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کیا۔ [۱]

حج:

اسلام سے پہلے آپ ﷺ نے جس قدر حج کیے ان کی صحیح تعداد متعین نہیں کی جا سکتی۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش معمولاً ہر سال حج کیا کرتے تھے اس لیے قرینہ غالب یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے۔ ترمذی [۲] میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں آپ ﷺ نے دو حج کئے تھے اور ابن ماجہ اور حاکم میں ہے کہ تین حج کئے تھے لیکن یہ سب روایتیں [۳] مرسل ہیں۔ مدینہ کے زمانہ قیام میں متفقہ ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۰ھ میں کیا' [۴] یہ وہی حجۃ الوداع ہے' جس کا ذکر بہ تفصیل پہلے گزر چکا ہے۔

حج کے علاوہ آپ ﷺ نے عمرے بھی ادا کئے ہیں' ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں۔ ایک عمرہ ذیقعدہ کے مہینہ میں، ایک حدیبیہ کے سال' ایک غزوہ حنین کے بعد' اور چوتھا حجۃ الوداع [۵] کے ساتھ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپ ﷺ نے ذیقعدہ کے مہینہ میں ادا کئے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ''چار عمرے' ان میں سے ایک ماہ رجب میں'' حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو کہا'' خدا ابوعبدالرحمٰن (ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے، آپ ﷺ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ شریک نہ ہوں' آنحضرت ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا''۔ [۶]

سال حدیبیہ میں سب سے پہلی دفعہ جب آپ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی' صحابہؓ ان کی مدافعت میں آپ ﷺ سے بچھڑ گئے' لیکن آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق وشوق تھا کہ اپنے ہمراہیوں کا انتظار کئے بغیر بے خطر آپ ﷺ سب سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ آخر جان نثاروں نے ابوقتادہ انصاری کو بھیجا کہ وہ جا کر ہماری جانب سے سلام عرض کریں اور یہ درخواست کریں کہ ''آپ ﷺ ذرا توقف فرمائیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ دشمن کہیں ہمارے اور آپ کے درمیان حائل نہ ہو جائیں''۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ [۷]

دوام ذکر الٰہی:

قرآن مجید نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے۔

[۱] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین۔
[۲] باب کم حج النبی ﷺ۔
[۳] زرقانی جلد ۸ صفحہ ۱۶۴۔
[۴] صحیح مسلم و ابوداؤد حجۃ الوداع و ترمذی باب کم حج النبی ﷺ۔
[۵] جامع ترمذی۔
[۶] باب مذکور بخاری و مسلم کتاب الحج۔
[۷] صحیح بخاری صفحہ ۲۴۵ باب جزاء الصید۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ ﴾ (آل عمران)

جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے یاد کرتے ہیں

﴿ لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ﴾

جن کو اشغال دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے (نور)

اور قرآن کا مبلغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے[1] ربیعہؓ بن کعب اسلمی رات کو آپ ﷺ کے آستانہ پر پہرہ دیتے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آ جاتی تھی۔[2] اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' کھاتے پیتے' سوتے جاگتے' وضو کرتے' نئے کپڑے پہنتے' سوار ہوتے' سفر میں جاتے' واپس آتے' گھر میں داخل ہوتے' مسجد میں قدم رکھتے' غرض ہر حالت میں دل وزبان ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ اسی بنا پر احادیث میں مختلف اوقات وحالات کے لیے کثرت سے ادعیہ ماثورہ منقول ہیں۔ اخیر زندگی میں جب سورہ اذا جاء اتری جس میں تحمید وتسبیح کا حکم ہے تو امہات المومنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبان مبارک پر تسبیح وتہلیل جاری رہتی تھی۔[3]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ "آپ ﷺ اکثر یہ دعا ﴿رب اغفر لی وتب علی انک انت التواب الغفور﴾ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ ہم نے گنا تو ایک ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے۔[4] سفر اور کوچ کی بے اطمینانی میں بھی آپ ﷺ یاد الٰہی سے غافل نہیں رہتے تھے سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے' اور اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رخ ہے یا نہیں۔ سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپ ﷺ ادھر ہی منہ کئے نماز کی نیت کر لیتے کہ ﴿ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ ﴾ "جدھر رخ کرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے"۔[5]

ذوق وشوق:

آپ ﷺ اصحابؓ کی محفل میں یا امہات المومنینؓ کے حجروں میں بات چیت میں مشغول ہوتے کہ دفعتاً اذان کی آواز آتی، آپ اٹھ کھڑے ہوتے[6] رات کا ایک معتد بہ حصہ گو شب بیداری میں گزرتا تھا تاہم صبح کے وقت ادھر موذن نے اللہ اکبر کہا ادھر آپ بستر سے اٹھ بیٹھے[7] شب کے وقت جس ذوق وشوق اور وجد کی حالت میں

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۹۔

[3] ابن سعد جزء الوفاۃ۔

[4] ترمذی وابن ماجہ ودارمی باب دعوات۔

[5] صحیح بخاری وصحیح مسلم وابوداؤد وغیرہ۔

[6] صحیح بخاری باب یکون الرجل فی خدمت اہلہ صفحہ ۸۰۸۔

[7] صحیح بخاری من انتظر الاقامہ۔

نماز پڑھتے اس کا نقشہ حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے "کبھی پوری پوری رات آنحضرت ﷺ کھڑے رہتے' سورہ بقرہ' سورہ آل عمران' سورہ نساء (قرآن کی سب سے بڑی سورتیں ہیں) پڑھتے' جب کوئی خوف اور خشیت کی آیت آتی ' خدا سے دعا مانگتے اور پناہ طلب کرتے کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے [1] قرات اتنی زور سے فرماتے کہ دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپ ﷺ کی آواز سنتے [2] کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپ اس کے ذوق وشوق میں محو ہو جاتے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے نماز میں یہ آیت پڑھی۔

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم ﴾

اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپ ﷺ یہی آیت پڑھتے رہ گئے۔ [3]

زیدؓ بن خالد جہنی ایک صحابی ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب میں آپ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، پہلے دو رکعتیں معمولی ادا کیں پھر دو رکعتیں بہت ہی لمبی اور بڑی دیر تک پڑھیں' پھر دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعتیں بتدریج چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں وتر ادا کی۔ [4] خبابؓ کی روایت ہے کہ ایک شب آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے۔ [5]

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا' آپ نے سورہ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورۃ ہے) میں سمجھا آپ ﷺ سو آیتوں تک پڑھیں گے لیکن آپ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے' میں نے دل میں کہا شاید پوری سورۃ آپ ﷺ ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو میں نے خیال کیا کہ اب آپ رکوع کریں گے لیکن آپ نے فوراً ہی سورہ آل عمران شروع کر دی' یہ بھی ختم ہو چکی تو سورہ نساء شروع کی (یہ تینوں سورتیں مل کر سوا پانچ پاروں کے قریب ہیں) بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپ قرأت کر رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ میں تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے' اس کے بعد آپ نے رکوع کیا' رکوع میں قیام ہی کے برابر توقف فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر تاخیر فرمائی۔ [6]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۲۔
[2] ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل۔
[3] ایضاً۔
[4] صحیح مسلم، موطا' ابوداؤد۔
[5] نسائی احیاء اللیل۔
[6] صحیح مسلم و نسائی صلوٰۃ اللیل۔

میدان جنگ میں یادالٰہی:

عین اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسر پیکار ہوتیں، تیر و سنان اور تیغ و خنجر کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی ہوتیں اور ہر طرف سے شور دارو گیر برپا ہوتا، آپ ﷺ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ دعا و زاری اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے۔ سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمین نیاز پر ہوتی۔ بدر، احد، خندق، خیبر، تبوک تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپ کی یہی کیفیت تھی۔

معرکہ ہائے جنگ میں سپہ سالاروں کو اپنے بہادر سپاہیوں کی قوت پر ناز ہوتا ہے لیکن اسلام کے قائد اعظم کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپ ﷺ نے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان میں اپنی فوجیں مرتب کیں لیکن اصلی اعتماد اور بھروسا اسباب کائنات سے ماوراء قادر مطلق کی ذات پر تھا۔ بدر میں دو صحابی حاضر ہوتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم کو کافروں نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں، ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے"[1] بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے اور آپ خشوع و خضوع سے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہ ایزدی میں عرض کر رہے ہیں کہ "خدایا! اپنا وعدہ نصرت پورا کر" محویت اور بے خودی میں ردائے مبارک کندھے سے گر پڑتی ہے اور آپ ﷺ کو خبر نہیں ہوتی کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ "خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر تو قیامت تک نہ پوجا جائے گا"[2] اسی اثنا میں حضرت علیؓ تین دفعہ میدان جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔[3]

غزوہ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہبل کی جے پکارتا ہے لیکن آپ ﷺ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو۔

﴿الله مولانا ولا مولی لکم الله اعلی واجل﴾

خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں، خدا بڑا اور بلند ہے۔

غزوہ احزاب میں آپ خود اپنے دست مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور لب مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے۔

﴿اللھم لا خیرا لا خیر الاخرۃ فبارك فی الانصار والمھاجرۃ﴾

خدایا بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر۔

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا اور یہ محاصرہ ۲۰، ۲۲ دن تک قائم رہا، لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں۔ ایک دن عصر کے وقت

---

۱ صحیح مسلم باب الوفاء بالعہد۔

۲ صحیح بخاری و صحیح مسلم غزوہ بدر۔

۳ سیرۃ جلد اول صفحہ ۴۵۰۔

دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی' آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا' آپ کو سخت رنج ہوا حملہ رکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی۔

غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ شہر کے قریب پہنچے تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے اللّٰہ اکبر خربت خیبر۔ اللہ اکبر! خیبر ویران ہو چکا۔ عمارتیں نظر آئیں تو صحابہؓ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ پھر یہ دعا مانگی۔

﴿ اللهم انا نسئلك خير هذا القرية و خير اهلها و خير ما فيها و نعوذ بك من شرها و شر اهلها و شر ما فيها ﴾ (ابن ہشام)

اے اللہ! ہم تجھ سے اس آبادی کی اس آبادی والوں کی اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں۔

حنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی لیکن اوّل ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس فوج کا سالار اگر انہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدان جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا' لیکن آپ ﷺ کو جس قوت پر اعتماد تھا آپ اس کو اس تنہائی میں بھی اسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے۔ جس طرح فوج و لشکر کے ساتھ' عین اس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیروں کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپ ﷺ کے پہلو میں چند جان نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا تھا آپ سواری سے اتر آئے اور فرمایا ''میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں'' پھر بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہو کر نصرت موعودہ کی درخواست کی' دفعتاً ہوا کا رخ پلٹ گیا اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی[1]- دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ و تنہا مناجات و زاری کی سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس مرقع کا سب سے موثر منظر غزوہ بنی مصطلق میں نظر آتا ہے، سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں اور غفلت کے منتظر ہیں کہ دفعتاً نماز کا وقت آ جاتا ہے اور آپ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامنا روک لیتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ مکہ کے پاس عسفان میں خیمہ زن تھے۔ قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوئے موقع کی تاک میں تھے، آخر قریش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔ خداوند کارساز کی بارگاہ میں قصر صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہو گئی چنانچہ قصر کی آیتیں نازل ہوئیں عصر کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ ﷺ کے سامنے تھے صحابہ دو حصوں میں منقسم ہو گئے ایک حصہ نے آپ ﷺ کے پیچھے آ کر نماز کی صفیں قائم کر لیں اور دوسرا حصہ دشمنوں کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ پہلی جماعت فارغ ہو کر بتدریج دشمنوں کے مقابل آ گئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں جا ملی۔ یہ تمام تبدیلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہو رہی ہیں لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پرواہ عبادت

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم حنین۔

الٰہی میں مصروف ہے۔ [1]

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہاں تک تعمیل ہوئی۔

﴿ یَآ اَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (انفال)

مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ تم کامیاب ہو گے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔ [2]

خشیتہ الٰہی:

آپ ﷺ خاتم الانبیاء تھے، افضل رسل تھے، محبوب خاص تھے، تاہم خشیتہ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ ''مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی'' حضرت عثمانؓ بن مظعون نے جب وفات پائی تو آپ ﷺ تعزیت کو گئے، لاش دھری تھی ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ''خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تم کو کیونکر معلوم ہوا؟'' بولیں ''خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا'' ارشاد ہوا کہ ''ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے لیکن میں پیغمبر ہو کر بھی یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا''۔ [3]

جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ ﷺ سہم جاتے کسی ضروری کام میں ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ ہو جاتے [4] اور فرماتے ''خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں'' جب مطلع صاف ہو جاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔ ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا ''یا رسول اللہ! آپ کیوں مضطرب ہو جاتے ہیں؟'' ارشاد ہوا ''عائشہ! تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ نہ پیش آئے جس نے بادل دیکھ کر کہا کہ یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھا''۔ [5]

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کے بال پکنے لگے' فرمایا ''مجھے سورہ ہود و واقعہ اور والمرسلات اور عم یتساءلون نے بوڑھا کر دیا'' [6] (ان سورتوں میں قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں) ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ جب دو ثلث شب گزر چکتی، بآواز یہ الفاظ ادا فرماتے۔ ''لوگو! خدا کو یاد کرو' زلزلہ آ رہا ہے اس کے پیچھے آنے والا آ رہا ہے۔ موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی''۔ [7]

---

[1] ابوداؤد جلد اول باب صلوۃ المسافرین۔

[2] باب التکبیر عند الحرب۔

[3] صحیح بخاری باب الجنائز۔

[4] سنن ابن ماجہ باب مایدعو بہ الرجل اذا رائی السحاب۔

[5] یہ واقعہ بخاری و مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے' اخیر فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہے۔

[6] شمائل ترمذی ماجاء فی شیبہ ﷺ۔

[7] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی باب البکا والخوف۔

فرمایا کرتے تھے "لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا"۔[۱] ایک دفعہ آپ ﷺ نے نہایت موثر طرز سے خطبہ میں فرمایا "اے معشر قریش! اپنی آپ خبر لو، میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبدالمناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا' اے عباس بن عبدالمطلب! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا' اے صفیہ! رسول خدا کی پھوپھی! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا' اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا" (صحیحین)

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی میں اتنا ہجوم ہوا کہ آپ ﷺ پسنے کے قریب ہو گئے' مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا' آپ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہو گئے اور تقاضائے بشری سے بددعا زبان سے نکل گئی' فوراً قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی خدایا! میں ایک انسان ہوں اگر تیرے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا۔[۲]

گریہ و بکا

خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آپ ﷺ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب آپ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے[۳] اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نماز کسوف میں آپ ﷺ ٹھنڈی سانسیں بھرتے اور فرماتے تھے خدایا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔[۴]

عبداللہ بن شخیرؓ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار خدمت نبوی میں حاضر ہوا، دیکھا تو آپ نماز میں مشغول ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئیں تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔[۵]

ایک بار آپ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے یہ منظر دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہو گئی پھر فرمایا بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو۔[۶]

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے راہ میں ایک پڑاؤ ملا' کچھ لوگ بیٹھے تھے' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہیں' ایک عورت بیٹھی چولھا سلگا رہی تھی پاس ہی اس کا لڑکا تھا' آگ خوب

---

[۱] صحیحین۔
[۲] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۷ و ۱۲۳، دونوں صفحوں میں دو روایتیں ہیں مگر غالباً ایک ہی واقعہ ہے۔
[۳] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ۔
[۴] ابوداؤد صلوۃ الکسوف۔
[۵] ترمذی و ابوداؤد باب البکاء فی صلوۃ اللیل۔
[۶] سنن ابن ماجہ باب الحزن والبکا

روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور بولی آپ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد ہوا ہاں بیشک' پھر اس نے پوچھا کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے' خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک۔ اس نے کہا تو ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی' آپ ﷺ پر گریہ طاری ہوگیا پھر سر اٹھا کر فرمایا خدا اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متمرد ہے' خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔[1]

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا۔

﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ ﴾

پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی میری جماعت میں ہے

اس کے بعد حضرت عیسٰیؑ والی دعا پڑھی۔

﴿ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴾

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالب و دانا ہے۔

دونوں ہاتھ اٹھا کر اَللّٰهُمَّ اُمَّتِىۡ اُمَّتِىۡ فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔[2]

محبت الٰہی:

دنیا میں دو قسم کے پیغمبر آئے ہیں ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے مثلاً حضرت نوح و حضرت موسٰی علیہما السلام دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خم خانہ عشق کی طرف بلاتے تھے مثلاً حضرت یحیٰی و عیسٰی علیہما السلام لیکن یہ دونوں افراط و تفریط کے راستے تھے۔ پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک پہنچاتی' اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے جیسا کہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرت مسیح میں ہر شخص کو نظر آ سکتا ہے لیکن اسلام دونوں جلوؤں کو یکساں نمایاں کرنا چاہتا ہے یہی سبب ہے کہ حامل شریعت اسلامیہ کی ذات مبارک میں یہ دونوں پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہیں قرآن مجید نے کمال ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہے۔

﴿ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾

جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے۔

صحیح روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے آپ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں؟" ارشاد ہوا کہ "کیا میں عبد شکور نہ بنوں؟" ارباب باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کی یہ عبادت خشیۃ الٰہی سے ہے اور چونکہ آپ ﷺ گناہوں سے پاک کر دیئے گئے تھے اس لیے آپ کو ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی آپ ﷺ

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ما یرجی من رحمۃ اللہ

[2] صحیح مسلم باب بکائہ ﷺ لامتہ

نے اپنے جواب میں اسی شبہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبت الٰہی ہے خشیتہ الٰہی نہیں، اسی لیے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

﴿ وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ﴾

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

راتوں کے سناٹے میں اٹھ کر آپ ﷺ کبھی دعاوزاری میں مصروف ہوتے کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت میں خدا سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے [1] عبادت شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا جن کی نسبت آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ ''ان کے معاوضہ میں دنیا اور مافیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے ہیچ ہیں''۔ [2]

ایک دفعہ ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہو کر آئی اس کا بچہ گم ہو گیا تھا، محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگا لیتی اور اس کو دودھ پلاتی آپ ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے؟'' لوگوں نے عرض کی ''ہرگز نہیں'' فرمایا ''تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے''۔ [3]

اسی طرح ایک اور واقعہ او پر گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے ایک عورت اپنے بچے کو گود میں لے کر خدمت اقدس میں آئی اور عرض کی ''یارسول اللہ! ایک ماں کو اپنے بچہ سے جس قدر محبت ہوتی ہے کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے؟'' فرمایا ہاں بیشک ہے۔ اس نے کہا کوئی ماں تو اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی، یہ سن کر فرط اثر سے آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا خدا صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے۔ [4]

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے ایک صاحب ایک چادر میں ایک پرند کو مع اس کے بچوں کو لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا اس کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچوں پر گر پڑی ارشاد ہوا کہ کیا اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے خدا کو اپنے بندوں سے بدرجہا زیادہ ہے۔ [5]

آپ ﷺ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ سمجھتے تھے وفات سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ نے

---

[1] صحیح بخاری۔

[2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ۔

[3] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۷ باب رحمۃ الولد''۔

[4] سنن ابن ماجہ باب مایرجی من الرحمۃ۔

[5] مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ۔

صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا اس میں فرمایا ''میں خدا کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا دوست ہو کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا' جس طرح ابراہیم کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا' اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔[1]

وفات کے وقت زبان مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا۔

﴿ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْاَعْلٰى ﴾

خدایا! صرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے۔

یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ''اب آپ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے''۔[2]

اس ''رفاقت علوی'' کے راز سے جو کسی قدر آشنا ہیں وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہیں۔

''انبیاء علیہم السلام چوں از مقام دعوت فارغ میگردند و متوجہ عالم بقا میشوند و مصلحت رجوع (الی الخلق) تمام می شود بشوق تمام ندائے الرفیق الاعلیٰ برآوردہ بہ کلیت متوجہ حق جل شانہ میگردند و در مراتب قرب سیری نمائید)'' [3]

توکل علی اللہ:

توکل کے یہ معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور واقعات عالم کے فیصلے کو خدا کے سپرد کر دے۔ اسباب و علل کے پردے اس کے سامنے سے اٹھ جائیں اور اسے براہ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں نظر آئے بظاہر اسباب وعلل گو نا موافق ہوں مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام میں ذرہ بھر موثر نہیں ہو سکتے بلکہ اصلی قوت وقدرت عالم اسباب سے ماوراہستی کے ہاتھ میں ہے' انسان کا استقلال عزم جرأت و بے باکی یہ تمام باتیں اسی ایک اصل کی پرتو ہیں اس کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمام صبر اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی' پر خطر سے پر خطر راستوں میں بھی جبن اور ضعف ہمت اس کے قلب میں راہ نہیں پاتا' شدید سے شدید حالات میں بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہیں چھاتا۔

آنحضرت ﷺ کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتوں کی کوئی ایسی صنف نہ ہوگی جو آپ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو' لیکن آپ ﷺ کا دل کبھی اضطراب و انتشار، مایوسی و ناامیدی اور خوف وبیم سے آشنا نہ ہوا۔ مکہ کی تنہائیوں میں، مصائب کے ہجوم میں، دشمنوں کے نرغہ میں، حنین واحد کے خونریز معرکوں میں ہر جگہ توکل واعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ ابو طالب سمجھاتے ہیں کہ ''جان پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ'' آپ ﷺ فرماتے ہیں ''عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا۔ عجم وعرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا'' ایک دوسرے کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ '' خدا مجھے

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۲۰۱ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور

[2] صحیح بخاری باب الوفات

[3] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوب ۲۷۲ جلد اول

تنہا نہیں چھوڑے گا [۱] مکہ میں ایک مصیبت زدہ مایوس صحابیؓ سے ارشاد ہوتا ہے "خدا کی قسم عنقریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبہ کمال کو پہنچ جائے گا' اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا" [۲]

ایک مرتبہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے، حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریر سن رہی تھیں' وہ روتی ہوئی آپ ﷺ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا' آپ ﷺ نے ان کو تسکین دی' اور وضو کے لیے پانی مانگا وضو کر کے آپ ﷺ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہو گئے جب خاص صحن حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ ﷺ پر پڑی' خود بخود ان کی نگاہیں جھک گئیں۔ [۳]

جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ شب ہجرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانہ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن آپ ﷺ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے عزیز، قوت بازو علی مرتضیٰؓ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا' حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے' بستر خواب نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک اور قادر کل ہستی ہے جو تختہ مقتل کو فرش گل بنا سکتی ہے' ان کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ [۴]

گھر کے چاروں طرف دشمنان قریش محاصرہ کئے ہوئے تھے اور خیال ہو سکتا تھا کہ صبح امید کے انتظار میں مکہ کے برنا و پیر عجب نہیں کوچوں اور گلیوں میں مشتاق خبر چل پھر رہے ہوں لیکن آپ ﷺ نے اذن الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا۔ اس وقت سورہ یٰسین کی ابتدائی آیتیں زبان مبارک پر تھیں جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے۔ آخری آیت یہ تھی۔

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ (یٰسین)

ہم نے ان کے آگے اور ان کے پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں' ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

مکہ سے نکل کر آپ ﷺ نے مع حضرت ابوبکرؓ کے غار ثور میں پناہ لی۔ قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا' اور اس لیے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہو گا وہ آپ ﷺ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اسی غار کے پاس پہنچ گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پرخطر حالت میں کسی کے حواس بجا رہ سکتے ہیں' چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ! دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی"۔ لیکن آپ ﷺ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا "ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو" پھر [۵] جیسا کہ قرآن مجید میں ہے' فرمایا:

﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾

۱۔ یہ دونوں واقعہ ابن ہشام میں ہیں۔

۲۔ صحیح بخاری اواخر جلد اول۔

۳۔ مسند احمد جلد اول صفحہ ۳۶۸

۴۔ ابن ہشام وطبری

۵۔ صحیح بخاری ہجرت

غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

سینہ نبوت کے سوا اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہاں نظر آ سکتا ہے؟

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمد کو زندہ یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا' اس کو سو اونٹ ملیں گے' سراقہ بن جعشم نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا' اور اس قدر قریب پہنچ گیا کہ وہ آپ ﷺ کو پا سکتا تھا' حضرت ابوبکرؓ بار بار گھبرا کر ادھر دیکھ رہے تھے' لیکن آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی مڑ کر نہیں دیکھا کہ سراقہ کس ارادہ سے آ رہا ہے' یہاں دل پر وہی سکینت ربانی طاری تھی اور لب ہائے مبارک تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آ کر آپ ﷺ کی زندگی ہر قسم کے خطروں سے محفوظ ہو گئی تھی' لیکن واقعہ یہ ہے کہ گو اسلام کو یہاں اعوان و انصار کی ایک معتد بہ تعداد مل گئی تھی' لیکن اسی کے ساتھ ان دشمنوں کا سامنا بھی تھا جو دشمنان مکہ سے زیادہ خطرناک تھے مکہ میں قریش گو آپ ﷺ کے دشمن تھے' لیکن ان میں اور رسول اللہ ﷺ میں نسبی تعلقات تھے جو کبھی کبھی کسی کو غمخواری اور مواسات پر بھی مائل کر دیتے تھے' لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات و ہمدردی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی' علاوہ بریں یہود و منافقین مدینہ اور قریش مکہ میں باہم آنحضرت ﷺ کے قتل و جلاوطنی کی سازشیں شروع ہو گئی تھیں'[1] اس بنا پر صحابہؓ جان نثاری کی بنا پر آ کر راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے' اسی زمانہ میں ایک رات صحابہ آپ کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ (مائدہ)

اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔

اور آپ نے اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر صحابہؓ سے فرمایا۔[2]

﴿ ایھا الناس انصرفوا فقد عصمنی اللّٰہ ﴾

لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔

غزوہ نجد سے واپسی میں آپ ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہاں بہت سے درختوں کے جھنڈ تھے' دوپہر کا وقت تھا' صحابہ درختوں کے سایہ میں ادھر ادھر سو رہے تھے' آپ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما تھے۔ آپ ﷺ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپ ﷺ کی تلوار اتار کر نیام سے باہر کی اور آپ ﷺ کے سامنے آیا کہ دفعتاً آپ ہوشیار ہوئے' دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے بدو نے پوچھا "اے محمد! اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟" ایک پر اطمینان صدا آئی کہ "اللہ"![3]

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپ ﷺ پر حملہ کی گھات میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس کو چھوڑ دو[4] کہ یہ مجھ کو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا" یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی

---

[1] سیرت جلد اول سلسلہ غزوات۔

[2] جامع ترمذی' تفسیر مائدہ۔

[3] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔

[4] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱۔

اور ہے۔ خیبر میں جس یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا اس سے دریافت کیا کہ "تم نے یہ حرکت کیوں کی؟" اس نے جواب دیا کہ "آپ کے قتل کرنے کے لیے" آپ نے فرمایا کہ "خدا تم کو اس پر مسلط نہ کرتا"۔ [1]

اُحد اور حنین کے معرکوں میں جب میدان جنگ تھوڑی دیر کے لیے جان نثاروں سے خالی ہو گیا تھا آپ ﷺ کا استقلال توکل علی اللہ وسکینت روحانی کی معجزانہ مثال ہے۔ یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی یک رخی تصویر ہے اس مرقع کا دوسرا رخ بھی کچھ اس سے کم موثر نہیں ہے۔ آپ پر فقر و غنا کے مختلف دور گزرے کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیے اٹھا رکھا جائے لیکن تمام عمر آپ ﷺ کا طرز عمل اس کے خلاف رہا کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے اٹھا کر نہیں رکھی گئی ضروری اور بقدر کفالت اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہل استحقاق پر صرف کر دیا جاتا تھا' ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

﴿ان رسول اللہ ﷺ کان لا ید خرلغد﴾

آنحضرت ﷺ کل کے لیے کوئی چیز اٹھا کر نہیں رکھتے تھے۔

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر میں رہ جاتی تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوتی تھی' [2] بلکہ آپ ﷺ اس وقت تک گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہاں خدا کی برکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ [3] اس قسم کے متعدد واقعات جود وسخا کے عنوان میں مذکور ہیں۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے آپ ﷺ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں' وہ پڑی ہوں گی' اس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپ ﷺ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا' ارشاد ہوا کہ "عائشہ! کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ پہلے ان کو خیرات کر دو"۔ [4]

صبر و شکر:

رنج و غم کے متعاقب اور توام دور کس کی زندگی میں نہیں آتے لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور از خود رفتہ نہ تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کر لے اور یہ یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے کامیابی و ناکامی دونوں کا سر رشتہ کسی بالا تر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ٥ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتَاكُمْ ٥ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

[1] صحیح مسلم باب السم۔
[2] صحیح بخاری باب من صلی بالناس فذکر حاجۃ فتخطاہم و مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۳۔
[3] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین۔
[4] مسند احمد و ابن سعد جزء الوفاۃ۔

كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾ (حدید ۳)
جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی تھیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوان قضا میں لکھ لی گئی ہیں' یہ بات خدا کے لیے آسان ہے' یہ اس لیے کیا گیا تا کہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو' خدا مغرور اور فخار کو دوست نہیں رکھتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں۔ تاہم آپ ﷺ کے آئینہ دل میں کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿انا سید ولد ادم ولا فخر﴾ ''میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں' لیکن مجھے اس پر فخر نہیں'' عدی بن حاتم طائی نے جو مذہباً عیسائی تھے آپ ﷺ کے جو حالات سنے تھے ان کی بنا پر ان کو یہ شک تھا کہ آپ بادشاہ ہیں یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے تو عین اسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لیے بارگاہ اقدس میں آئی اور مجمع سے ذرا ہٹ کر کچھ سن لینے کی درخواست کی' آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پیغمبر ہیں' بادشاہ نہیں۔ [1]

مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے لیکن مکہ و خیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا۔

﴿ ان رسول اللّٰه ﷺ لما انتهى الى ذى طوى وقف على راحلته .... ليضع راسه تواضعا للّٰه حين راى ما كرمه اللّٰه به من الفتح حتى ان عثنونه ليكا ديمس واسطة الرحل ﴾ [2]

جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا تا کہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں پھر یہاں تک آپ جھکے کہ آپ کی ٹھوڑی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔

آنحضرت ﷺ کثرت سے عبادت اور تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے' بعض صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! خدا تو آپ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا اب آپ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں ارشاد ہوا۔

﴿ افلا اكون عبدًا شكورًا ﴾ [3]
کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۷۰ جلد ۲۔
[2] سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ۔
[3] صحیح بخاری قیام اللیل۔

یعنی اگر یہ تعبد وتسبیح وتحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لیے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکر گزاری اور احسان مندی کے اعتراف میں ہے۔

دنیا کے اعاظم رجال جن کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو، اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب وداب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن مقربین الٰہی کی اصطلاح میں یہ تخیل شرک وکفر کے ہم پایہ ہے ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر خود قادر کل کا دست غیر مرئی کام کرتا ہوتا نظر آتا ہے حدیث میں ہے۔[1]

﴿ انه کان اذجاء ه امرسر ور اویسر به خرسا جدا شاکر اللّٰہ تعالیٰ﴾

آنحضرت ﷺ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا[2] اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ فوراً سجدہ الٰہی بجالائے۔[3] وحی کے ذریعہ سے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا' تو اس رفع منزلت پر آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا۔[4]

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام زعرا کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر گئے اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک بارگاہ الٰہی میں دعا کی پھر سجدہ میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے۔ پھر سر اٹھا کر بدستور دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیر تک سجدہ میں رہے پھر اُٹھ کر تضرع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی اس دعا وسجود سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا میں نے اپنی امت کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا' میں شکر کے لیے سجدہ میں گرا پھر مزید درخواست کی اس نے وہ بھی قبول کی' میں سجدہ شکر بجالایا اور پھر دعا وزاری کی۔ اس نے اس کو بھی درجہ استجابت بخشا اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔[5]

سورہ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اسی وصف کو نمایاں فرمایا ہے۔

﴿ وَالضُّحٰی o وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی o مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی o وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی o وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی o اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی o وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی o وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی o فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ o وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ o وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ﴾ (ضحیٰ۔۱)

(اے پیغمبر!) دن کے پہلے پہر کی قسم! اور رات کی قسم! جب وہ پردہ ڈال دے کہ تیرے پروردگار نے نہ تو تجھ کو چھوڑا

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔

[2] زاد المعاد بحوالہ بیہقی بسند علی شرط البخاری جلد اول صفحہ ۹۷۔

[3] زاد المعاد بحوالہ ابن ماجہ۔

[4] مسند احمد عن عبدالرحمٰن بن عوف۔

[5] ابوداؤد کتاب السجود۔

اور نہ تجھ سے ناراض ہوا یقیناً تیری پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہے، وہ تجھ کو وہ کچھ دے گا جس سے تو خوش ہو جائے گا، کیا اس نے تجھ کو یتیم نہیں پایا تو اپنے پناہ میں لے لیا، اور تجھ کو راہ حق کا جویاں پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھادی اور تجھ کو مفلس پایا تو غنی کر دیا تو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے پرودگار کے احسان کو یاد کرتے رہنا۔

آپ کی سوانح زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپ ﷺ عمر بھر کیونکر اس ارشاد ربانی کی تعمیل کرتے رہے۔

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک میں یہ دونوں متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے اور آپ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ "یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟" ارشاد ہوا کہ "پیغمبروں پر پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں پر"۔[1] واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں آپ ﷺ سرور انبیاء تھے اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپ کے دوش مبارک پر تھا اسی لیے قرآن مجید میں بار بار آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ سورہ احقاف میں ہے۔

﴿ وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾

(اے پیغمبر!) جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔

آپ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا۔ عہد طفولیت میں تھے کہ سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دادا نے جن کی نگاہ لطف زخم یتیمی کا مرہم تھی وفات پائی، نبوت کے بعد ابو طالب نے جو قریش کے ظلم و ستم کی سپر تھے مفارقت کی، محرم اسرار ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ جو اس ہجوم مصائب میں آپ کی تنہا مونس و غم خوار تھیں، موت نے ان کو بھی اسی زمانہ میں آپ ﷺ سے علیحدہ کر دیا، والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے جس کی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہیں ہوتا آپ ﷺ کی اولاد ذکور حسب اختلاف روایت کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ تھی، لڑکیوں کی تعداد چار تھی لیکن ایک (حضرت فاطمہؓ) کے سوا سب نے کمسنی یا جوانی میں آپ کی نگاہوں کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپ ﷺ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر و سکینت کی مہر لگی رہی اور کبھی کوئی کلمہ زبان مبارک سے ایسا نہیں نکلا جس سے کارکنان قضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو

آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ۸ھ میں وفات پائی تو تجہیز و تکفین کے متعلق آپ ﷺ نے خود بہ نفس نفیس ہدایات دیں۔ جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن زبان مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ حضرت زیدؓ (پروردہ خاص) اور حضرت جعفرؓ (ابن عم) دونوں آپ ﷺ کو بہت محبوب تھے۔ غزوہ موتہ میں ان کی شہادت کی خبر آئی تو چشم مبارک اشک آلود ہو گئی،[2] لیکن اسی اثنا میں حضرت جعفرؓ کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے منع کر بھیجا، آپ کا ایک نواسہ جس سے آپ ﷺ کو محبت تھی

[1] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء۔

[2] ان تمام واقعات کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو۔

مبتلائے نزع ہوا تو صاحبزادی نے بلا بھیجا لیکن آپ ﷺ نے اس کے جواب میں سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا۔

﴿ ان لله مااخذ وله ما اعطى و كل عنده باجل مسمى فلتصبرو لتحتسب ﴾

اللہ نے جو لے لیا وہ اسی کا تھا اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے اس کا ہر کام وقت مقررہ پر ہوتا ہے صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو۔

صاحبزادی نے دوبارہ بہ اصرار بلایا۔ آپ ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے بچہ آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا گیا وہ دم توڑ رہا تھا' آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' ایک صحابیؓ نے کہا ''یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟'' فرمایا یہ جذبہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے' خدا اپنے بندوں میں سے رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔

ایک بار آپ ﷺ سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لائے اور ان کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ انتقال کر گئے۔ صحابہؓ نے کہا ''نہیں یارسول اللہ'' آپ ﷺ رو پڑے تو آپ کو روتے دیکھ کر صحابہؓ بھی رو پڑے آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہیں کرتا لیکن (زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے وقت جب آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک محبت جاری ہوئے تو عبدالرحمانؓ بن عوف نے کہا ''یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟'' فرمایا ''یہ رحمت و شفقت ہے''۔ حضرت عبدالرحمانؓ نے دوبارہ گزارش کی ارشاد ہوا۔ [1]

﴿ ان العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا مايرضى ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون ﴾

آنکھ اشک ریز ہے دل غمگین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔ اے ابراہیم ہم تمہارے فراق میں بہت غمگین ہیں۔

بہر حال یہ واقعات آنی ہیں یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب و حوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانہ صبر لبریز نہ ہونے پائے' سخت مشکل ہے۔ ہجرت سے پہلے ۱۳ سال تک طائف اور مکہ کے اشقیا نے دعوت حق کا جس تحقیر و استہزاء' سب و شتم' تعذیب و ایذارسانی کے ساتھ جواب دیا' اس کے دہرانے کی حاجت نہیں۔ مدینہ منورہ میں آٹھ نو برس تک جن خونیں معرکوں کا ہمیشہ سامنا رہا' اور دشمنوں نے آپ کی جلاوطنی و قتل و شکست کے جو جو منصوبے باندھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں لیکن ان تمام تیروں کی بوچھاڑ صبر کے سوا آپ ﷺ نے کس سپر پر روکی؟

اس سے بھی زیادہ مشکل ان واقعات پر صبر ہے جو خود اختیاری ہوں' فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقرا میں لٹ چکا ہوتا' چنانچہ اسی بنا پر خود آپ ﷺ اور تمام اہل بیت کی زندگی اکثر فقر و فاقہ میں گزرتی تھی۔ جسم مبارک کے لیے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی

[1] ان تمام واقعات کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو۔

دوسرا جوڑا نہیں ہوتا تھا تاہم یہ تمام شدائد اس لیے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الوان نعمت کی خوشگواری اور لباس ہائے فاخرہ کی مسرت سے کہیں زیادہ تھی۔

لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزما اس تیر کا نشانہ ہے جو دشمنوں کے نہیں بلکہ دوستوں کے ہاتھ سے لگایا جائے' دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانوں نے آپ ﷺ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا اعتراض کیا۔ اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپ ﷺ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریوں نے اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دوسروں کو کیوں دے دیا حق تو ہمارا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی فرمایا۔

﴿ رحمة الله على موسى قد اوذى اكثر من ذلك فصبر ﴾ (باب غزوہ حنین)

موسیٰؑ پر خدا کی رحمت ہو وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستوں کی طرف سے) ستائے گئے ہیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔

اخلاقِ نبوی

﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

حضرت رسالت پناہ ﷺ کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آ کر آپ ﷺ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے' تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا۔ تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی' دنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح کا درجہ سب سے بڑا ہے' لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلحِ اعظم (بودھ) عملاً خود کیا تھا کوہ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کا واعظ (مسیحؑ) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا' لیکن اس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زریں مقولوں کی تائید میں تم کو معلوم ہے؟ لیکن مکہ کا معلم اُمی پکار کر کہتا تھا۔

﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (بقرہ)

جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو؟

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا' انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا' گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا' اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا' وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا' بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون راز داں ہو سکتا ہے' چند صاحبوں نے آ کر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضرت ﷺ کے اخلاق بیان کیجئے' انہوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ ﴿ان خلق رسول الله ﷺ کان القران﴾ آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔[1]

موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے؟ قرآن مجید لاکھوں مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا۔

﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

بے درد نکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپ ﷺ کو سنگدل کہتے ہیں' لیکن اس وقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا۔

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران)

خدا کی عنایت سے تم ان سے بہ نرمی پیش آتے ہو' اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے۔

دوسری جگہ کہتا ہے۔

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبہ)

---

[1] ابوداؤد باب الصلوٰۃ فی اللیل۔

تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا' اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے' تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے' اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیدیا گیا' حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تہہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے' دوست و دشمن' عزیز و بیگانہ' صغیر و کبیر' مفلس و تونگر، صلح و جنگ' خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہئے۔

اخلاق نبوی ﷺ کا جامع بیان:

اس سے پہلے کہ حضور انور ﷺ کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں' ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالہا سال اور مدت ہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے' انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کون ہو سکتا ہے' حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں زمانہ آغاز وحی میں آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں "ہرگز نہیں! خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کریگا' آپ صلہ رحم کرتے ہیں' مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں' غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں' حق کی حمایت کرتے ہیں' مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں"۔[۱]

امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں' آنحضرت ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی' برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے' بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے [۲] آپ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے' بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' ورنہ آپ ﷺ اس سے بہت دور ہوتے' آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا' لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا' [۳] (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپ اس پر حد جاری فرماتے تھے) آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی' آپ نے کبھی کسی غلام کو' لونڈی کو' کسی عورت کو' خادم کو' جانور [۴] کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' آپ ﷺ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو' [۵] آپ ﷺ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے

۱۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

۲۔ جامع ترمذی و شمائل ترمذی۔

۳۔ صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الادب۔

۴۔ یہ تفصیل مسلم اور ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

۵۔ حاکم بہ سند متصل۔ اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم میں بھی ہیں۔

دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے[۱] باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔[۲]

حضرت علیؓ جو آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے ان سے آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا' فرمایا' آپ ﷺ خندہ جبیں' نرم خو' مہربان طبع تھے' سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے' بات بات پر شور نہیں کرتے تھے' کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے' عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے' کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ ﷺ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے' کوئی آپ ﷺ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے' (یعنی صراحتاً انکار و تردید نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش رہتے تھے' اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزیں آپ ﷺ نے بالکل دور کر دی تھیں' بحث و مباحثہ' ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا' دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے' کسی کو برا نہیں کہتے تھے' کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے' کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے' وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا' جب آپ ﷺ کلام کرتے صحابہؓ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں' جب آپ ﷺ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے' کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے' لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے' جن پر لوگ تعجب کرتے' آپ ﷺ بھی کرتے' کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ ﷺ تحمل فرماتے' دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپ ﷺ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے' جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ ﷺ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔[۳] نہایت فیاض' نہایت راست گو' نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے' اگر کوئی دفعتاً آپ ﷺ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا' آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا''۔[۴]

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت ﷺ کے آغوش پروردہ تھے وہ بیان کرتے ہیں[۵] کہ آپ ﷺ نرم خو تھے' سخت مزاج نہ تھے' کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے' چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے' کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ ﷺ کو غصہ آجاتا اور اسکی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ ﷺ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔

---

۱ ابن سعد۔

۲ صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد۔

۳ یہ پوری تفصیل شمائل ترمذی بیان اخلاق میں ہے۔

۴ یہ ٹکڑا شمائل ترمذی بیان حلیہ مبارک میں ہے۔

۵ شمائل ترمذی۔

مداومت عمل:

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے' انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کرسکتی ہے اور وہ فطرتاً اس پر مجبور ہے' آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے' اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہوسکتا' رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے' وہ روشنی کی علت نہیں' درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں' اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں' حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے ایک سرمو تجاوز نہیں کرسکتا' لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے' وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی' اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں' وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔ لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے' اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی' درخت سے پھل' پھول سے خوشبو' کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتیں' اس کا نام استقامت حال اور مداومت عمل ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے' جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا' اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے' سنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے' سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے' اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا' اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپ ﷺ کی استقامت حال اور مداومت عمل کی ناقابل انکار مثالیں ہیں' آپ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپ ﷺ کے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر ان میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا' ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کسی خاص دن یہ کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا ﴿ لا کان عمله دیمة ﴾ ''آپ ﷺ کا عمل جھڑی ہوتا تھا'' یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی' اس طرح آپ ﷺ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کرلی' ہمیشہ اس کی پابندی کی' پھر فرمایا ﴿وایکم یستطیع ما کان النبی ﷺ یستطیع﴾ ''آنحضرت ﷺ جو کرسکتے تھے وہ تم میں سے کون کرسکتا ہے'' [1]

دوسری روایت میں ہے۔

﴿ و کان اذا عمل عملا اثبته ﴾ [2]

جب آنحضرت ﷺ کوئی کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق۔

[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ و صحیح بخاری کتاب الادب۔

اس لیے آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے۔

﴿ان احبّ العمل الی اللّٰہ ادومه﴾ [1]

خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔

آپ ﷺ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی رات کی عبادت ترک نہیں کی، اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سست ہوا تو بیٹھ کر ادا کرتے تھے۔ [2]

جریرؓ بن عبداللہ ایک صحابی ہیں، جن کو دیکھ کر آپ ﷺ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ ﷺ نے مسکرا نہ دیا ہو۔ [3]

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ ﷺ نے مقرر کر لیا تھا اس میں کبھی تخلف نہ ہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہیں آیا، اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے۔

حسنِ خلق:

حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتوں آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا متفقاً بیان ہے کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے، آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے، مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانو کبھی ہمنشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ [4]

اکثر نوکر چاکر، لونڈی غلام خدمت اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ اس میں ہاتھ ڈال دیں تا کہ متبرک ہو جائے، جاڑوں کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔ [5]

ایک دفعہ آپ ﷺ سعدؓ بن عبادہ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ قیسؓ کو ساتھ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب جائیں، آنحضرت ﷺ نے قیسؓ سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو، انہوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو یا گھر واپس جاؤ، وہ واپس چلے آئے۔ [6]

---

[1] ایضاً۔
[2] ابوداؤد باب قیام اللیل۔
[3] صحیح مسلم مناقب جریر بن عبداللہ۔
[4] ابوداؤد و ترمذی۔
[5] صحیح مسلم باب فی قرب النبی ﷺ من الناس۔
[6] سنن ابوداؤد کتاب الادب۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی، آپ ﷺ نے اس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے، صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے، ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گذاری کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت گذاری کرنا چاہتا ہوں۔[1]

عتبانؓ بن مالک جو اصحاب بدر میں تھے، ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں، لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے اگر آپ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اس جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا، دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ان کے گھر گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا، اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے جگہ بتا دی آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کیلئے اصرار کیا، خزیرہ ایک کھانا ہوتا ہے قیمہ پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں، وہ سامنے آیا، محلّہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے، حاضرین میں سے کسی نے کہا ''مالک بن دخشن (دخشم) نظر نہیں آتے'' ایک نے کہا ''وہ منافق ہے'' ارشاد فرمایا ''یہ نہ کہو وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں'' لوگوں نے کہا ''ہاں ان کا میلان منافقین کی طرف ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص خدا کی مرضی کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے''۔[2]

ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرت ﷺ اور تمام مہاجرین انصار کے گھر مہمان رہے تھے، دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتاری گئی تھی، مقدادؓ بن الاسود کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ شامل تھے، گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گذارا تھا، دودھ دوہ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپ کے لئے پیالہ میں چھوڑ دیتے، ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی، لوگ دودھ پی کر سو رہے۔ آپ ﷺ نے آ کر دیکھا تو پیالہ خالی پایا، خاموش ہو رہے، پھر فرمایا خدایا! جو آج کھلا دے اس کو تو بھی کھلا دینا، حضرت مقدادؓ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائیں، آپ ﷺ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دوھ کر جو کچھ نکلا اسی کو پی کر سو رہے[3] اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔

ابوشعیبؓ ایک انصاری تھے، ان کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمت اقدس میں آئے، آپ ﷺ صحابہؓ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، ابوشعیبؓ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو، کھانا تیار ہو چکا تو آ کر آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ صحابہؓ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں، کل پانچ آدمی تھے، راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا، آنحضرت ﷺ نے ابوشعیبؓ سے کہا کہ یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے ورنہ رخصت کر دیا جائے، انہوں نے کہا آپ ان کو بھی ساتھ لائیں۔[4]

---

[1] شرح شفائے قاضی عیاض بحوالہ دلائل بیہقی جلد اخلاق۔

[2] بخاری جلد اول صفحہ ۶۱ کتاب الصلوۃ۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۔

[4] بخاری صفحہ ۸۲۱۔

عقبہؓ بن عامر ایک صحابیؓ تھے' ایک دفعہ آنحضرت ﷺ پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے' یہ بھی ساتھ تھے' آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا کہ آؤ سوار ہو لو انہوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں' آنحضرت ﷺ نے دوبارہ کہا' اب انکار کرنا امتثال امر کے خلاف تھا' آنحضرت ﷺ اتر پڑے اور یہ سوار ہو لیے۔[1]

مجالس صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے' اور اس کا اظہار نہ کرتے' حضرت زینبؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے' اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا' اور حضرت زینبؓ بھی مجلس میں شریک تھیں' آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے' لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا' آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ تک گئے واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا' پھر واپس چلے گئے' اور دوبارہ تشریف لائے۔ پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری۔[2]

غزوہ حنین سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آ گیا' حسب دستور ٹھہر گئے' موذن نے اذان دی' ابو محذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے' چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے' اذان سن کر سب نے چلا چلا کر استہزاء کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی' آنحضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی' ابو محذورہ خوش لحن تھے' ان کی آواز پسند آئی' سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی' پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اس طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔[3]

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا' لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے' آپ ﷺ نے پوچھا ڈھیلے کیوں چلاتے ہو؟ میں نے کہا کھجوروں کے لیے' ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھالیا کرو' ڈھیلے نہ مارو' یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔[4]

عباد بن شرحبیل مدینہ میں ایک صاحب تھے' ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے' کچھ دامن میں رکھ لیے' باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو مارا اور کپڑے اتروا لیے' یہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے' مدعا علیہ بھی ساتھ تھا' آپ ﷺ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا، اس کو تعلیم دینا تھا' یہ بھوکا تھا' اس کو کھانا کھلانا تھا' یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔[5]

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو ان کو گھروں سے نکال دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے' آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے' تو انصار نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا' اس پر آیت

---

1. نسائی صفحہ ۸۰۳۔
2. بخاری ص ۹۲۲ باب آیۃ الحجاب۔
3. دارقطنی مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۸۶ کتاب الصلوٰۃ۔
4. ابوداؤد کتاب الجہاد۔
5. ابوداؤد جلد ا کتاب الجہاد۔

اتری کہ اس حالت میں مقاربت ناجائز ہے' اس بناپر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہیں' یہودیوں نے آپ ﷺ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے' صحابہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاربت بھی کیوں نہ کریں' رخسارۂ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا' دونوں صاحب چلے گئے' آپ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں اس وقت ان کو تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے۔ [1]

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے ایک دفعہ ایک صاحب عرب کی دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا' جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھوڈالیں۔ [2]

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی' آپ ﷺ نے فرمایا اچھا آنے دو' وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے' لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی' حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہوا اور آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے' پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا' آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ [3] یہود جس درجہ شقی اور دشمن اسلام تھے' اس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا' بایں ہمہ آنحضرت ﷺ ان سنگ دلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور ان سے دادوستد رکھتے' سخت سے سخت غصہ کی حالت میں صرف اس قدر فرماتے ''اس کی پیشانی خاک آلود ہو''۔ [4]

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا' ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہوسکا اس پر پورا سال گذر گیا' بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا' اب کی بار بھی پھل کم آئے' میں نے آئندہ فصل کی مہلت مانگی' اس نے انکار کیا' میں نے آنحضرت سے آکر تمام واقعات بیان کیے' آپ ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو' اس نے کہا ''ابوالقاسم! میں کبھی مہلت نہ دوں گا'' آپ ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے' اور اس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا' بالآخر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر (جو مسقّف تھا) فرش بچھا دو' اس پر آرام فرمایا اور سو گئے' سو کر اٹھے تو پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دے دو' اس شقی نے اب بھی نہ مانا' آپ ﷺ درختوں کے جھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور جابر سے کہا کہ کھجوریں توڑنی شروع کر' آنحضرت ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہیں۔ [5]

مجلس نبوی میں جگہ بہت کم ہوتی تھی' جو لوگ پہلے سے آ کر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی

---

[1] ابوداؤد باب مواکلۃ الحائض
[2] ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب
[3] صحیح بخاری و ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب
[4] ادب المفرد امام بخاری
[5] بخاری صفحہ ۸۱۸ باب الرطب والتمر

ایسے موقع پر اگر کوئی آ جاتا تو اس کے لیے آپ ﷺ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے' ایک دفعہ مقام جعرانہ میں آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے' اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپ ﷺ کے پاس چلی گئی' آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی' اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھا دی' راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی' تو لوگوں نے کہا یہ حضور ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔ [1]

اس طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آئے' آپ ﷺ نے ان کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا' پھر رضاعی ماں آئیں' آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا' آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھالیا۔ [2]

حضرت ابوذرؓ مشہور صحابی ہیں' ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے' تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے' ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگا لیا۔ [3] حضرت جعفرؓ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو گلے لگا لیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ [4] سلام میں پیش دستی فرماتے' راستہ میں جب چلتے تو مرد عورتیں بچے جو سامنے آتے ان کو سلام کرتے [5] ایک دفعہ آپ ﷺ راستہ سے گذر رہے تھے ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یکجا بیٹھے ملے' آپ ﷺ نے سب کو سلام کیا۔ [6]

کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے' بلکہ صیغہ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں' لوگ ایسا کہتے ہیں' بعض لوگوں کی یہ عادت ہے، یہ طریقہ ابہام اس لئے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساس غیرت میں کمی نہ آ جائے۔

حسن معاملہ:

اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ ﷺ کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہاں گروی تھی' لیکن ہر حال میں حسن معاملہ کا سخت اہتمام تھا' مدینہ میں دولت مند عموماً یہودی تھے' اور اکثر انہی سے آپ قرض لیا کرتے' یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے تھے' آپ ﷺ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ ﷺ کے تاجرانہ تعلقات تھے' انہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کی دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے' اسی لیے قریش نے متفقاً آپ ﷺ کو امین کا خطاب دیا تھا' نبوت کے بعد بھی گو قریش

[1] ابوداؤد کتاب الادب۔
[2] ابوداؤد کتاب الادب برّ الوالدین۔
[3] ابوداؤد کتاب الادب باب المعانقہ۔
[4] حوالہ سابق۔
[5] بخاری وابوداؤد باب السلام۔
[6] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا الکافر۔

بغض وکینہ کے جوش سے لبریز تھے' تاہم ان کی دولت کے لیے مامون مقام آپ ﷺ ہی کا کاشانہ تھا' عرب میں سائبؓ نام کے ایک تاجر تھے' وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے' لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپ ﷺ سے ان کا تعارف کرایا' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں'' سائبؓ نے کہا ''میرے ماں باپ فدا! آپ میرے ساجھی تھے' لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا''۔[1]

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض کے طور پر لیں۔ چند روز کے بعد وہ تقاضا کو آیا آپ ﷺ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دیں' انصاری نے کھجوریں دیں لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس نے دی تھیں' اس شخص نے لینے سے انکار کیا' انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی عطا کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو' بولا ہاں رسول اللہ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے' آنحضرت ﷺ نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔[2]

ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرت ﷺ پر تھا' بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہیں' اس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی' صحابہؓ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھ کو خبر ہے تو کس سے ہم کلام ہے' بولا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں' آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہیے' کیونکہ اس کا حق ہے (قرض خواہ کو بولنے کا حق ہے) اس کے بعد صحابہؓ کو اس کا قرض ادا کر دینے کا حکم صادر فرمایا اور زیادہ دلوایا۔[3]

ایک غزوہ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری ہم رکاب تھے' ان کی سواری میں جو اونٹ تھا سست رو تھا اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو گیا تھا' آپ نے اونٹ ان سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دیدیا کہ دونوں تمہارے ہیں۔[4]

یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو' انہوں نے دی' آپ ﷺ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے' مدینہ پہنچ کر جابرؓ بن عبداللہ نے قیمت طلب کی' آپ ﷺ نے بلالؓ سے فرمایا کہ ان کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو' چنانچہ حضرت بلالؓ نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔[5]

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرضہ تو نہیں ہے؟ اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۷۔

[2] ترغیب وترہیب بحوالہ مسند احمد صفحہ ۲۳ مطبوعہ مصر جلد ۲۔

[3] ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان۔

[4] بخاری صفحہ ۲۸۲ باب شری الدواب۔

[5] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ۔

صحابہؓ سے فرماتے کہ جنازہ کی نماز پڑھادو' خود شریک نہ ہوتے۔ [1]

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا' جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا' سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔ [2]

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا' سوءِ اتفاق سے وہ گم گیا تو اس کا تاوان ادا فرمایا۔ [3]

عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا' بجز اس دینار کے جن کو قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں [4]

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا' آنحضرت ﷺ کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں' آپ نے ایک وسق چھوہاروں پر گوشت چکا لیا' گھر میں آ کر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے' باہر تشریف لا کر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں' اس نے واویلا مچایا کہ ہائے بددیانتی! لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ بددیانتی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو اس کو کہنے کا حق ہے' پھر قصاب کی طرف خطاب کر کے وہی فقرہ ادا کیا' اس نے پھر وہی لفظ کہے' لوگوں نے پھر روکا' آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کہنے دو اس کو کہنے کا حق ہے اور اس جملہ کو کئی بار دہراتے رہے' اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک انصاریہ کے ہاں اس کو بھجوا دیا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے' جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا تو آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے' اس کا دل آپ ﷺ کے حلم وعفو اور حسن معاملت سے متاثر تھا' دیکھنے کے ساتھ بولا ''محمد! تم کو خدا جزائے خیر دے تم نے قیمت پوری دی اور اچھی دی''۔ [5]

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر فروکش تھا' ایک سرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا' اتفاقاً ادھر سے آپ ﷺ کا گذر ہوا' آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی' لوگوں نے قیمت بتائی، بے مول تول کئے آنحضرت ﷺ نے وہی قیمت منظور کر لی' اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے' بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی' قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی' اس نے کہا ''مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا''' یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا' رات ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔ [6]

غزوہ حنین میں آپ ﷺ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ صفوان اس وقت تک کافر تھے' ان کے پاس بہت سی

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۸۰۹ کتاب النفقات۔
[2] ترمذی باب استقراض بالسیر ص ۲۲۵۔
[3] ترمذی ابواب الکلام۔
[4] بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۱ کتاب الاستقراض۔
[5] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۶۸۔
[6] دار قطنی جلد ثانی ص ۳۰۸ کتاب البیوع۔

زر ہیں تھیں، آپ ﷺ نے ان سے کچھ زر ہیں طلب کیں انہوں نے کہا محمد ! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟ فرمایا نہیں میں عاریتاً مانگتا ہوں اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دوں گا'' چنانچہ انہوں نے تیس چالیس زر ہیں مسلمانوں کو عاریتاً دیں، حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ و دیگر سامانوں کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زر ہیں کم نکلیں، آپ ﷺ نے صفوان سے کہا تمہاری چند زر ہیں کم ہیں، ان کا معاوضہ لے لو، صفوان نے عرض کی ''یارسول اللہ! میرے دل کی حالت اب پہلی جیسی نہیں''۔[۱] (یعنی مسلمان ہو گیا، اب معاوضہ کی حاجت نہیں)

عدل وانصاف:

کوئی شخص گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے تو اس کے لیے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے۔ آنحضرت ﷺ کو عرب کے سینکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا، آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا۔ اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا۔ ان سب مشکلات اور پیچیدگیوں پر بھی عدل وانصاف کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پایا۔

فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ صخر ایک رئیس تھے، ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جا کر طائف کی حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہو گئے۔ صخر نے بارگاہ نبوت میں اطلاع کی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو۔ اس کے بعد بنو سلیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے۔ صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلایا جائے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لیے ان کو چشمہ دے دو۔ صخر کو منظور کرنا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کئے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر شرم سے سرخی آ گئی[۲] کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی، اور فتح طائف کا ان کو کوئی صلہ نہ ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخزوم سے تھی، چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت اسامہؓ بن زید رسول اللہ ﷺ کے محبوب خاص تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے معافی کی درخواست کی، آپ ﷺ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔ [۳]

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہ بن سہلؓ ایک دفعہ

---

[۱] ابوداؤد باب تضمین العاریہ۔

[۲] ابوداؤد صفحہ ۸۰ جلد ۲۔

[۳] صحیح بخاری کتاب الحدود۔

کھجوروں کی بٹائی کے لیے گئے۔ محیصہ ان کے چچیرے بھائی بھی ساتھ تھے۔ عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گڑھے میں ڈال دی' محیصہ نے آ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر استغاثہ کیا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا؟'' بولے ''میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا'' آپ نے فرمایا تو یہود سے حلف لیا جائے؟ بولے ''حضرت! یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا' یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھا لیں گے۔''

خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ یہ یقینی تھا کہ یہودیوں نے ہی عبداللہ بن سہل کو قتل کیا ہے تاہم چونکہ عینی شہادت موجود نہ تھی' آنحضرت ﷺ نے یہود سے تعرض نہیں فرمایا اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔[1]

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچ کر مقام کیا' زنانی سواری بھی ساتھ تھی' ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور سلام علیک کی' ہم نے سلام کا جواب دیا ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا اس کی قیمت پوچھی' ہم نے جواب دیا اتنی کھجوریں' انہوں نے کچھ مول تول نہیں کیا اور وہی قیمت منظور کر لی' پھر اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ ان کو پہچانتے نہیں۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا' محمل نشین خاتون نے کہا مطمئن رہو' ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن نہیں دیکھا (یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ نے تمہارے لیے کھانا اور کھجوریں بھیجی ہیں۔ دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ آئے' آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے' ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا ''یا رسول اللہ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اس کے بدلہ میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا''۔[2]

سرقؓ ایک صحابی تھے' انہوں نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا' لیکن قیمت نہ ادا ہو سکی' بدو ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا' اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قیمت ادا کر دو' انہوں نے ناداری کا عذر کیا' آپ ﷺ نے بدو سے کہا بازار میں لے جا کر ان کو فروخت کر لو' بدو ان کو بازار میں لے گیا' ایک صاحب نے دام دے کر بدو سے خریدا اور آزاد کر دیا۔[3]

ابو حدرد اسلمیؓ ایک صحابی تھے' جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا' اور ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت ﷺ خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے ابو حدرد نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کر دو'

---

[1] یہ واقعہ بخاری ونسائی وغیرہ میں (باب القسامہ) میں باختلاف روایات مذکور ہے۔

[2] دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ و ۳۰۸۔

[3] دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴۔

انہوں نے عذر کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا انہوں نے پھر یہی جواب دیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ غزوہ خیبر قریب ہے شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کر دوں، آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کرو، آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ باندھا تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔ [۱]

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے اپنے مقدمات آپ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے [۲] اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے اسلام سے پہلے یہودیان بنونضیر وقریظہ میں عزت وشرافت کی عجیب وغریب حد قائم تھی کوئی قرظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا تھا لیکن اگر کوئی قرظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔ اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو بنوقریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ ﷺ نے فوراً تورات کے آئین کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کر دیا۔ [۳]

عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے ایک بار آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے لوگوں کا گرد و پیش ہجوم تھا، ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ ﷺ پر لد گیا، دست مبارک میں پتلی لکڑی تھی آپ ﷺ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آ گئی۔ فرمایا مجھ سے انتقام لے لو۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے معاف کر دیا۔ [۴] مرض الموت میں آپ ﷺ نے عام مجمع میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال وآبرو حاضر ہے اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے، مجمع میں سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے۔ [۵]

جود وسخا:

جود وسخا آپ ﷺ کی فطرت تھی ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ ﷺ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے [۶] تمام عمر کسی کے سوال پر ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا۔ [۷]

---

۱ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۲۳، معجم صغیر طبرانی، معجم عبدان

۲ ابوداؤد باب تضمین العاریہ جلد ثانی

۳ ابوداؤد کتاب الدیات

۴ ابوداؤد باب القود بغیر حدید

۵ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام

۶ صحیح بخاری باب بدء الوحی

۷ صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق

﴿ انما انا قاسم و خازن واللّٰہ یعطی ﴾ [1] (بخاری)

میں تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہوں اور دیتا اللہ ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی اور آپ ﷺ نے سب کی سب دیدیں' اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کرلو، محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔[2]

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے تم میرے ساتھ آؤ' حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، عرض کی کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے۔ ایک اور صاحب حاضر تھے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ دیئے جایئے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریے، وہ آپ کو محتاج نہ کرے گا۔ آپ ﷺ فرط بشاشت سے مسکرا دیئے۔[3]

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہوتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ورنہ وعدہ فرماتے۔ اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں اس کو پورا کر دیجئے' چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔[4]

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے' قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اس کو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے' چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اسی وقت اس کو عبداللہؓ بن عمر کو دے دیا۔[5] حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے۔[6]

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ تمام صحابہ کو شریک فرما لیتے۔ کسی غزوہ میں ۱۳۰ صحابہ ہمراہ تھے آپ ﷺ نے ایک بکری خرید کر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا' وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا' جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا۔[7] جو چیز آنحضرت ﷺ کے پاس آتی جب تک صرف نہ ہو جاتی آپ ﷺ کو چین نہ آتا بے قراری سی رہتی' ام المؤمنین ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر

---

[1] صحیح بخاری باب فرض الخمس۔
[2] بخاری باب حسن الخلق والسخا۔
[3] صحیح مسلم صفحہ ۲۹۰ ج ۲۔
[4] ادب المفرد امام بخاری۔
[5] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۸۴۔
[6] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۸۲۔
[7] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔

میں تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا' ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! خیر ہے؟ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔[1]

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابوذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے' لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لیے چھوڑ دوں۔[2]

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کر دی جاتی گھر میں آرام نہ فرماتے۔ رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبوی میں بھیجا۔ حضرت بلالؓ نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا' پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر اطلاع کی' آپ ﷺ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا؟ بولے ہاں کچھ بچ بھی رہا' فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا میں گھر نہیں جا سکتا۔ حضرت بلالؓ نے کہا میں کیا کروں کوئی سائل نہیں' آنحضرت ﷺ نے مسجد میں رات بسر کی۔ دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آ کر کہا یارسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا' یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا آپ ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔[3]

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے' لوگوں کو تعجب ہوا' آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔[4]

غزوہ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت ﷺ اس کو خیرات فرما کر واپس آ رہے تھے' راہ میں بدوؤں کو خبر لگی کہ ادھر سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہونے والا ہے آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو' آپ ﷺ اژدحام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے انہوں نے ردائے مبارک تھام لی' بالاخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر اتر کر ان کے ہاتھ میں رہ گئی۔ فیاض عالم نے کہا "میری چادر دے دو' خدا کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے نہ دروغ گو نہ نامرد"۔[5]

لوگوں کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو' میں اس کو ادا کر دوں گا' اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے'[6] مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہؓ کے مجمع میں

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۹۳۔

[2] صحیح بخاری کتاب الاستقراض صفحہ ۳۲۱۔

[3] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین۔

[4] صحیح بخاری یفکر الرجل الشی فی الصلوۃ۔

[5] صحیح بخاری باب الشجاعۃ فی الحرب۔

[6] صحیح بخاری۔

تشریف فرما تھے' ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچ کر بولا "محمد! یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے، ایک بار شتر دے"۔ آپ ﷺ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔[1]

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام میں نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد میں ڈلوا دو۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو اس پر مڑ کر بھی نظر نہ ڈالی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے اس کی تقسیم شروع کی' جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے۔ حضرت عباسؓ کو جو غزوہ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے اتنا دیا کہ اٹھ کر چل نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح اور لوگوں کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔[2]

اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مر جائے تو اس کا ترکہ اس کے آقا کو ملتا ہے' ایک دفعہ آپ ﷺ کا اسی قسم کا ایک غلام مر گیا' لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھا کر آپ ﷺ کے پاس لائے' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں ہے' آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمام چیزیں اسی کے حوالہ کر دو۔[3]

ایک دفعہ چند انصار نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا' آپ ﷺ نے دیدیا' پھر مانگا پھر دیا' پھر جب تک رہا آپ ﷺ دیتے رہے' یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ نہیں رہا' لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی' فرمایا میرے پاس جو کچھ ہو' میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔[4]

ایثار:

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا' وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت فاطمہ زہراؓ اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے' پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے' تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی' خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئیں تھیں اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں' جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے میں اور طرف توجہ نہیں کر سکتا"۔[5] ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہراؓ خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے

[1] ابوداؤد کتاب الادب۔
[2] صحیح بخاری جلد۲ باب القسمہ۔
[3] مسند ابن حنبل جلد۲ صفحہ ۱۷۵۔
[4] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۸ کتاب الصدقات۔
[5] یہ روایت کتب احادیث (سنن ابوداؤد وغیرہ) میں مختلف طریقوں سے مروی ہے' ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک دعا بتادی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے۔

افلاس وتنگدستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کے غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں' آپ ﷺ نے فرمایا "بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے"۔ [1]

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی' فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹتے پھریں۔ [2]

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی، آپ ﷺ کو ضرورت تھی' آپ ﷺ نے لے لی' ایک صاحب حاضر خدمت تھے' انہوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے۔ آپ ﷺ نے اتار کر ان کو دے دی' جب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی' یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے' انہوں نے کہا ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لیے لی ہے کہ مجھ کو اسی چادر کا کفن دیا جائے۔ [3]

زہد وقناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کس عسرت اور تنگ دستی میں بسر فرماتے تھے۔ ۳ھ کے بہت بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی ہے۔ عرب میں باغات سب سے بہتر جائداد تھی۔ ۳ھ میں یہودیان بنونضیر میں سے مخیرؔیق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مشیب' صافقہ' دلال' حسینیؔ' برقہ' مشربہ ام ابراہیم، مرتے وقت آنحضرت ﷺ کو وصیت کر دیئے۔ [4] آپ ﷺ نے سب کو خیرات کر دیا یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے' جو کچھ پیدا ہوتا تھا وہ غرباء اور مساکین کو دیدیا جاتا تھا۔ [5]

ایک صحابیؓ نے شادی کی' سامان ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عائشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ' وہ گئے اور جا کر لے آئے' حالانکہ کاشانہ نبوت میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ [6] ایک دفعہ ایک غفاری آ کر مہمان ہوا۔ رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ ﷺ نے اس کے نذر کر دیا۔ یہ تمام رات خانہ نبوی میں فاقہ سے گزری حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔ [7]

مہمان نوازی:

(عرب کے مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہ نبوی میں آتے تھے۔ رملہؓ ایک صحابیہ

---

1. ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۳۔
2. مسند احمد جلد ا صفحہ ۷۹۔
3. صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخاء و باب من استعد للکفن۔
4. فتح الباری شرح کتاب الفرائض۔
5. اصابہ تذکرہ مخیرؔیق۔
6. مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۵۸۔
7. مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۹۷۔

تھیں' ان کا گھر دارالضیوف [1] تھا۔ یہیں لوگ مہمان اترتے تھے' ام شریکؓ جو ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں' ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا۔ [2] مخصوص لوگ مسجد نبوی میں اتارے جاتے تھے چنانچہ وفد ثقیف یہیں اترا تھا۔ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پیے واپس نہ آتے تھے۔ [3]

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ ﷺ کے مہمان ہوتے اور آپ ﷺ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا' اور خود بنفس نفیس ان کی خدمت کی۔ [4] ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا وہ سارے کا سارا پی گیا' آپ ﷺ نے دوسری بکری منگوائی' وہ بھی کافی نہ ہوئی غرض سات بکریوں تک نوبت آئی جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ ﷺ پلاتے گئے۔ [5] کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے۔ [6] آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ [7]

صحابہؓ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا' وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت ﷺ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے تین آدمیوں کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمیوں کو ساتھ لے جائے' چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین آدمیوں کو ساتھ لائے' لیکن آنحضرت ﷺ دس آدمیوں کو ہمراہ لے گئے۔ [8]

اصحاب صفہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت درد انگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدت گرسنگی کی حالت میں گزرگاہ عام پر بیٹھ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ راستے سے گزرے تو میں نے بطور حسن طلب کے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گزر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی' حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا' اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا تو آپ ﷺ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ' آپ ﷺ گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیتہً بھیجا ہے' آپ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بلا لایا تو آپ ﷺ نے مجھ کو

---

[1] زرقانی ذکر وفود۔

[2] مسلم جلد ۲ ص ۵۱۹۔

[3] شمائل ترمذی۔

[4] شفائے قاضی عیاض بہ سند متصل۔

[5] صحیح مسلم باب المومن یاکل فی معی۔

[6] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۷۔

[7] ابوداؤد کتاب الادب۔

[8] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۰۔

دودھ کا وہ پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کر دو۔[۱]

آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے۔ جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور اصحاب صُفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔[۲]

مقدادؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی۔ ہم لوگوں نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا آخر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ دولت خانہ میں لے گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو' چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دوھ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔[۳]

ایک دن اصحاب صفہ کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ' چونی کا پکا ہوا کھانا سامنے لا کر رکھا گیا آپ ﷺ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا' اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی۔[۴]

گداگری اور سوال سے نفرت:

باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کا ابر کرم ہر وقت برستا رہتا تھا تاہم کسی کا بے ضرورت شدید سوال کرنا آپ ﷺ پر سخت گراں ہوتا تھا' ارشاد فرماتے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لادلائے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔[۵]

ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟ بولے کہ بس ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں کچھ بچھا لیتا ہوں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے' آپ ﷺ نے دونوں چیزیں منگوائیں پھر فرمایا یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے ایک درم لگایا' آپ ﷺ نے فرمایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیئے۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں دیدیں اور درہم انصاری کو دیئے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دے آؤ اور دوسرے سے کلہاڑی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں بیچو۔ پندرہ دن کے بعد وہ خدمت اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہو گئے تھے اس سے کچھ کپڑا خریدا کچھ کا غلہ مول لیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت میں چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے۔[۶]

---

[۱] ترمذی صفحہ ۲۹۹۔
[۲] ابوداؤد کتاب الاطعمہ۔
[۳] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸۔
[۴] ابوداؤد کتاب الادب۔
[۵] صحیح بخاری کتاب الصدقات صفحہ ۱۹۸۔
[۶] ابوداؤد و ترمذی صدقات۔

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا' آپ ﷺ نے عنایت فرمایا پھر جب تک کچھ رہا آپ ﷺ نے ان کی درخواست رد نہیں فرمائی جب کچھ نہیں رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جب تک رہے گا تم سے بچا کر اس کو نہیں رکھوں گا لیکن جو شخص اللہ سے دعا مانگے کہ وہ اس کو سوال و گداگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے اور جو خدا سے غنی کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنٰی مرحمت فرماتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہیں دی گئی ہے۔ [1]

حکیمؓ بن حزام فتح مکہ میں اسلام لائے تھے ایک دفعہ انہوں نے آپ ﷺ سے کچھ طلب کیا آپ ﷺ نے عنایت فرمایا کچھ دن کے بعد پھر مانگا آپ ﷺ نے پھر ان کو دیا تیسری دفعہ پھر سوال کیا پھر کچھ مرحمت کیا اس کے بعد فرمایا ''اے حکیم! یہ دولت سبز و شیریں ہے، جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا دست بالا دست زیریں سے بہتر ہے'' حکیمؓ پر آنحضرت ﷺ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے کبھی کسی سے کوئی معمولی چیز بھی نہیں مانگی۔ [2]

حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آ کر شامل ہو گئے آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے' آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ [3]

قبیصہ نام ایک صاحب تھے وہ مقروض ہو گئے تھے آپ ﷺ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی' آپ ﷺ نے وعدہ کیا اس کے بعد ارشاد فرمایا ''اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے' ایک اس شخص کو جو قرض سے زیر بار ہو' وہ مانگ سکتا ہے' لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے' دوسرے اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آ گئی جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا' اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے' تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلّہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے' اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے''۔ [4]

صدقہ سے پرہیز:

آنحضرت ﷺ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صدقہ و زکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے' فرمایا کرتے تھے کہ ''میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں، جی میں آتا ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں' پھر

---

[1] صحیح بخاری ص ۱۹۸ کتاب الصدقات۔

[2] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۹ کتاب الصدقات۔

[3] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ۔

[4] ایضاً۔

خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو اس لیے ڈال دیتا ہوں''۔ [۱]

ایک دفعہ راستہ میں ایک کھجور ہاتھ آ گئی' فرمایا اگر صدقہ کا شبہ نہ ہوتا تو میں اس کو کھا جاتا۔ [۲] ایک بار امام حسنؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے منہ میں ایک کھجور ڈال لی' آپ ﷺ نے ڈانٹ کر کہا ''کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا''۔ [۳] پھر منہ سے اگلوا دیا۔

آپ ﷺ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپ ﷺ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرما دیتے۔

ہدایا اور تحفے قبول کرنا:

دوست واحباب کے ہدایا اور تحفے آپ ﷺ قبول فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے اس کو زیادہ محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے۔

﴿تهادوا تحابوا﴾ (حدیث)

باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔

اسی لیے صحابہؓ عموماً کچھ نہ کچھ روز آپ ﷺ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ ﷺ حجرہ عائشہؓ میں قیام فرماتے تھے۔ [۴] اوپر گزر چکا ہے کہ کوئی چیز آپ ﷺ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ ﷺ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے ورنہ احتراز کرتے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے لے لی' اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی' آپ ﷺ نے ان کو عنایت فرما دی۔ [۵]

آس پاس کے ملوک وسلاطین بھی آپ ﷺ کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا عزیز مصر نے بھی ایک خچر مصر سے بھیجا تھا۔ ایک امیر نے آپ ﷺ کو موزے بھیجے تھے۔ ایک دفعہ قیصر روم نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی آپ ﷺ نے ذرا دیر کے لیے پہن لی' پھر اتار کر حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کے پاس بھیج دی۔ وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لیے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو' عرض کی پھر کیا کروں' ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔ [۶] حضرت جعفرؓ ایک مدت یعنی فتح خیبر تک حبش میں رہے تھے اور نجاشی نے انہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

۱۔ بخاری جلد ا صفحہ ۳۲۸ کتاب اللقطہ۔

۲۔ بخاری جلد ا صفحہ ۳۲۸ کتاب اللقطہ۔

۳۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ کتاب الصدقات۔

۴۔ بخاری مناقب عائشہؓ۔

۵۔ صحیح بخاری کتاب الصدقہ۔

۶۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

ہدایا اور تحفے دینا:

جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

﴿ كان يقبل الهدية ويثيب عليها ﴾

آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے

یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے آنحضرت ﷺ کو ایک قیمتی حلہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا' آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلہ ہدیتاً بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹ دے کر خریدا گیا تھا۔ [1]

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً ایک اونٹنی پیش کی آپ ﷺ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا۔ آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو' آئندہ قریش' انصار' ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔ [2]

حضرت ابوایوب انصاریؓ جن کے مکان میں آپ ﷺ چھ مہینے تک فروکش رہے تھے' آپ ﷺ اکثر ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے [3] ہمسایوں اور پڑوسیوں کے گھروں میں بھی تحفے بھیجتے تھے۔ اصحاب صفہ اکثر آپ ﷺ کے تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبول احسان:

کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے۔ حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جان نثار کون ہوسکتا تھا' تاہم ہجرت کے وقت جب انہوں نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے قیمت ادا کی۔ [4] مدینہ میں مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی مالکان زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن آپ ﷺ نے قیمت دے کر لی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ہم سفر تھے' عبداللہ بن عمرؓ کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت ﷺ کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا' عبداللہ بن عمرؓ روکتے تھے لیکن وہ قابو نہ آتا تھا' حضرت عمرؓ بار بار عبداللہ بن عمرؓ کو ڈانٹتے تھے' آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو' انہوں نے کہا کہ نذر ہے' آپ ﷺ نے فرمایا نہیں دام لو' انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے' آپ ﷺ نے انکار کیا' بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کئے۔ آپ ﷺ نے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۲۰۳۔

[2] ادب المفرد امام بخاری ص ۱۸۔

[3] مسلم کتاب الاطعمہ۔

[4] [illegible]

خرید کر عبداللہ بن عمرؓ کو دیدیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔[1]

عدم تشدد:

حضرت معاذ بن جبلؓ (جو اکابر صحابہؓ میں سے تھے) ایک محلّہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں' ابومسعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا جس قدر اس موقع پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا ''بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں' جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے کیونکہ نماز میں بوڑھے' کمزور' کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔[2]

حدود قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگزر کرنا چاہتے۔ ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زنا میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن فوراً مسجد میں آئے اور کہا یارسول اللہ! میں نے بدکاری کی' آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا وہ دوسری سمت آئے' آپ ﷺ نے اور طرف منہ پھیر لیا آپ ﷺ بار بار منہ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آ کر زنا کا اقرار کرتے' بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو جنون تو نہیں ہے؟ بولے نہیں پھر پوچھا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟ بولے ہاں' آپ ﷺ نے فرمایا تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا؟ بولے نہیں بلکہ مجامعت کی' آخر مجبور ہو کر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سنگسار کیے جائیں۔[3]

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا' آپ حد (سزا) کا حکم دیں' آپ ﷺ چپ رہے اور نماز کا وقت آ گیا' نماز کے بعد انہوں نے پھر آ کر وہی درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا' کیا تم نے نماز نہیں پڑھی؟ بولے ہاں پڑھ لی' ارشاد فرمایا کہ تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا۔[4]

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی' آپ ﷺ نے فرمایا ''واپس جاؤ'' دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم مجھ کو حمل رہ گیا ہے' پھر فرمایا واپس جاؤ' وہ چلی گئی تیسرے دن پھر واپس آئی' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو' بچہ جب پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی' (یعنی اب زنا کی سزا دینے میں کیا تامل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو' جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا' جب رضاعت کا زمانہ گزر گیا تو پھر حاضر ہوئی' اب آپ ﷺ نے مجبور ہو کر سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس پر پتھر برسانے شروع کئے ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرہ پر لگا اور

[1] بخاری صفحہ ۲۸۴۔
[2] بخاری کتاب الصلوٰۃ و باب ہل یقضی الحاکم وھو غضبان صفحہ ۱۰۶۰۔
[3] یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں ہے موقع کے لیے صفحہ ۱۰۰۸ دیکھنا چاہئے۔
[4] بخاری صفحہ ۱۰۰۸۔

خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرہ پر آئیں انہوں نے اس کو گالی دی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''زبان روکو! خدا کی قسم اُس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا''۔[1] ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھالیا کریں؟ فرمایا اور برتن ہاتھ آئیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو۔[2]

ایک بار ایک صحابیؓ نے ماہ رمضان تک کے لیے اپنی بی بی سے ظہار کر لیا لیکن ابھی یہ مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقاربت کر لی' پھر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا مجھے رسول اللہ کی خدمت میں لے چلو' سب نے انکار کر دیا' انہوں نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا' آپ ﷺ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا' انہوں نے ناداری کا عذر کیا تو آپ ﷺ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی' انہوں نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے، اب آپ ﷺ نے ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کرنے کو فرمایا' انہوں نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایک وسق کھجور دے گا اس میں سے ساٹھ مسکینوں کو دے دینا اور جو بچے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا' وہ پلٹے تو لوگوں سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بدتدبیر تھے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسن رائے اور آسانی نظر آئی۔[3]

ایک بار ایک اور صحابیؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں برباد ہو گیا روزہ میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟ کہا نہیں' فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں' فرمایا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ کہا اس کی بھی قدرت نہیں' آنحضرت ﷺ نے تامل فرمایا کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیتاً پیش کی' آپ ﷺ نے فرمایا سائل کہاں گیا' سائل نے کہا یا رسول اللہ میں یہ ہوں' فرمایا ان کھجوروں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات دیدو' سائل نے کہا یا رسول اللہ! مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا' آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ گھر ہی والوں کو کھلا دو۔[4]

تقشّف ناپسند تھا:

رہبانیت اور تقشّف کو ناپسند فرماتے تھے صحابہؓ میں سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا۔ بعض صحابہؓ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے انہوں نے قطع اعضا کرنا چاہا' آپ ﷺ نے سخت ناراضی ظاہر کی۔ قدامہ بن مظعون اور ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے نے ترک نکاح کا عزم کر لیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں'' آپ ﷺ کی مرضی نہ پا کر دونوں صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے۔ عرب میں صوم

---

1. ابوداؤد کتاب الحدود۔
2. بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۲۳۔
3. ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۲۰۔
4. بخاری صفحہ ۲۶۰ باب اذا جامع فی رمضان۔

وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپ ﷺ نے سختی سے روکا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نہایت مرتاض زاہد تھے انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ عرض کی ''ہاں'' فرمایا کہ ''تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے' بیوی کا حق ہے' مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا مجھ کو اس سے زیادہ کی طاقت ہے فرمایا کہ اچھا تیسرے دن' بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں ارشاد فرمایا کہ ایک دن بیچ دے کر کہ یہی داؤدؑ کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے انہوں نے عرض کی کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے' ارشاد ہوا بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا' آپ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ کیا تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے' عرض کی نہیں' فرمایا پانچ' بولے نہیں غرض آپ ﷺ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ ہوتے بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو ایک دن روزہ رکھو۔ [2]

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے، آنحضرت ﷺ چپ رہے' حضرت ابو ہریرہؓ نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا آپ ﷺ چپ رہے' سہ بارہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔ [3]

قبیلہ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا' لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل وصورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت ﷺ ان کو نہ پہچان سکے' انہوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی؟ انہوں نے کہا جب سے آپ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا' رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے۔ انہوں نے کہا میں اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں' آپ ﷺ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا' انہوں نے اور اضافہ کی درخواست کی' آپ ﷺ نے تین دن کر دیئے۔ ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو آپ ﷺ نے شہر حرام کے روزوں کا حکم دیا۔ [4] ایک دن چند صحابہؓ خاص اس غرض سے ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی عبادت کے حالات دریافت کریں۔ وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے' حالات سنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے' بولے کہ بھلا ہم کو آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیئے ہیں' پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا، ایک اور صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا'

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم۔
[2] بخاری کتاب النکاح۔
[3] بخاری کتاب النکاح۔
[4] ابوداؤد صفحہ ۲۴۲۔

آنحضرت ﷺ سن رہے تھے فرمایا کہ ''خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے''۔ [۱]

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گزر ہوا جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی ''یارسول اللہ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترک دنیا کرلوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا، میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں''۔ [۲]

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی:

مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ ﷺ نے فرمایا ''تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی'' یہ الفاظ چند بار فرمائے پھر ارشاد کیا کہ ''تم کو اگر کسی کی خواہی نخواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے''۔ [۳] ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا، حضرت مقدادؓ بھی موجود تھے انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔ [۴] ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ محجن ثقفیؓ سے پوچھا یہ کون ہے، محجنؓ نے ان کا نام بتایا اور بہت تعریف کی، ارشاد فرمایا ''دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا''۔ یعنی دل میں غرور پیدا ہوگا جو موجب ہلاکت ہوگا۔ [۵]

ایک دفعہ اسودؓ بن سریع جو شاعر تھے خدمت عالی میں آئے اور عرض کی کہ ''میں نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں''۔ فرمایا کہ ہاں اللہ کو حمد پسند ہے۔ اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے اسی اثناء میں کوئی صاحب باہر سے آ گئے، آپ ﷺ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے پھر اسود نے پڑھنے شروع کئے وہ صاحب پھر آ گئے آپ ﷺ نے اسود کو پھر روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لیے آپ ﷺ مجھ کو بار بار روک دیتے ہیں، فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔ [۶]

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ حسانؓ کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے ﴿اللھم ایدہ بروح القدس﴾ حالانکہ یہ اشعار آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہوتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسان کے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب النکاح۔

[۲] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۶۶۔

[۳] بخاری ادب المفرد صفحہ ۶۶۔

[۴] ایضاً صفحہ ۶۷۔

[۵] ایضاً صفحہ ۶۸۔

[۶] ایضاً صفحہ ۶۸۔

اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے' عرب میں شعراء کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زور کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے۔ ابن الزبعریٰ اور کعب بن اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کو ضرر پہنچانا چاہا تھا' حسانؓ کی مداحی ان کا ردعمل تھا۔

سادگی اور بے تکلفی:

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے۔ [1] روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے۔ ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیے۔

کھانے پینے' اوڑھنے' اٹھنے بیٹھنے' کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے' پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے' زمین پر' چٹائی پر' فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ [2] آپ ﷺ کے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی' [3] کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے' لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے' سامان آرائش سے آپ ﷺ طبعاً نفور تھے' غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔ [4]

امارت پسندی سے اجتناب:

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے ﴿لا رهبانية في الاسلام﴾ اسی بنا پر آپ ﷺ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے تاہم ناز و نعمت، تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے تھے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا' حضرت علیؓ گئے اور آپ ﷺ سے جا کر عرض کی آپ ﷺ تشریف لائے' لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے' (حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو۔ [5] فرمایا کرتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لیے ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے' چوتھا شیطان کا حصہ ہے [6])

---

[1] ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۳۱۸۔

[2] دیکھو شمائل۔

[3] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ صفحہ ۹۱۴۔

[4] صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد واقعات ہیں۔

[5] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۷۱۔

[6] ابوداؤد کتاب اللباس جلد ۲ ص ۲۱۸

ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے حضرت عائشہؓ رہ گئیں' لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔[1] ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا' آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے' لوگوں نے بتایا' آپ ﷺ چپ ہو رہے جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا' انہوں نے پھر سلام کیا' آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا' وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے۔ جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن آپ ﷺ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا' معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ ''ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبال ہے''۔[2]

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ ﷺ نے پہن لی' پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی' حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ ﷺ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے' ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کیلئے نہیں بلکہ فروخت کرنے کیلئے بھیجی' چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار درہم اٹھی۔[3]

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا' آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا، وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے' آپ ﷺ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اس لئے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائی جائیں۔[4]

مہر کرنے کی غرض سے جب آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی آپ ﷺ کی تقلید میں صحابہؓ نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں' آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ ''اب نہ پہنوں گا''۔ صحابہؓ نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دیں۔[5]

جس طرح آپ ﷺ خود سادگی پسند فرماتے تھے اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے اہل و عیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلف و تنعم سے پاک رہیں۔ عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے مگر آنحضرت ﷺ اہل بیت کرام کے لیے اس بات کو بھی خلاف اولیٰ تصور فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔[6]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (مسکہ) دیکھے' فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر ورس کے کنگن

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۹۔
[2] ایضاً صفحہ ۳۶۴۔
[3] ایضاً کتاب اللباس۔
[4] ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۶۴ کتاب اللباس۔
[5] ابوداؤد کتاب الخاتم۔
[6] نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳۔

کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔[1]

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً بھیجے' ان میں ایک انگوٹھی بھی تھی جس میں حبشی پتھر کا ایک نگینہ جڑا تھا' آپ ﷺ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے' اور لکڑی سے اس کو چھوتے تھے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیتاً بھیجا' آپ ﷺ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا' پھر فرمایا "پرہیزگاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہیں۔"

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ و عیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ ﷺ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں۔ اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیراء) بک رہا تھا' حضرت عمرؓ نے موقع پا کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کپڑا حضور خرید لیں اور جمعہ میں اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں' ارشاد فرمایا کہ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں"۔ اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور انہی کپڑوں میں وفات پائی۔[2]

بستر کمبل کا تھا' کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی کبھی معمولی کپڑا جو دو تہہ کر دیا جاتا تھا۔ حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بستر مبارک چار تہہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے' صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے ناگواری ظاہر فرمائی۔[3]

۹ھ میں جب کہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی' فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔[4] حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا[5]۔ صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادراہ کے لئے"[6] ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں' عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں' ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔[7]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۹۔
[2] اوپر کی تمام روایتیں صحیح بخاری کتاب اللباس سے ماخوذ ہیں۔
[3] شمائل ترمذی۔
[4] صحیح بخاری کتاب اللباس۔
[5] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۸۔
[6] ابن ماجہ کتاب الزہد۔
[7] جامع ترمذی کتاب الزہد۔

ایلاء کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھڑی تھی حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرور عالم ﷺ کے بیت اقدس میں دنیاوی ساز وسامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے ایک کھری چارپائی بچھی ہے سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے آنحضرت ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا عرض کی یارسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں یہ آپ کے اسباب کی کوٹھڑی ہے اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے قیصر وکسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو ارشاد ہوا کہ ''اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت''۔[1]

مساوات:

آپ ﷺ کی نظر میں امیر وغریب صغیر وکبیر آقا وغلام سب برابر تھے۔ سلمانؓ وصہیبؓ وبلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے آپ ﷺ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے ایک دفعہ حضرت سلمانؓ وبلالؓ ایک موقع پر جمع تھے اتفاق سے ابوسفیان نکلے ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے ان لوگوں نے کہا نہیں خدا آپ کو معاف کرے۔[2] قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسامہ بن زید جن سے آنحضرت ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت نبوی میں بھیجا آپ ﷺ نے فرمایا ''اسامہ کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا ''تم سے پہلے کی امتیں اسی لئے برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہؓ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے''۔[3]

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے قیدیوں کو زرفدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپ ﷺ سے قرابت قریبہ رکھتے تھے عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباسؓ) کا زرفدیہ معاف کر دیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخییر الازواج۔

[2] صحیح مسلم فضائل سلمان وصہیب۔

[3] بخاری ومسلم وابوداؤد کتاب الحدود۔

معاف نہ کرو [۱] مجلس میں جو چیزیں آتیں ہمیشہ داہنی طرف سے اس کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر و غریب صغیر و کبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔

ایک دفعہ خدمت اقدس میں صحابہ کا مجمع تھا اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کمسن تھے' بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہ تھے۔ کہیں سے دودھ آیا' آپ ﷺ نے نوش فرما کر عبداللہ بن عباسؓ سے کہا تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں' انہوں نے عرض کی اس عطیہ میں میں ایثار نہیں کر سکتا چونکہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے انہی کا حق تھا آپ ﷺ نے انہی کو ترجیح دی۔ [۲]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کو پانی مانگا میں نے بکری کا دودھ پیش کیا مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ بائیں جانب حضرت عمرؓ سامنے اور ایک بدو داہنی طرف تھا آپ ﷺ نے پی لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو آپ ﷺ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت فرمایا۔ [۳]

قریش اپنے فخر و امتیاز کے لئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا' بعثت سے پہلے [۴] اور بعثت کے بعد [۵] بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے' علاوہ بریں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہیں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپ ﷺ کیلئے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سایہ کیلئے کوئی چھپر ڈال دیا جائے' صحابہؓ نے تجویز پیش کی تو فرمایا ''جو پہلے پہنچ جائے اسی کا مقام ہے''۔ [۶]

صحابہؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینہ میں آ کر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہؓ کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک تھے۔ خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے صحابہؓ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپ ﷺ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔ [۷] غزوہ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہؓ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے آپ ﷺ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہہ جم گئی تھی۔ [۸]

---

[۱] صحیح بخاری باب فداء المشرکین۔
[۲] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۰۔
[۳] بخاری صفحہ ۳۵۰۔
[۴] ابوداؤد کتاب المناسک۔
[۵] ایضاً۔
[۶] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۸۷۔
[۷] صحیح بخاری باب الہجرۃ و بناالمسجد۔
[۸] صحیح بخاری باب غزوہ احزاب۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا تمام صحابہؓ نے مل کر پکانے کا سامان کیا' لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت ﷺ نے اپنے ذمہ لیا' صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کام ہم خدام کر لیں گے فرمایا ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔ [1]

غزوہ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا۔ لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے ہمراہ جان نثاران اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! آپ سوار رہیں حضور کے بدلہ ہم پیادہ چلیں گے' ارشاد ہوتا کہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو' اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔ [2]

تواضع:

گھر کا کام کاج خود کرتے' کپڑوں میں پیوند لگاتے' گھر میں خود جھاڑو دیتے' دودھ دوھ لیتے' بازار سے سودا لاتے' جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے' گدھے کی سواری سے آپ ﷺ کو عار نہ تھا' غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا۔ [3] ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا کہ "اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اٹھو"۔ [4] غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے' صحابہؓ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ [5]

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں فرشتہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ [6]

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "میں بندہ اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آ گئے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا اس نے کہا محمد! یہ کیا طرز نشست ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔ [7]

---

[1] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری۔ یہ روایت کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔
[2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۴۲۲ و مسند ابوداؤد طیالسی۔
[3] شمائل ترمذی۔
[4] ابوداؤد وابن ماجہ۔
[5] شمائل ترمذی۔
[6] مستدرک ج ۳ ص ۴۸ علی شرط الشیخین واقعہ فتح مکہ۔
[7] ابوداؤد کتاب الاطعمہ۔

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ ﷺ کو خطاب کیا ''اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند'' آپ ﷺ نے فرمایا لوگو پرہیز گاری اختیار کرو شیطان تمہیں گرا نہ دے میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔ [1] ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو یا خیر البریة (یعنی اے بہترین خلق) کہہ کر مخاطب کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیمؑ تھے۔ [2]

عبداللہؓ بن شخیر کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت اقدس میں آئے تو عرض کی حضور ہمارے آقا (سید) ہیں ارشاد فرمایا کہ ''آقا خدا ہے'' پھر ہم لوگوں نے عرض کی آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ''بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے''۔ [3]

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کے دماغ میں کچھ فتور تھا آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ محمد! مجھ کو تم سے کچھ کام ہے' فرمایا جہاں کہو چل سکتا ہوں' (ابوداؤد کتاب الادب) وہ آپ ﷺ کو ایک کوچہ میں لے گئی اور وہیں بیٹھ گئی آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کام تھا انجام دے دیا۔ [4] مخرمہؓ ایک صحابی تھے ایک دفعہ انہوں نے اپنے بیٹے مسورؓ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں اور وہ تقسیم فرما رہے ہیں آؤ ہم بھی چلیں' آئے تو آپ ﷺ زنانہ میں تشریف لے جا چکے تھے کہا آواز دو' انہوں نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو آواز دوں' مخرمہ نے کہا '' بیٹے! محمد جبار نہیں ہیں' ' ان کی جرات دلانے سے مسورؓ نے آواز دی' آنحضرت ﷺ فوراً نکل آئے اور ان کو دیبا کی قبا عنایت کی جس کی گھنڈیاں زریں تھیں۔ [5]

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی' یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ پر تعریض ہے' غصہ میں آ کر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا' وہ آنحضرت ﷺ کے پاس فریادی آیا' آپ ﷺ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ ''مجھ کو انبیاء پر فضیلت نہ دو''۔ [6]

انسان کے غرور ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہے جب وہ اپنے چپ و راست جلو میں ہزاروں آدمیوں کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں' خصوصاً جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پرجوش لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے تواضع و خاکساری کا منظر اس وقت اور نمایاں ہو جاتا

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۳۔
[2] صحیح بخاری باب فضائل ابراہیم۔
[3] ابوداؤد کتاب الادب و باب کراہیۃ التمادح۔
[4] ایضاً۔
[5] بخاری صفحہ ۸۷۱۔
[6] بخاری کتاب الانبیاء ذکر موسیٰ۔

ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ شہر میں داخل ہوئے تو تواضعاً سر مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آ کر مل گیا۔[۱] غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ کا داخلہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس میں لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی۔[۲] حجۃ الوداع میں جس کجاوہ پر آپ ﷺ سوار تھے سن چکے ہو کہ اس کی قیمت کیا تھی۔

تعظیم اور مدح مفرط سے روکتے تھے:

(شرک کا پہلا دیباچہ انبیاء اور صلحاء کی مبالغہ آمیز محبت ہے۔ آنحضرتؐ اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے حضرت عیسٰیؑ کی مثال پیش نظر تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہیں۔ میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں"۔[۳] قیسؓ بن سعد کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حیرہ گیا وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر پر گزرو گے تو سجدہ کرو گے؟ کہا نہیں' فرمایا تو جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔[۴]

معوذ بن عفراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا اس پر بیٹھ گئے۔ گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہو گئیں اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں' گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا۔

﴿فینا نبی یعلم ما فی غد﴾

ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔

فرمایا یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔[۵]

آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم نے جس روز انتقال کیا اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا لوگوں کے خیال میں ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اس کے درد و صدمہ سے کم از کم اجرام سماوی میں انقلاب پیدا ہو جائے۔ لوگوں نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محمول کیا ایک جاہ پسند انسان کے لیے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا لیکن نبوت کی شان اس سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا خدا کی آیات قدرت میں ہے کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔[۶]

---

[۱] شرح شفا قاضی عیاض و سیرۃ ابن ہشام۔

[۲] مشکوۃ اخلاق النبی بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی۔

[۳] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۰۔

[۴] ابوداؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ۔

[۵] صحیح مسلم باب ضرب الدف فی النکاح۔

[۶] صحیح بخاری و مسلم باب صلوۃ الخسوف۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ وضو کر رہے تھے وضو کا پانی جو دست مبارک سے گرتا فدائی برکت کے خیال سے اس کو چلو میں لے کر بدن میں مل لیتے' آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت میں' فرمایا اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ جب باتیں کرے سچ بولے' جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نباہے۔ [1]

ایک صاحب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں" ارشاد ہوا "تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا، کہو کہ جو خدا تنہا چاہے"۔ [2]

شرم و حیا:

(صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے اور شرم و حیا کا اثر آپ ﷺ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا' کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی' بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گزر جاتے' تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ و قہقہہ سے آشنا نہیں ہوئے) بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے، چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے۔

عرب میں اور ممالک کی طرح شرم و حیا کا بہت کم لحاظ تھا' ننگے نہانا عام بات تھی' حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں' ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو' لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے' ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو۔ عرب میں حمام نہ تھے لیکن شام و عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے وہاں کثرت سے حمام تھے اس بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

ایک دفعہ کچھ عورتیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئیں انہوں نے وطن پوچھا، بولیں حمص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا تمہیں وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہیں؟ بولیں کیا حمام کوئی بری چیز ہے؟ فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے۔ [3]

ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا' پھر مردوں کو پردہ کی قید کے ساتھ اجازت دی لیکن عورتوں کے لیے وہی حکم قائم رہا۔ عرب میں جائے ضرور نہ تھے۔ [4] لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے لیکن پردہ نہیں کرتے تھے بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔ [5]

[1] مشکوۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی۔
[2] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۷ مصر۔
[3] یہ تمام روایتیں ترغیب و ترہیب میں کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہیں۔
[4] صحیح بخاری حدیث افک۔
[5] ابوداؤد و ابن ماجہ۔

معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے۔ مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا۔[1]

اپنے ہاتھ سے کام کرنا:

اگرچہ تمام صحابہؓ آپ ﷺ کے جان نثار خادموں میں داخل تھے بایں ہمہ آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ، ابو سعید خدریؓ، اور امام حسنؓ سے روایت ہے کہ ﴿کان یخدم نفسه﴾ یعنی آپ ﷺ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے۔[1] ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ ''گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے' کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے' گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے' دودھ دوھ لیتے تھے' بازار سے سودا خرید لاتے تھے' جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے' ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے' اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے اس کو چارہ دیتے' غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے''۔[2]

ایک دفعہ حضرت انس بن مالکؓ خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے تھے۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں' تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے۔[3]

ایک دفعہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے دیکھا تو کسی نے مسجد میں ناک صاف کی ہے' آپ ﷺ نے خود دست مبارک سے ایک کنکر لے کر اس کو کھرچ ڈالا' اور آئندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔[4]

آپ ﷺ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔[5] مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے میں جس طرح زمین کھودی اس کی تفصیل جلد اول کے واقعہ میں گزر چکی ہے۔ ایک سفر میں صحابہؓ نے بکری ذبح کی اور اس کے پکانے کے لیے آپس میں سے کام بانٹ لیے آپ ﷺ نے فرمایا جنگل سے لکڑی میں لاؤں گا' صحابہؓ نے تامل کیا تو فرمایا ''میں امتیاز پسند نہیں کرتا''۔[6] ایک اور سفر میں آپ ﷺ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا آپ ﷺ نے خود اس کو درست کرنا چاہا' ایک صحابیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ لایئے

---

[1] شرح شفائے قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔

[2] صحیح بخاری کتاب الادب اور باب ما یکون الرجل فی مھنۃ اھلہ میں مجمل ہے' قاضی عیاض نے شفا میں متعدد حدیثوں سے لے کر اور ٹکڑے بھی جمع کر دیئے ہیں' زرقانی نے جلد ۴ صفحہ ۳۰۴ میں مسند احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[3] یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں پہلی روایت کتاب الادب میں اور دوسری اور تیسری باب جواز وسم الحیوان میں ہے

[4] سنن نسائی کتاب المساجد۔

[5] صحیح بخاری باب الجاہلیہ۔

[6] زرقانی جلد ۴ ص ۳۰۴ بحوالہ سیرت محب طبری۔

میں ٹانک دوں، فرمایا "یہ تشخص پسندی ہے جو مجھے محبوب نہیں ہے"۔[1] دو صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں، ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے، جب کام ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی۔[2]

دوسروں کے کام کر دینا:

خبابؓ بن ارت ایک صحابی تھے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا، خبابؓ کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا اس بنا پر آپ ﷺ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔[3] حبش سے جو مہمان آئے تھے صحابہؓ نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت گزاری کریں لیکن آپ ﷺ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ "انہوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت گزاری کا فرض انجام دوں گا"۔[4] کفار ثقیف جنہوں نے طائف میں آپ ﷺ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا، ۹ھ میں وفد لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا اور بہ نفس نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کیے۔

مدینہ کی لونڈیاں آپ ﷺ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں "یارسول اللہ میرا یہ کام ہے" آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ مدینہ میں ایک پاگل لونڈی تھی وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا "اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے میں تیرا کام کر دوں گا" چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری کی۔[5] عبداللہؓ بن ابی اوفی ایک صحابی تھے وہ فرماتے ہیں۔

﴿ولا یانف ان یمشی مع الارملة والمسکین فیقضی له الحاجة﴾ (نسائی ودارمی)

بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ ﷺ کو عار نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر بولا "میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں، پہلے اس کو کر دو" آپ ﷺ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔[6]

عزم واستقلال:

خدا نے قرآن مجید میں ﴿اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾[7] کہہ کر انبیاء کی کئی بار مدح فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم الرسل ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ ﷺ کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ ابتدا سے انتہا

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف لابی الیمن وابن عساکر۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۶۹۔ [3] ابن سعد حصہ ششم ترجمہ بنت خبابؓ

[4] شفاء قاضی عیاض متصل بحوالہ بیہقی [5] مسلم وابوداؤد، اخلاق وآداب

[6] ابوداؤد کتاب الادب وصحیح بخاری کتاب الصلوۃ مختصراً [7] الاحقاف: ۳۵

تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت ﷺ کے عزم و استقلال کا مظہر اتم ہے۔ عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے بے یار و مددگار دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے' ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقارِ نبوت اور عزمِ ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں کے بعد بھی ذات اقدس جبن و یاس سے آشنا نہیں ہوتی' اور بالآخر وہ دن آتا ہے جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثاروں کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہے۔ ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہؓ نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر خدمت مبارک میں عرض کی کہ آپ ﷺ ہمارے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے' آپ ﷺ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ''تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا' ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا تھا لیکن یہ آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں' خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر رہے گا یہاں تک کہ صنعاء سے حضر موت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا آئے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا''۔[1]

مکہ میں روسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حکومت کا تخت' زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی' ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی لیکن آپ ﷺ نے ذلت کے ساتھ ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا' اس وقت آپ ﷺ نے جواب میں جو فقرے فرمائے' عالم کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقہ تعبیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا''۔ (ابن ہشام)

غزوہ بدر میں جب تین سو بے سر و سامان مسلم ایک ہزار با ساز و سامان فوج سے معرکہ آرا تھے' کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بپھرتے آتے تھے' اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت ﷺ کے پہلو میں آ جاتے تھے اور بایں ہمہ نبوت کا کوہ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا۔[2]

غزوہ اُحد میں آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی رائے دی لیکن جب آپ ﷺ زرہ پہن کر تیار ہو گئے تو صحابہؓ نے رک جانے کا مشورہ دیا' آپ ﷺ نے فرمایا ''پیغمبر زرہ پہن کر اتار نہیں سکتا''۔[3] غزوہ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھاڑ کی' تو اکثر صحابہؓ کے قدم اکھڑ گئے لیکن آپ ﷺ نہایت سکون و اطمینان سے چند جان نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ باب ما لقی النبیؐ۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶۔

[3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ باب قول اللہ و امرھم شوری بینھم۔

﴿أنا النبي لا كذب انا ابن عبدالمطلب﴾[1]

میں پیغمبر صادق ہوں، میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔

ایک بار آپ ﷺ کسی غزوہ میں درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے ایک کافر آیا اور اسی حالت خواب میں تلوار کھینچ کر بولا "محمد اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "خدا" اس عزم و استقلال اور جرات صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان میں کر لی اور پاس بیٹھ گیا۔[2]

شجاعت:

یہ وصف انسانیت کا اعلیٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ عزم استقلال، حق گوئی، راست گفتاری، پردلی، یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو سینکڑوں مصائب وخطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی۔ غزوہ بدر میں گھمسان لڑائی میں ۳۰۰ نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکز نبوت ہی کے دامن میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ حضرت علیؓ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، کہتے ہیں کہ بدر میں جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ﷺ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صف سے اس دن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔[3]

غزوۂ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعتاً میدان سے ہٹ گئی لیکن آپ ﷺ مع چند جان نثاروں کے بدستور میدان میں کھڑے رہے۔ اس وقت بار بار آپ ﷺ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے لیکن جان نثار مانع آتے تھے، اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ ﷺ کی ذات تھی، بایں ہمہ پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوئی۔ حضرت براءؓ جو اس معرکہ میں شریک تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا "ہاں! یہ سچ ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے، خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ﷺ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے، ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا"۔[4]

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے۔ لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت ﷺ تھے۔ جلدی میں آپ ﷺ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے، گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ ﷺ

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین۔

[2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۳ غزوہ ذات الرقاع۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶۔

[4] صحیح مسلم غزوہ حنین۔

تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔[1]

آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے دست خاص سے قتل نہیں کیا۔ ابی بن خلف آپ ﷺ کا سخت دشمن تھا' بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا "میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو میں ہر روز جوار کھلاتا ہوں' اسی پر چڑھ کر محمد کو قتل کروں گا"۔ احد میں اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں' آپ ﷺ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر آپ ﷺ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں انی چبھو دی' وہ چنگھاڑ مار کر بھاگا لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں' تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ اس نے کہا سچ ہے لیکن یہ محمد کے ہاتھ کا زخم ہے۔[2]

راست گفتاری:

راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود ان کی ذات سے کبھی منفک نہیں ہو سکتا اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے عنوان میں اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی لیکن اس موقع پر ہم صرف ان شہادتوں کو قلم بند کرنا چاہتے ہیں جو دشمنوں کے اعتراف سے ہاتھ آ سکی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار میں جو لوگ آپ ﷺ سے واقف تھے انہوں نے آپ ﷺ کو کاذب اور دروغ گو یقین نہیں کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کے حواس درست نہیں ہیں یا اب عقل بجا نہیں رہی ہے یا یہ کہ ان میں اب شاعرانہ تخیل پرستی آ گئی ہے' اسی بنا پر انہوں نے آپ ﷺ کو مجنوں کہا' مسحور کہا' شاعر کہا لیکن کاذب نہیں کہا۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤساء جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا' کہا اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے' محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا' وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ' صادق القول اور امین تھا' اب جب اس کے بالوں میں سپیدی آ چلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے' کاہن ہے' شاعر ہے' مجنوں ہے، خدا کی قسم میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ محمد میں یہ کوئی بات نہیں تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہے۔[3] ابوجہل کہا کرتا تھا "محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا' البتہ جو کچھ کہتے ہو ان کو صحیح نہیں سمجھتا"۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔[4]

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ (انعام)

ہم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر ان کافروں کی باتیں تم کو غمگین کرتی ہیں کیونکہ وہ تجھ کو جھٹلاتے نہیں البتہ یہ ظالم اللہ کی

---

[1] صحیح بخاری کے متفرق ابواب میں یہ حدیث ہے مثلاً باب الشجاعۃ فی الحرب و باب اذا فزعوا باللیل

[2] شرح شفائے قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۶۴ بحوالہ بیہقی بہ سند صحیح و مصنف عبدالرزاق و ابن سعد و واقدی۔

[3] ابن ہشام۔

[4] جامع ترمذی تفسیر انعام۔

آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ کو پیش گاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ ﷺ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟'' سب نے کہا ''ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا''۔[1]

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں جو مدعی پیدا ہوا ہے اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا ''میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز رہتا''۔[2]

ایفائے عہد:

ایفائے عہد آپ ﷺ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپ ﷺ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں[3] وحشی جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا اس میں ان کا نام بھی تھا لیکن ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے لیکن خود دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ، محمد سفراء کو قتل نہیں کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔[4] صفوان بن امیہ (قبل از اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھے جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے۔ عمیرؓ بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے، عمیرؓ عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں، تم کو امان ہے، جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ سچ ہے۔[5]

ابورافع ایک غلام تھے۔ حالت کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ آئے۔ روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہوگئی۔ عرض کی یا رسول اللہ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا، ارشاد ہوا نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں، تم اس وقت واپس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آ جانا، چنانچہ وہ اس وقت واپس گئے اور پھر

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت۔
[2] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔
[3] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔
[4] صحیح بخاری غزوہ احد۔
[5] ابن ہشام۔

اسلام لائے۔[1]

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔ عین اس وقت جب معاہدہ کی یہ شرطیں زیر تحریر تھیں، ابو جندل پابہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے، اور رسول اللہ ﷺ سے فریادی ہوئے، تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت ﷺ نے باطمینان تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ابو جندل! صبر کرو، ہم بدعہدی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا"۔[2]

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آنحضرت ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپ ﷺ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے ان کو دیکھ کر فرمایا "میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں"۔[3]

غزوہ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے لیکن آپ ﷺ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے۔ حذیفہؓ بن الیمان اور ابوحسلؓ دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمد کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے انکار کیا آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی، فرمایا تم دونوں واپس جاؤ، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔[4]

زہد وقناعت:

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے پیغمبر تھے، مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عرب کے زیرنگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جو پر گروی تھی۔ جن کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کی مہمات فرائض میں رہبانیہ کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ ﴿ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا ﴾ اس بنا پر آپ ﷺ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی

---

[1] ابوداؤد باب الوفاء بالعہد۔
[2] صحیح بخاری کتاب الشروط۔ آخری فقرے ابن ہشام میں ہیں۔
[3] ابوداؤد کتاب الادب۔
[4] صحیح مسلم باب الوفا بالعہد جلد ۲ صفحہ ۹۰۔

استعمال کئے ہیں لیکن اصلی میلان طبع زخارف دنیوی سے اجتناب تھا۔ فرمایا کرتے' فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیے گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔ [1]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ﴿ ولا یطوی لہ ثوب ﴾ کبھی آپ ﷺ کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہہ کر کے رکھا جا سکتا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ ﷺ کسی طرف سے آ گئے، پوچھا کیا شغل ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کی ''دیوار کی مرمت کر رہا ہوں'' ارشاد ہوا کہ ''اتنی مہلت کہاں؟'' [2]

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ ﷺ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا۔

﴿ کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویاھو واھلہ لا یجدون عشاء ﴾ [3]

آپ ﷺ اور آپ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن زبیر نے پوچھا کہ آخر گزارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسایے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ [4] آپ ﷺ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ [5] میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں، کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ سہلؓ بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں، بولے نہیں، لوگوں نے کہا پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے؟ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے جو رہ جاتا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے۔ [6] حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ ﷺ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ [7]

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر میں محدثین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورہ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں، بے شبہ آپ ﷺ بقدر نفقہ آمدنی میں سے لیتے تھے باقی فقراء اور اہل حاجت کو دیتے تھے۔ لیکن آپ اپنے لئے جو رکھ لیتے تھے وہ بھی اہلِ حاجت کے نذر ہو جاتا تھا۔ احادیث میں آپ ﷺ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے منقول ہیں۔ چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں۔

---

[1] جامع ترمذی ابواب الزہد۔

[2] ابن ماجہ کتاب اللباس۔

[3] جامع ترمذی معیشۃ النبی ﷺ۔

[4] صحیح بخاری کتاب الرقاق۔

[5] ایضاً۔

[6] شمائل ترمذی

[7] ایضاً۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں' آپ ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو' جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں' آپ ﷺ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا' وہاں سے بھی یہی جواب آیا' مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ [1]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔ [2]

حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔ [3]

ایک دفعہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے' آپ ﷺ نے شکم کو کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے۔ [4]

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہؓ آپ ﷺ کی حالت سمجھ جاتے' ایک دن ابو طلحہؓ گھر آئے' اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے ابھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ان کی آواز کمزور ہو گئی ہے۔ [5]

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے' راہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے' یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے' آپ ﷺ سب کو لے کر حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر آئے۔ ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے دودھ مہیا رکھتے تھے' آج آپ ﷺ کے آنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے بچوں کو پلا دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے' ان کی بیوی کو خبر ہوئی تو وہ باہر نکل آئیں اور عرض کی ''حضور کا آنا مبارک'' آپ ﷺ نے پوچھا ابوایوبؓ کہاں ہیں؟ نخلستان پاس ہی تھا' وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی ''یہ حضور ﷺ کے آنے کا وقت نہیں'' آپ ﷺ نے حالت بیان کی' وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا میں گوشت تیار کراتا ہوں' ایک بکری ذبح کی' آدھے کا سالن آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لا کر رکھا تو آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہؓ کو بھجوا دو کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے' پھر خود صحابہؓ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا۔ متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ ''خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزیں ہیں [6]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مصر' صحیح بخاری صفحہ ۵۳۵۔

[2] صحیح مسلم صفحہ ۱۹۳۔

[3] ایضاً۔

[4] ایضاً۔

[5] ایضاً صفحہ ۱۹۱۔

[6] ترغیب وترہیب جلد ۲ صفحہ ۵۷ (یہ واقعہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ میں بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے)۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ صبح کو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کرتیں نہیں' آپ ﷺ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔ [۱]

عفو و حلم:

اربابِ سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا' صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔ [۲]

جنگ اُحد کی شکست سے زیادہ روٴسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاوٴ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی' [۳] تاہم دس برس کے بعد غزوہ طائف میں جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برساتے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم و عفو انسان (خود آنحضرت ﷺ) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انہیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانہ اسلام پر جھکا' چنانچہ ایسا ہی ہوا' ۹ھ میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ ﷺ نے صحن مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزت و حرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ [۴]

قریش نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں' مارنے کی دھمکی دی' راستوں میں کانٹے بچھائے' جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں' گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا' آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں' نعوذ باللہ کبھی جادوگر' کبھی پاگل' کبھی شاعر کہا لیکن آپ ﷺ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی' غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے' ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا' بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرما رہے تھے کہ "لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاوٴ گے" پیچھے پیچھے ابوجہل تھا' وہ آپ ﷺ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا "لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں' یہ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاوٴں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔" راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ [۵]

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا' جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی' حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکرؓ جیسے یار غار اور افضل الصحابہؓ کی صاحبزادی تھیں' شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا' جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا' دشمنوں کی شماتت' ناموس کی بدنامی' محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں' تاہم رحمت عالمؐ نے

---

۱ مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۹۔
۲ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰۴ کتاب الادب۔
۳ صحیح بخاری بدء الخلق۔
۴ ابوداوٴد ذکر طائف و مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۱۸۔
۵ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۶۳

ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام تر بانی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا' اور آپ ﷺ کو اس کا بخوبی علم تھا' بایں ہمہ آپ ﷺ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا ''مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے اس سے میری دادکون لے سکتا ہے؟'' حضرت سعدؓ بن معاذ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اٹھ کر کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں' آپ نام بتائیں تو اس کا سر اڑا دوں' سعد بن عبادہؓ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے' مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف سے حمایتی کھڑے ہو گئے' قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں' آپ ﷺ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا' واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی' تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی' تہمت لگانے والوں میں جن کو سزا دی گئی' ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے' ان کی معاش کے کفیل حضرت ابوبکرؓ تھے' تہمت کے جرم میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بند کر دیا' اس پر یہ آیت اتری۔

﴿ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (نور)

تم میں سے جو لوگ صاحب فضیلت اور ذی مقدور ہیں ان کو یہ قسم نہیں کھانا چاہئے کہ قرابت داروں' مسکینوں اور مجاہدوں سے سلوک نہ کریں گے' تم کو عفو اور درگذر سے کام لینا چاہئے' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تم کو بخش دے' خدا غفور رحیم ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بدستور جاری کر دیا۔

تہمت لگانے والوں میں (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورہ نور میں تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے' حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا' لیکن یہ آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا کہ یہ (حسانؓ) آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب [1] دیتے تھے۔

مدینہ کے منافق یہودیوں میں سے لبید بن اعصم نے آپ ﷺ پر سحر کیا' تاہم آپ ﷺ نے کچھ تعرض نہ فرمایا' حضرت عائشہؓ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا میں لوگوں میں شورش نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ [2]

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے' لین دین کا کاروبار کرتے تھے' آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا' میعاد ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے' تقاضے کو آئے' آنحضرت ﷺ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہہ کر کہا ''عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو۔'' حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے' اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''او دشمن خدا! تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔'' آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا'' عمر!

---

[1] صحیح بخاری قصہ افک۔

[2] صحیح بخاری صفحہ ۹۰۴۔

[3] یہ روایت بیہقی' ابن حبان' طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح شفا از شہاب خفاجی)

مجھ کو تم سے اور کچھ امید تھی‘ اس کو سمجھانا چاہئے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے‘ اور مجھ سے کہنا چاہئے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کردوں“ یہ فرما کر حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دے دو۔ [۳]

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا‘ پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہو جاتا‘ اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے‘ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجئے‘ آنحضرت ﷺ نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا‘ اس گستاخ نے کہا ”میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یوں ہی اڑا لیں اور دام نہ دیں“ آنحضرت ﷺ نے یہ ناگوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ ”وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں“۔ [۱]

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے‘ ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی‘ آپ ﷺ رک گئے‘ اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا ”صبر کرو“ وہ آپ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی‘ ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے‘ آپ ﷺ چلے آئے‘ لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا‘ وہ رسول اللہ ﷺ تھے‘ دوڑی ہوئی آئی اور کہا میں حضور کو پہچانتی نہ تھی‘ ارشاد فرمایا‘ صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔ [۲]

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے‘ آپ ﷺ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے‘ راہ میں ایک جلسہ تھا‘ آپ ﷺ ٹھہر گئے‘ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا‘ وہ بھی جلسہ میں موجود تھا‘ آپ ﷺ کی سواری کی گرد اڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت ﷺ سے کہا دیکھو گرد نہ اڑاؤ‘ جب آنحضرت ﷺ قریب پہنچے تو اس نے کہا ”محمد! اپنا گدھا ہٹاؤ‘ تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔“ آنحضرت ﷺ نے سلام کیا‘ پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی‘ عبداللہ بن ابی نے کہا ”ہمارے گھر آ کر ہم کو نہ ستاؤ‘ جو شخص خود تمہارے پاس جائے، اس کو تعلیم دو“ عبداللہؓ بن رواحہ جو مشہور شاعر تھے انہوں نے کہا آپ ضرور تشریف لائیں‘ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آئیں‘ آنحضرت ﷺ نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا‘ جلسہ سے اٹھ کر آپ ﷺ سعدؓ بن عبادہ کے پاس آئے‘ اور ان سے کہا تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں‘ سعد بن عبادہ نے عرض کی‘ کہ آپ ﷺ کچھ خیال نہ فرمائیں‘ یہ وہ شخص ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کر لیا تھا۔ [۳]

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا ”یہ تقسیم خدا کی رضامندی کے لیے نہیں ہے“ آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا ”خدا موسیٰ پر رحم کرے‘ ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔ [۴]

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا‘ آپ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے‘ اس کو پیشاب کی حاجت

---

[۱] جامع ترمذی کتاب البیوع۔

[۲] بخاری کتاب الجنائز۔

[۳] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۶۔

[۴] صحیح بخاری غزوۂ حنین صفحہ ۶۲۱۔

معلوم ہوئی، آدابِ مسجد سے واقف نہ تھا، وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا' لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں' آپ ﷺ نے فرمایا'' جانے دو اور پانی کا ایک ڈول لا کر بہا دو' خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لئے نہیں' بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے۔ [۱]

حضرت انسؓ جو خادمِ خاص تھے' ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کسی کام کے لئے بھیجنا چاہا' میں نے کہا نہ جاؤں گا' آپ ﷺ چپ رہ گئے' میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا' دفعتاً آنحضرت ﷺ نے پیچھے سے آ کر میری گردن پکڑ لی' میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ ہنس رہے ہیں' پھر پیار سے فرمایا'' انیس! جس کام کے لئے کہا تھا اب تو جاؤ۔'' میں نے عرض کی اچھا جاتا ہوں' حضرت انسؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپ ﷺ کی ملازمت کی' کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کیوں نہیں کیا۔ [۲]

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے' جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے' ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے' ایک بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ آپ کی گردن سرخ ہو گئی' آپ ﷺ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا' بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے' تیرے پاس جو مال ہے' وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو' تب غلہ دیا جائے گا' وہ بار بار کہتا تھا خدا کی قسم میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا' آپ ﷺ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔ [۳]

قریش (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے تھے' برا بھلا کہتے تھے' ضد سے آپ ﷺ کو محمد (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے' بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے' لیکن آپ ﷺ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ ''تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں' اور میں محمد ﷺ ہوں''۔ [۴]

جس زمانہ میں آپ ﷺ فتح مکہ کے لیے تیاریاں کر رہے تھے' اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو' حاطب بن ابی بلتعہ ایک صحابی تھے' انہوں نے چاہا کہ قریش کو اس کی اطلاع کر دیں' چنانچہ ایک خط لکھ کر انہوں نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا' آپ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی' حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے' جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے' حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا' اور معذرت چاہی' یہ موقع تھا کہ ہر سیاست دان مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا' لیکن آنحضرت

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۳۵۔

[۲] صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب۔

[۳] ابوداؤد کتاب الادب، یہی واقعہ حضرت انسؓ سے بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے بتغیر یسیر۔

[۴] مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ۔

ﷺ نے اس لیے ان کو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر میں تھے' عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔ [۱] حالانکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فرات بن حیان ایک شخص تھا' ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا' اور آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا' ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا' لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے' جب انصار کے ایک محلہ میں پہنچا تو بولا کہ میں مسلمان ہوں' ایک انصاری نے آ کر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا حال ہم انہیں پر چھوڑتے ہیں' ان میں سے ایک فرات بن حیان ہے'۔ [۲] مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے' اور آنحضرت ﷺ نے ان کو یمامہ میں ایک زمین عنایت فرمائی' جس کی آمدنی ۴۲۰۰ درہم تھی۔ [۳]

دشمنوں سے عفو و درگذر اور حسن سلوک:

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب' نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگذر ہے' لیکن حامل وحی و نبوت کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی' دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بن جاتی ہے' تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے' جو آنحضرت ﷺ کے خون کے پیاسے تھے' اور جن کے دست ستم سے آپ ﷺ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں' لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ﴾

تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ' تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرت ﷺ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا' مکہ میں رہتا تھا' جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا' وہ بھاگ کر طائف آیا' طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا' وحشی کے لیے یہ بھی مامن نہ رہا' لیکن اس نے سنا کہ آنحضرت ﷺ سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے' ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا' آنحضرت ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔ [۴]

---

[۱] صحیح بخاری فتح مکہ۔

[۲] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الجاسوس الذمی' یہ حدیث سفیان ثوریؒ کے واسطہ سے دو طریقوں سے مروی ہے۔ ایک میں ابوہمام الدلل اور یہی ابوداؤد کا طریق ہے۔ یہ طریق ضعیف ہے دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے جو صحیح ہے۔ امام احمد نے بھی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے۔

[۳] اصابہ ترجمہ فرات مذکور۔ [۴] صحیح بخاری قتل حمزہ۔

ہند ابو سفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کیے، فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت ﷺ پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کر لے پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت ﷺ نے ہند کو پہچان لیا، لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا، ہند اس کرشمہ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی "یارسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا، لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں"۔ [1]

عکرمہ دشمن اسلام ابو جہل کے فرزند تھے، اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے، فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں، وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی، اور ان کو مسلمان کیا، اور خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، [2] اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

﴿مرحبا بالراکب المھاجر﴾ [3]

اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔

صفوان بن امیہ قریش کے رؤسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، ان ہی نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت ﷺ کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائیں، عمیر بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ یارسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنے قبیلہ کے رئیس ہیں، وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دیں، ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے، مکرر عرض کی یارسول اللہ امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمائیے جس کو دیکھ کر ان کو میرا اعتبار آئے، آپ ﷺ نے عمامہ مبارک ان کو عنایت فرمایا، جس کو لے کر وہ صفوان کے پاس پہنچے، صفوان نے کہا مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے، عمیر نے جواب دیا "صفوان! ابھی تمہیں محمد کے حلم و عفو کا حال معلوم نہیں" یہ سن کر وہ عمیر کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ "عمیر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دی ہے" فرمایا "سچ ہے"۔ صفوان نے کہا "تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو" ارشاد ہوا کہ "دو نہیں تم کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔" اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے، یہ واقعہ بہ تفصیل ابن ہشام میں مذکور ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی، ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا، جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا، اس کے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا، اور

---

[1] صحیح بخاری ذکر ہند۔

[2] موطا امام مالک کتاب النکاح۔

[3] مشکوۃ کتاب الادب بحوالہ ترمذی۔

اسی بنا پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل میں داخل تھا چاہا، کہ بھاگ کر ایران چلا جائے' کہ داعی ہدایت نے خود آستانہ نبوت کی طرف جھکا دیا' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا' لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے' میری نسبت آپ کو جو خبریں پہنچی تھیں' وہ صحیح تھیں' مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے' اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں' دفعتاً باب رحمت وا تھا' اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔ [1]

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے' غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے' بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا' لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباسؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے' حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ ﷺ نے منع فرمایا' اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا' فرمایا کہ ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہوگا'' [2] کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا' اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنوحنیفہ کا قبیلہ تھا' جس میں مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا' ثمامہ بن آثال اس قبیلہ کے رؤساء میں تھا' اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا' گرفتار کر کے مدینہ لے آئے' آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے' اس کے بعد آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا ''اے محمد! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو کرو گے' اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو میں دوں گا'' یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے' دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی' تیسرے روز بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کر دو' ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور عرض کی ''یا رسول اللہ دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا' اور اب آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں' کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا' اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے' کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا' اور اب وہی پسندیدہ ہے۔''

قریش کی ستم گری و جفا کاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں' یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا' بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے' اور یہ بے درد ان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے' لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا' یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ

---

[1] ابن اسحاق واصابہ ذکر ہبار۔

[2] صحیح بخاری وصحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری۔

بن آثال تھے' مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا' انہوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا" اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا' آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا' حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو' چنانچہ پھر حسب دستور غلہ جانے لگا۔ [۱]

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ:

کفار کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں' مورخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا' اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا اس لئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جبکہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں' اور آنحضرت ﷺ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔

ابوبصرہ غفاریؓ کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے' مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر مہمان رہے' رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے' لیکن آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا' رات بھر تمام اہل بیت نبوی بھوکا رہے۔ [۲] اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں' شب کو ایک کافر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا' آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا' وہ پی گیا' پھر دوسری بکری دوہی گئی' وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا' پھر تیسری' پھر چوتھی' یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا گیا' آنحضرت ﷺ نے کوئی تعرض ظاہر نہ فرمایا' شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔ [۳]

حضرت اسماؓ بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں' اعانت خواہ مدینہ حضرت اسماؓ کے پاس آئیں' ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے' آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر دریافت کیا' آپ ﷺ نے فرمایا "ان کے ساتھ نیکی کرو" [۴] حضرت ابوہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں' جہالت سے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتی تھیں' ابوہریرہؓ نے خدمت اقدس میں عرض کی' آپ ﷺ نے بجائے غیظ و غضب کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ [۵]

آنحضرت ﷺ کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا' روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا ان کے پاس رہتا' ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آ جاتی تو اس سے ادا کر دیا کرتے' ایک دفعہ بازار جا رہے تھے' ایک مشرک نے دیکھا' ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو' انہوں نے قبول کیا' ایک دن

۱۔ ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری صفحہ ۶۲۷ و باب وفد بنی حنیفہ میں ہے' آخری ٹکڑا ابن ہشام میں مذکور ہے۔

۲۔ مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۷۔

۳۔ جامع ترمذی باب ان المومن یاکل فی معی واحد۔

۴۔ صحیح بخاری باب صلۃ الوالد المشرک۔

۵۔ صحیح بخاری

اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا اور ان سے کہا ''او حبشی!'' انہوں نے اس بدتہذیبی کے جواب میں ''لبیک'' کہا' بولا'' کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں' تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چرواکے چھوڑوں گا'' یہ عشاء پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے' اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے' کل وہ مشرک آکر مجھ کو فضیحت کرے گا اس لئے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں' پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو واپس آجاؤں گا غرض رات کو جا کر سو رہے اور سامان سفر یعنی تھیلا' جوتی' ڈھال سر کے نیچے رکھ لی' صبح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا ہے' یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازہ پر کھڑے ہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا' مبارک ہو! یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں' انہوں نے بازار میں جا کر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد نبوی میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔ [1]

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے' جو ہجرت کا ساتواں سال ہے' حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے' ایک مشرک ان کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ ''تجھ سے بکریاں چرواکے چھوڑوں گا'' حضرت بلالؓ اس کی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں' آنحضرت ﷺ یہ باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے' نہ بلالؓ کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے' اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیا جاتا ہے' یہ حلم' یہ عفو' یہ تحمل رحمت عالم کے سوا اور کس سے ہو سکتا ہے؟

سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا' یہ کفار کا ایک گروہ تھا جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا آنحضرت ﷺ جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے' اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرمانروا بنا دیا جائے' جنگ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا' اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے' اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی' یہ لوگ در پردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے' قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے' ان کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے' بایں ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے' جمعہ جماعت میں شریک ہوتے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے' آنحضرت ﷺ ان کے حالات اور ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے' لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں اس لیے آپ ﷺ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے' یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا' لیکن فیاض دلی اور عفو و حلم کے اقتضاء سے آپ ﷺ ان سے ہمیشہ حسن اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا' انصاری نے کہا ''یا للانصار یعنی انصار کی دہائی'' مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی' قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں؟'' دونوں رک گئے' عبداللہ بن ابی نے سنا تو کہا ''مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا''

[1] ابوداؤد جلد دوم باب قبول ہدایا المشرکین۔

ساتھیوں نے کہا "آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھالو یہ خود تباہ ہو جائیں گے چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا﴾ (منافقون)

یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ منتشر ہو جائیں۔

﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ (منافقون)

کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے اس نے صاف انکار کیا، حضرت عمرؓ موجود تھے بولے یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا لوگ چرچا کریں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ [1]

جنگ اُحد میں عبداللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا، جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، تاہم آنحضرت ﷺ نے درگذر فرمایا اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباسؓ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا۔ [2]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ:

خلق عمیم میں کافر و مسلم، دوست دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا (یہود کو آنحضرت ﷺ سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوہ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے، لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ﷺ ان میں انہیں کی تقلید فرماتے [3])۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسر بازار کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی" ایک صحابیؓ یہ کھڑے سن رہے تھے ان سے رہا نہ گیا، انہوں نے پوچھا کہ "کیا محمد ﷺ پر بھی؟" اس نے کہا "ہاں" انہوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا، آنحضرت ﷺ کے عدل اور اخلاق پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے ان صحابیؓ پر برہمی ظاہر فرمائی۔ [4]

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی، اس نے کہا "آپ جو فرماتے ہیں اس کو بجالاؤ" چنانچہ

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ منافقون۔

[2] بخاری میں یہ واقعہ متعدد روایتوں اور متعدد طریقوں سے منقول ہے۔

[3] صحیح بخاری۔

[4] صحیح بخاری ایضاً۔

اس نے کلمہ پڑھا۔ [۱] ایک دفعہ سرراہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ [۲]

ایک دفعہ چند یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے' اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت) کہا حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آ کر ان کو بھی سخت جواب دیا' لیکن آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا "عائشہ بدزبان نہ بنو' نرمی کرو' اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے"۔ [۳]

یہودیوں کے ساتھ داد وستد کرتے تھے' ان کے سخت وناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے' یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جانب داری نہ فرماتے' چنانچہ اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں' ایک دفعہ ایک یہودی نے آ کر شکایت کی "محمد! دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے" آپ ﷺ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔ نصاریٰ کا وفد نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی مہمانداری کی' مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی' بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ [۴]

یہود ونصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے' نکاح ومعاشرت کی اجازت تھی اور ان کے لئے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلامیہ میں جاری فرمائے۔

غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت:

مسلمانوں میں امیر بھی تھے' اور غریب بھی' دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی' لیکن آنحضرت ﷺ کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا' بلکہ غریبوں کے ساتھ آپ ﷺ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی' ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپ ﷺ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہ احدیت سے اس پر باز پرس ہوئی، مکہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے' اور آپ ﷺ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے' کہ اتفاق سے عبداللہؓ بن ام مکتوم جو آنکھوں سے معذور اور غریب تھے' ادھر آ نکلے' اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ ﷺ سے باتیں کرنے لگے' رؤسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور فخار تھے' ان کو یہ برابری ناگوار گذری' آپ ﷺ نے ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر انہیں سے باتیں کرتے رہے کہ شاید یہ اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کر لیں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری۔ [۵]

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

[۲] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

[۳] صحیح مسلم کتاب الادب جلد ۲ صفحہ ۲۳۹ مصر۔

[۴] زادالمعاد۔

[۵] ترمذی تفسیر سورہ عبس۔

﴿عبس و تولّٰی ○ ان جاءہ الاعمٰی ○ وما یدریک لعلّہ یزّکّٰی ○ او یذّکّر فتنفعہ الذّکرٰی ○ امّا من استغنٰی ○ فانت لہ تصدّٰی ○ وما علیک الّا یزّکّٰی ○ وامّا من جاءک یسعٰی ○ وھو یخشٰی ○ فانت عنہ تلھّٰی ○ کلّا انّھا تذکرۃ ○ فمن شاء ذکرہ﴾ (عبس)

پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا (اے پیغمبر!) تجھے کیا خبر کہ تیری زبان سے وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پروائی برتتا ہے' اس کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک وصاف نہ بنے' تیرے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے' تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے' نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اس کو قبول کرے۔

یہی غربا اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جان نثار بنے تھے' آنحضرت ﷺ ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو روسائے قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھ کر استہزا کہتے تھے۔

﴿اھؤلاء منّ اللّٰہ علیھم من بیننا﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔

لیکن آپ ﷺ ان کے اس استہزا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے' آپ ﷺ نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا' تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے' وہ انہیں غریبوں کی بدولت آتی ہے۔ [1] اسامہؓ بن زید سے فرمایا ''میں نے در جنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب ومفلس لوگ ہی اس میں داخل ہیں''۔ [2]

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا' اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے' اسی اثناء میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور انہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا' آپ ﷺ نے فرمایا ''فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے'' عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی انہیں میں ہوتا''۔ [3]

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے' اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گذرا' آپ ﷺ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ ''اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ ''یہ امراء کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں' خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے۔'' کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب اسی راہ سے گذرے' آپ ﷺ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟ عرض کی ''یارسول اللہ یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے' اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا

---

[1] مشکوۃ باب فضل الفقراء بروایت صحیح مسلم۔

[2] حوالہ مذکور بروایت بخاری ومسلم۔

[3] حوالہ مذکور بروایت دارمی۔

جائے اور سفارش کرے تو رد کردی جائے اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے'' ارشاد ہوا کہ'' تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے یہ ایک غریب بہتر ہے''۔ [1]

آنحضرت ﷺ اکثر دعا میں فرمایا کرتے تھے'' خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ' مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر''۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا' یارسول اللہ! یہ کیوں؟ فرمایا'' اس لئے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے پھر فرمایا'' اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو' اے عائشہ غریبوں سے محبت رکھو' اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا''۔ [2]

ایک دفعہ چند غریب مسلمانوں نے آ کر خدمت اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ! امراء ہم سے درجہ اخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں' نماز روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں لیکن صدقات و خیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں ان سے ہم محروم ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ' اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ' اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے۔ عرض کی'' ہاں یارسول اللہ! بتایئے'' ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد ۳۳ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور الحمدللہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو' کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا' فرمایا ﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یعنی یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے۔ [3] مسلمانوں سے جو زکوۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ

﴿توخذ من امرائهم و ترد علی فقرائهم﴾

ہر قبیلہ کے اور ہر شہر کے امراء سے لے کر وہیں کے غربا میں تقسیم کردی جائے۔

صحابہؓ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔ [4]

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ' بلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے ڈانٹا' آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ'' تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا؟'' یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی' وہ بیمار پڑی' اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی' خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مر جائے گی' آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو میں جنازہ کی نماز خود دوں گا اس کے بعد دفن کی جائے' اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا' اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے' صحابہؓ نے اس وقت آپ ﷺ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی' اور رات ہی کو دفن کر دیا' صبح کو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا' آپ ﷺ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور صحابہؓ کو ساتھ لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا

---

[1] حوالہ مذکور بروایت صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

[2] مشکوۃ باب فضل الفقراء بروایت ترمذی و بیہقی و ابن ماجہ۔

[3] صحیح بخاری و مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ۔

[4] ابوداؤد کتاب الزکوۃ۔

کی۔ [1]

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافر وار حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا' برہنہ تن' برہنہ پا' کھالیں بدن سے بندھی ہوئی' تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی' ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ بے حد متاثر ہوئے' چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا' اضطراب میں آپ ﷺ اندر گئے، باہر آئے' پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا' نماز کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لئے آمادہ کیا۔ [2]

دشمنان جان سے عفو و درگذر:

جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگذر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفہ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے' جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے' کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد کا سر قلم کر دیا جائے' اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانہ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا اگر چہ اس وقت ان دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ ﷺ میں ظاہری قوت نہ تھی' لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی' اور اس کی جان صرف آنحضرت ﷺ کے رحم و کرم پر موقوف تھی' لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت ﷺ کے سر کی قیمت مقرر کی تھی' اور اعلان کیا تھا کہ جو محمد کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے' سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپ ﷺ کے قریب پہنچے' آخر دو تین دفعہ کرشمہ اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سند امان لکھ دیجیے' چنانچہ سند امان لکھ کر ان کو دی گئی [3] اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں آیا۔ [4]

عمیر بن وہب آنحضرت ﷺ کا سخت دشمن تھا' مقتولین بدر کے انتقام کے لئے جب سارا قریش بیتاب تھا تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ چپکے سے جا کر نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے' عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا' لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا' حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی' لیکن آپ ﷺ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں اور اصلی راز ظاہر کر دیا' یہ سن کر وہ سناٹے میں آ گیا' لیکن آپ ﷺ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ یہ دیکھ کر وہ اسلام

---

1. یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں بھی ہے لیکن یہاں سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوۃ فی اللیل سے لیا گیا ہے۔
2. صحیح مسلم صدقات۔
3. صحیح بخاری باب الہجرۃ۔
4. سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال استیعاب واصابہ وغیرہ میں دیکھو۔

لایا اور مکہ جا کر دعوتِ اسلام پھیلائی [۱] یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ایک میدان آیا، دھوپ تیز تھی، لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگا دیئے، آنحضرت ﷺ نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا، اور تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی کفار موقع کے منتظر رہتے تھے۔ لوگوں کو غافل دیکھ کرنا گاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آ کر بے خبری میں تلوار اتار لی، دفعتاً آپ ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا ایک شخص سرہانے کھڑا ہے اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے، آپ ﷺ کو بیدار دیکھ کر بولا ''کیوں محمد! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ'' یہ پراثر آواز سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی، اتنے میں صحابہؓ آ گئے، آپ ﷺ نے ان سے واقعہ دہرایا، اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔ [۲]

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہؓ اس کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کے سامنے لائے، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپ ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا ''ڈرو نہیں، اگر تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے تھے تو نہیں کر سکتے تھے''۔ [۳]

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا، اور چھپ کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ [۴]

﴿وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ﴾ (فتح)

اُسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لئے۔

خیبر میں ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کو کھانے میں زہر دیا، آپ ﷺ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپ ﷺ نے یہودیوں کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے اقرار کیا، لیکن آپ ﷺ نے کسی سے کچھ تعرض نہیں فرمایا، لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابیؓ نے انتقال کیا تو آپ ﷺ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت ﷺ کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا۔ [۵])

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر:

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں، وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں، اور جو ان کے تشنہ خون ہوتے ہیں، وہ ان کو پیار کرتے ہیں، ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت ﷺ پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے، اس داستان کے

[۱] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیرؓ۔

[۲] صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۰۸۔

[۳] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱۔

[۴] جامع ترمذی تفسیر فتح۔

[۵] صحیح بخاری وفات النبی ﷺ۔

دہرانے کے لئے بھی سنگدلی درکار ہے' اسی زمانہ میں خبابؓ بن ارت ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ دشمنوں کے حق میں بددعا فرمایئے، یہ سن کر چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ [1] ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا "میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ [2]

وہ قریش جنہوں نے تین برس تک آپ ﷺ کو محصور رکھا' اور جو آپ ﷺ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پہنچنے کے روادار نہ تھے' ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبوی کی استجابت نے ابر رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھا لیا' اور مکہ میں اس قدر سخت قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے' ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "محمد! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے' خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو" آپ ﷺ نے بلا عذر فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔ [3]

جنگ احد میں دشمنوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے' تیر برسائے' تلواریں چلائیں' دندان مبارک کو شہید کیا' جبینِ اقدس کو خون آلودہ کیا' لیکن ان حملوں کا وار آپ ﷺ نے جس سپر پر روکا' وہ صرف یہ دعا تھی۔

﴿ اللهم اهد قومی فانهم لا يعلمون ﴾

خدایا! ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزاء اور تمسخر سے دیا تھا' وہ طائف جس نے داعی اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا' وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا' ان کی نسبت فرشتہ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے' جواب ملتا ہے کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو [4]" دس بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے' جان نثاروں کی لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں' صحابہ عرض کرتے ہیں کہ "یارسول اللہ! ان کے حق میں بددعا کیجئے"۔ آپ ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں' لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور ان کے حق میں بددعا فرمائیں گے لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں "خداوندا! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا"۔ وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے' وہ مدینہ کے صحن مسجد میں زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے' یعنی وہ مدینہ آ کر خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر' جہاں وہ مہمان ٹھہرائے گئے تھے، مسلمان ہوئے۔ [5]

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا' طفیلؓ بن عمرو دوسی اس قبیلہ کے رئیس تھے۔ وہ قدیم الاسلام تھے مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے' لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا' ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حالت عرض کر کے گذارش کی کہ ان کے حق میں بددعا فرمایئے' لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک

---

۱ صحیح بخاری مبعث النبی ﷺ۔
۲ مشکوۃ اخلاق النبی ﷺ بحوالہ صحیح مسلم۔
۳ صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان جلد دوم۔
۴ صحیح بخاری۔
۵ ابن سعد غزوہ طائف۔

نہیں رہا، لیکن رحمت عالم ﷺ نے جن الفاظ میں یہ دعا فرمائی وہ یہ تھے۔ [1]

﴿ اللھم اھد دوسا وائت بھم ﴾

خداوند! دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ماں مشرکہ تھیں، اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، وہ اباء کرتی تھیں، ایک دن انہوں نے اسلام کی دعوت دی تو ان کی ماں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی حضرت ابو ہریرہؓ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے، اور اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا آپ ﷺ نے دعا کی ''الٰہی ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر'' وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کواڑ بند ہیں اور ماں نہا رہی ہیں، غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا۔ [2]

عبداللہ بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا، اور کوئی موقع اس نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور علانیہ استخفاف واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا، کفار قریش کے ساتھ اس کی خفیہ خط و کتابت تھی، غزوہ احد میں عین موقع پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا، واقعہ افک میں حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا، لیکن بایں ہمہ اس کی فرد جرم کو رحمت عالم کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا، وہ مرا تو آپ ﷺ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ''یا رسول اللہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا اور یہ کہا'' آپ ﷺ یہ سن کر متبسم ہوئے اور فرمایا ''ہٹو اے عمر!'' جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا ''اگر مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ میں نماز پڑھوں تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا''۔ [3]

بچوں پر شفقت:

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے (راستے میں بچے مل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے۔ [4])

ایک دن خالدؓ بن سعید خدمت اقدس میں آئے ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی، اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا سنہ سنۃ، حبشی زبان میں حسنہ کو سنہ کہتے ہیں، چونکہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے سنہ کہا، آنحضرت ﷺ کے پشت پر جو مہر نبوت تھی، ابھری ہوئی تھی، بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں، وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگیں، خالد نے ڈانٹا، آنحضرت ﷺ نے روکا کہ کھیلنے دو۔ [5]

---

1. صحیح مسلم مناقب دوس۔
2. صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہؓ۔
3. صحیح بخاری کتاب الجنائز۔
4. ابوداؤد کتاب الادب۔
5. بخاری جلد دوم صفحہ ۸۸۶۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر بھی تھی، جن میں دونوں طرف آنچل تھے، آپ ﷺ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دوں؟ لوگ چپ رہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''ام خالد کو لاؤ'' ۱؎ وہ آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا ''پہننا اور پرانی کرنا'' چادر میں جو بوٹے تھے آپ ﷺ ان کو دکھا دکھا کے فرماتے تھے ''ام خالد دیکھنا یہ سنہ ہے یہ سنہ ہے'' ۲؎ اوپر گذر چکا ہے کہ ام خالد حبش میں پیدا ہوئی تھیں، اور کئی سال تک وہیں رہی تھیں اس لیے ان سے حبشی زبان میں خطاب کیا۔

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا، لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ڈھیلے کیوں مارتے ہو، میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں ان کو اٹھا کر کھا لیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ ۳؎

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپ ﷺ پر سخت اثر ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی، دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں، اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ نہ تھا، ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی وہی اٹھا کر دیدی، عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں میں برابر تقسیم کر دیا، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا، ارشاد ہوا کہ ''جس کو خدا اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجا لائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا''۔ ۴؎ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کر دوں گا، دفعتاً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ ۵؎

یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آ کر مارے گئے، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے، ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ مشرکین کے بچے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ''مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے''۔ ۶؎

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے۔ ۷؎ بچوں کو چومتے اور اُن کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر

۱؎ اصابہ میں ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھیں کہ لوگ ان کو گود میں اٹھا کر لائے (اصابہ ترجمہ ام خالد)

۲؎ بخاری کتاب اللباس سنہ حبشی میں حسن کو کہتے ہیں۔

۳؎ ابوداؤد کتاب الجہاد۔

۴؎ بخاری صفحہ ۸۸۷۔

۵؎ بخاری کتاب الصلوٰۃ۔

۶؎ مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۳۵۔

۷؎ معجم صغیر طبرانی باب المیم معجم محمد ﷺ۔

رہے تھے کہ ایک بدوی آیا اس نے کہا ''تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں''۔[1]

جابر بن سمرہؓ صحابی تھے وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے میں بھی ساتھ ہو لیا کہ ادھر سے چند لڑکے نکل آئے آپ ﷺ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔[2]

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپ ﷺ کا داخلہ ہو رہا تھا' انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھیں جب آپ ﷺ کا ادھر گذر ہوا تو فرمایا ''اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو؟'' سب نے کہا ''ہاں یا رسول اللہ'' فرمایا ''میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں''۔[3]

حضرت عائشہؓ کمسنی میں بیاہ کر آئی تھیں' محلہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں آپ ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپ ﷺ کا لحاظ کر کے ادھر ادھر چھپ جاتیں آپ ﷺ تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے۔[4]

غلاموں پر شفقت:

آنحضرت ﷺ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے' فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ' اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ'' آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے' ان کو آپ ﷺ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضور کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں باپ قبیلہ رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپ ﷺ کی غلامی کو شرف جانتے تھے' زیدؓ بن حارثہ غلام تھے' آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا' ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ اس آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے' اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا' زید کے بیٹے اسامہ سے آپ ﷺ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا' خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔

غلاموں کو لفظ ''غلام'' کا سن کر اپنی نظر میں اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی' فرمایا کوئی ''میرا غلام'' ''میری لونڈی'' نہ کہے ''میرا بچہ'' ''میری بچی'' کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں' خداوند اللہ ہے' آقا کہیں۔ آنحضرت ﷺ کو غلاموں پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ ''غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا''۔

حضرت ابوذرؓ بہت قدیم الاسلام صحابی تھے' آنحضرت ﷺ ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے' ایک

---

[1] صحیح بخاری و مسلم کتاب الادب۔
[2] صحیح مسلم باب طیب رائحۃ النبی ﷺ۔
[3] سیرت جلد اول ہجرت۔
[4] ابوداؤد کتاب الادب باب اللعب۔

دفعہ انہوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا' غلام نے آنحضرت ﷺ سے جا کر شکایت کی' آپ ﷺ نے ابوذرؓ کو زجر فرمایا کہ "تم میں اب تک جاہلیت باقی ہے' یہ غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو' خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو' جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ' جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ' ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کر دو"۔ [1]

ایک دفعہ ابو مسعودؓ انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی "ابو مسعود تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے' خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے" ابو مسعودؓ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ تھے' عرض کی یا رسول اللہ میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا" فرمایا "اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھو لیتی"۔

ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا عرض کی "یا رسول اللہ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟" آپ ﷺ خاموش رہے' اس نے پھر عرض کی' آپ ﷺ نے پھر خاموشی اختیار کی' اس نے تیسری بار عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہر روز ستر بار معاف کیا کرو"۔

آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے' اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی' ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا' آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو' لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "اچھا اس وقت تک خدمت گذاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ جب حاجت نہ رہے تو آزاد ہے"۔ [2]

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے جن کے وہ بہت شاکی تھے' وہ ان کو مارتے تھے' برا بھلا کہتے تھے لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے' انہوں نے آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا' آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر' ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہوگی اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزا دے گا"۔ یہ سن کر وہ بے قرار ہو گئے اور گریہ و زاری شروع کی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ﴾ یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ بہتر یہ ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں آپ ﷺ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں"۔ [3] غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونوں میں علیحدگی کرنی چاہی غلام نے خدمت نبوی میں آ کر شکایت کی۔ آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا کہ "لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے"۔ [4]

اسی رحم و شفقت کا اثر تھا کہ کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے

---

[1] بخاری باب المعاصی من امر الجاہلیہ' ابوداؤد کتاب الادب۔

[2] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوک میں مذکور ہیں۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۸۰۔

[4] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق۔

تھے۔ آپ ﷺ انہیں آزاد فرما دیتے تھے۔[1] مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ ﷺ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے۔[2] جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے، چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا اس لیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس میں سب سے پہلے آپ ﷺ انہیں کو عنایت فرماتے تھے۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ:

دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی، اور عزت و منزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اس لئے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کے ایلاء (ازواج مطہرات سے چند روزہ علیحدگی) کی جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں" آنحضرت ﷺ نے جس طرح اپنے ارشاد واحکام سے ان کے حقوق قائم کئے، آپ ﷺ کے برتاؤ نے اور زیادہ اسی کو قوی اور نمایاں کر دیا۔ ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں، یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا جس کی عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں اس لیے ہمارے لیے ایک خاص دن مقرر کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی،[3] اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں حبش کو ہجرت کی تھی ان میں اسماءؓ بنت عمیس بھی تھیں۔ خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبش مدینہ میں آئے، تو وہ بھی آئیں۔ ایک دن وہ حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، ان کو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت حفصہؓ نے نام بتایا، حضرت عمرؓ نے کہا "ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی" اسماءؓ بنت عمیس نے کہا ہاں وہی۔ حضرت عمرؓ نے کہا "ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی اور اس لیے رسول اللہ ﷺ پر ہمارا زیادہ حق ہے" اسماءؓ کو سخت غصہ آیا، بولیں "ہرگز نہیں تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے، لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا"۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ آ گئے۔ اسماء نے کہا "یا رسول اللہ! عمر نے یہ یہ کہا" آپ ﷺ نے

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد و مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۲۴۳۔

[2] ابوداؤد باب قسمۃ الفئ۔

[3] صحیح بخاری کتاب العلم ھل یجعل للنساء یوما علی حدہ۔

فرمایا تم نے کیا جواب دیا۔ انہوں نے ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "عمر کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں ہے عمر اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں"۔

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق در جوق اسماءؓ کے پاس آتے اور آنحضرت ﷺ کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے زیادہ ترمسرت انگیز نہ تھی۔ [1]

حضرت انس بن مالکؓ جو خادم خاص تھے ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ ﷺ کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا جب آپ ﷺ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ ﷺ نوش فرماتے۔ آپ ﷺ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں۔ [2]

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ سے آپ ﷺ کو نہایت محبت تھی آپ ﷺ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، وہ بچھونا بچھا دیتیں، آپ ﷺ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ ﷺ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔ مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملا یا جائے۔ [3]

ایک دفعہ حضرت انسؓ کی والدہ ملیکہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ کھانا خود تیار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرما کر فرمایا "آؤ میں تم کو نماز پڑھاؤں" گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی۔ حضرت انسؓ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا آنحضرت ﷺ نے امامت کی، حضرت انسؓ اور ان کی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے۔ [4]

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی (اسماءؓ) جو حضرت عائشہؓ کی علاتی بہن تھیں، حضرت زبیرؓ سے بیاہی تھیں، مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زبیرؓ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا، حضرت اسماءؓ خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں حضرت زبیرؓ کو جو زمین آنحضرت ﷺ نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں، ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آ رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا، آپ ﷺ اس وقت اونٹ پر سوار تھے اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں۔ حضرت اسماءؓ شرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا، اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا۔ مجھ کو اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ گویا میں غلامی سے آزاد ہو گئی۔ [5]

---

[1] صحیح بخاری غزوہ خیبر۔

[2] بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۳۹۱۔

[3] بخاری کتاب الاستیذان۔

[4] بخاری باب الصلوۃ علی الحصیر۔

[5] بخاری صفحہ ۷۸۶ کتاب النکاح۔

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی آنحضرت ﷺ سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں، حضرت عمرؓ آئے تو سب اٹھ کر چل دیں آنحضرت ﷺ ہنس پڑے۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا آپ کو خنداں رکھے کیوں ہنسے؟ فرمایا مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت ﷺ سے نہیں ڈرتیں''۔ سب نے کہا ''تم رسول اللہ ﷺ کی نسبت سخت مزاج ہو''۔[1]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپ ﷺ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے عید کا دن تھا، چھوکریاں گا بجا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ان کو گانے دو یہ ان کی عید کا دن ہے''۔[2]

عورتیں عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ ﷺ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ ﷺ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں لیکن خاطر داری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خوان تھے یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے۔ اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں''۔

حیوانات پر رحم:

حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے۔ ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے موقوف کرا دیئے۔ اونٹ کے گلے میں قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا اس کو روک دیا۔[3] زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کر دیا۔ جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ ''دم ان کا مورچھل ہے اور ایال ان کا لحاف ہے''۔ جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ ''جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ''۔ اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے۔ اس سنگدلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی۔

ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغا گیا تھا، فرمایا کہ ''جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے''۔ علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا ایسی حالت میں آپ ﷺ ان اعضا کو داغتے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے ریوڑ میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بکریوں کے کان داغ رہے ہیں۔[4]

---

[1] صحیح بخاری مناقب عمر بن خطابؓ۔

[2] مسلم کتاب العیدین۔

[3] صحیح مسلم باب اللباس والزینہ۔

[4] یہ حدیثیں ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہیں۔

ایک بار آپ ﷺ کسی سفر میں جا رہے تھے لوگوں نے مقام پر منزل کیا' وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا' ایک شخص نے وہ انڈا اٹھالیا' چڑیا بے قرار ہوکر پر مار رہی تھی' آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ ''اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی؟ ان صاحب نے کہا ''یارسول اللہ مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''وہیں رکھ دو''۔ [1]

ایک صحابیؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے میں نے ان کو نکال لیا' پرندہ نے یعنی ان بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو وہ میرے سر منڈلانے لگی' آپ ﷺ نے فرمایا ''جاؤ اور بچوں کو وہیں پھر رکھ آؤ''۔ [2]

ایک بار راستہ میں ایک اونٹ نظر سے گزرا جس کا پیٹ اور پیٹھ شدتِ گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے' فرمایا کہ ''ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو''۔ [3] ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں آپ ﷺ تشریف لے گئے' ایک گرسنہ اونٹ نظر آیا' آپ ﷺ کو دیکھ کر بلبلایا' آپ ﷺ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا' پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا' معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے۔ ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس جانور کے معاملہ میں تم خدا سے نہیں ڈرتے؟'' [4]

رحمت ومحبت عام:

حضورانور ﷺ کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئی تھی حضرت مسیحؑ نے کہا تھا کہ ''میں امن کا شہزادہ ہوں''، لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں لیکن امن کے شہنشاہؐ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴾

محمد! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تم آنحضرت ﷺ کے حلم وعفو' مسامحت ودرگزر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے' نظر آیا ہوگا کہ اس خزانہ رحمت میں دوست دشمن' کافر مسلم' بوڑھے' بچے، عورت، مرد' آقا وغلام' انسان وحیوان ہر ایک صنف' ہستی برابر کی حصہ دار تھی۔ ایک صاحب نے آپ ﷺ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضبناک ہوکر فرمایا کہ ''میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں۔ [5] رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں'' آپ ﷺ نے دنیا کو پیغام دیا۔ [6]

---

[1] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ البہائم۔

[2] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ۔

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد۔

[4] ابوداؤد باب مذکور۔

[5] زرقانی صفحہ ۲۸۹ جلد ۴۔

[6] صحیح بخاری باب الہجرۃ صفحہ ۸۹۷۔

﴿لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا﴾

ایک دوسرے پر بغض وحسد نہ کرو ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا۔

﴿احب للناس ماتحب لنفسك تكن مسلما﴾ [۱]

لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿لا يؤمن احدكم حتى يحب للناس مايحب لنفسه وحتى يحب المرء لا يحبه الا لله عزوجل﴾

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بےغرض صرف خدا کے لیے پیار نہ کرے۔

ایک شخص نے مسجد نبوی میں آ کر دعا کی ''خدایا! مجھ کو اور محمد کو مغفرت عطا کر'' آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا'' [۲] ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا [۳] اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی' نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا' اور بولا'' خداوند! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت بھیج' اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر'' آپ ﷺ نے صحابہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ یعنی آپ ﷺ نے اس قسم کی دعا کو ناپسند فرمایا۔

رقیق القلبی:

آنحضرت ﷺ نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے مالکؓ بن حویرث ایک وفد کے رکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے' ان کو بیس دن تک مجلس نبوی میں شرکت کا موقع ملا تھا' وہ فرماتے تھے۔

﴿كان رسول الله ﷺ رحيما رقيقا﴾

آنحضرت ﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔ [۴]

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے' مجبوراً آپ ﷺ تشریف لے گئے' حضرت سعدؓ بن عبادہ' معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ بھی ساتھ تھے۔ بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے، وہ دم توڑ رہا تھا۔ بے اختیار آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعدؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا'' خدا انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں''۔ [۵]

---

۱ جامع ترمذی ابواب الزہد بسند غریب۔

۲ صحیح بخاری کتاب الادب۔

۳ ابوداؤد کتاب الادب' شاید یہ دونوں واقعے ایک ہوں۔

۴ بخاری صفحہ ۸۸۵ باب رحمۃ الناس۔

۵ صحیح بخاری صفحہ ۸۴۲ باب المرضیٰ۔

غزوہ اُحد کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور فرمایا ''حمزہ (عم رسول اللہ ﷺ) کا کوئی نوحہ خواں نہیں''۔ [1]

ایک بار ایک صحابیؓ جاہلیت کا اپنے ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی' عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا' میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا' وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس بے دردی کو سن کر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس قصہ کو پھر دہراؤ'' ان صحابیؓ نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا' آپ ﷺ بے اختیار روئے یہاں تک کہ روتے روتے محاسن مبارک تر ہو گئے۔ [2]

حضرت عباسؓ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں بہت جکڑ کر باندھ دیئے تھے اور وہ درد سے کراہتے تھے' ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک میں بار بار پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحم دلی ہے تاہم نیند نہیں آتی تھی آپ ﷺ بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے' لوگوں نے بیقراری کا سبب سمجھ کر گرہیں ڈھیلی کر دیں۔ حضرت عباسؓ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپ ﷺ نے استراحت فرمایا۔

مصعب بن عمیرؓ ایک صحابی تھے جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت میں پلے تھے' ان کے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے' یہ دیکھ کر لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا' والدین کی محبت دفعتاً عداوت میں بدل گئی۔ ایک دفعہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم میں ملبوس رہتا تھا اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا۔ یہ پراثر منظر دیکھ کر آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے۔ [3]

عیادت و تعزیت و غم خواری و عزاء:

بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن' مومن کافر کسی کی تخصیص نہ تھی سنن نسائی باب التکبیر علی الجنازہ میں ہے کان النبی ﷺ احسن شیء عیادۃ المریض ''آنحضرت ﷺ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے''۔ بخاری و ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے۔ [4]

---

[1] سیرۃ جلد اول غزوۂ احد۔

[2] مسند دارمی صفحہ اول۔

[3] ترغیب و ترہیب جلد دوم صفحہ ۲۴۷ بحوالہ ترمذی و مسند ابویعلی۔

[4] صحیح بخاری باب عیادۃ المشرک۔

عبداللہؓ بن ثابت جب بیمار ہوئے اور آپ ﷺ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی' آواز دی وہ باخبر نہ ہوئے۔فرمایا ''افسوس ابوالربیع تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا'' یہ سن کر عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں اور رونے لگیں'لوگوں نے روکا' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اس وقت رونے دو' مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیے'' عبداللہؓ بن ثابت کی لڑکی نے کہا ''مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ان کو نیت کا ثواب مل چکا''۔[1]

حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا' پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔[2] ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے' ان پر غشی طاری تھی' پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا۔ جابرؓ ہوش میں آ گئے' اور عرض کی یارسول اللہ اپنا ترکہ کس کو دوں؟ اس پر یہ آیت اتری ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ﴾ [3]

ایک صاحب بیمار ہوئے آپ ﷺ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے جب انہوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی 'خبر نہ کی اور دفن کر دیا۔صبح کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔[4]

عبداللہ بن عمروؓ نے غزوہ اُحد میں شہادت پائی تھی اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے ان کی لاش آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی ان کے صاحبزادے (جابر) آئے اور جوش محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھیں' حاضرین نے روکا انہوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا' لوگوں نے پھر روک دیا' آنحضرت ﷺ نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے' چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''رونے کی بات نہیں فرشتے ان کو اپنے پروں کے سایہ میں لے گئے''۔[5]

ایک دفعہ حضرت سعدؓ بن عبادہ بیمار ہوئے آپ ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے' ان کو دیکھ کر آپ ﷺ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے آپ ﷺ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔[6]

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا[7] ،مر گیا تو لوگوں نے آپ ﷺ کو خبر نہ کی' ایک دن آپ ﷺ نے اس

---

[1] ابوداؤد باب الجنائز۔
[2] ایضاً۔
[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۸ تفسیر آیت مذکور۔
[4] بخاری کتاب الجنائز۔
[5] بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۲۔
[6] بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۴۔
[7] بخاری باب الصلوۃ علی القبر میں ابوہریرہؓ کی روایت کے راوی نے شک کیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت لیکن دوسری روایتوں میں اس کا عورت ہونا بہ تحقیق ذکر ہے۔ام محجن اس کا نام تھا۔

کا حال دریافت فرمایا' لوگوں نے کہا وہ انتقال کر گیا، ارشاد ہوا تم نے مجھ کو خبر نہ کی' لوگوں نے اس کی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ ﷺ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔ [1]

جنازہ جاتا تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے۔ بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے [2] اگرچہ آپ ﷺ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوتا تھا تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی تھے) سے آپ ﷺ کو نہایت محبت تھی جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ ﷺ مجلس ماتم میں بیٹھے۔ اسی حالت میں کسی نے آ کر کہا کہ جعفر کی عورتیں رو رہی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا کر منع کر دو' وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں' آپ ﷺ نے دوبارہ منع کرا بھیجا' پھر بھی وہ باز نہ آئیں' سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا کہ جا کر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ [3]

لطف طبع:

کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا "او دو کان والے" [4] اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انسؓ نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کا نام ابوعمیرؓ تھا وہ کمسن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا' اتفاق سے وہ مر گیا' ابوعمیرؓ کو بہت رنج ہوا آپ ﷺ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا یا ابا عمیر ما فعل النغیر [5] یعنی ابوعمیر! تمہارے ممولے نے کیا کیا؟

ایک شخص نے خدمت اقدس میں عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد ہوا کہ "میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا" انہوں نے کہا "یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو"

ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا بوڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گی' اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی' آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اسے کہہ دو کہ بوڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔ [6]

ایک بدوی صحابیؓ تھے جن کا نام زاہرؓ تھا' وہ دیہات کی چیزیں آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے'

[1] بخاری صفحہ ۱۷۸ کتاب الجنائز۔

[2] بخاری صفحہ ۱۷۵ جلد اول کتاب الجنائز۔

[3] بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبة۔

[4] شمائل ترمذی۔

[5] صحیح بخاری۔

[6] شمائل ترمذی۔

ایک دفعہ وہ شہر میں آئے' گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے' اتفاقاً آپ ﷺ ادھر سے گزرے' زاہرؓ کے پیچھے جا کر ان کو گود میں دبا لیا' انہوں نے کہا کون ہے چھوڑ دو' مڑ کر دیکھا تو سرور عالم ﷺ تھے' اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت ﷺ کے سینہ سے لپٹا دی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اس غلام کو خریدتا ہے؟ وہ بولے کہ یا رسول اللہ! مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔ [۱]

ایک شخص نے آ کر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ' وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے' آپ ﷺ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی' سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا' چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا کہ خدا سچا ہے (قرآن مجید میں ہے کہ شہد میں شفا ہے) لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے' جا کر شہد پلاؤ' اب کی بار پلایا تو شفا ہو گئی۔ [۲] معدہ میں مادۂ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا تنقیہ ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت:

اولاد سے نہایت محبت تھی' معمول تھا جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے اس اثنا میں حضرت فاطمہؓ نے دونوں صاحبزادوں (حسنینؓ) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازہ پر پردے لٹکائے' آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر نہیں گئے وہ سمجھ گئیں' فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لیے' صاحبزادے روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' آپ ﷺ نے کنگن لے کر بازار میں بھیج دیئے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لادو۔

حضرت فاطمہؓ جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے' ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبوی میں حاضر تھے کہ دفعتاً رسول اللہ ﷺ امامہ (آنحضرت ﷺ کی نواسی تھیں) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی۔ جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے' اسی طرح پوری نماز ادا کی۔ [۳]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ ﷺ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالی میں پرورش پاتے تھے جو مدینہ سے تین چار میل ہے ان کے دیکھنے کے لیے مدینہ سے پیادہ پا جاتے' گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا' گھر میں جاتے، بچہ کو انا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے پھر مدینہ کو واپس آتے۔ [۴]

---

۱ شمائل ترمذی۔

۲ بخاری صفحہ ۸۴۸ باب الدواء بالعسل۔

۳ نسائی صفحہ ۱۲۰ باب ادخال الصبیان فی المساجد' صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

۴ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۱۔

ایک دفعہ اقرع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمت اقدس میں آئے' آپ ﷺ حضرت امام حسینؓ کا منہ چوم رہے تھے' عرض کی کہ "میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا" ارشاد فرمایا کہ "جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا" (یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا)

حسنینؓ سے بے انتہا محبت تھی فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا' وہ صاحبزادوں کو لاتیں' آپ ﷺ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے۔

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے' اتفاق سے حسنینؓ سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے' کمسنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے' آپ ﷺ ضبط نہ کر سکے منبر سے اتر کر گود میں اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا' پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہے ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ فرمایا کرتے تھے حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں، خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔

ایک دفعہ امام حسنؓ یا حسینؓ دوش مبارک پر سوار تھے کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا اور سوار بھی کیسا ہے؟ [1]

ایک دفعہ امام حسنؓ یا حسینؓ (راوی کو بہ تعین یاد نہیں رہا) آپ ﷺ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ' انہوں نے آپ ﷺ کے سینہ پر قدم رکھ دیئے' آپ ﷺ نے منہ چوم کر فرمایا "اے خدا! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔" [2]

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں دعوت میں جا رہے تھے' امام حسینؓ راہ میں کھیل رہے تھے' آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے' وہ ہنستے ہوئے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے' بالآخر آپ ﷺ نے ان کو پکڑ لیا' ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا' پھر فرمایا کہ حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ [3]

اکثر امام حسینؓ کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔

آپ ﷺ کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا' حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا' یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینبؓ کے جہیز میں حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا' آنحضرت ﷺ نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینبؓ کو بھیج دو۔ سب نے بسر و چشم منظور کیا۔

حضرت زینبؓ کی کمسن صاحبزادی کا نام امامہ تھا' ان سے آپ ﷺ کو بہت محبت تھی' آپ ﷺ نماز

---

[1] یہ تمام روایتیں شمائل ترمذی میں مذکور ہیں' اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظہ کہا ہے

[2] ادب المفرد بخاری صفحہ ۱۵

[3] ادب المفرد بخاری صفحہ ۷۳

پڑھتے ہوئے بھی ان کو ساتھ رکھتے' جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو وہ دوش مبارک پر سوار ہو جاتیں' رکوع کے وقت آپ ﷺ ان کو کاندھے سے اتار دیتے' پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔ روایتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو کاندھوں پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے لیکن ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے' وہ خود سوار ہو جاتی ہوں گی اور آپ منع نہ فرماتے ہوں گے۔

آپ ﷺ کی ایک نواسی حالت نزع میں تھیں' صاحبزادی نے بلا بھیجا' آپ ﷺ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت میں آغوش مبارک میں رکھ دی گئی' آپ ﷺ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ [1]

حضرت ابراہیمؓ کی وفات میں بھی آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا تھا کہ "آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں دل غمزدہ ہو رہا ہے لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے" [2] لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل و اولاد تک کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عموماً بچوں سے آپ ﷺ کو انس تھا۔

❋❋❋

[1] بخاری کتاب المرضیٰ صفحہ ۸۴۴۔

[2] بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۴۴۔

ازواج مطہراتؓ کے ساتھ معاشرت

حضرت خدیجہؓ

سلسلہ نسب یہ ہے، خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھیں ان کے والد اپنے قبیلہ میں ممتاز تھے مکہ میں آ کر سکونت اختیار کی اور بنوعبدالدار کے حلیف بنے،[1] عامر بن لوی کے خاندان میں فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کیا، ان کے بطن سے حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں، ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند تھا[2] اور دوسرے کا حارث۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں، ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں، ہند نے اوّل اسلام قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ کا مفصل حلیہ انہی کی روایت سے منقول ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔[3]

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں جس کے مفصل حالات گزر چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے کہ دونوں بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ۔ ان سب کے حالات آگے آئیں گے۔ حضرت خدیجہؓ کی ایک بہن ہالہ تھیں وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت ﷺ کو بے انتہا محبت تھی وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس سال کی تھی اور آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے، نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں ان کی زندگی تک آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ﷺ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہؓ کی ہم نشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ "خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے"۔[4]

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی، آپ ﷺ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ

---

[1] طبقات ابن سعد ذکر خدیجہؓ، کتاب النساء۔

[2] طبقات ابن سعد۔

[3] اصابہ ذکر ہند۔

[4] صحیح مسلم فضائل خدیجہ۔

یاد آ گئیں اور آپ ﷺ بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی" حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں ان کو نہایت رشک ہوا بولیں کہ "آپ ﷺ کیا ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں دیں"۔ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے لیکن استیعاب میں ہے کہ جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہر گز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی"۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ وہ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی شادی پہلے سکرانؓ بن عمرو سے ہوئی تھی حضرت سودہؓ انہیں کے ساتھ اسلام لائیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا جس کا نام عبدالرحمٰنؓ تھا انہوں نے جنگ جلولا میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر خولہؓ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپ ﷺ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا آپ ﷺ کے ایما سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا۔ انعم صباحا پھر نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہا ہاں محمد شریف کفو ہیں لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا۔[1] چار سو درہم مہر قرار پایا نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت شعاری پر ہمیشہ افسوس آتا تھا۔ حضرت عائشہؓ اور سودہؓ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا اس لیے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں۔

شکل و شباہت:

حضرت سودہؓ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہو گی۔

---

[1] طبقات میں ہے کہ رمضان ۱۰ نبوی میں ان کا نکاح ہوا زرقانی نے ۸ نبوی بھی لکھا ہے یہ اختلاف اس بناء پر ہے کہ خود حضرت خدیجہؓ کے وفات کے سنہ میں اختلاف ہے

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں، حضرت عمرؓ کو یہ ناگوار ہوتا تھا، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے، لیکن ابھی ان کی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہؓ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلیں چونکہ ان کا قد نمایاں تھا حضرت عمرؓ نے کہا سودہ! تم کو ہم نے پہچان لیا۔ اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔ [1]

اخلاق و عادات:

آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادت میں سخاوت و فیاضی ایک نمایاں وصف تھا اس بنا پر صحابہؓ میں جس کو آپ ﷺ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اس پر اس وصف خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا۔ ازواج مطہرات کو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات و فیض صحبت سے متمتع ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا اس لیے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے۔ حضرت سودہؓ اس وصف میں بہ استثنائے حضرت عائشہؓ سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بولا درہم، بولیں کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔ اطاعت اور فرماں برداری بھی ان کا خاص وصف ہے اور اس وصف میں وہ تمام ازواج مطہراتؓ سے ممتاز تھیں۔

روایت حدیث:

ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور یحییٰؓ بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

وفات:

حضرت سودہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی کے نزدیک انہوں نے امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت ۵۴ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر ان کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں، امام بخاری نے تاریخ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں انتقال کیا۔ ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی۔ حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ میں شہادت پائی ہے اس لیے ان کا زمانہ خلافت ۲۲ھ ہوگا، خمیس

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۹۔ آیت حجاب کے شان نزول میں سخت اختلاف ہے، ایک روایت تو یہی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے یہاں نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں کاش آپ ان کو پردے کا حکم دیتے، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، حضرت عائشہؓ بھی شریک طعام تھیں، ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے چھو گیا، رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا، اس پر آیت حجاب اتری، عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت زینبؓ کے دعوت ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی، چنانچہ صحاح میں یہ واقعہ بہ تفصیل موجود ہے، حافظ ابن حجر نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جن میں آخری سبب حضرت زینبؓ کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شان نزول ہے کیونکہ خود آیت میں واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں (فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۱۹)

میں ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ [1]

حضرت عائشہؓ [2]

عائشہؓ نام تھا اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھیں۔ ماں کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ ۱۰ نبوی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح ہوا' اس وقت شش سالہ تھیں آنحضرت ﷺ سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں' حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے نکاح کی تحریک کی' آپ ﷺ نے رضامندی ظاہر کی' خولہ نے ام رومان سے کہا' انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا' بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں آ گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا' بہرحال حضرت ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا' چار سو درہم مہر قرار پایا لیکن مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام ۳ سال تک رہا۔ ۱۳ھ میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے' اہل وعیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے' جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہؓ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومانؓ، اسماؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں' آنحضرت ﷺ نے بھی زیدؓ بن حارثہ اور ابورافعؓ کو حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ وغیرہ کے لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ مدینہ آ کر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں' اشتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے' صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا' اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی' سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے حضرت عائشہؓ کو آواز دی' ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی' ماں کے پاس آئیں' انہوں نے منہ دھویا' بال درست کئے' گھر میں لے گئیں' انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں' یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی۔ چاشت کے وقت آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی۔ شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی۔ زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا اس بنا پر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لئے مکروہ خیال کرتے تھے۔ اس خیال کے مٹانے کے لیے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔

وفات:

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۹ برس تک زندگی بسر کی۔ نو سال کی عمر میں وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں اور جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ برس کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ قریباً ۴۸ سال تک زندہ رہیں' ۵۷ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۶۲ میں یہ تفصیل مذکور ہے' طبقات ابن سعد میں صرف پہلی روایت نقل کی ہے۔

[2] حضرت عائشہؓ کے حالات اور خصوصاً ان کے علمی کمالات کے لیے الگ مستقل تصنیف درکار ہے یہاں صرف ضروری سوانح زندگی لکھ دیئے گئے ہیں۔

میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ قاسم بن محمد' عبداللہ بن عبدالرحمٰن' عبداللہ بن ابی عتیق' عروہ بن زبیر اور عبداللہؓ بن زبیر نے قبر میں اتارا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی' اس محبت سے آپ ﷺ نے مرض الموت میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بسر کئے' اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث وسیر میں نہایت کثرت سے واقعات درج ہیں۔

علمی زندگی:

حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے' حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہؓ پر انہوں نے دقیق اعتراضات کیے ہیں جن کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے' ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۴ احادیث پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔ بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہؓ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آ جاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہؓ ہی حل کرتی تھیں' ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا' تفسیر' حدیث' اسرارِ شریعت' خطابت اور ادب وانساب میں ان کو کمال تھا۔ شعراء کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن سعد نے طبقات میں بہ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ میں بھی جستہ جستہ ان کے فضل وکمال کے دلائل وشواہد ملتے ہیں۔

حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں' ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ بعثت سے پانچ برس پہلے عین اس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں' ان کی شادی خنیسؓ بن حذافہ سے ہوئی اور انہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی' خنیسؓ نے غزوہ بدر میں زخم کھائے اور واپس آ کر انہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔[1] خنیسؓ نے اپنی یادگار میں حضرت حفصہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی'[2] حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی' سوء اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا اس بناء پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۰۔ عام طور پر یہی مشہور ہے لیکن اصابہ میں ہے کہ غزوہ احد میں شہید ہوئے' حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ شریک غزوہ بدر نہ ہو سکے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیسؓ نے غزوہ بدر کے بعد وفات پائی' دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ مغموم بیٹھے تھے حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے اور پوچھا حفصہؓ سے نکاح کرتے ہو؟ اس کی عدت گزر گئی' اگر خنیسؓ نے احد میں شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۴ھ ہوتا حالانکہ نکاح ۳ھ میں ہوا۔ فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۲۔

[2] طبری ج ۴ ص ۱۷۷۱۔

ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمانؓ سے کی۔ انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں غور کروں گا' حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا' انہوں نے خاموشی اختیار کی' حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا' اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی' نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بناء پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہؐ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا' اگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح نہ کر لیا ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا۔[1]

حضرت حفصہؓ آخر حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں اس لیے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ''ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے' میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا' اتفاق سے میری بی بی نے مجھ کو مشورہ دیا' میں نے کہا تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے' بولیں کہ تم میری بات پسند نہیں کرتے حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہیں' میں اٹھا اور حفصہ کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی! تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں' بولیں ہاں ہم ایسا کرتے ہیں' میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں' تم اس کے گھمنڈ میں نہ آ جانا جس کے حسن نے رسول اللہ ﷺ کو فریفتہ کر لیا ہے''۔[2] (یعنی عائشہؓ)

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں' آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی' انہوں نے کہا مجھ کو حفصہ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم نبی کی بیٹی ہو' تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے؟''[3]

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں' ہم آپ ﷺ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی''۔ حضرت صفیہؓ کو ناگوار گزرا' انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمد ﷺ، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں''۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی بیٹی تھیں جو تقرب نبوی میں دوش بدوش تھے' اس بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا' ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ رسول اللہ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تا کہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں'

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۸۔

[2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۳۰۔

[3] ترمذی صفحہ ۸۷۴ کتاب المناقب۔

حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں' آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے"۔ [1]

وفات:

حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا' وفات پائی۔ وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبدالرحمن بن عمرؓ سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے ان کو کی تھی۔ کچھ جائداد بھی وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا' یہاں سے قبر تک حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو لے گئے' ان کے بھائی عبداللہ، عاصم سالم، عبداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکوں نے قبر میں اتارا۔ [2]

حضرت زینب اُمّ المساکینؓ

زینب نام تھا' چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتیں تھیں اس لیے اُمّ المساکینؓ کی کنیت کے ساتھ مشہور ہو گئیں' آنحضرت ﷺ سے پہلے عبداللہؓ بن جحش کے نکاح میں تھیں' عبداللہؓ بن جحش نے جنگ احد ۳ھ میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا' نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنھوں نے وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ

ہند نام' اُمّ سلمہؓ کنیت تھی' باپ کا نام سہیل اور ماں کا عاتکہ تھا' پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں آئیں (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور) جو ان کے چچا زاد اور رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے' اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی' چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی میں پیدا

---

[1] اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہراتؓ میں اس قسم کی روایتیں صرف حفصہؓ و عائشہؓ کے متعلق مذکور ہیں اس لئے اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے۔

[2] حضرت حفصہؓ کے بھی سنہ وفات میں اختلاف ہے' ایک روایت ہے کہ انہوں نے جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی' اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہو گی' ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا' یہ روایت اس بنا پر پیدا کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا' لیکن یہ سخت غلطی ہے' افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے' اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے اور یہ فتح ۵۰ھ میں ہوئی' وہب بن مالک نے حفصہؓ کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے۔

ہوئے' حبشہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی' ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ان کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ بڑے شہسوار تھے' مشہور غزوات بدر و اُحد میں شریک ہوئے' غزوہ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور جمادی الثانی ۴ھ میں وفات پائی' ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی' آنحضرت ﷺ نے ۹ تکبیریں کہیں' لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یارسول اللہ! آپ کو سہو تو نہیں ہوا' فرمایا یہ ہزار تکبیر تک کے مستحق تھے۔ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں' وضع حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انہوں نے چند عذر پیش کئے۔

۱۔میں سخت غیور عورت ہوں۔ ۲۔صاحب عیال ہوں۔ ۳۔میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا۔

وفات:

اہل سیر متفق اللفظ ہیں کہ ازواج مطہراتؓ میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی' لیکن ان کے سنہ وفات میں نہایت اختلاف ہے۔واقدی نے ۵۹ھ بتایا ہے' ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہے اور تقریب میں اسی کو صحیح کہا ہے۔امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۵۸ھ میں وفات پائی' بعض روایتوں میں ہے کہ ۶۱ھ میں جب امام حسینؓ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت ان کا انتقال ہوا ہے' ابن عبداللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

اس اختلاف روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعیین مشکل ہے تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں' مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہؓ اور عبداللہ بن صفوانؓ ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا' یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلمؓ بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا' واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے اس لئے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں۔ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی وصیت کی بنا پر سعید بن زیدؓ نے نماز جنازہ پڑھائی لیکن اس روایت کی صحت میں کلام ہے' سعید بن زیدؓ نے باختلاف روایت ۵۱ھ ۵۲ھ یا ۵۵ھ میں انتقال کیا ہے اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت ام سلمہؓ زندہ تھیں' واقدی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے ان کا جنازہ پڑھایا اگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابو ہریرہؓ خلاف وصیت کیونکر جنازہ پڑھ سکتے تھے' بہر حال ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی اور وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی۔

فضل و کمال:

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل و کمال میں انہیں کا درجہ ہے' ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے' روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہؓ کے سوا اور تمام بیبیوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔صلح حدیبیہ میں صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی میں تامل تھا تو حضرت ام سلمہؓ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور یہ ان کی دانش مندی و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے' یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تفصیل موجود ہے۔

حضرت زینبؓ

ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتیں تھیں ان میں حضرت زینبؓ بھی تھیں خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ﴿کانت تسامینی﴾ یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا، نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت ﷺ کی پھوپی زاد بہن تھیں، جمال میں بھی ممتاز تھیں، آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے نہایت محبت تھی، زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہؓ شریک تھیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

﴿ماعلمت الا خیرا﴾

مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

حضرت عائشہؓ کو ان کے اس صدق و اقرار حق کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں، جب آنحضرت ﷺ نے ان کو عقد میں لانا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں، حضرت عمرؓ نے ڈانٹا، آپ ﷺ نے فرمایا ان سے درگزر کرو یہ اواہ ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں) نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے، انہوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاس درہم نکلے، جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمر کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

وفات:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہراتؓ سے فرمایا تھا۔

﴿اسرعکن لحاقابی اطولکن یدا﴾

تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

یہ استعارۂ فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہراتؓ اس کو حقیقت سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہراتؓ میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ازواج مطہراتؓ سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا، (چنانچہ اسامہؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ

ؓبن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا) ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا' اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے' ان ہی لونڈیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس انصاریؓ کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں' اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں' اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں' ان کو شرط کے موافق ۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی' وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا ''یارسول اللہ! میں مسلمان کلمہ گو عورت اور حارث کی بیٹی جویریہ ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے مجھ پر جو مصیبتیں آئیں وہ آپ سے مخفی نہیں' میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی اور نو اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا' یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کر لیا اور اب آپ سے اس کا سوال کرنے کے لیے آئی ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں' وہ راضی ہو گئیں آپ ﷺ نے ثابت بن قیس کو بلایا وہ بھی راضی ہو گئے' آپ ﷺ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا' یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا۔ آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ''جویریہؓ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے''۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے خود حضرت جویریہؓ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ ﷺ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا۔

حضرت اُم حبیبہؓ

رملہ نام اور ام حبیبہ کنیت تھی' آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں اور عبید اللہ بن جحش سے عقد ہو گیا' آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو دونوں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی جن کی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہیں' حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں' حبشہ میں جا کر عبید اللہؓ بن جحش نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں' اختلاف مذہب کی بنا پر عبید اللہ بن جحش نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا' جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے' انہوں نے خالد بن

سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالبؓ اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا[1] اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔[2]

تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگوں نے بعد نکاح اٹھنا چاہا، لیکن نجاشی نے کہا دعوت ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے ابھی بیٹھنا چاہیے، چنانچہ کھانا آیا، لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہؓ کو ملی تو انہوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دیئے لیکن اس نے اس رقم کو اس کنگن کے ساتھ جو پہلے دیئے گئے تھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو منع کر دیا ہے، دوسرے روز ان کی خدمت میں عود، زعفران، عنبر وغیرہ لے کر آئی، جن کو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائیں، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو شرحبیلؓ بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ام حبیبہؓ نے ۴۴ھ میں وفات پائی[3] اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں، مسعود نے طلاق دے دی تو ابورہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کر لیا، ابورہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔ دوسری روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے اپنے غلام ابورافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انہوں نے ایجاب وقبول کیا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے اس نکاح کی تحریک کی اور انہوں نے نکاح پڑھایا۔

وفات:

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی بی بی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، باادب آہستہ لے چلو۔ سال وفات

---

[1] سال نکاح میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ۷ھ میں نکاح ہوا لیکن بعض روایتوں میں ۶ھ بھی بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو بغرض نکاح بھیجا ہو اور ۷ھ میں نکاح پڑھایا گیا ہو، اس میں بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہاں ہوا اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حبشہ میں نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا۔

[2] صحیح روایت یہی ہے لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے، بعض روایتوں میں نو سو دینار ہے، بعضوں کے نزدیک چار ہزار دینار ہے، ابوداؤد میں دینار کی بجائے چار ہزار درہم ہے، زہری کی روایت میں چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے، اس لیے اگر چاندی ہو گی تو اس کے سولہ سو درہم ہوتے ہیں۔

[3] بعضوں نے سال وفات ۴۲ھ لکھا ہے، ابن ابی خیثمہ کے نزدیک ان کا سال وفات ۵۹ھ ہے، بعض لوگوں نے ۵۰ھ اور بعضوں نے ۵۵ھ بیان کیا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دمشق میں مدفون ہوئیں۔

کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ

صفیہ اصل نام نہ تھا' زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہو جاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے چونکہ وہ جنگ خیبر میں اسی طریقہ کے موافق آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں اس لیے صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں' ورنہ اصلی نام زینب تھا۔ باپ کا نام حیی بن اخطب اور ماں کا نام ضرہ تھا' حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کے جانب سے سیادت حاصل تھی' باپ قبیلہ بنونضیر کا سردار اور ماں بنوقریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی' ابن مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں' کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں' جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی' آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی' انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا' لیکن ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ آپ ﷺ نے رئیسہ بنونضیر وقریظہ کو دحیہ کو دیدیا وہ تو صرف آپ کے قابل ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دحیہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں' وہ صفیہ کو لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا' اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی' وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔

حضرت صفیہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے' ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا' حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے' آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دیدو' انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرتؐ ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔ ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں' آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی' انہوں نے کہا کہ عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ''ہم تمام ازواج میں افضل ہیں' ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کی چچا زاد بہن بھی ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ' موسیٰؑ میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟''

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اولاد

آنحضرت ﷺ کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے چھ اولادیں تھیں' ابراہیمؑ، قاسمؓ، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ، ان تمام لڑکیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادوں کا نام اور لیا ہے طاہرؓ 'طیبؓ ' اس بنا پر اولاد مذکور کی تعداد لڑکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ اس بارہ میں تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ اولادیں تھیں جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں' لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں' البتہ صاحبزادوں کی تعداد میں سخت اختلاف ہے' مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے' جن میں قاسمؓ اور ابراہیمؓ پر تمام راویوں کا اتفاق ہے۔ حضرت ابراہیمؓ ماریہ قبطیہؓ سے اور بقیہ اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھیں۔ [1]

حضرت قاسمؓ

آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے (اور غالباً نبوت سے گیارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہوں گے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے' ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے' ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی اولاد میں جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا۔ عام روایت یہ ہے کہ قبل از بعثت وفات پائی' آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم انہیں کے انتساب سے ہے' آپ ﷺ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے' صحابہؓ بھی جب آپ ﷺ کا محبت سے نام لیتے ابوالقاسم ہی کہتے ایک دن آپ ﷺ بازار سے گزر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا اباالقاسم کہہ کر آواز دی' آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا یا رسول اللہ! میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہوں' رفع اشتباہ کے لیے پھر آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے۔

حضرت زینبؓ

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ زبیر بن بکار کا قول ہے کہ حضرت قاسمؓ کے بعد پیدا ہوئیں لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینبؓ ہی ہیں۔ بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے۔ حضرت زینبؓ کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع لقیط سے ہوئی۔ غزوہ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہو گئے' جب یہ رہا کیے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے' ابوالعاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا' کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے' مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو کفار قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا' ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو

[1] زرقانی صفحہ ۲۳

نیزے سے زمین پر گرادیا، وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا' کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ ''اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا'' لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا ''تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے'' انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے' ابوسفیان نے کہا ''محمد کے ہاتھ سے جو مصیبتیں ہم کو پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضے سے نکال کرلے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے' ہم کو زینب کے روکنے کی ضرورت نہیں' جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چوری چھپے لے جانا''۔ کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے۔ زید بن حارثہ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے بھیج دیا تھا' وہ بطن یاجج میں تھے کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالے کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ ابوالعاص دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے۔ [1] اس وقت بھی حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی' مکہ جا کر انہوں نے لوگوں کی امانتیں حوالے کیں اور اسلام لائے' اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے' حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہوگئی تھی' وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا لیکن دوسری روایت میں جدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا' اس لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاص نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی' نکاح جدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں۔ ۷ھ یا ۶ھ میں (باختلاف روایت) ابوالعاص اسلام لائے تھے اور اس لیے ۸ھ میں حضرت زینبؓ نے انتقال کیا۔ ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور ام سلمہؓ نے غسل دیا اور آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی ابوالعاص اور آنحضرت ﷺ نے قبر میں اتارا۔

حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی، امامہ اور علی۔ علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی۔

امامہ سے آنحضرت ﷺ کو نہایت محبت تھی' آپ ﷺ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ ان کو کاندھے پر رکھ کر نماز پڑھتے تھے' جب رکوع میں جاتے تو دوش مبارک سے اتار دیتے' جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کرالیتے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا' امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں' آپ ﷺ نے فرمایا میں اس کو اپنی محبوب ترین اہل کو

---

[1] اصابہ میں ہے کہ ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ۶ھ میں روانہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کو ۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیص میں قافلہ ملا' کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال و اسباب لوٹ میں آیا' ان ہی میں ابوالعاص تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال بھی واپس کر دیا۔

دوں گا' ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا لیکن آپ ﷺ نے امامہ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ ابوالعاص نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو امامہؓ کے نکاح کی وصیت کی تھی' حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے حضرت علیؓ سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کر لیں مغیرہؓ نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی' امامہؓ نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہؓ

جرجانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی لڑکیوں میں سب سے چھوٹی تھیں لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت زینبؓ کے بعد ۳۳ سنہ قبل از نبوت پیدا ہوئیں' پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی' جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا ''اگر تم محمد کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے''۔ دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی' آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح زمانہ جاہلیت میں ہوا لیکن خود ایک روایت حضرت عثمانؓ سے مروی ہے جس میں زمانہ اسلام کی تصریح ہے' نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی' حضرت رقیہؓ بھی ساتھ گئیں۔ مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا' ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے آنحضرت ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے۔

حبش میں حضرت رقیہؓ کے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا لیکن صرف ۶ سال زندہ رہا۔ حضرت عثمانؓ حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت رقیہؓ مدینہ میں آ کر بیمار ہوئیں یہ غزوہ بدر کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہو سکے' عین اسی دن جس روز زیدؓ بن حارثہ نے مدینہ آ کر فتح کا مژدہ سنایا وفات پائی۔ غزوہ بدر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت اُم کلثومؓ

کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔ ۳ھ میں جو غزوہ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمانؓ نے حضرت اُم کلثومؓ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا' حضرت عثمانؓ نے تامل کیا۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا ''میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتا دیتا ہوں اور عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈھتا ہوں تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان سے کر دیتا

ہوں''۔ بہر حال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثومؓ ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں۔ شعبان ۹ ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ

فاطمہ نام، زہرا لقب' سن ولادت میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ بعثت میں پیدا ہوئیں۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد قبل از نبوت پیدا ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا' ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی پیدا ہوئیں' بعض روایتوں میں ہے کہ تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ (اگر ان کا سال ولادت ابعثت صحیح تسلیم کرلیا جائے) جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح کر دیا اس وقت حضرت علیؓ کا سن ۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا' [1] حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی' لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا جب حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمھارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں' آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کیلئے ضروری ہے زرہ کو فروخت کر ڈالو' حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درہم پر خریدی اور حضرت علیؓ نے قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی' آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں' عقد ہوا اور آنحضرت ﷺ نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا اصابہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک چادر' دو چکیاں' اور ایک مشک بھی دی' اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں' چنانچہ حارثہؓ بن نعمان کا مکان ملا' اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ اس میں قیام کیا۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے' چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرا دیتے تھے' ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی' گھر سے مسرور نکلے لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے' تو اور حالت تھی اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں' فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی ہے جو مجھ کو محبوب ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی' وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں' پیچھے پیچھے حضرت

---

[1] حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ ۸ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ اس کی یہ تعیین اسی روایت کی بنا پر ہے لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ دس سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس روایت کی رو سے ان کا سن ۲۴ سال ڈیڑھ مہینہ کا تھا۔

علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا ''بیٹی تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے'' حضرت علیؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا ''اب میں تمھارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا''

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپ ﷺ نے مسجد میں خطبہ دیا اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی۔ فرمایا ''میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی''۔ چنانچہ حضرت علیؓ اس ارادہ سے باز آ گئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نہ کیا۔ [1]

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسن، حسین، محسن، ام کلثوم، زینب۔ محسن نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینبؓ، امام حسنؓ، حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔

حضرت فاطمہؓ نے رمضان ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کے ۶ ماہ بعد وفات پائی [2]۔ اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا، سن کی تعیین میں سخت اختلاف ہے، بعض نے ۲۴ سال، بعض نے ۲۵ سال اور بعض نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اگر ۴۱ کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہوسکتا تھا، البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبل از نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ

آنحضرت ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ھ بمقام عالیہ جہاں حضرت ماریہ قبطیہؓ رہتی تھیں پیدا ہوئے، اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابورافع کی بی بی سلمٰی نے جو آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں، دایہ گری کی خدمت انجام دی۔ ابورافع نے جب آنحضرت ﷺ کو ان کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ ﷺ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا، آپ ﷺ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا۔ دودھ پلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی، لیکن آپ ﷺ نے ان کو ام بردہ خولہ بنت منذر بن زید الانصاری کے حوالے کیا اور اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خدمت اُم سیف کے متعلق کی۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ 'ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہیں' یہ تاویل کچھ مستبعد نہیں، لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابوسیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہیں۔ اُم سیف حوالی مدینہ میں رہتی تھیں آنحضرت ﷺ فرط محبت سے وہاں جاتے، حضرت

---

[1] صحیح بخاری ذکر اصہار النبی ﷺ۔

[2] اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف تین دن زندہ رہیں، بعض نے چار مہینے بتایا ہے، بعضوں کے نزدیک دو مہینے کے بعد انتقال ہوا، کسی نے ایک مہینہ کسی نے ۳ مہینے بعد اور بعضوں نے ۳ مہینے ۵ دن بعد لکھا ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے ۶ مہینے والی روایت مذکور ہے۔

ابراہیم کو گود میں لیتے اور چومتے' اُمّ سیف کے شوہر لوہار تھے' اس لیے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ باوجود نظافت طبع گوارا فرماتے۔

ابراہیم نے اُم سیف ہی کے یہاں انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی' گود میں اٹھالیا' آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' عبدالرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی یہ حالت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ رحمت ہے۔

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے' اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیم نے وفات پائی، سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ عام طور پر مشہور ہو گیا کہ یہ انکی موت کا اثر ہے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا ''چانداور سورج خدا کی نشانیاں ہیں' کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا''۔

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی' عثمانؓ بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ قبر میں فضلؓ بن عباس اور اسامہؓ نے اتارا۔ آنحضرت ﷺ قبر کے کنارے کھڑے تھے' قبر پر پانی چھڑکا گیا' اور اس پر ایک امتیازی علامت قائم کی گئی۔

ابوداؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی۔ ذی الحجہ ۸ ھ میں پیدا ہوئے تھے' اس روایت کی بنا پر ۹ ھ میں انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ میں وفات کی' اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سولہ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی' بعض لوگوں نے مدت حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے۔

ازواج مطہراتؓ کے ساتھ معاشرت

ازواجِ مطہرات کی تعداد ۹ تک پہنچی تھی' ان میں عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں' باہم رشک اور منافست بھی تھی۔ آنحضرت ﷺ چونکہ ہمیشہ فقر وفاقہ سے بسر کرتے تھے' ان کی خورش و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکتا تھا' اس لیے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے ساتھ بھی آپ ﷺ کی جبین خلق پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی' جب وہ عقد نکاح میں آئیں تو آنحضرت ﷺ کا ریعان شباب اور ان کا بڑھاپا تھا تاہم آپ ﷺ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی۔ وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو آپ ﷺ جوش محبت سے بے تاب ہوجاتے۔ (تفصیل اوپر گزر چکی ہے)

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب تر تھیں، لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن صورت میں حضرت صفیہؓ ان سے بڑھ کر تھیں' اور کمسن بھی تھیں' دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج ان سے کم نہ تھیں' لیکن حضرت عائشہؓ کی قابلیت' ذہانت' قوت اجتہاد' دقت نظر' وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

ایک دفعہ چند ازواج مطہراتؓ نے حضرت فاطمہ زہراءؓ کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا' جناب سیدہؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا' اجازت ملی تو سامنے آئیں' اور عرض کی کہ ازواج مطہراتؓ نے مجھ کو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ابوبکر کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں' آنحضرت ﷺ نے رشاد فرمایا ''جان پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں'' جناب سیدہؓ کے لیے اتنا ہی کافی تھا واپس جا کر زواج مطہرات سے کہا میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔

اب اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینبؓ انتخاب کی گئیں کیونکہ ازواج میں سے حضرت زینب کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ تھا' اس لیے وہی اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں' انہوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں' حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور وشور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''کیوں نہ ہو، ابوبکرؓ کی بیٹی ہے''۔[1]

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے! مال'

---

[1] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری اور دیگر احادیث کی کتابوں میں ہے۔ الفاظ روایت سے بظاہر متبادر ہوتا ہے کہ دونوں فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسر شان کی تھی جیسا کہ عام طور پر سوکنیں باہم خانگی جھگڑوں میں کرتی ہیں لیکن یہ کم نظری ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلیں بیان کی ہوں گی جس کا جواب سکوت کے سوا اور کچھ نہ ہوسکتا ہوگا۔

نسب، حسن، دینداری، سوتم دیندار عورت تلاش کرو۔ [1] آنحضرت ﷺ کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا اس لیے ازواج میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھیں جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہوسکتی تھی۔ ازواج مطہرات کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ وہ خلوت وجلوت کی شریک صحبت تھیں اس لیے مذہبی احکام ومسائل کے علم واطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع مل سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکات شریعت کی تہہ تک پہنچنے کی بھی قابلیت ہو۔ جس میں یہ قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا۔

حضرت عائشہؓ مجتہدانہ دل ودماغ رکھتی تھیں، اس لیے قرب وصحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہؓ سے مخالفت کرتی تھیں، اور انصاف بالائے طاعت است، اکثر مسئلوں میں ان کی فہم ودقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے، ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ زرقانی میں حضرت ام سلمہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتداء حضرت ام سلمہؓ سے ہوتی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہوجاتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج میں کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطف صحبت اٹھاتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے شرف صحبت نے جس طرح ان آئینوں کو جلا دی تھیں اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہوسکتا ہے جس میں جناب عائشہؓ کو منافقین نے متہم کیا تھا اس سے بڑھ کر حریفوں کے لیے انتقام کا کیا موقع مل سکتا تھا لیکن باوجود اس کے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے میں آلودہ ہو گئے تھے تاہم ازواج مطہرات کا دامن صاف رہا۔ حضرت عائشہؓ کی بڑی حریف حضرت زینبؓ تھیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا تو انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ حاشا یہ محض تہمت ہے۔ حضرت عائشہؓ جب واقعہ افک کا ذکر کرتیں تھیں تو ہمیشہ حضرت زینبؓ کی پاک باطنی کی شکر گزاری ظاہر کرتی تھیں، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتوں میں تفصیلاً مذکور ہے۔

آنحضرت ﷺ جس طرح ازواج مطہراتؓ کی خاطر داری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ ازواج مطہراتؓ سفر میں تھیں، ساربان اونٹ کو تیز ہانکنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا ''دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں''۔

حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انہوں نے کھانا پکا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا، آپ ﷺ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، آنحضرت ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کیے اور ان کو جوڑا پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس

---

[1] کتاب النکاح بخاری شریف۔

کیا۔ [۱]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ سے برہم ہوکر بلند آواز سے باتیں کررہی تھیں، اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے، حضرت عائشہؓ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ ﷺ سے چلا کر بولتی ہے، آنحضرت ﷺ بیچ میں آ گئے اور حضرت عائشہؓ کے آڑے آ گئے، حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کیوں کس طرح تم کو بچالیا؟ چند روز کے بعد حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجئے جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں اور ہاں''۔ [۲]

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ''تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں''۔ بولیں کیونکر؟ ارشاد ہوا جب تو خوش رہتی ہے (اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے) تو یوں قسم کھاتی ہے ''محمد کے خدا کی قسم'' اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے ''ابراہیمؑ کے خدا کی قسم'' حضرت عائشہؓ نے کہا ''ہاں یارسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں''۔ [۳]

حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کمسن تھیں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں آنحضرت ﷺ اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپ ﷺ ان کو بلا کر حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ [۴]

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں جس کو حراب کہتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں پٹہ ہلاتے ہیں حبشی اس سے کھیلتے ہیں، ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آنحضرت ﷺ آگے کھڑے ہو گئے، حضرت عائشہؓ دوش مبارک پر رخسارے رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں؟ بولیں نہیں۔ آپ ﷺ چپ ہو رہے یہاں تک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے، گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے۔ بولیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تو تھے، آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ [۵] عوام میں مشہور ہے کہ پہلے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے، حضرت سلیمانؑ نے اس بنا پر کہ گھوڑوں کی سیر میں ان کی نماز قضا ہوگئی تھی پر کٹوا دیئے، اس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان

---

[۱] بخاری میں یہ روایت کتاب النکاح کے ذیل میں ہے لیکن ازواج کے نام نہیں۔ نسائی میں نام کی تصریح ہے لیکن روایت میں کسی قدر اختلاف ہے۔

[۲] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔

[۳] صحیح مسلم۔

[۴] ایضاً۔

[۵] ابوداؤد کتاب الادب۔

اب بھی باقی ہے' حضرت عائشہؓ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ''آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں'' حضرت عائشہؓ اس وقت تک دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں' جب سن زیادہ ہوا اور پر اندام ہو گئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی' اب کے وہ پیچھے رہ گئیں' آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس دن کا جواب ہے۔[1]

ازواجِ مطہرات اور اہل وعیال کی سادہ زندگی:

انسان بذات خود فاقہ کشی کر سکتا ہے' سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے' زخارف دنیوی کو کلیتاً چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ واقربا یا بالخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل وعیال کے جھگڑوں سے الگ رکھا ہے' دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے۔ آپ ﷺ کے ۹ بیبیاں تھیں جن میں بعض ناز ونعمت میں پلی تھیں اور اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں' اس لیے ان کا قدرتی میلان غذا ہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہو سکتا تھا' متعدد صغیر السن بچے تھے جن کو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کر سکتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اعزہ' اولاد اور ازواج مطہراتؓ کے ساتھ سخت محبت تھی آپ ﷺ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کر دیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی لیکن بایں ہمہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہیں بنایا بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک کی' اس بنا پر آپ ﷺ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اسوہ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی۔

حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں' لیکن انھوں نے آپ ﷺ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا' ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے' بار بار مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گٹے پڑ گئے تھے' گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے' چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے[2] سیاہ ہو جاتے تھے لیکن بایں ہمہ جب انھوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کیلئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء و یتامیٰ کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔[3]

صرف یہی نہیں کہ خود عام طریقہ اظہار محبت کے خلاف ان کو آرائش وزیب وزینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں' ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے' چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو

---

[1] ابوداؤد۔
[2] ابوداؤد۔
[3] ایضاً۔

سونے کا ایک ہار دیا' آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے' چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔[1]

ایک دفعہ آپ ﷺ کسی غزوہ سے تشریف لائے' حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پر پردہ لگایا اور امام حسنؓ و امام حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپ ﷺ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس چلے گئے' حضرت فاطمہؓ کو آپ ﷺ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے' بچے آپ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے' آپ نے فرمایا ''یہ میرے اہل بیت ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف دنیا سے آلودہ ہوں' اس کے بدلے فاطمہؓ کے لیے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ''۔[2] ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کو جو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیادارانہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا' چنانچہ ازواج مطہرات نے جب اچھے کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے ان سے ایلاء کر لیا۔ تمام ازواج میں آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب تھیں لیکن یہ محبت رنگین لباس اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی۔ تمام بیبیوں کا جو لباس تھا وہی حضرت عائشہؓ کا بھی تھا چنانچہ وہ خود فرماتی تھیں۔

﴿ ما کانت لا ھدانا الا ثوب واحد ﴾ (بخاری جلد اول صفحہ ۴۵)

ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔

اگر کبھی اس کے خلاف ان کے بدن پر دنیوی آرائش کے سرو سامان نظر آتے تو آنحضرت ﷺ ان کو منع فرماتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سونے کے کنگن پہنے (سکہ) آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر ورس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں تو بہتر ہوتا''۔ تمام اہل وعیال و خانوادہ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پرتکلف وریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں۔ آپ ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو''۔

انتظام خانگی:

اگرچہ ازواج مطہرات کی تعداد ایک زمانہ میں ۹ تک پہنچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے تاہم آپ ﷺ کو خود بہ نفس نفیس ان چیزوں سے سروکار نہ تھا' اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہو جاتا' یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپ اس وقت تک گھر میں نہ جاتے جب تک وہ بھی کار خیر میں صرف نہ ہو جاتا لیکن ازواج مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے' رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلالؓ کے متعلق تھا۔ ابوداؤد میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا اور آغاز سے اخیر زمانہ وفات تک

---

[1] نسائی کتاب الزینہ۔
[2] نسائی کتاب الزینہ۔

میرے ہاتھ میں رہا تھا۔ معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا' میں جا کر کہیں سے قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا۔ [1]

اہل و عیال کے مصارف کا انتظام:

ازواج مطہراتؓ کے لیے یہ انتظام تھا کہ بنونضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا' وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا۔ [2] خیبر فتح ہوا تو تمام ازواج کے لیے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا تھا۔ وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض ازواج نے جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں پیداوار کے بدلے زمین لے لی۔ [3]

﴿تم المجلّدُ الثانی من السیرة النبویة علی صاحبها الصّلوٰة و التحیّة﴾

[1] جلد دوم باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

[2] بخاری ص ۸۰۶۔

[3] بخاری کتاب المزارعہ جلد اول ص ۳۱۳۔

القاموس الوحید

جامع ترین مکمل عربی اردو لغت

تالیف
مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی
استاذ حدیث وادب عربی و معاون مہتمم دار العلوم دیوبند

مراجعہ وتقدیم
مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی